BAPS201CCT

تقابلی حکومت اور سیاست

(Comparative Government and Politics)

بیچلر آف آرٹس (بی۔اے۔)

(دوسرا سمسٹر)

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

©Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

Course-Bachelor of Arts (B.A.)
ISBN: 978-93-93722-11-9
Edition: **March, 2022**

ناشر : رجسٹرار، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

اشاعت : مارچ، 2022

قیمت : 280 روپے

تعداد : 1500 کاپیاں

ترتیب وتزئین : ڈاکٹر محمد اکمل خان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

سرورق : ڈاکٹر محمد اکمل خان، نظامت فاصلاتی تعلیم، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مطبع : پرنٹ ٹائم اینڈ بزنس انٹرپرائزس، حیدرآباد

Comparative Government and Politics

Editor
Dr. Ishtiyaq Ahmad
Asst. Professor (Public Administration), DDE, MANUU

On behalf of the Registrar, Published by:

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University
Gachibowli, Hyderabad-500032 (TS), Bharat
Director: dir.dde@manuu.edu.in *Publication:* ddepublication@manuu.edu.in
Phone number: 040-23008314 Website: manuu.edu.in

مجلس ادارت

(Editorial Board)

مضمون مدیران

(Subject Editors)

ڈاکٹر اشتیاق احمد (کورس کوآرڈی نیٹر)

اسسٹنٹ پروفیسر (نظم ونسق عامہ)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد

Dr. Ishtiyaq Ahmad (Course Coordinator)

Assistant Professor (Public Administration), DDE, MANUU, Hyderabad

پروفیسر محمد عابد (ریٹائرڈ)

شعبہ سیاسیات, علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ، یو۔پی۔

Prof. Mohd Abid (Retd.)

Dept. of Political Science, AMU. Aligarh , U.P

پروفیسر مہتاب منظر (ریٹائرڈ)

شعبہ سیاسیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

Prof. Mahtab Manzar (Retd.)

Dept. of Political Science, JMI, New Delhi

پروفیسر محمد عمر (ریٹائرڈ)

شعبہ سیاسیات، ڈاکٹر بھیم راؤ امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی، اورنگ آباد، مہاراشٹرا

Prof. Mohd Umar (Retd.)

Dept. of Political Science, Dr. B.R.A.M.U, Aurangabad, MH

ڈاکٹر عبدالقیوم

اسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ نظم ونسق عامہ، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Abdul Qayyum

Asso. Prof., Dept. of Public Administration, MANUU, Hyderabad

پروفیسر افروز عالم

صدر، شعبہ سیاسیات، مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Prof. Afroz Alam

Head, Dept. of Political Science, MANUU, Hyderabad

ڈاکٹر محمد شاہد عالم

گیسٹ فیکلٹی (سیاسیات)، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد

Dr. Md. Shahid Alam

Guest Faculty (Political Science), DDE, MANUU, Hyderabad

زبان مدیر

(Language Editor)

ڈاکٹر محمد اکمل خان

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

Dr. Mohd Akmal Khan

Directorate of Distance Education

Maulana Azad National Urdu University, Hyderabad

نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی

حیدرآباد-32، تلنگانہ-بھارت

کورس کو آرڈی نیٹر

ڈاکٹر اشتیاق احمد

اسسٹنٹ پروفیسر (نظم ونسق عامہ)، نظامت فاصلاتی تعلیم

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد

مصنفین	اکائی نمبر
• جناب اختر رضا، ٹی جی ٹی ٹیچر، مانو ماڈل اسکول، نوح، ہریانہ	اکائی 1
• ڈاکٹر محمد طارق انور، پرنسپل، ایس ڈی ایس پی جی کالج، مرزاپور، ضلع شاہجہانپور، یوپی	اکائی 2,5,9,13,23,24
• ڈاکٹر نعمان حیدر، اسسٹنٹ پروفیسر، ارریہ کالج، ارریہ، بہار	اکائی 3،21،22
• ڈاکٹر ظفر عالم، گیسٹ فیکلٹی، سیاسیات، مانو سیٹلائٹ کیمپس، لکھنؤ	اکائی 4
• ڈاکٹر محمد شاہد عالم، گیسٹ فیکلٹی، سیاسیات، نظامت فاصلاتی تعلیم، مانو، حیدرآباد	اکائی 6،7،8
• ڈاکٹر عبدالقیوم، اسوشی ایٹ پروفیسر، شعبہ نظم ونسق عامہ، مانو، حیدرآباد	اکائی 10،11
• ڈاکٹر اکبر القادری، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ تعلیم، مندسور یونیورسٹی، مندسور، مدھیہ پردیش	اکائی 12،14
• ادیبہ ناز، کریسنٹ جونئر کالج، برکت پورہ، نظام آباد	اکائی 15،16
• ڈاکٹر عریشہ سلطانہ، تلنگانہ ماڈل اسکول اینڈ جونئر کالج، رینجل، نظام آباد، تلنگانہ	اکائی 17،18،19،20

پروف ریڈرس:

اول	:	ڈاکٹر محمد شاہد عالم
دوم	:	ڈاکٹر محمد اکمل خان
فائنل	:	ڈاکٹر اشتیاق احمد

فہرست

پیغام	وائس چانسلر	7
پیغام	ڈائرکٹر	8
کورس کا تعارف	کورس کوآرڈی نیٹر	9
بلاک I	**تعارف**	
اکائی1	تقابلی سیاست کے معنی، نوعیت اور وسعت	11
اکائی2	تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت	25
اکائی3	تقابلی حکومت اور سیاست: روایتی نقطہ نظر	39
اکائی4	تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے	55
بلاکII	**حکومت کی شکلیں**	
اکائی5	حکومت کی مختلف شکلیں	68
اکائی6	وحدانی حکومت	83
اکائی7	وفاقی حکومت	97
اکائی8	پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت	110
بلاکIII	**حکومت کی شاخیں**	
اکائی9	تعارف: حکومت کے مختلف شاخیں	124
اکائی10	مقننہ	139
اکائی11	عاملہ	152
اکائی12	عدلیہ	166

بلاک IV	جماعتی نظام اور سیاسی طریقہ عاملہ	
اکائی 13	سیاسی جماعتیں: معنی اور نوعیت	181
اکائی 14	سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی	198
اکائی 15	قومی جماعتوں کے فرائض	212
اکائی 16	علاقائی جماعتوں کے فرائض	227
بلاک V	انتخاب اور نمائندگی	
اکائی 17	انتخابی نظام	240
اکائی 18	نمائندگی کے طریقے	254
اکائی 19	انتخابات اور اس کے عوامل	268
اکائی 20	انتخابی کمیشن کے کردار	283
بلاک VI	کیس اسٹڈی	
اکائی 21	ہندوستانی حکومت اور سیاست	296
اکائی 22	برطانیہ کی حکومت اور سیاست	311
اکائی 23	امریکہ کا تقابلی سیاست	325
اکائی 24	سوئٹزرلینڈ کی تقابلی سیاست	339
نمونہ امتحانی پرچہ		354

پیغام

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی 1998 میں وطنِ عزیز کی پارلیمنٹ کے ایکٹ کے تحت قائم کی گئی۔ اس کے چار نکاتی مینڈیٹس یہ ہیں۔ (1) اردو زبان کی ترویج و ترقی (2) اردو میڈیم میں پیشہ ورانہ اور تکنیکی تعلیم کی فراہمی (3) روایتی اور فاصلاتی تدریس سے تعلیم کی فراہمی اور (4) تعلیم نسواں پر خصوصی توجہ۔ یہ وہ بنیادی نکات ہیں جو اِس مرکزی یونیورسٹی کو دیگر مرکزی جامعات سے منفرد اور ممتاز بناتے ہیں۔ قومی تعلیمی پالیسی 2020 میں بھی مادری اور علاقائی زبانوں میں تعلیم کی فراہمی پر کافی زور دیا گیا ہے۔

اُردو کے ذریعے علوم کو فروغ دینے کا واحد مقصد و منشا اُردو داں طبقے تک عصری علوم کو پہنچانا ہے۔ ایک طویل عرصے سے اُردو کا دامن علمی مواد سے لگ بھگ خالی رہا ہے۔ کسی بھی کتب خانے یا کتب فروش کی الماریوں کا سرسری جائزہ اس بات کی تصدیق کر دیتا ہے کہ اُردو زبان سمٹ کر چند "ادبی" اصناف تک محدود رہ گئی ہے۔ یہی کیفیت اکثر رسائل و اخبارات میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ اردو میں دستیاب تحریریں قاری کو کبھی عشق و محبت کی پُر پیچ راہوں کی سیر کراتی ہیں تو کبھی جذباتیت سے پُر سیاسی مسائل میں اُلجھاتی ہیں، کبھی مسلکی اور فکری پس منظر میں مذاہب کی توضیح کرتی ہیں تو کبھی شکوہ و شکایت سے ذہن کو گراں بار کرتی ہیں۔ تاہم اُردو قاری اور اُردو سماج دور حاضر کے اہم ترین علمی موضوعات سے نابلد ہیں۔ چاہے یہ خود ان کی صحت و بقا سے متعلق ہوں یا معاشی اور تجارتی نظام سے، یا مشینی آلات ہوں یا ان کے گرد و پیش ماحول کے مسائل ہوں، عوامی سطح پر اِن شعبہ جات سے متعلق اردو میں مواد کی عدم دستیابی نے عصری علوم کے تئیں ایک عدم دلچسپی کی فضا پیدا کر دی ہے۔ یہی وہ مبارزات (Challenges) ہیں جن سے اُردو یونیورسٹی کو نبرد آزما ہونا ہے۔ نصابی مواد کی صورت حال بھی کچھ مختلف نہیں ہے۔ اِسکولی سطح پر اُردو کتب کی عدم دستیابی کے چرچے ہر تعلیمی سال کے شروع میں زیر بحث آتے ہیں۔ چوں کہ اُردو یونیورسٹی کا ذریعہ تعلیم اُردو ہے اور اس میں عصری علوم کے تقریباً سبھی اہم شعبہ جات کے کورسز موجود ہیں لہٰذا اِن تمام علوم کے لیے نصابی کتابوں کی تیاری اِس یونیورسٹی کی اہم ترین ذمہ داری ہے۔ انہیں مقاصد کے حصول کے لیے اردو یونیورسٹی کا آغاز فاصلاتی تعلیم سے 1998 میں ہوا تھا۔

مجھے اِس بات کی بے حد خوشی ہے کہ اس کے ذمہ داران بشمول اساتذہ کرام کی انتھک محنت اور ماہرین علم کے بھرپور تعاون کی بنا پر کتب کی اشاعت کا سلسلہ بڑے پیمانے پر شروع ہو گیا ہے۔ فاصلاتی تعلیم کے طلباء کے لیے کم سے کم وقت میں خود اکتسابی مواد اور خود اکتسابی کتب کی اشاعت کا کام عمل میں آگیا ہے۔ پہلے سمسٹر کی کتب شائع ہو کر طلباء و طالبات تک پہنچ چکی ہیں۔ دوسرے سمسٹر کی کتابیں بھی جلد طلباء تک پہنچیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ اس سے ہم ایک بڑی اردو آبادی کی ضروریات کو پورا کر سکیں گے اور اِس یونیورسٹی کے وجود اور اِس میں اپنی موجودگی کا حق ادا کر سکیں گے۔

پروفیسر سید عین الحسن

وائس چانسلر

پیغام

فاصلاتی طریقۂ تعلیم پوری دنیا میں ایک انتہائی کارگر اور مفید طریقۂ تعلیم کی حیثیت سے تسلیم کیا جاچکا ہے اور اس طریقۂ تعلیم سے بڑی تعداد میں لوگ مستفید ہورہے ہیں۔ مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی نے بھی اپنے قیام کے ابتدائی دنوں ہی سے اردو آبادی کی تعلیمی صورت حال کو محسوس کرتے ہوئے اِس طرزِ تعلیم کو اختیار کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا آغاز 1998 میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور ٹرانسلیشن ڈویژن سے ہوا اوراس کے بعد 2004 میں باقاعدہ روایتی طرز تعلیم کا آغاز ہوا اور بعد ازاں متعدد روایتی تدریس کے شعبہ جات قائم کیے گئے۔ نو قائم کردہ شعبہ جات اور ٹرانسلیشن ڈویژن میں تقرریاں عمل میں آئیں۔ اس وقت کے اربابِ مجاز کے بھرپور تعاون سے مناسب تعداد میں خود مطالعاتی مواد تحریر و ترجمے کے ذریعے تیار کرائے گئے۔

گزشتہ کئی برسوں سے یو جی سی۔ ڈی ای بی UGC-DEB اس بات پر زور دیتا رہا ہے کہ فاصلاتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات کو روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات اور نظامات سے کماحقہ ہم آہنگ کرکے نظامتِ فاصلاتی تعلیم کے طلبا کے معیار کو بلند کیا جائے۔ چوں کہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فاصلاتی اور روایتی طرزِ تعلیم کی جامعہ ہے، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے یو جی سی۔ڈی ای بی کے رہنمایانہ اصولوں کے مطابق نظامتِ فاصلاتی تعلیم اور روایتی نظامِ تعلیم کے نصابات کو ہم آہنگ اور معیار بلند کرکے خود اکتسابی مواد SLM از سرِ نو بالترتیب یو جی اور پی جی طلبا کے لیے چھ بلاک چوبیس اکائیوں اور چار بلاک سولہ اکائیوں پر مشتمل نئے طرز کی ساخت پر تیار کرائے جارہے ہیں۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم یو جی، پی جی، بی ایڈ، ڈپلوما اور سرٹیفکیٹ کورسز پر مشتمل جملہ پندرہ کورسز چلارہا ہے۔ بہت جلد تکنیکی ہنر پر مبنی کورسز بھی شروع کیے جائیں گے۔ متعلمین کی سہولت کے لیے 9 علاقائی مراکز بنگلورو، بھوپال، دربھنگہ، دہلی، کولکاتا، ممبئی، پٹنہ، رانچی اور سری نگر اور 5 ذیلی علاقائی مراکز حیدرآباد، لکھنؤ، جموں، نوح اور امراوتی کا ایک بہت بڑا نیٹ ورک تیار کیا ہے۔ ان مراکز کے تحت سرِ دست 155 متعلم امدادی مراکز (Learner Support Centres) کام کررہے ہیں، جو طلبا کو تعلیمی اور انتظامی مدد فراہم کرتے ہیں۔ نظامت فاصلاتی تعلیم نے اپنی تعلیمی اور انتظامی سرگرمیوں میں آئی سی ٹی کا استعمال شروع کردیا ہے، نیز اپنے تمام پروگراموں میں داخلے صرف آن لائن طریقے ہی سے دے رہا ہے۔

نظامتِ فاصلاتی تعلیم کی ویب سائٹ پر متعلمین کو خود اکتسابی مواد کی سافٹ کاپیاں بھی فراہم کی جارہی ہیں، نیز جلد ہی آڈیو۔ویڈیو ریکارڈنگ کا لنک بھی ویب سائٹ پر فراہم کیا جائے گا۔ اس کے علاوہ متعلمین کے درمیان رابطے کے لیے ایس ایم ایس کی سہولت فراہم کی جارہی ہے، جس کے ذریعے متعلمین کو پروگرام کے مختلف پہلوؤں جیسے کورس کے رجسٹریشن، مفوضات، کونسلنگ، امتحانات وغیرہ کے بارے میں مطلع کیا جاتا ہے۔

امید ہے کہ ملک کی تعلیمی اور معاشی حیثیت سے پچھڑی اردو آبادی کو مرکزی دھارے میں لانے میں نظامتِ فاصلاتی تعلیم کا بھی نمایاں رول ہوگا۔

پروفیسر محمد رضا اللہ خان

ڈائرکٹر، نظامت فاصلاتی تعلیم

کورس کا تعارف

علم سیاست کے میدان میں تقابلی سیاست اور حکومت کا ایک وسیع اور مخصوص مقام ہے۔ یہ ایک متحرک مضمون ہے اور اس کے مطالعے میں مسلسل تبدیلی آتی رہی ہے۔ تقابلی سیاست اور حکومت ایک ایسا مخصوص میدان ہے جس نے سیاسیات کے مطالعے کو ایک نئی پہچان دی ہے۔ تقابلی سیاست اور حکومت علم سیاسیات کی ایک شاخ ہے جو تقابلے مطالعے پر مبنی ہے۔ تقابلی سیاست میں دو یا دو سے زیادہ ممالک کی سیاست اور حکومت کے ادارے کا تقابلی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ لیکن تقابلی سیاست کی ایک طویل تاریخ رہی ہے۔ تقابلی سیاست اور حکومت کے معنی و مفہوم اور وسعت میں کافی تبدیلی آئی ہے۔ اس میں ایک بڑی تبدیلی یہ ہوئی ہے کہ پہلے تقابلی سیاست اور حکومت کے مطالعے کے تحت محض کچھ ملکوں کی حکومتوں اور ان کے رسمی اداروں جیسے مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کے مطالعے تک ہی محدود تھا لیکن 1950 اور 1960 کے بعد ہیر الڈ لاسویل، گیبر ئل آمنڈ اور دیگر مختلف مشہور دانشوروں نے تقابلی سیاست اور حکومت کو تراشنے کا بیڑا اٹھایا اور تقابلی سیاست اور حکومت کے دائرے کو وسیع کیا۔ اس کے بعد تقابلی سیاست اور حکومت کے مطالعے میں رسمی اور غیر رسمی اداروں کا مطالعہ بھی کیا جانے لگا۔

یہ کتاب "تقابلی سیاست اور حکومت" مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے فاصلاتی تعلیم کے بی۔اے سیاسیات کے سمسٹر دوم کے طلبا و طالبات کے لیے تیار کی گئی ہے۔ اس کی تیاری میں UGC-DEB کے تمام احکامات اور رہنمایانہ اصولوں کا خیال رکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں "تقابلی سیاست اور حکومت" کو متعارف کرایا گیا ہے۔ یہ کتاب ہر اس شخص کے لیے مفید ہے جو علم سیاسیات کا طالبِ علم ہے۔ اس کتاب کی زبان بہت سہل ہے۔ ایسی کتابیں اردو ذریعہ تعلیم میں دستیاب نہیں ہیں، اور جو دستیاب ہیں بھی انہیں ہم عصر تبدیلیوں کے مطابق ترمیم نہیں کیا گیا ہے۔

یہ کورس چھے بلاک میں منقسم ہے اور ہر بلاک چار اکائیوں پر مشتمل ہے، جس میں کل چوبیس اکائیاں ہیں۔ پہلے بلاک میں "تقابلی سیاست کا تعارف، تقابلی سیاست کے معنی، نوعیت اور وسعت، تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت، تقابلی سیاست اور حکومت کی روایتی نقطہ نظر اور جدید طریقے" کو متعارف کرایا گیا ہے۔ دوسرے بلاک میں " حکومت کی مختلف شکلیں، وحدانی حکومت، وفاقی حکومت، پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت کا خاکہ" پیش کیا گیا ہے۔ تیسرے بلاک میں "حکومت کی شاخیں، تعارف: حکومت کی مختلف شاخیں، مقننہ، عاملہ اور عدلیہ" کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھے بلاک میں " جماعتی نظام اور سیاسی طریقہ عمل، سیاسی جماعتیں: معنی اور نوعیت، سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی، قومی جماعتوں کے فرائض اور علاقائی جماعتوں کے فرائض" کو پیش کیا گیا ہے۔ ۔پانچویں بلاک میں " انتخاب اور نمائندگی، انتخابی نظام، نمائندگی کے طریقے، انتخاب اور اس کے عوامل اور انتخابی کمیشن کے کردار" کا تفصیل سے تذکرہ کیا گیا ہے۔ چھٹے بلاک میں "ہندوستانی حکومت، برطانیہ کی حکومت اور سیاست، امریکہ کی تقابلی سیاست اور سویٹزرلینڈ کی تقابلی سیاست" کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔

امید ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر سماجی علوم خاص طور سے علم سیاسات کا مطالعہ کرنے والے طلبا و طلبات کی رہنمائی کرے گی اور ان کے لیے مفید ثابت ہوگی۔ اور ان کی لیاقت و صلاحیت میں اضافہ کرے گی۔

ڈاکٹر اشتیاق احمد

کورس کو آرڈی نیٹر

تقابلی حکومت اور سیاست

(Comparative Government and Politics)

اکائی 1۔ تقابلی سیاست کے معنی، نوعیت اور وسعت

(Meaning, Nature, and Scope of Comparative Politics)

اکائی کے اجزا

1.0 تمہید

1.1 مقاصد

1.2 تقابلی سیاست کے معنی اور مفہوم

1.3 تقابلی سیاست کا ارتقا

1.4 تقابلی سیاست کی نوعیت اور وسعت

1.5 تقابلی سیاست کی خصوصیات

1.6 تقابلی حکومت اور تقابلی سیاست

1.7 دوسری عالمی جنگ کے بعد تقابلی سیاست کا دور

1.8 تنقید

1.9 اکتسابی نتائج

1.10 کلیدی الفاظ

1.11 نمونہ امتحانی سوالات

1.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

1.0 تمہید(Introduction)

تقابل انسان کے اندر پائے جانے والے ایک خلقی رجحان کا نام ہے جو اسے دوسروں کی طرح اپنے طرز عمل کی جانچ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ جاننے کا خواہش مند رہتا ہے کہ لوگ اس کے آس پاس کس طرح زندگی گزارتے ہیں، برتاو کرتے اور عمل کرتے ہیں۔ سیاسی تقابل کا مطالعہ عصری علم سیاسیات کا دل مانا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقابلی سیاست تمام ملکوں میں بڑھتی ہوئی اہمیت کا ایک شعبہ بن گیا ہے. موجودہ زمانے کے جدید سماجی علوم نے ہمارے آس پاس کے حقائق کی تجرباتی دنیا کا منظم طور پر موازنہ کرنے اور، مشاہدہ کرنے کی ہماری طاقت میں اضافہ کیا ہے، اور نیز ان میں سے بہت سے حقائق اور عمل کی کیفیتی پیائش اور منطقی اور ریاضیاتی تجزیے کو ہمارے تابع کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے اور اس کے علاوہ اس جدید زمانے میں رویہ جاتی علوم (Behavioral Sciences) نے بھی ہمیں نئ اور جزوی طور پر تصدیق شدہ معلومات سے بحث کرنے کا ایک اچھا طریقہ فراہم کیا ہے کہ لوگ انفرادی اور گروہی طور پر کس طرح سوچتے ہیں، محسوس کرتے ہیں، ادراک کرتے ہیں اور عمل کرتے ہیں۔ تقابلی سیاست کی تعریف کرنے سے پہلے ہم تقابل اور سیاست (Comparative and Politics) کی اصطلاح کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔

تقابل کے ذریعے ایک شخص ان سرگرمیوں کے طریقوں اور نمونوں کو دیکھ سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے جو مختلف حکومتوں کے ذریعے اپنایا جاتا ہے، مختلف نظریات، عمل اور فیصلہ سازی کا تجزیہ کر سکتا ہے اور ایک موضوع کے تحت مخصوص خصوصیات کی اہمیت سے متعلق قضیہ اور مواد (Data) کے درجے اور ترتیب کے مابین تعلقات کی جانچ کر سکتا ہے۔ موازنہ اور تقابل مختلف مواد کو ترتیب دینے کے لیے تعمیم، اطلاق (Generalization) کی منظم تجرباتی جانچ کی اجازت دیتا ہے۔

سیاست (Politics) کی اصطلاح کی کہانی کا تانابانا پولس (Polis) یعنی قدیم یونان کے City-State یعنی شہری ریاست کے معاشرے سے بُنا گیا ہے۔ افلاطون (Plato)، ارسطو (Aristotle) اور ان کے ہم عصروں نے سیاست کو شہر یا ریاست کے معاملات سے جوڑ کر دیکھا۔ تاہم سیاست ایک انسان کا متعدد سماجی سرگرمیوں میں سے ایک سرگرمی کا نام ہے۔ اس کا حقیقی مفہوم معاشرے میں رہنے والے افراد کا سیاسی ذرائع کو استعمال کر کے بنیادی حقوق کا حصول ہے۔ سیاست اس طرح ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے انسان معاشرے کو حکم دیتا ہے جس میں وہ انسان کے انجام سے باخبر ہو کر اپنے سیاسی نظریات کے مطابق زندگی گزارتا ہے۔

سیاست کا مطالعہ اس انداز اور طریقہ کی تفصیل کی وضاحت سے وابستہ ہے جس میں طاقت کو حاصل کیا جاتا ہے، استعمال کیا جاتا ہے اور قابو کیا جاتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ فیصلہ کس طرح لیا جارہا ہے اور کس تناظر میں ہو رہا ہے نیز سیاست نام ہے۔ مختصر سیاست نام ہے طاقت / اقتدار کی تقسیم کے لیے جدوجہد کا) کرنا یا طاقت کی تقسیم کو متاثر کرنے کی کوشش کرنا اور یہ تقسیم چاہے ریاستوں کے مابین ہو یا ریاست میں گروہوں کے مابین ہو۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیاست طاقت، حکومت اور اقتدار اعلیٰ سے بحث کرنے کا نام ہے۔

1.1 مقاصد (Objectives)

طلبا اس اکائی کے مطالعے کے بعد اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- تقابلی سیاست کی تعریف کی وضاحت کر سکیں۔
- تقابلی سیاست کے فروغ کو سمجھ سکیں۔
- تقابلی حکومت اور تقابلی سیاست پر بحث کر سکیں۔

1.2 تقابلی سیاست کے معنی اور مفہوم (Meaning of Comparative Politics)

تقابلی سیاست رویہ، ادارہ، عمل، خیال (Ideas) اور ان اخلاقیات سے وابستہ ہوتی ہے جو ایک صدی سے موجود ہیں۔ یہ ایک سے زیادہ قومی ریاستوں کے مابین ان ضوابط اور نمونوں، مماثلت اور تفریق کو تلاش کرتا ہے جو حکومتوں کے اعتقاد اور یقین اور کام کرنے والی بنیادی نوعیت کی وضاحت میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔ تقابلی سیاست سیاسی سرگرمیوں کے ایک وسیع تر سلسلے کا مطالعہ کرتا ہے جس میں حکومت اور اس کے ادارے اور وہ تنظیمیں شامل ہیں جن کا تعلق قومی حکومت سے براہ راست نہ ہو مثلاً قبائل، برادری انجمن اور یونین وغیرہ سے ہے۔ تقابلی سیاست سیاسیات کی طرح ہی نظریات اور طریقہ کار پر مشتمل ہوتا ہے۔ نظریات منظم طور پر اطلاق عامہ (Generalization) کی طرف منسوب ہوتی ہیں جب کہ طریقہ (Methods) ایک عمل کا نام ہے جو تکنیک اور آلات پر مشتمل ہوتا ہے اور جن کا استعمال نظریات کی جانچنے، اور تفتیش کرنے میں ہوتا ہے۔ تقابلی سیاست کا تعلق سیاسی سرگرمیوں کے بنیادی اصولوں، بنیادی اقدار اور عقائد سے بھی ہے۔ تقابلی سیاست کا میدان قوموں اور اس کے سیاسی نظام کے تقابلی مطالعہ اور منظم مطالعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ عملی طور پر تقابلی سیاست کا پہلا کام موازنہ کرنا ہوتا ہے اور موازنہ کرنے کا مطلب مماثلت اور فرق کو بیان کرتا ہے۔

تقابلی سیاست حقیقی دنیا (Real world) کو بیان کرتی ہے اور ان وضاحتوں کی بنیاد پر درجہ بندی اور اور تمثیلیات (Typology) کو قائم کرتی ہے۔ مثال کے طور پر ہم انتخابی نظام کی مختلف اقسام کی درجہ بندی کرتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ مماثلت اور فرق کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ مثلاً پر کیوں فرانس اور روس میں سماجی انقلاب آیا لیکن جرمنی اور جاپان میں نہیں؟ امریکہ میں ایک بھی سماجیت پسند (Socialist Party) پارٹی کیوں نہیں ہے جب کہ یہ دوسرے مغربی جمہوری ملکوں میں ہے؟ امریکہ اور سوئزرلینڈ میں انتخابی فیصد (Vote Pecentage) کسی دوسری جمہوریت کے بہ نسبت اتنا کم کیوں ہے؟ جیسا کہ تمام سائنسی مضامین کی طرح ہم ان فرقوں / اختلافات (متغیرات کو قابو کرنے کے لیے) کو واضح کرنے کی کوشش کرتے ہوئے مفروضات کو قائم کرتے ہیں اور تجرباتی اعداد وشمار / مواد کا استعمال ان کی جانچ کے لیے کرتے ہیں تاکہ یہ جان سکیں کہ مفروضات حقیقت میں صحیح ثابت ہوتے ہیں یا نہیں اس طریقہ کو اپنا کر معلومات کے نتیجے تک پہنچا جا سکتا ہے اور اطلاق عامہ کا حصول کیا جا سکتا ہے اور نظریات قائم کیے جا سکتے ہیں اور ان میں بہتری بھی لائی جا سکتی ہے۔ مثلاً یہ تجرباتی طور پر تصدیق شدہ ہے کہ متناسب نمائندگی زیادہ سے زیادہ منقسم علاحدہ اور منتشر پارٹی نظام کو وجود میں لاتا ہے۔

1.3 تقابلی سیاست کا ارتقا (Development of Comparative Politics)

تقابلی سیاست کا مطالعہ 1950 کے دہائی میں اس وقت بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہو گیا تھا جب معروف امریکی ماہرین سیاسیات کی ایک اچھی تعداد نے اس موضوع کے مطالعے کو اپنا کر سیاست کے میدان کو غیر ملکی سے تقابلی سیاسی رجحان میں اور اسی طرح حکومت کے مطالعے سے سیاسی نظام میں منتقل کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اس موضوع کی تاریخی پیش رفت کو تین مراحل غیر مہذب، مہذب اور زیادہ مہذب میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سیاست کے مطالعے میں ارسطو، میکاویلی، de Tocqueville, Bryce, Ostrogorski اور ویبر جیسی عظیم شخصیات کا علمی تعاون رہا ہے۔ ان کا تعلق پہلے مرحلہ سے ہے اور نیز جنہوں نے سیاسی تنظیموں کے کام کاج کی اچھی سمجھ بوجھ کے بنیادی مقصد کے تحت تقابلی طریقے کو آسانی سے استعمال کیا۔ ان مصنفین نے تقابلی طریقے کو استعمال کیا جس کا مقصد موجودہ سیاست کا مطالعہ یا وہ جو سیاست سے متعلق جو بھی طریقہ ماضی میں پائے جاتے تھے کے ذریعے مخصوص مواد کو جمع کرنا تھا تاکہ تفتیش کرنے والا انتخاب، تقابل، موازنہ اور کانٹ چھانٹ کے ذریعے سیاسی تاریخ کی ترقی پذیر قوت اور مثالی اقسام کی کھوج کر سکے۔

کچھ موجودہ اہم مصنفین جیسے Samuel H.Beer, M.Hass, Bernard Ulma اور Roy C.M کی علمی کاوشوں کو دوسرے مرحلے میں شامل کیا جاسکتا ہے جنہوں نے بہتر خود شعوری کو بروئے کار لاتے ہوئے تقابلی طریقے کا استعمال کیا اور ہوش مندی کا ثبوت دیتے ہوئے مختلف سیاسی اداروں سے متعلق مفید مطالعے کو پیش کیا۔ وہ موازنہ کے شعبوں، مطالعات، مماثلاتی مطالعات، ادارہ جاتی اور عملی موازنہ اور مسائل کی واضح واقفیت سے متعلق مختلف حکمت عملی سے تعلق رکھتے ہیں نیز وہ متعدد تصوراتی طریقیاتی مسائل، موازنہ کے لیے متفقہ درجہ بندی کا قیام، مسئلہ اور مخالف ثقافتی مشکلات کی حیثیت سے جواز و اثبات تقابلی سیاست کے دائرہ کار اور نوعیت سے بحث کریں تقابلی سیاست کے دائرہ کار اور نوعیت سے بحث کرتے ہیں اور مواد کی دستیابی سے تعلق رکھتے ہیں۔

ڈویڈ ایسٹن، گیبریل اے آلمنڈ، جیمس سی کولمن، کارل ڈوئش(Karl Deutch)، جی بی پاویل(G.G.Powell)، ہیرالڈ لاسویل(Herald Laswell)، روبرٹ اے ڈاہل(Robert A. Dahal), ایڈورڈ شیلز(Adward Deshields)، ہیری اکسٹائن(Hery Actine)، ڈویڈ اپٹر(David Aptor)، لوشن ڈبلیو پائی(Lucian W. Pye)، سیڈنی وربا مایرن ویز (Sidney Verba) اور دوسرے سیاسی فلسفیوں کے علمی تعاون کو آخری مرحلہ میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس مرحلے سے تعلق رکھنے والے سیاسی ماہرین نے تقابلی تجزیے کی بنیاد پر اپنا تعاون پیش کرنے کی خاطر بین تعلق تصورات(Inter - related Set of Concept) کا طریقہ استعمال کیا۔ نیز انہوں نے اپنے انداز میں ایک مخصوص قسم کا ذخیرہ الفاظ فراہم کیا۔ جیسا کہ روبرٹ کہتے ہیں کہ ایسٹن انپوٹ، آؤٹپوٹ، مطالبات، دربان / محافظ، حمایت، تناؤ، ماحول، رائے، اقدار، تنقیدی حدود اور سیاسی اقتدار کی بات کرتا ہے۔ اور اسی طرح آلمنڈ انپوٹ اور آؤٹپوٹ افعال کا ایک سیٹ (Set) پیش کرتا ہے۔ ڈوئش نے ایک سائیبر نیٹک زبان مستعار لی ہے جس کا اطلاق سیاسی نظاموں اور متعدد اقسام کے تاثرات کے تصور جیسے اقتدار / خود مختاری، حافظہ (Memory) بوجھ (Load) قیادت (Lead), حصول(Gain) وصول کنندہ (Receptor) مواصلات, معلومات کا منتخب انکشاف وغیرہ پر ہوتا ہے۔ آلمنڈ کا عالمگیریت کا مقصد اس طرح کی زبانوں کے انتخاب کے

مقصد کو پورا کرتا ہے۔ وہ سائز، مدت، ترقی کی حد اور دوسرے عوامل سے قطع نظر کسی بھی سیاسی اکائی پر اطلاق کے لیے بالکل عام ہیں۔

1.4 تقابلی سیاست کی نوعیت اور وسعت (Nature and Scope of Comparative Politics)

تقابلی سیاست کے میدان میں اصطلاح سیاست اپنے اندر تین مفہوم رکھتی ہے۔ سیاسی سرگرمی، سیاسی عمل اور سیاسی طاقت۔ سیاسی سرگرمیاں ان کوششوں پر مشتمل ہوتی ہیں جن کے ذریعے تنازعات جیسے حالات پیدا ہوتے ہیں اور حتی الامکان لوگوں سے وابستہ ان مفادات کو مد نظر رکھ کر حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو اقتدار کی جدوجہد میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ تناؤ میں کمی یا تنازعات کا حل فطری طور پر وقتاً فوقتاً تناؤ میں کمی مستقل میکانزم کے عمل کے ذریعے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہنگامی صورت حال میں تناؤ اور تنازعات کی مقدار کو کم کرنے کے لیے ایک اضافی میکانزم کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ اگر سیاست کا مطلب اقدار کی حاکمانہ تقسیم سے ہے تو تنازعات کا کچھ حصہ عوام کے مطلوبہ اقدار اور وہ لوگ جو حکومت میں ہیں کے اقدار کے مابین تصادم کا ہونا لازمی ہے۔ اس طرح پیدا ہونے والے تنازعات کا حل ہونا چاہیے۔ اس سلسلے میں جو بھی کوششیں کی جاتی ہیں وہ تمام کے تمام سیاسی سرگرمی پر مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ حکومت ہی ہوتی ہے کہ ہر حال میں اس کو اپنے اختیار کا بہتر استعمال کرتے ہوئے تنازعات کا حل کرنا چاہتی ہے لیکن ایسا کرتے ہوئے اس کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ حکومت کے نظم ونسق اور تانے بانے پر کوئی آنچ نہ آئے۔

سیاست سے مراد صرف سیاسی سرگرمی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد تربیت پر مبنی سرگرمی بھی ہوتی ہے یعنی کشیدگی کے حالات پیدا کرنے اور ان کے حل کی طرف راغب ہونے والی کوششیں برجستہ اتفاق رائے سے کی جانی چاہیے ۔ سیاسی سرگرمیاں ایک ناخوشگوار حالت سے شروع ہوتی ہیں اور ایک ایسے انسانی رویے کا حصہ بن جاتی ہیں جس میں تصادم اور تعامل فرد اور افراد کے مابین مفاد اور ناگزیر اقتدار کے حصول، مختص اور تقسیم کو لے کر ہوتا ہے۔

سیاسی عمل سیاسی سرگرمی کے مفہوم میں ایک وسعت کا نام ہے۔ یہاں ان تمام ایجنسیوں سے متعلق ہوا معاملہ ہوتا ہے جن کا فیصلہ سازی کے عمل میں ان کے کردار کی وضاحت کرتا ہے۔ سیاست کے مطالعہ کو اس طرح توسیع دی گئی ہے تاکہ غیر ریاستی ایجنسیوں کو بھی شامل کیا جاسکے۔ گروپوں اور تنظیموں کے طریقہ کار کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اقتدار کی جدوجہد کے رجحانات سے آزاد ہے اور ان کے اندرونی تنازعات اور تناؤ سے نمٹنے کے لیے ان کی داخلی حکومتیں ہیں۔ ہمارے مقصد کے لیے خاص طور پر جو چیز اہم ہے وہ یہ کہ یہ غیر ریاستی تنظیمیں اپنے مخصوص مفادات کے تحفظ اور فروغ کے لیے ملک کی حکومت پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس طرح گروپوں اور ملک کی حکومت کے مابین تعامل کا عمل بہت تیز ہوتا ہے۔ حکومت کے ذریعے پالیسی سازی میں حصہ لینا یا حکومت کا بننا سیاسی عمل ہے۔

چوں کہ تقابلی سیاست ان تمام کو شامل کرتی ہے جو سیاسی سرگرمی اور سیاسی عمل کے وسعت کے تحت آتے ہیں۔ ایک کہاوت کے طور پر کہا جاتا ہے کہ کسی بھی برادری میں موجود جزوی حکومتوں کی پوری کائنات میں قومی حکومت کو غرق کردیں۔

مختصر یہ کہ تقابلی سیاست کے دائرہ کار میں تمام سیاسی طاقت شامل ہیں۔ طاقت (Power) کی اصطلاح کو مختلف مصنفین نے مختلف

طریقوں سے بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر کارل جے فریڈریک نے اسے انسانی رشتے کی ایک خاص نوع کی حیثیت سے بیان کیا کرتا ہے۔ Tawney کے مطابق ایک فرد کی صلاحیت یا افراد کی ایک گروہ کا دوسرے افراد یا گروہ کی عادت و اطوار میں جس طرح بھی وہ چاہیں ترمیم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فیصلہ کرنے کے معاملے میں طاقت کے کردار کا حوالہ دیتے ہوئے لاسویل کہتا ہے کہ فیصلہ کرنا ایک بین ذاتی عمل ہے۔ دیگر افراد جن پالیسیوں پر عمل پیرا ہیں وہی فیصلہ کیا جاتا ہے۔ فیصلہ کرنے میں حصہ لینے کے طور پر طاقت ایک باہمی رشتہ ہے۔ اس طرح سیاست طاقت کے استعمال میں ایک خاص اہمیت کو نہیں ظاہر کرتا ہے۔ یعنی دوسرے کے طرز عمل کو اپنے طرز عمل میں ڈھالنے کی کوشش کرنا ایسا نہیں ہے۔

طاقت کے نقطہ نظر سے سیاست کے مطالعے نے تقابلی سیاست کی وسعت کو مزید بڑھا دیا ہے تاکہ سیاسی نظام کے انفراسٹرکچر کا مطالعہ شامل کیا جاسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکمران طبقے، یا حکمراں اور غیر حکمراں اشرافیہ کی شناخت اور ان کے اپنے اپنے کردار کی پیمائش کے بغیر سیاست کا صحیح مطالعہ نہیں کیا جاسکتا۔ سیاست گروہوں کے اندر بھی بڑے پیمانے پر کام کرتی ہے اور گروہ اپنے آپ میں اہم ہو بھی سکتا ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ فرد اور معاشرے کو چھوڑ دیا جائے یا یہ کہ ان کی کوئی اپنی اہمیت نہیں ہے۔ اختیار اور اقتدار کا موضوع طاقت سے بنے ہاتھ ہوتے ہیں۔ جمہوری نظام میں حکمراں اتفاق رائے سے اپنے اختیار کو جواز دینے کی کوشش کرتا ہے جب کہ مطلق العنان نظام کے حکمراں اپنے اختیار کو جواز دینے کے لیے سطحی طاقت کا بے دریغ استعمال کرتے ہیں۔ اس طرح یہ تقابلی سیاست کا ایک مشہور اصول بن جاتا ہے۔ جہاں اتفاق راے کمزور پڑ جاتا ہے وہاں جبر مضبوط ہو جاتا ہے اور معاملہ اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ ان اہم مفہوم کی وجہ سے ہی سیاست کی اصطلاح کو تقابلی سیاست کے دائرے میں ہی اس کی مخصوص تعریف حاصل ہوئی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ محض ریاست اور حکومت کا مطالعہ نہیں ہے بلکہ یہ طاقت کے استعمال کا بھی ایک مطالعہ ہے۔

تقابلی سیاست کے مضمون میں تین مختلف روایات شامل ہیں۔ پہلی روایت واحد ملک کے مطالعے پر مبنی ہے۔ اس کی عکاسی ہمیں امریکہ میں اپنے ابتدائی سالوں میں تقابلی سیاست کی تفہیم میں نظر آتی ہے۔ جہاں بالخصوص امریکہ سے باہر سیاسی نظام کے مطالعے مفہوم کا اگر موازنہ کیا جائے تو کچھ کچھ معنوں میں ایک تو کبھی کبھی جدا جدا نظر آتے ہیں۔ طویل تقابلی سیاست کے لیے خصوصاً اینگلو سیکسن دنیا میں غیر ملکوں کا مطالعہ کرنا مفہوم ہوتا ہے۔ دوسرا روایتی طریقہ کار ہے اور اصولی طور پر تقابلی تجزیہ کے قواعد اور معیار سے وابستہ ہے۔ یہ روایت اس سوال کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہے کہ تقابلی معلومات، توضیح اور پیشن گوئی کی مکمل وضاحت کے لیے ان کی صلاحیت میں اضافہ کے لیے تقابلی تجزیہ کیسا ہونا چاہیے اور اس کے لیے تجزیہ کی سخت نظریاتی اور منطقی اور شماریاتی تکنیک کا ہونا ضروری امر سمجھا جاتا ہے اور جس میں پیمائش اور معاملے کے انتخاب کے امور بھی شامل ہیں۔ تقابلی سیاست کی تیسری روایت تجزیاتی ہے اس میں یہ تجرباتی مادہ اور طریقہ کار دونوں پائے جاتے ہیں۔ اس روایت میں ادب کا ادارہ بنیادی طور پر ممالک اور ان کے اداروں، اداکاروں، عمل کے مابین اختلافات اور مماثلتوں کی وضاحت اور نشاندہی کے ساتھ اایک مشترکہ مظاہرے کا استعمال کرتے ہوئے منظم موازنہ کے ذریعے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا بنیادی ہدف وضاحت کرنا ہے۔ اس کا مقصد تصور نگاری کی وضاحت سے آگے جانا ہے اوراس طرح بالآخر وضاحت کی طرح قانون کی

نشاندہی تک پہنچنے کے لیے آرزو رکھنا ہے۔ موازنہ کے ذریعے محقق کنٹرول کرتا ہے، جانچ کرتا ہے، تصدیق کرتا ہے اور غلط ثابت کرتا ہے کہ تمام مسئلوں میں متغیرات کے درمیاں جو وجہ اور اثر کا رشتہ اور شراکت پائی جاتی ہے تجرباتی طور پر وہ سچ ثابت ہوتی ہیں۔ مسئلوں کا تقابلی کردار مسئلوں میں مشترکہ خصوصیات کی نشاندہی سے ماخوذ اور عبارت ہے۔ مختصراً یہ کہ موازنہ کی یہ تیسری روایت تحقیق پر مبنی ہے جس میں کسی طریقہ کار، تکنیک، آلہ کار، کیفی اور مقداری تجزیہ، منطقی اور شماریاتی پیائش اور متغیرات اور مفروضات جیسے اجزا پائے جاتے ہیں۔

1.5 تقابلی سیاست کی خصوصیات (Characteristics of Comparative Politics)

تقابلی سیاست کے موضوع نے آخری مرحلے میں فروغ پایا جو حسب ذیل خصوصیات پر مبنی ہیں۔

تجزیاتی اور تجرباتی تفتیش: تجزیاتی اور تجرباتی طریقے کو ان مصنفین نے اپنایا جن کا تعلق آخری مرحلے سے تھا اور جنہوں نے ہماری تفتیش کے میدان کو وسعت دینے میں اہم رول ادا کیا۔ Sckstein نے انیسویں صدی کی آخری دہائیوں کا حوالہ اس طور پر کیا ہے کہ جس میں علم سیاسیات ابتدائی فلسفے سے متاثر تھا اور خود سیاسیات نے اس کے اصول پسندی اور وضاحتی بیانات کے مابین پائے جانے والی علاحدگی اور فرق کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ مزید کہتا ہے کہ تقابلی حکومت کے دائرے میں زیادہ سے زیادہ مصنفین حکومتی اقسام کی جانچ کی توجہ سے ایک خالص وضاحت کی طرف مڑ گیے۔ مثال کے طور پر ایک خالص مثالی جمہوریت جو ایک سیاسی آلہ کار ہے اور جس کا استعمال معیاری سیاسی نظریہ میں مسلسل ہوتا رہا ہے اور تقابلی سیاست میں ماہرین سیاست کے لیے اب کوئی افادیت موجود نہیں تھی اور پھر نتیجتاً جمہوریت کی تعریف میں حقیقی حکومتی اقسام اور شکلوں اور سماجی سیاسی حالات بھی شامل ہو گئے۔

انفراسٹرکچر کا مطالعہ (Study of Infrastructure)

تقابلی سیاست کا مطالعہ حکومت کے باقاعدہ ڈھانچے تک ہی محدود نہیں ہے جیسا کہ روایتی سیاسی سائنسدانوں کا رجحان تھا اور اگر حکومت کے بجایے سیاسی نظام کی اصطلاح استعمال کی جائے تو فطری طور پر یہ پورے معاشراتی نظام اور انپوٹ آؤٹپوٹ عمل کا ایک حصہ بن جائے گا اور ماحول کی وہ تمام قوتیں بھی شامل ہو جائیں گی جن کا فیصلہ سازی کے عمل پر اثر پڑتا ہے۔ اس طرح سیاسی پارٹیوں اور بااثر طبقہ کا کردار مثلاً جدید سیاسی نظام کے مطالعے میں قانون سازوں اور عاملہ کے کردار کی طرح ہی اہم ہو جاتا ہے۔

ترقی پذیر معاشرہ کے مطالعے پر زور: تقابلی سیاست کے مطالعے کی اہمیت میں مزید جو اضافہ دیکھنے کو ملا ہے وہ ترقی پذیر علاقوں پر مطالعہ کا زور دینا شامل ہے ان علاقوں کی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے۔ تقابلی حکومت کا مطالعہ اب منتخب یورپی اور امریکی حکومت کا مطالعہ نہیں رہا، اب یہ ترقی یافتہ مغربی حکومتوں کا مطالعہ اتنا ہی اہم ہے جتنا افریقی ایشیائی اور لاطینی امریکی دنیا کے غریب اور پچھڑے ہوئے مملکوں کے ترقی پذیر سیاسی نظاموں کا ہے۔

بین مضامین طریقہ کار پر توجہ (Focus on Methods of Inter disciplinary)

تقابلی سیاست کے میدان کو واقعتاً جس چیز نے سب سے زیادہ وسعت بخشی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو پیچیدہ بنادیا ہے وہ بین

مضامین مطالعے پر زور دینا ہے۔ مصنفین نے ان اوزاروں کا زیادہ سے زیادہ استعمال کیا ہے جو انہوں نے سماجیات، نفسیات، معاشیات، بشریات اور حیاتیات جیسے فطری علوم سے لیا ہے۔ سیاسی ترقی، سیاسی جدیدیت، سیاسی سماجیانہ، سیاسی ثقافتی عمل، سیاسی تبدیلی اور سیاسی قیادت اور اس جیسے نئے موضوعات کا مطالعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اب علم سیاسیات حکومت کا رویہ اور دوسرے سیاسی ڈھانچے کے مطالعے کے لیے نفسیاتی اور سماجیاتی تجزیہ کا اطلاق سمجھا جاتا ہے۔

اقتدار سے خالی سیاسی نظریہ (Political Theory of Authority less)

سیاست کا مضموں اپنا بنیادی اصول کھو بیٹھا ہے اور تقابلی سیاست کے میدان میں تجرباتی جہتوں کو اپنا لیا ہے۔ نتیجتاً اقتدار سے آزاد سیاسی نظریے نے اقتدار سے زیادہ محض سیاسی نظریہ کو ہی اپنا لیا۔

1.6 تقابلی حکومت اور تقابلی سیاست (Comparative Government and Politics)

تقابلی حکومت اور تقابلی سیاست کا مطالعہ ایک دوسرے سے بہت حد تک ملتے جلتے ہیں۔ تاہم Finer اصطلاح حکومت کے چار معانی بتاتا ہے۔ یہ سرگرمی یا حکمرانی کے عمل اور دوسروں پر کس حد تک قابو پایا جائے کے معنی کو بتاتا ہے۔ اس حالت کی نشاندہی کرتا ہے جس میں وہ سرگرمی یا عمل پایا جاتا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں بتاتا ہے جو حکمرانی کے مطالعے سے وابستہ ہیں اور ان اندازے، طریقہ کار اور نظام کی نشاندہی کرتی ہے جس کے ذریعے ایک مخصوص معاشرہ کو چلایا جاتا ہے یا اس پر حکومت کی جاتی ہے۔ اس طرح حکومت فیصلے لینے کے ایک معیاری انتظام کا نام ہے جو پورے گروہ کو متاثر کرتا ہے اور حکومت کی ضرورت اس وقت ہوتی ہے جب علاقائی تنظیموں کے لیے مشترکہ پالیسی تشکیل کرنا ضروری ہو جاتا ہے اور جیسا کہ بہت سے معاملات میں ممبروں کی حریف تنظیمیں باہمی سے خصوصی پالیسیوں کی تخلیق کرتی ہیں۔ ایلن بال نے حکومت اور سیاست کے مابین ایک ربط قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ریاست کے سیاسی اداروں سے زیادہ غیر رسمی سیاسی عمل پر اب ایک بہت بڑا دباؤ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس لیے فریمین کہتا ہے کہ تقابلی سیاست حکومت کے مختلف اقسام اور مختلف سیاسی اداروں کے تقابلی تجزیہ کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے۔ Jean Blonde بھی اس خیال سے اتفاق کرتا ہے اور کہتا ہے کہ عصری دنیا میں قومی حکومتوں کے نمونے کے مطالعے کی حیثیت سے تقابلی سیاست کی تعریف کی جاسکتی ہے۔ تاہم دونوں اصطلاح تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت ایک دوسرے کی جگہ استعمال ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے مابین کچھ فرق بھی ہے۔ تقابلی سیاست مختلف سیاسی نظاموں کے تقابلی مطالعہ کا احاطہ کرتی ہے جس میں اس کے اداروں اور فرائضوں پر خصوصی توجہ ہوتی ہے اور تقابلی سیاست ایک وسیع دائرہ کار رکھتا ہے تاکہ اس کے دائرہ کار میں آنے والی تمام باتوں کا احاطہ کیا جاسکے اور اس کے علاوہ جو بھی چیزیں غیر جمہوری سیاست کے مطالعے طور پر ہیں ان کا بھی احاطہ کیا جاسکے۔ بالفاظ دیگر تقابلی سیاست کا دائرہ کار تقابلی حکومت سے زیادہ ہے۔ لیکن موازنہ اور تقابل دونوں کے مطالعہ مرکز ہے۔ تقابلی سیاست کے طالب علم کی تشویس سیاسی نظام کے قانون بنانے، قانون کے نفاذ اور فیصلہ سازی کے محکموں کے ساتھ یا کچھ اضافی آئینی ایجنسیوں (جیسے سیاسی پارٹیوں اور دباؤ گروپ) کے مطالعے ساتھ ختم نہیں ہو جاتا ہے جس سے ان کا فوری تعلق ریاست کے سرگرمی کے

مرکزی محکموں کے ساتھ مرئی اور غیر مرئی دونوں طرح کا ہو سکتا ہے۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اصطلاح تقابلی سیاست کو اصطلاح تقابلی حکومت پر ترجیح حاصل ہے کیوں کہ تقابلی سیاست کا دائرہ وسیع تر اور زیادہ جامع ہے۔Blonde کے مطابق تقابلی سیاست کی اصطلاح کے دو پہلو ہیں ایک افقی اور دوسرا عمودی ہے۔ عمودی موازنہ دیگر تنظیم اور گروہوں کے بر خلاف ریاست کا ایک تقابلی مطالعہ ہے جو ایک سیاسی تنظیم کے چلانے میں اپنا سیاسی کردار اور اپنا اثر رکھتے ہیں۔ جب کہ افقی موازنہ دوسرے قومی حکومتوں کے بر خلاف ریاست کا ایک تقابلی مطالعہ ہے۔ معاصر دینا میں قومی حکومتوں کے نمونوں کے مطالعے طور پر ایک ابتدائی شکل میں تقابلی حکومت کی تعریف کی جاسکتی ہے۔

تقابلی حکومت کا مطالعہ تقابلی سیاست کے مطالعے سے زیادہ محدود ہے۔ تقابلی سیاست ریاستوں، اور اس کے اداروں اور فرائض کے مطالعہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا دائرہ غیر سرکاری اداروں اور ان کے کاموں سے زیادہ سروکار نہیں ہوتا ہے۔ جب کہ تقابلی سیاست کا تعلق سیاست سے ہوتا ہے یعنی طاقت کا رشتہ جہاں کبھی بھی ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا اس کا دائرہ اختیار صرف ریاست تک محدود نہیں ہے۔ لہٰذا تقابلی سیاست کا تعلق صرف ریاست اور اس کے اداروں اور عمل کے تقابلی مطالعے سے نہیں ہے بلکہ یہ غیر سیاسی ریاست کے پہلو جیسے قیادت، سیاسی سماجیانہ، سیاسی تنازع کا حل, سودے بازی، فیصلہ سازی وغیرہ سے بھی تعلق رکھتا ہے۔Michael Curtis ان دونوں کے مابین تفریق کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ تقابلی سیاست کا تعلق رویہ، عمل، خیال اور اقتدار کے ساتھ ایک صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے۔ اس میں وہ باقاعدگی اور نمونہ، ایک سے زیادہ قوم ریاست کے مابین مماثلات اور اختلافات کی تلاش کی گئی ہے جو حکومت کی بنیادی نوعیت، کام کرنے اور عقائد کی تصدیق کرنے میں معاون نظر آتے ہیں۔ تقابلی سیاست کے مطالعے میں پوری قومی ریاست یا سیاسی نظام یا جزوی نظام یا خاص عمل یا ادارہ جاتی سرگرمی دونوں کا موازنہ شامل ہے۔

تقابلی حکومت اور تقابلی سیاست کے مابین فرق کرتے ہوئے Ronald Chilcote لکھتا ہے کہ تقابلی حکومت عموماً یورپ کے قومی ریاست یا ملکوں کے مطالعے کی طرف اشارہ کرتی ہے اور مطالعے کا مرکز ان اداروں اور ان ممالک کے فرائض جن کی توجہ ان کے عاملہ، مقننہ، اور عدلیہ پر ہوتی ہے اور اس کے علاوہ منسلکہ تنظمیں سیاسی پارٹی اور دباؤ گروہ پر بھی ہوتی ہے۔ اس کے برعکس تقابلی سیاست سیاسی سرگرمی کے بڑی وسعت کا مطالعہ کرتا ہے جن میں حکومتوں اور ان کے اداروں کے علاوہ تنظیموں کی دیگر شکلیں بھی شامل ہیں جن کا قومی حکومتوں سے براہ راست تعلق نہیں ہوتا ہے مثلاً قبائیلی برادری اور انجمنیں اور یونین۔

1.7 دوسری عالمی جنگ کے بعد تقابلی سیاست کا دور

(Period of Comparative Politics Post Second World War)

بیسویں صدی کے وسط تک تقابلی سیاست کا دائرہ زیادہ تر یوروپ کے ان ممالک اور انگریزی بولنے والے ان ملکوں تک محدود تھا جو یا تو انتہائی ترقی یافتہ تھے یا طویل عرصہ تک سیاسی ادروں کے چلانے کا طویل تجربہ رکھتے تھے۔ لیکن اس کے بعد نئ قومی ریاستیں مثلاً ترقی

پذیر اور غیر ترقی یافتہ ملکوں کو شامل کرنے کی کوشش کی گئی۔

مغربی سیاسی نظام کے مطالعے کا روایتی انداز جس میں اعلی عاملہ، پارلیمینٹ، اور سول سروس اور انتخابی نظام جیسے رسمی آئینی پہلوں پر توجہ دی جا رہی ہے تجرباتی نقطہ نظر اور تجرباتی مشمولات کے اعتبار سے کم اہمیت رکھتا ہے۔ لیکن ان کی کوشش ہے کہ ایک بڑے جغریافائی علاقے اور وسیع پیمانے پر انسانی تجربات کو راغب کریں اور تقابلی اور حقیقت پسندانہ بنانے کے لیے ان نظریہ ساز لوگوں کی طرح جنھوں نے قانون، فلسفہ، سیاسی سماجیات، معاشیات، نفسیات، علم بشریات، حیاتیات اور علم سائیبر نیٹک جیسے دیگر شعبوں سے تصورات لیے ہیں، کی طرح کوشس کی جائے۔ اس کے لیے انہوں نے مختلف تکنیک اور طریقہ کار کا استعمال بھی کیا۔ قانونی ڈھانچے اور طریقہ کار سے دست برداری کرتے ہوئے اسکالر نے غیر قانونی سطح اور سیاست کے عمل کی تحقیقات شروع کیں۔ لہٰذ انہوں نے اور فیصلہ سازی کے عمل کے بارے میں غور و فکر کرنے کے لیے خالص رسمی اور آئینی طریقہ کار سے اپنے آپ کو دور رکھا۔

تقابلی انکوائیری اور تفتیش کے لیے اب مواد متعدد ذرائع سے یعنی اشرافیہ، بڑے پیمانے پر رائے شماری، ووٹینگ کے اعداد و شمار، معاشی، آبادیاتی یا مردم شماری کے مواد، تاریخ اور دیگر سماجی علوم جیسے سیاسی طرز عمل کے بارے میں معلومات حاصل کیے جاتے ہیں۔

تقابلی سیاست کے میدان میں دوسری جنگ عظیم کا بھی اثر رہا۔ ایشیا، افریقہ، جنوبی مشرقی ایشیا، لاطینی امریکہ اور مشرقی وسطیٰ میں تفتیش کی توسیع نے تقابلی سیاست پر گہرا اثر چھوڑا ہے۔ سیاسی ترقی کے تجزیہ کے لیے ان تازہ اور دلچسپ نئی تجربہ گاہیں فراہم کر کے ان ممالک نے تقابلی سیاست کی کائنات کو نمایاں طور پر وسعت دی۔ مزید یہ کہ اس غیر مغربی دنیا کی بدلتی سیاست کی تفتیش نے روایتی طریقوں کو نااہلیت کی نشاندہی کیا ہے جو اہم معاشرتی اور ثقافتی عوامل کو مد نظر نہیں رکھتے تھے۔ اس طرح غیر مغربی سیاسی نظاموں کے مطالعہ میں اسکالر نے نہ صرف نئے معاشروں کے ساتھ بلکہ ان خیالات و اقتدار کے ساتھ بھی بحث کرنا شروع کیا جو اکثر مغرب کے لوگوں کے ساتھ قابل موازنہ نہیں ہیں۔ ثقافت اور ساخت میں تیزی سے بڑھتے ہوئے مختلف سیاسی نظاموں کے موازنہ کے لیے مناسب زمرے اور تصورات کو جاننے کے لیے اپنی تفتیش اور جستجو میں تقابلی سیاست کے ماہرین نے کچھ نئے تصورات جیسے کردار کی ساخت، سیاسی ثقافت، سیاسی نظام، اتفاق رائے، کردار ادا کرنے والے لوگ، سماجیانہ، عقلیت پسندی، اور فرائض منصبی کا ساختی تجزیہ کی ایک فہرست بنائی ہے۔ ان تمام تحقیقات نے تقابلی سیاست کے ماہرین کو تقابلی سیاست کے تجزیہ کے لیے آسان اور مناسب آلات فراہم کیا۔

لہٰذ آ سیاسی سائنسدانوں کے ذریعے مختلف طریقہ کار استعمال کیے جا رہے ہیں جیسے نظام کے طریقہ کار، ساختی فرائضی طریقہ کار، مواصلات کا طریقہ کار، ڈیویڈ کا ساختی اور رویہ جاتی طریقہ کار، بین المضامین طریقہ کار، ترقیاتی طریقہ کار اور ثقافتی طریقہ کار وغیرہ۔ ان نئے طریقہ کاوں کی وجہ سے تقابلی سیاست کے میدان میں تنوع پیدا ہو گیا ہے۔

پچاس کی دہائی کے آخر اور ساٹھ کے دہائی کے اول میں David Easton نے سیاسی نظام پر اپنے کیے گئے عام کام کو شائع کرنا شروع کر دیا تھا جس نے بہاؤ (Flow) عمل غیر رسمی کردار ادا کرنے والے لوگ اور انپوٹ آوٹ پوٹ تجزیہ کو مزید تقویت بخشی ہے جس کو تقابلی سیاست میں بھی شامل کیا گیا۔

اسی زمانہ میں کارل ڈوئچ کے ذریعے ترقی اور قومی تعمیر پر ایک متوازی کام ہو رہا تھا۔ Lipest نے اپنی علمی کاوش سیاسی آدمی ، (Political Man) کو شائع کیا تھا جو سماجی جدیدیت اور سیاسی جمہوریت کے مابین باہمی تعلقات کی اہمیت پر تھا۔

1960 کے دہائی کے آخر میں اور 1970 کی دہائی کے اوائل میں تقابلی سیاست کے میدان میں بھی متعدد متبادل طریقہ کار سامنے آنا شروع ہو گئے تھے ان میں سے دو کارپوریٹیسٹ طریقہ کار اور مارکسی طریقہ کار نے لیبرل ترقی پسند طریقہ کار کی ناکامی کو نئی زندگی بخشی۔ ریاستی معاشرے کے تعلقات اور ریاضی کے ماڈلینگ کے رجحان میں بھی نئی دلچسپی پیدا ہوئی ہے۔

سیاسی سائنسداں نے اس کے بعد نظام نظریہ کے غیر جانبدار حوالہ پر بلیک باکس سے بالکل جدا ریاست کو ایک اہم متغیر کی حیثیت سے دوبارہ دریافت کیا۔ ریاست معاشرہ تعلقات کے مظاہرے، تقابلی سیاست کے ریاضی ماڈلینگ اور سیاسی معیشت میں بھی نئی دلچسپی پیدا ہوئی۔

1.8 تنقید (Criticism)

تقابلی سیاست کا مطالعہ متعدد مسائل سے دوچار ہے جو ایک سائنسی تجزیہ کے تقاضوں پر کھڑا نہیں اترتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں:

1 ۔ مختلف اہم تصورات اور شرائط کی ایک معیاری اور قطعی تعریف کا مسئلہ ہے۔ اس مضمون کے معروف مصنفین اپنے مخصوص علم کے مطابق مختلف تصورات کا استعمال کرتے ہیں جس کو سرطوری تصوراتی کھنچاؤں (Conceptual Stretching) کہتا ہے۔

2۔ تقابلی سیاست کے میدان میں استعمال ہونے والی متعدد سیاسی اصطلاحات نہ صرف ابہام کا شکار ہیں بلکہ انہیں سیاسی بیان بازی بھی کہا جاتا ہے جو غیر مناسب الفاظ کا خوف پیدا کرتے ہیں۔

3۔ سیاسی نظام اور دیگر غیر ریاستی اداروں کے بارے میں معلومات اور ڈیٹا جمع کرنے میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جس کا محدود تعلق کسی سیاسی تنظیم کے محکمے کے ساتھ مرئی اور غیر مرئی ہو سکتا ہے۔

4۔ ضروری نہیں کہ سیاسی طرز عمل عقلی بنیاد یا سائنسی اصولوں پر ہو اور نیز اس طرح سائنسی مطالعہ کرنا زیادہ مشکل ہوتا ہے۔

5. جو ایک معیاری طریقہ کار رکھتا ہے اس کے لیے اقتدار سے خالی علم سیاسیات مشکلات کا باعث ہوتی ہے۔

6۔ یہاں سیاسی طرز عمل اور سیاسی نظام کی پیچیدگی کے عوامل کا ہونا ممکن ہے۔

7۔ افراد اپنے ملک کی سیاست میں جو کردار ادا کرتے ہیں وہ یکساں قوانین کے تابع نہیں ہو سکتے ہیں جس کو تقابلی سیاست کا ایک طالب علم نے تیار کیا ہو۔

8۔ تقابلی سیاست تجرباتی نہیں ہے اور نہ ہم لیبارٹی میں جا سکتے ہیں اور نہ ہی مصنوعی طور پر چناوی قانون میں تبدیلی نہیں کر سکتے ہیں یہ دیکھنے کے لیے کہ پارٹیوں کی تعداد کم ہوتی ہے یا زیادہ ہوتی ہے۔ محققین خواندگی کی سطح کو نہیں اٹھا سکتے ہیں یہ دیکھنے کے لیے کہ سیاسی تشدد میں

میں کمی آتی ہے، جیسے کہ طبعیات گرمی میں اضافہ کرتا ہے یہ دیکھنے کے لیے کہ پانی تیز اُبلتا ہے یا نہیں۔ جان اسٹارٹ میل، میکس ویبر اور اور دوسرے مفکروں نے بہت پہلے ہی معاشرتی علوم میں تجربات کرنے کی ناممکن کوشش پر زور دیا تھا۔

تاہم ایک صحیح جانچ مختلف نقطہ نظر سے کی جانی چاہیے۔ اس طرح کے مسائل کی ایک فہرست جو تقابلی سیاست کے مطالعہ سے دوچار ہے اس تجویز کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ اس مضمون کا مطالعہ ناممکن ہے۔ لیکن یہ وضاحت کرتا ہے کہ کیوں ایک عام نظریہ کی ترقی نے ایک مشکل کام ثابت کر دیا ہے۔ اس طرح کے مسائل سے دوچار حالانکہ حالیہ سیاسی سائنسدانوں نے کچھ ایسے نظریات ایجاد کر لیے ہیں جن کے ساتھ سیاسی نظاموں کا موازنہ نہ صرف ان کے ڈھانچے کی بنیاد پر ہو سکتا ہے بلکہ ان کے انفراسٹریکچر کے خطوط پر بھی زیادہ سے زیادہ قطعیت سے ممکن ہے۔

1.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے درج ذیل باتیں سیکھیں:

- تقابلی سیاست کی اصطلاح عصری زمانہ کی پیداوار ہے اور موجودہ صدی کے پچاس کی دہائی میں مقبول ہوئی اور یہ علم سیاسیات کی بڑھتے ہوئے افق کی نشاندہی کرتی ہے۔
- سیاست کے مطالعہ لیے طریقہ کار کی ترقی کی حوصلہ افزائی کرنے کی اہم وجہ اس موضوع کے روایتی وضاحتی انداز سے عدم اطمینان تھی۔
- تقابلی سیاست کی تعریف اور اس کی وضاحت کو سمجھا۔
- تقابلی سیاست کے ارتقا کو جانا۔
- تقابلی حکومت اور تقابلی سیاست پر بحث کی معلومات حاصل کیا۔
- آخر میں تقابلی سیاست کے مطالعے کی تنقید کو سمجھا۔

1.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

- بین مضامین : اس میں ایک سے زائید مضمون مل کر ایک موضوع کا مطالعہ کرتی ہے۔
- تقابلی سیاسیات : اس کے تحت دیگر ممالک، شہری، سیاسی یونٹ کا مکمل یا کسی ایک حصے کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- طریقہ : ایک عمل کا نام ہے جو تکنیک اور آلات پر مشتمل ہوتا ہے اور جن کا استعمال نظریات کے جانچنے، اور تفتیش کرنے میں ہوتا ہے
- تقابلی حکومت : میں دنیا کے مختلف ممالک کے عمومی شاخت کا تجزیہ اور مطالعہ کیا جاتا ہے۔
- سیاست : سے مراد صرف سیاسی سرگرمی نہیں ہوتی ہے بلکہ اس سے مراد تربیت پر مبنی سرگرمی بھی ہوتی

ہے یعنی کشیدگی کے حالات پیدا کرنے اور ان کے حل کی طرف راغب ہونے والی کوششیں برجستہ اتفاق رائے سے کیا جانا چاہیے

1.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

1.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ The Political Man کے مصنف ان میں سے کون ہیں؟

(a) ارسطو (b) افلاطون (c) لپسٹ (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ کس مفکر کے مطابق تقابلی سیاست کی اصطلاح کا دو پہلو ہے ایک افقی اور دوسرا عمودی ہے۔

(a) ڈیویڈ اسٹن (b) جین بلانڈ (c) لپسٹ (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ کس مفکر کے مطابق طاقت ایک فرد کی صلاحیت کا نام ہے؟

(a) ڈیویڈ اسٹن (b) جین بلانڈ (c) لپسٹ (d) توانے

4۔ عمل طور پر تقابلی سیاست کا پہلا کام۔

(a) موازنہ کرنا (b) بحث کرنا (c) سیاست کرنا (d) حکومت کرنا

5۔ Finer اصطلاح حکومت کے کتنے معانی بتاتا ہے۔

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

6۔ کس معروف سیاسی مفکر کے مطابق تقابلی سیاست کی اصطلاح کے دو پہلو ہیں ایک افقی اور دوسرا عمودی ہے؟

(a) ڈیویڈ اسٹن (b) جین بلانڈ (c) توانے (d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔۔۔۔۔۔۔۔۔نے ہمیں نئی اور جزوی طور پر تصدیق شدہ معلومات سے بحث کرنے کا ایک اچھا طریقہ فراہم کیا۔

(a) رویہ جاتی علوم (b) تقابلی سیاست (c) بین الاضامین (d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔ تقابلی سیاست کے میدان کو واقعتاً جس چیز نے سب سے زیادہ وسعت بخشی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کو پیچیدہ بنادیا ہے وہ۔

(a) بین مضامین (b) تقابلی سیاست (c) طریق کار (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ 1960 کے دہائی کے آخر میں اور 1970 کی دہائی کے اوائل میں کس میدان میں بھی متعدد متبادل طریقہ کار سامنے آیا۔

(a) بین الاقوامی رشتہ (b) تقابلی سیاست (c) طریق کار (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ سیاست (Politics) کی اصطلاح کی کہانی کا تانہ بانہ پولس (Polis) یعنی شہری ریاست کے معاشرہ سے بونا گیا ہے۔

(a) قدیم یونان (b) روم (c) ایران (d) یوروپ

1.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ تقابل اور موازنہ سے کیا مراد ہے؟

2۔ تقابلی سیاست کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3۔ تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت کے مابین فرق بیان کیجیے۔

4۔ تقابلی سیاست کے معنی اور مفہوم بتایئے۔

5۔ تقابلی سیاست کی خصوصیات بیان کیجیے۔

1.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ تقابلی سیاست کے ارتقا کے بارے میں اپنی معلومات قلم بند کریں۔

2۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد تقابلی سیاست کے دور پر بحث کریں۔

3۔ تقابلی سیاست کے دائرہ کار اور نوعیت پر بحث کریں۔

1.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Almond, G.A. et. (2000): Comparative Politics: A World View, New York:

2. Palekar, S.A., (2009): Comparative Politics and Government, New Delhi, PHI Learning Private Limited.

3. Johri, C., (2006): New Comparative Government, New Delhi: Lotus Press

4. Manoj Kumar Sharma, Comparative Politics and Political Analysis, Anmol Publication Private limited

6. Vidya Bhushan, (2006) Comparative Politics, Atlantic Publishers, New Delhi

7. Neetu Sharma, (2012), Comparative Government and Politics ,IGNOU Book, Gali Baba, Publication, House, New Delhi

8. Pokhraj Jain (2007), Theory and Practice of Modern Governments, Sahitya Bhawan Publications, Agra

اکائی 2۔ تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت

(Importance of Comparative Politics and Government)

اکائی کے اجزا

2.0 تمہید

2.1 مقاصد

2.2 تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت کا تاریخی پس منظر

2.3 تقابلی سیاست اور حکومت کے مطالعہ کی اہمیت

2.4 تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت میں فرق

2.5 تقابلی سیاست کی افادیت

2.6 تقابلی سیاست کے استعمال

2.7 کلیدی الفاظ

2.8 اکتسابی نتائج

2.9 نمونہ امتحانی سوالات

2.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

2.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں ہم " تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت " کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے ہمیں تقابلی سیاست کے بارے میں جاننا ہو گا تقابلی سیاست میں ہی اس کی اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بیان یا ذکر کریں گے۔ اس باب میں ہم یہ بھی کوشش کریں گے کہ تقابلی سیاست اور حکومت سے متعلق سارے پہلوؤں پر یعنی اس کے پس منظر، اہمیت کے ساتھ ساتھ اس کے افادیت، استعمال، طریقہ کاراور تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت میں فرق کا بھی تذکرہ کیا جائے گا تاکہ طالب علم اس کا اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن سکیں۔

2.1 مقاصد (Objective)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ " تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت " کے بارے میں تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان اور واضح کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد تقابلی سیاست اور حکومت کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات و شکوک و شبہات کو نہ صرف یہ ہے کہ خود اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ سکے بلکہ تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت کے مختلف پہلوں پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں ان کا جواب دینے کا قابل ہو جائے۔

2.2 تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت کا تاریخی پس نظر

(Historical Background of Importance of Comparative Politics and Government)

تقابلی سیاست علم سیاسیات ایک شعبہ ہے جس کا بانی بھی ارسطو کہلاتا ہے۔ جیسا کہ اس کا نام ظاہر کرتا ہے، تقابلی سیاست میں موازنہ ہی ہوتا ہے۔ تقابلی سیاست میں، ہم مختلف ریاستوں میں مختلف سیاسی طریقوں کے مابین موازنہ کے بارے میں مطالعہ کرتے ہیں۔ آسان الفاظ میں، ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تقابلی سیاست مختلف معاہدوں میں مختلف سیاست کے بارے میں ایک مطالعہ ہے اور ان کا ایک دوسرے سے موازنہ ہے۔ تقابلی سیاست گھریلو سیاست، سیاسی اداروں اور دونوں ممالک کے مابین تنازعات کا مطالعہ ہے۔ تقابلی سیاست دو یا دو سے زیادہ مختلف ممالک میں سیاسی تجربے، اداروں، طرز عمل اور حکومت کے نظام کے عمل کی تشکیل کے مطالعہ کو یکجا کرتی ہے۔ تقابلی سیاست میں، اضافی آئینی ایجنسیوں کا مطالعہ اور ان کا فوری رابطہ بھی شامل ہے۔ تقابلی سیاست سیاسی علم سیاست کا ایک اہم شعبہ ہے۔ تقابلی سیاست نہ صرف مختلف ممالک کے سیاسی ڈھانچے کے موازنے کے بارے میں ہے، بلکہ یہ سیاسی سرگرمیوں، سیاسی عمل اور سیاسی طاقت کے موازنہ کے بارے میں بھی ہے۔ خصوصیات اور قانونی طاقت کا مطالعہ تقابلی سیاست کے مطالعے تحت ہی آتا ہے۔

تقابلی سیاست کا بنیادی مقصد کسی بھی ریاست یا ملک کی موجودہ حالت کو بہتر بنانا ہے۔ کسی بھی ریاست یا ملک کے موجودہ نظام پر بہتری دوسرے ممالک کے پہلے سے ہی کامیاب اور ثابت شدہ نظام کو اپنا کر لاگو کی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ اتنا آسان نہیں ہے جب ہم ثقافت

جیسی بہت سی چیزوں کے مقابلے میں ایک ریاست کو دوسروں کے ساتھ موازنہ کرتے ہیں، لیکن شہروں کی خواندگی کی شرح اس میں ایک اہم کردار ادا کرتی ہے۔ تقابلی سیاست دونوں ممالک کے مابین تناؤ یا تنازعات کے خاتمے کے لیے بھی استعمال کرتی ہے۔ تقابلی سیاست کی وضاحت صرف اس کے مطالعے کے مقصد سے نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس طریقہ کار کے ذریعے، اس کا اطلاق سیاسی مظاہر کے مطالعہ پر ہے۔ سیاسی نظریہ اور بین الاقوامی تعلقات کے ساتھ تقابلی سیاست علم سیاسیات میں تین اہم ذیلی شعبوں میں سے ایک ہے۔ جب کہ سیاسی نظریہ جمہوریت، انصاف وغیرہ کے نظریاتی امور کا معاملہ کرتا ہے، جب کہ تقابلی سیاست زیادہ تجرباتی سوالوں کا مطالعہ کرتی ہے۔

تقابلی سیاست کا موضوع عملی طور پر علم سیاسیات کے وسعت افق 'کی سمت میں ایک مطالعہ تشکیل دیتا ہے جس میں لگتا ہے کہ ہم 'شکوک وشبہات کے میدانی علاقے' سے 'ایک اعلیٰ سطح مرتفع' کی طرف تشریف لائے ہیں تاکہ یہ معلوم کیا جاسکے کہ ہماری جذباتی کوششیں کیا ہیں، خاص طور پر 1950 کی دہائی اور 1960 کی دہائی کی 'مشکوک دہائی' میں سے، تیار ہوا ہے، جس میں نظم وضبط کے ابتدائی اعلیٰ نکات اپنی کچھ اہمیت کھو چکے ہیں یا کم از کم اب ایک نئی روشنی میں نظر آتے ہیں، اور وہ لوگ جن کی اہمیت کو نظر انداز کا سامنا کرنا پڑا ہے، وہ ہمارے نقطہ نظر اور شعور میں ابھرے ہیں، جس میں دونوں جلدی ٹورینٹس (یعنی مجموعی طور پر سیاسی عمل) کے ساتھ ساتھ لنگڑے والے تالاب (یعنی قیاس آرائی کی سیاسی سوچ) پر مشتمل ہیں۔ اس اہم سمت میں محرک قوت کا کیا کردار رہا ہے، نئی تکنیکوں اور طریقوں سے ایک طرح سے 'سیاسی حقیقت' کا مطالعہ کرنے کی جستجو ہے تاکہ 'سیاست' کے پورے شعبے کا احاطہ کیا جاسکے۔ اس کے نتیجے میں، 'حکومت' کا نہیں بلکہ 'حکومت' کا مطالعہ مرکزی تشویش بن گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اقوام متحدہ میں، یا پارلیمنٹ کونسل میں، کسی ٹریڈیونین میں ہو یا فیصلہ لیا جائے۔ ایک پوپل کانفرنس۔ بورڈ کے کمرے میں یا کسی قبیلے میں۔ تقابلی سیاست اس اہم وجہ کی بنا پر ایک اہم اہمیت کے عنوان کے طور پر نمودار ہوئی ہے

2.3 تقابلی سیاست اور حکومت کے مطالعہ کی اہمیت

(Importance to the Study of Comparative Politics and Government)

تقابلی سیاست تمام ممالک میں بڑھتی ہوئی اہمیت کا میدان بن چکی ہے۔ آج زیادہ سے زیادہ لوگ بیرون ملک جارہے ہیں، اور اس طرح کے مواقع مختلف ممالک کے سیاسی نظام کے ساتھ رابطے میں آتے ہیں۔ دیگر سیاسی نظاموں کے کام کے بارے میں کچھ معلولات حاصل کرنے میں ایک دلچسپی ہے۔ مختصر یہ کہ تقابلی سیاست شہری کو دوسرے سیاسی نظاموں کے بارے میں معلومات حاصل کرنے میں مدد فراہم کرتی ہے اور یوں وہ خود سے مال دار اور پختہ ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی معمولی فائدہ نہیں ہے۔ غیر ملکی سیاسی نظام کے مطالعے میں دلچسپی بھی اپنے اداروں کی ترقی کے لیے نئے آئیڈیا حاصل کرنے کی خواہش سے نکلتی ہے۔ اسی طرح، ایک ادارے کے بارے میں علم دوسروں کی مدد کر سکتا ہے۔ موازنہ کرنے کا عمومی یہ ہے کہ بیک وقت مماثلت اور دو چیزوں، حالات، واقعہ اور کے فرق کو جانچنا وغیرہ وغیرہ۔

تقابلی سیاست کے مطالعے کی اہمیت سیاسی علم سیاست کے ایک اہم پہلو کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں اس ملک کو کس طرح کام

کرتا ہے اس کا مطالعہ کرنے کی بجائے، یہ پڑھتا ہے کہ دنیا کے دیگر ممالک کیوں اپنے طرز عمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک ملک اور دوسرے ملک کے مابین اختلافات اور مماثلتوں کو تلاش کرنے کے لیے کچھ وسیلے کا ہونا ضروری ہے تا کہ یہ دریافت کیا جائے کہ معاشی طاقت، فوجی طاقت اور اقتدار میں حکومت کی تشکیل جیسے پہلوؤں پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ ممالک کا آپس میں موازنہ کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ ہم دوسرے ممالک کے بارے میں جاننے کی اجازت دے کر انہیں مدد کریں۔

مثال کے طور پر، دنیا کی بہت ساری حکومتیں غیر سیکولر ہیں، جیسے ایران اور مصر۔ یہ ان ممالک کی حکومت اور قوانین لوگوں کی اسلامی جڑوں سے مضبوطی سے باندھے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی نوٹ کر سکتا ہے کہ ان ممالک میں زیادہ تر جن پر مذہب کا غلبہ ہے کمزور معیشت اور غیر مستحکم حکومت ہیں۔ جمہوریت کے حامیوں کے ساتھ لڑنے والے سوشلسٹ گروپوں کے ساتھ لڑنے والے بنیاد پرست گروپ وہی ہیں جو آج کل یہ ممالک بناتے ہیں۔ کسی ملک کے مقبول نظریہ کی ایک اور مثال روس اور دوسری سوویت یونین کی باقیات ہیں۔ آج کل ان ممالک میں بسنے والے بیشتر افراد برسوں تک کمیونسٹ حکومت کے تحت رہیں جب وہ اس کے زیر اثر رہتے ہیں۔ اب جب حکومت کا خاتمہ ہوا ہے اور جمہوری سرمایہ داری نے اپنی جگہ لے لی ہے تو ممالک آپس میں لڑ رہے ہیں۔ کام کرنے اور حکومت کے کردار کے بارے میں خیالات ابھی بہت سے لوگوں کے ساتھ قدیم ہیں۔ وہ اب بھی اپنے کام کے معیار کے باوجود تنخواہ، چیک اور گارنٹی والی ملازمت کی توقع کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسے دور سے آئے ہیں جہاں کام کرنے کے لیے بہت کم حوصلہ افزائی کی گئی تھی۔ اس سے کمزور معیشت کا سبب بنتا ہے کیوں کہ لوگ اب بھی نئے آرڈر میں ایڈجسٹ ہو رہے ہیں۔

کسی کو سیاسی نظام کی افادیت یا اہلیت کا تعین کرنے میں مدد کرتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اہم بھی ہے۔ مثال کے طور پر، آپ اس حکومت کا موازنہ کس طرح کریں گے جو کارکنوں پر مبنی، مرکز پر قابو پانے، آمرانہ اور عوام کی حالت زار (جیسا کے نازیزم میں) کے مقابلے میں کچھ مال دار لوگوں کو ذمے دار قرار دے رہی ہو جیسا کے اصل امریکہ میں دیکھا جاتا ہے اس مثال میں، فرق اہم ہے۔

سیاسی سائنس دان سیاست کے وہ نظریات کو مستحکم کرنے کے خواہاں ہیں جو سیاسی افعال، ڈھانچے، اور ایک دوسرے کے ساتھ اپنے ماحول کے ساتھ طرز عمل کو باہم مربوط کرتے ہیں۔ تقابلی سیاست کے میدان کو متوازی تجزیہ کی ضرورت ہے، متوازی وضاحت کی نہیں۔ تقابلی مطالعات سیاسی نظریات کی تعمیر کے لیے ضروری ہیں جو نہ صرف فکری طور پر اطمینان بخش ہیں بلکہ سیاسی ڈھانچے اور عمل کو بہتر بنانے میں بھی کار آمد ہیں۔ اگرچہ سیاست مردوں کو اپنے تنازعات کو زیادہ پختہ انداز میں حل کرنے کی اہمیت دیتی ہے، لیکن زیادہ مہذب انداز میں، اس سے وہ دوسروں کو بھی زیادہ مؤثر طریقے سے مجبور کر کے اپنا راستہ حاصل کرنے کی اجازت دیتا ہے اگر وہ اس طرح کا عمل موجود نہ ہوتا تو۔ تمام سیاسی نظام، چاہے وہ آمرانہ ہوں یا جمہوری، جدید ہوں یا قدیم، ایک ہی بنیادی مقصد کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرنے کے لیے کہ معاشرے کے وسائل کو کس طرح استعمال کیا جائے۔ ہر سیاسی نظام میں لوگ حکومت سے اپنے مفادات کا اظہار کرتے ہیں اور مطالبہ کرتے ہیں، کیونکہ ہر ایک چاہتا ہے کہ اس کے لیے مستند فیصلے جتنا ممکن ہو سکے۔

تقابلی سیاست سیاسی نظریہ کی ترقی میں مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ زیادہ تر علوم کے لیے تھیوری، تجربہ نظریہ کو جانچنے کا ایک

طریقہ ہے، علم سیاسیات کے لیے، موازنہ بنیادی طریقہ ہے۔ سیاسی علم سیاست صرف ایک شاذ ونادر ہی تجرباتی سائنس ہو سکتی ہے، اور پھر یہ ہمیشہ انتہائی متضاد حالات میں ہی رہتی ہے۔ محققین بعض اوقات طلباء یا دوسرے زیادہ سے زیادہ خواہش مند مضامین کو کھیلوں یا تجربات میں شریک کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں، لیکن ان مشقوں کو حکمرانی کے بارے میں اصل سوالات سے بہت دور کر دیا جاتا ہے۔ لہذا موازنہ کرنا جب ہوتا ہے جب مختلف ممالک، اپنی وجوہات کی بنا پر، حلقہ بندیوں، یا پارٹی سسٹم میں ترمیم کریں، یا کچھ بھی، مختلف سیاسی احکامات کے ممکنہ نتائج کے بارے میں مفید معلومات فراہم کرتے ہیں۔

حکمرانی اور سیاست کی اصل دنیا بہت ضروری ہے کہ سماجی علوم کے ماہرین کو یہاں کے کسی ادارے اور وہاں کے قانون میں ہیرا پھیری کی اجازت دی جائے تاکہ یہ دیکھنے کے لیے کیا ہو سکتا ہے۔ یہ بعض اوقات کچھ غریب ممالک کی آبادیوں پر ظاہر ہو سکتا ہے کہ دولت مند حکومتیں اور بین الاقوامی تنظیمیں واقعتا اپنی سیاسی زندگیوں پر تجربہ کر رہی ہیں، کیونکہ ایک کے بعد ایک اصلاحات ان پر بیرون ملک سے مسلط کر دی جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر، بین الاقوامی تنظیموں سے بہت کم ترقی یافتہ ممالک سے نجکاری (Privatization) جیسے مختلف اصلاحات نافذ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے امداد حاصل کرنے کی شرائط۔ وہ اصلاحات ہیں، تاہم، تقریباً ہمیشہ ہی حکومت کے تقابل، اگر واضح نہیں تو تقابلی تجزیہ پر مبنی ہوتا ہے، اور جو اداروں کی وکالت کی جارہی ہے وہ غیر ملکی حکومت یا بین الاقوامی تنظیم کو تبدیلی کی وکالت کرتے ہیں کہ وہ اپنی یا اسی طرح کی حکومتوں میں زیادہ کامیاب حکمرانی سے وابستہ ہوں۔

تقابلی سیاست علم سیاست کا ایک ذیلی شعبہ ہے، جو تقابلی طریقہ پر مبنی ایک تجرباتی نقطہ نظر کی ایک خصوصیات ہے۔ در حقیقت، تقابلی سیاست کی اپنی ذات میں خاص توجہ نہیں ہے، بلکہ طریقہ کار ایک ہے۔ اس میں "کس طرح پر تجزیہ کیا ہے" کہ وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، تقابلی سیاست کی وضاحت اس کے مطالعے کے مقصد سے نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس کے ذریعے سیاسی مظاہر کے مطالعے پر نافظ ہوتی ہے۔ جب مطالعے مخصوص شعبوں پر لاگو ہوتی ہے تو، تقابلی سیاست کی طرف دوسرے ناموں سے بھی اشارہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً تقابلی حکومت (حکومت کی شکلوں کا تقابلی مطالعہ) یا تقابلی خارجہ پالیسی (عام ریاست قائم کرنے کے لیے مختلف ریاستوں کی خارجہ پالیسیوں کا موازنہ کرنا) ریاست کی خصوصیات اور اس کی خارجہ پالیسی کی خصوصیات کے مابین تجرباتی روابط۔

تقابلی سیاست میں منظم مطالعہ اور دنیا کے سیاسی نظام کا موازنہ شامل ہے۔ اس مین دونوں ممالک کے مابین مماثلتوں اور مماثلتوں کی وضاحت کرنا چاہتی ہے۔ یہ خاص طور پر سیاسی نظاموں میں موئثر، عمل اور باقاعدگیوں کی تلاش میں دلچسپی رکھتا ہے۔ یہ رجحانات کی تلاش کرتا ہے، پیٹرن میں تبدیلی کے لیے، اور یہ عام رجحانات یا فرض تصورات تیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جو ان رجحانات کی وضاحت کرتے ہیں۔ تقابلی سیاست مختلف موضوعات کا احاطہ کرتی ہے۔ فیلڈ میں کسی کی بھی توجہ نہیں ہے۔ مختلف اسکالرز کی مختلف ترجیحات ہیں۔

اس میں متعدد قسم کے مطالعے ہوتے ہیں۔ تقابلی سیاست کے طلباء کی اصل تعلیم درج ذیل ہیں:

(1) ایک ملک کی تعلیم: ایک ملک کی تعلیم یا ایک خاص ادارہ جیسے سیاسی جماعتیں، ملیشیا، پارلیمنٹ، مفادات گروپ، سیاسی عمل یا فیصلہ سازی، یا عوامی پالیسی، مثال کے طور پر، اس ملک میں مزدور یا فلاحی پالیسی۔ جب ہم کسی ایک ملک یا ادارے پر توجہ دیتے ہیں تو ضروری ہے

کہ اس مطالعے کو ایک بڑے تقابلی ڈھانچے میں رکھیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں یہ بتانا چاہیے کہ مضمون کیوں اہم ہے اور یہ کن بڑے تناظر میں فٹ ہیں۔

(2) دو یا دو سے زیادہ ممالک کی تعلیم: یہ حقیقی تقابلی مطالعات کی فراہمی۔ تحقیق اور سفر کے اخراجات کے لحاظ سے عام طور پر مشکل اور زیادہ مہنگا ہوتا ہے۔

(3) علاقائی مطالعہ: اس میں افریقہ، لاطینی امریکہ، مشرق وسطیٰ، مشرقی ایشیاء، جنوب مشرقی ایشیاء، جنوب ایشیاء، یورپ یا دیگر ذیلی علاقوں کی تعلیم شامل ہو سکتی ہے۔ اس طرح کے مطالعات کارآمد ہیں کیوں کہ ان میں ایسے ممالک کے گروپ شامل ہیں جن میں مشترکہ طور پر متعدد چیزیں ہو سکتی ہیں، مثال کے طور پر، اسی طرح کی تاریخ، ثقافتیں، زبان، مذہب، نو آبادیاتی پس منظر وغیرہ۔

(4) علاقوں میں مطالعہ: انجام دینے میں اکثر مہنگا اور مشکل ہوتا ہے۔ اس طرح کے مطالعے میں افریقہ اور مشرق وسطی میں فوج کے کردار یا مشرقی ایشیائی ممالک اور لاطینی امریکہ کی ترقی کے بالکل مختلف راستوں کی موازنہ شامل ہو سکتی ہے۔

(5) عالمی موازنہ: عالمی بینک، اقوام متحدہ اور دیگر ایجنسیوں کے جمع کردہ بہتر اعداد و شمار کے ساتھ، اب عالمی سطح پر موازنہ کرنا ممکن ہے۔

(6) موضوعاتی علوم: تقابلی سیاست موضوعات کے ساتھ ساتھ ممالک اور خطوں پر بھی مرکوز ہے۔ مثال کے طور پر، انحصار کا نظریہ، کارپوریٹیزم، ریاست کا کردار، فوجی پیشہ وارانہ ومل کا عمل جیسے موضوعات۔ موضوعات مطالعات اکثر پیچیدہ ہوتے ہیں اور عام طور پر زیادہ تجزیہ کار ماہرین کرتے ہیں۔

2.3.1 تقابلی سیاست کیوں ضروری ہے (Why Comparative Politics is necessary)

تقابلی سیاست اس لیے اہم ہے کہ اس سے پوری دنیا میں سیاسی نظام کی نوعیت اور اس کے کام کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ پوری دنیا میں ہمارے پاس تاریخی، معاشرتی، نسلی، ثقافتی تاریخ کے مطابق طرح طرح کے نظام موجود ہیں۔ یہاں تک کہ سیاسی تنظیموں کے اس طرح کے ڈھانچے ایک ملک سے دوسرے ملک میں مختلف ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہندوستان اور متحدہ ریاستیں جمہوری نظام رکھتی ہیں تاہم متحدہ ریاستیں ہندوستان کے مقابلے میں ایک آزاد خیال جمہوریت ہیں۔ یہاں تک کہ ہندوستانی جمہوریت کی روشنی میں جب دیکھا جائے تو متحدہ ریاستوں میں بھی انتخابی عمل مختلف ہے۔ متحدہ ریاستوں میں ایک اعلیٰ رہنما کی حیثیت سے صدر ہوتا ہے جب کہ ہندوستان میں وزیر اعظم ہوتا ہے۔ تقابلی سیاست ان بنیادی اختلافات کو سمجھنے میں ہماری مدد کرتی ہے کہ جمہوری ہونے کے باوجود دونوں ممالک کیسے ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

یہ مطالعہ بین الاقوامی تعلقات اور تنازعات کے حل کے میدان میں بھی بہت اہم ہے۔ تقابلی سیاست عالمی سیاست اور پوری دنیا میں موجودہ حالات کی وضاحت کرنے میں بین الاقوامی تعلقات کی مدد کرتی ہے۔ اگرچہ یہ دونوں علم سیاست کے مختلف ذیلی شعبے ہیں، تقابلی سیاست خارجہ پالیسی کی ابتدا اور کسی ملک گھریلو سیاسی طرز عمل اور اس کے کام کرنے پر بین الاقوامی پالیسیوں اور نظاموں کے اثرات کا

مطالعہ کرتی ہے۔ مختصر یہ کہ تقابلی سیاست ہمیں اس دنیا کو سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ اس دنیا کا ہر ایک ملک اپنے آپ کو کس طرح انجام دیتا ہے۔

2.3.2 تقابلی سیاست کا مطالعہ کیوں؟ (Why to Study Comparative Politics?)

تقابلی سیاست کے مطالعہ کی بہت سی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں:

(1) سب سے پہلے، یہ تفریحی اور دلچسپ ہے، اور دوسرے ممالک، خطوں اداروں، تنظیموں، سیاسی جماعتوں دفتر شاہی نظام اور دنیا کے بارے میں بہت کچھ سیکھ جاتا ہے۔

(2) دوسرا، تقابلی سیاست کا مطالعہ کرنے سے ایک شخص کو ذات پات پر قابو پانے میں مدد ملے گی۔ تمام لوگ اور ممالک نسلی نژاد ہیں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ امریکی خاص طور پر متاثر ہیں۔

(3) تیسرا، ہم تقابلی سیاست کا مطالعہ کرتے ہیں کیونکہ اس سے یہ سمجھنے میں مدد ملتی ہے کہ قومیں کس طرح بدلتی ہیں اور جو نمونہ موجود ہیں۔

(4) تقابلی سیاست کے مطالعہ کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ یہ فکری طور پر متحرک ہے۔ ان سوالات پر غور کریں: کچھ ممالک جدید کیوں بنتے ہیں اور دوسرے کیوں نہیں؟ کیوں کچھ ممالک جمہوری ہیں اور دوسرے نہیں؟

(5) پانچویں، تقابلی سیاست کا سخت اور موثر طریقہ کار ہے۔ تقابلی طریقہ تجزیہ کا جدید ترین ٹول ہے اور یہ ایک نئی راہ کے لیے ہمیشہ کھلا رہتا ہے۔

2.3.3 تقابلی سیاست کا طریقہ کار (Methods of Comparative Politics)

(1) بہت سارے مطالعات مقداری طریقوں کو استعمال کرتے ہیں جیسے رائے کے سروے اور مجموعی تجزیہ، اور وقت کے اعداد و شمار کے استعمال میں بھی اضافہ ہوا ہے۔

(2) تقابلی سیاست نے مقداری اور غیر مقداری مادوں کو یکجا کرنے کی افادیت کے بارے میں زیادہ سے زیادہ شعور تیار کیا ہے۔

2.4 تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت میں فرق

(Difference between Comparative Politics and Comparative Government)

تقابلی حکومت اور سیاست کی اصطلاح جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے، اس کا مطلب ہے ایک ملک کی حکومت، سیاست اور دوسرے ملک کے ساتھ سیاسی نظام کا تقابلی مطالعہ۔ المانڈ اور پاؤل کے مطابق، "تقابلی نقطہ نظر اتنا ہی پرانا ہے جتنا کہ خود علم سیاسیات میں"۔ تقابلی سیاست کا مطالعہ دو طریقوں سے کام کرتا ہے:

سب سے پہلے، یہ ہمارے اداروں کے بارے میں نقطہ نظر پیش کرتا ہے۔ دوسرے معاشروں میں سیاست کا جائزہ لینے سے ہمیں سیاسی متبادلات کی وسیع رینج سیکھنے کی اجازت ملتی ہے۔ اس طرح، یہ ہماری اپنی سیاسی زندگی میں خوبیوں، کوتاہیوں اور امکانات کو روشن کرتا ہے۔

دوسرا، تقابلی تجزیہ وضاحتوں کو تیار کرنے اور سیاسی عمل کے کام کرنے کے طریقوں کی جانچ کرنے میں مدد کرتا ہے۔ لہٰذا، سیاسی مفکرین کے ذریعے تقابلی طریقہ کار کی استدلال اور نیت اسی طرح کی ہے جو زیادہ عین علوم، جیسے فلکیات اور حیاتیات میں استعمال ہوتی ہے۔

2.4.1 تقابلی سیاست (Comparative Politics)

تقابلی سیاست ایک اصطلاح ہے جو ایک سے زیادہ قومی ریاست یا ملک کی سیاسی تفہیم کے مطالعے کا حوالہ دیتی ہے تاکہ عین مطابق موازنہ کیا جا سکے۔ یہ سیاست میں مطالعے کا ایک ایسا علاقہ ہے جیسے پوری دنیا میں بڑے پیمانے پر زیر بحث اور مطالعہ کیا جاتا ہے۔ تقابلی سیاست کے لیے دو اہم نقطہ نظر ہیں: ایک کراس قومی نقطہ نظر اور دوسرا علاقہ مطالعہ کا نقطہ نظر۔ پہلی قسم کے نقطہ نظر میں نظریات اور ان کے اطلاق کی وسیع تر تفہیم کے لیے متعدد قومی ریاستوں کا بیک وقت مطالعہ کرنا شامل ہے۔ دوسرا قسم کا مطالعہ ایک خاص سیاسی علاقے، ایک ریاست، ایک ملک، ایک قومی ریاست یا دنیا کے کسی خطے میں سیاست کے گہرائی سے تجزیے سے متعلق ہے۔

2.4.2 تقابلی حکومت (Comparative Government)

تقابلی حکومت سیاست کا ایک ذیلی شعبہ ہے جو متعدد منتخب ممالک میں حکومتوں کی نوعیت کا باقاعدہ مطالعہ، تجزیہ، اور موازنہ کرتی ہے۔ حکومت ملک میں حکمرانی کی اعلیٰ درجے کی تنظیم ہے یا قومی ریاست۔ تقابلی حکومت کے مطالعے کے ذریعے، دنیا بھر میں درپیش حکومتوں کی مختلف اقسام کا مطالعہ، تجزیہ اور ان اختلافات کو سمجھنے اور کسی بھی ممکنہ عمل کی تلاش کرنے کے نظریے کے ساتھ موازنہ کیا جاتا ہے جس سے کوئی ملک دوسری چیز سیکھ سکتا ہے اور ڈھال سکتا ہے۔

2.5 تقابلی سیاست کی افادیت (Utility of Comparative Politics)

غیر ملکی سیاسی نظام کے مطالعہ میں دلچسپی بھی اپنے اداروں کی ترقی کے لیے نئے آئیڈیا حاصل کرنے کی خواہش سے نکلتی ہے۔ اسی طرح، ایک ادارے کے بارے میں علم دوسروں کی مدد کر سکتا ہے۔ لیکن تقابلی سیاست کا مطالعہ کرنے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ ضرورت کی طرف اشارہ کرنے کی زیادہ وجوہات ہیں۔ سیاسی حقیقت کے بارے میں ہماری تفہیم کو بڑھانے کے لیے، تقابلی سیاست کی افادیت اور مطابقت سے وابستہ ہونا چاہیے۔ یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ نظم وضبط کا تقابلی مطالعہ ہمیں اس حقیقت کو بہتر طریقے سے سمجھنے میں کس طرح مدد کرتا ہے۔ ہمیں سب سے پہلے اور یہ بات اپنے ذہن میں رکھنی چاہیے کہ وہ سیاسی طرز عمل جو تمام انسانوں میں عام ہے اور یہ خود کو متنوع طریقوں سے اور پوری دنیا میں متنوع سماجی اور ادارہ جاتی تنظیموں کے تحت ظاہر ہوتا ہے۔ ان سے متعلق تفہیم کہا جا سکتا ہے اور اسی

کے ساتھ ہی مختلف سیاسی طرز عمل اور نمونے خود سیاست کے بارے میں ہماری تفہیم کا لازمی جزو ہیں۔ ایک جامع اور مستحکم تفہیم عام طور پر موازنہ کی شکل اختیار کرے گی۔ مختلف سیاسی مسائل کے حل کے لیے تقابلی سیاست کا مطالعہ بہت اہم ہے۔ اس کی افادیت کی نیچے ذیل میں بات کی گئی ہے۔

(1) متعدد سیاسی نظاموں میں مماثلت اور مماثلت کے برعکس یا اختلافات کا ادراک ممکن ہے: جب ہم دو سیاسی نظاموں کا موازنہ کر سکتے ہیں، جو یکساں نظر آتے ہیں، تو ہم ان کے اختلافات اور ان کی حقیقی مماثلت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے اندرونی طرز عمل میں بہت سے اختلافات ہیں۔ اسی طرح، سسٹم میں بہت سی مماثلت رسمی ہو سکتی ہے جو مختلف معلوم ہوتی ہے۔ لہذا اس کو اسی طرح کے اور مختلف نظاموں سے موازنہ کرنے سے، کسی ملک کے سیاسی نظام کا صرف مطالعہ کیا جا سکتا ہے اور کچھ مخصوص نظریات بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ہم ہندوستان اور برطانیہ کے سیاسی نظام کا موازنہ کر سکتے ہیں، جو ایسا ہی لگتا ہے اور ہمیں معلوم ہے کہ وہ نظام اور روایات، جو اپنے معاشرتی، معاشی، ثقافتی اور جغرافیائی عوامل کی بناء پر برطانیہ میں ترقی کر رہی ہیں، مختلف پس منظر کی وجہ سے ہندوستان میں ترقی یافتہ نہیں ہے۔ ہندوستان میں، جیسے سیاست کی مذہبی، ذات پات، فرقہ وارانہ اور علاقائی بنیادوں سے پیدا ہونے والے عیب کا عروج، ایک مضبوط پارٹی کے ساتھ ملٹی پارٹی نظام کی ترقی، سیاسی اخلاقیات میں اضافہ اور انتظامی طبقے کی وجہ سے بدعنوانی کے نتائج اور اس کی خصوصی شرائط ہیں۔

(2) تقابلی مطالعہ ضروری ہے کیونکہ ممالک کے قریبی تعلاقات ہیں: نقل و حمل اور مواصلات کے ذرائع جنہیں دنیا کے ممالک ایجادات کی زیادہ ترقی کی وجہ سے ایک دوسرے کے بالکل قریب آ چکے ہیں۔ دور دراز کے ممالک میں رونما ہونے والے واقعات کے ان کے فوری اثرات ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، ممالک کے مابین باہمی انحصار بھی بڑھایا جا رہا ہے۔ مختلف ممالک کے نظریات اور مختلف سیاسی نظاموں کے حامل ممالک، بین الاقوامی تعاون کے احساس کے سبب ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کو بڑھا رہے ہیں۔ جب بھی، دنیا کے کسی حصے میں امن کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو، پوری دنیا کوشش کرتی ہے کہ وہاں امن قائم ہو۔ ترقی پزیر اور ترقی یافتہ ممالک باہمی تعاون کے لیے کوششیں کرتے ہیں اور ترقی پذیر ممالک اپنے مختلف طرز زندگی کے باوجود ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اس ملک کو بین الاقوامی تعاون کے لیے دوسرے ممالک کے سیاسی نظاموں میں مستقل طور پر مطالعہ کرنے کے بعد ہر ملک اپنی پالیسیاں تیار کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا میں ہر جگہ تقابلی سیاست کا مطالعہ کیا جا رہا ہے۔

(3) تقابلی طریقہ سائنسی طریقہ ہے: جدید دور میں سیاست کو ایک سائنس سمجھا جاتا ہے، کیوں کہ اس کے مطالعے میں سائنسی طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ تقابلی طریقہ ایک اچھا سائنسی طریقہ ہے۔ لہذا، سیاست کے مطالعہ میں، اس کا ایک اہم مقام ہے۔ اس طریقہ کار میں، حقائق یکجا کیے جاتے ہیں، ان کی درجہ بندی کرنے کے بعد اسی کی جانچ کی جاتی ہے اور پھر نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔ ان دنوں سیاسی نظاموں کے مطالعہ میں تقابلی طریقہ کو استعمال کرتے ہوئے کئی صدیوں کے وقفے کے بعد ارسطو کے قائم کردہ نتائج کو بھی سمجھا۔ جدید دور میں اس طریقہ کار کی ایک خاص اہمیت ہے کیونکہ ان دنون، نہ صرف رسمی اداروں جیسے مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کا مطالعہ کیا جاتا ہے بلکہ غیر رسمی اداروں جیسے رائے عامہ، انتخابات اور ووٹنگ، بااثر اور مفاداتی گروہ وغیرہ کا بھی مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقابلی طریقہ زیادہ

سائنسی ہو گیا ہے اور اس نے زیادہ اہمیت حاصل کی ہے۔

(4) سیاسی نظاموں کے سیاق وسباق کو سمجھنا ممکن ہے: تقابلی طریقہ کی مدد سے سیاسی نظام کے سیاق وسباق کو سمجھنا ممکن ہے۔ مثال کے طور پر، متعدد سوالات پیدا ہوتے ہیں، کیوں کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، انگلینڈ اور کینیڈا میں دو پارٹی نظام تیار ہوا ہے؟ اور کیوں ہندوستان میں کثیر جماعتی نظام تیار ہوا ہے؟ لبرل اور کمیونسٹ ممالک میں جمہوریت کی شکلیں کیوں مختلف ہیں؟ ہم تقابلی طریقہ کی مدد سے مختلف سیاسی نظاموں کی مماثلتوں اور اختلافات کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کی وجوہات بھی تلاش کرسکتے ہیں۔ یہ صرف مختلف سیاسی نظاموں کے سیاق وسباق کو سمجھنے سے ہی ممکن ہے۔ اگر ہم سویڈن، آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کی حکومت کے استحکام اور فرانسیسی اور اطالوی حکومتوں کے عدم استحکام کو سمجھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان ممالک کے سیاسی اداروں کے سیاق وسباق کو سمجھنا ہوگا۔

2.5.1 نظریاتی تشکیل کے لیے موازنہ

زیادہ تر تقابرین یہ استدلال کریں گے کہ سیاست کا تقابلی مطالعہ کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے شعوری طور پر موازنہ کرنے کی کوشش کرتا ہے جس کو عام کیا جاسکتا ہے جو متعدد معاملات کے لیے سچ ثابت ہوتا ہے، جب کہ ہمارے تمام استدلال اور سوچ کے ایک باطن سے موازنہ کرنا۔ اعتماد کی ڈگری کے ساتھ اس طرح کے عام کرنے کے قابل ہونے کے لیے، یہ صرف ممالک کے بارے میں معلومات یکیجا کرنا کافی نہیں ہے۔ تقابلی سیاسی تجزیہ میں تناؤ نظریہ سازی پر ہے اور ممالک کے ساتھ نظریہ کی جانچ یونٹوں یا معاملات کی حیثیت سے کی جارہی ہے۔ لہذا ترقیائی اصولوں اور معیارات پر، بہت زیادہ زور دیا گیا ہے اور تقویت انگیز تحقیق کو کس طرح انجام دیا جانا چاہیے، اس کے بارے میں توانائیاں صرف کر دی گئیں۔ تمام عمومات ایک سے زیادہ مظاہروں کے مشاہدے پر مبنی ہیں یا تقابلی مطالعے کے ذریعے متعدد مظاہر کے مابین تعلقات کے مشاہدے کو یقینی بنایا گیا ہے۔ مشاہدہ کائنات جتنا وسیع ہے، اس سے متعلق تعلقات اور زیادہ بہتر نظریات کے بارے میں بیانات پر اعتماد اتنا ہی زیادہ ہے۔

2.5.2 سائنسی سختیوں کے لیے موازنہ

تقابلی طریقہ کے بارے میں گفتگو ان نظریات کو سائنسی بنیادوں اور سختیاں دیتی ہے۔ معاشرتی سائنس دان، جو سائنسی ڈحت سے متعلق، صداقت اور یقین دہانی پر تاکید کرتے ہیں، کیونکہ وہ معاشرتی علوم کے تقابل کو دیکھنے کے لیے معاشرتی مظاہر کے مطالعہ میں 'کنٹرول' کا انوکھا موقع پیش کرتے ہیں۔ بیرونی اثر ورسوخ کے کردار کو ہلکا کرنے کے بغیر، اس وجہ سے، کسی کو توقع کی جاسکتی ہے کہ مابعد کے بعد کے دور میں تقابلی سیاست کے دائرہ وسیع ہونے کی توقع کی جاسکتی ہے، اس طرح سائنسی طریقہ کار میں مابعد جنگ دلچسپی بھی۔ 1920 اور 1930 کی دہائی میں، کوئی بھی اس شعبہ کی تجزیہ خصوصیات میں ڈھیلے پن کے بارے میں کچھ بے چینی کا پتہ لگا سکتا ہے۔ طریقہ پر 'فریڈرک' کا نظریہ ان کی غیر سائنسی تجزیہ پرستی کے لیے معذرت خواہ ہے، لیکن وہ اپنے کام کے لیے ان پہلوؤں سے معذرت کرنے پر مجبور نہیں ہوتا ہے۔ یقینی طور پر، متعدد سیاق وسباق میں طرز عمل کے بارے میں درمیانی فاصلے کے نظریات کی تشکیل تجزیہ کاروں کی رہنمائی کرسکتی ہے۔

طریقہ کار اور غیر روایتی تصورات اور طریقوں کی بڑھتی ہوئی سختی کی طرف دیکھنا بغیر کسی محرک کے مشکل نہیں ہے۔ جس لمحے سے کوئی شخص اس طرح کی تجویزوں کے بارے میں سوال اٹھانا شروع کرتا ہے جیسے آئینی حکومت اور جمہوریت میں پائی جاتی ہے، اور یہ عین طور پر سختی اور غیر آئینی عدم موجودگی ہے جس نے اس تجویز کو جنم دیا ہے اور کوئی اس طرح کے معاملات سے مشکل سے بچ سکتا ہے۔

سیاسی سائنس دانوں کے نظریاتی سازوسامان، جیسے کسی اور کے لیے، عام طور پر انہیں ناکام بناتے تھے جب انہوں نے انتہائی امتیاز کے برعکس سیاسی نظام کا مقابلہ کیا، جو باقاعدہ طور پر منظم کیا گیا تھا، بنیادی طور پر مغرب کے جمہوری یا استبدادی نظاموں کا اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ سماجی سائنس دانوں کے ساتھ اسکول گئے، اسی وجہ سے، جو زیادہ مناسب نظریاتی اوزار پیش کرتے ہیں اور ان اوزاروں کو استعمال کرنا سیکھتے ہیں۔

2.6 تقابلی سیاست کے استعمال (Uses of Comparative Politics)

علم سیاسیات کے موضوعاتی موضوع کی تقسیم کی حیثیت سے تقابلی سیاست کے لیے موزوں حدود کے بارے میں کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے، اس طرح کے ذیلی نظم وضبط کے ممکنہ مقاصد اور استعمال کے بارے میں کچھ جائزہ لینا چاہیے۔ ایک جاری سائنسی انٹرپرائز کے ایک حصے کی حیثیت سے، موازنہ کسی بھی صورت میں سیاسی سائنس کے عمومی طریقہ کار میں شامل ہے۔ یہ حقیقت کے خلاف پروپوزل کی جانچ کا ایک طریقہ ہے، مفروضے پیدا کرنا، نظریات اور محصولات کی اصلاح اور ان میں ترمیم کرنا: سیاست کی وضاحت کو بہتر بنانے کے لیے۔ کیا یہ زیادہ ہو سکتا ہے؟ وضاحت سے، کیا ہم موازنہ بنیاد پر پیشن گوئی کرنے کا اقدام کر سکتے ہیں، حالانکہ خام خیالی انداز میں؟ اس کا جواب ایک ناقابل تردید 'ہاں' ہے۔

علم سیاسیات، بین ثقافتی اور بین ثقافتی تقابلی مطالعے کی بنیاد پر ہے، جو اعلیٰ سیاسی اعتماد کے ساتھ بعض سیاسی مظاہر کی انتہائی درست پیش گوئیاں کرنے کے قابل ہے۔ انتخابات کا رخ بدلا اور نتائج، مخصوص قسم کی کمیٹی یا قانون ساز ادارہ کے فیصلے، بین الاقوامی واقعات پر سفارتی رد عمل، متحدہ ممالک کے نمائندوں کی تقریروں کا مواد: ان سب کی اکثر پیش گوئی کی جا سکتی ہے کہ درست ہونے کے بے ترتیب امکانات سے کہیں زیادہ- کم از کم ملازمت کے طریقہ کار میں مبتلا غلطی کی کچھ حدود میں ہی۔ لیکن یہ پیش گوئی کے لحاظ سے پیش گوئی کے بہت کارآمد شعبے نہیں ہوسکتے ہیں، یا (انتخابی پیش گوؤں کے ساتھ) ملازمت کے طریقہ کار میں غلطی کی حد تک ان کی افادیت کو کم کیا جاسکتا ہے تو، سیاست دانوں اور پالیسی سازوں، شہزادوں یا عوام کے لیے تقابلی سیاست کی کیا مطابقت ہے؟

پیش گوؤں اور وضاحتوں کے درمیان ڈوبن کا فرق، سب سے پہلے نتائج سے متعلق اور دوسرا باہمی تعامل سے متعلق ہے۔ دونوں استعمال کے لحاظ سے قیمتی ہو سکتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں یا ہمیشہ ساتھ مل جاتے ہیں۔ کوئی ان نتائج کی پیش گوئیاں کرنے کے قابل ہو سکتا ہے جو ان سے ہونے والی تعاملات کی وضاحت کرنے کے قابل نہیں ہیں، یا کسی اعتماد کے ساتھ تعاملات کی وضاحت کرنے کے قابل ہیں جس کے نتیجے میں ان کے نتائج برآمد ہوں گے۔ قدیم مرحلے کا ایک ایسا پیمانہ جس میں ابھی تک سیاسی سائنس خود کو ایک مفید پیش گوئی یا عملی

سائنس کی حیثیت سے پائے گی جیسے سیاسی علوم فارغ التحصیل افراد کی سرکاری خدمت میں نہ ہونے کے برابر ملازمت کے لحاظ سے، خاص طور پر جب معاشیعت کے ماہرین، وکلاء، ماہر نفسیات یا ملازمت کے مقابلے میں، حال ہی میں، ماہر معاشیات ہیں۔

ایک دوسری طرف، تقابلی سیاسی تحقیق کے نتائج کی افادیت کی کم ڈگری یا اس کا اطلاق محققین اور اس کے ممکنہ مؤکل کے مابین مواصلات کی ناکامی کے بڑے پیمانے پر ہو سکتا ہے۔ کسی اکیڈمک جریدے میں شائع ہونے والے نتائج یا دوبارہ یاد دہندگی والی کتابیں کبھی بھی اراکین اسمبلی، منتظم، پارٹی عہدیداروں یا پالیسی مشیر کی توجہ میں نہیں آسکتی ہیں۔ کبھی کبھار، تحقیق براہ راست شروع کی جاتی ہے۔ سیاسی سائنس دانوں نے مقبوضہ یورپ میں جنگ کے بعد کی تعمیر نو کے مسائل سے نمٹنے میں اپنی مہارت کا استعمال کیا، دوسروں نے سابق نو آبادیاتی ریاستوں میں آئین سازی میں حصہ لیا، جب کہ دوسرے لوگ اپنی حکومتوں کی روشن خیالی کے لیے ایک بار پھر کمیونسٹ دنیا کے مسائل کا مطالعہ کرتے ہیں۔ بد نام زمانہ "پروجیکٹ کاپلوٹ"، 1969 میں مغربی جرمنی کی وفاقی حکومت کی آصلاحات، برطانوی سول سروس، مقامی حکومت اور انتخابی اصلاحات، رانڈ کارپوریشن کے بہت سارے خدشات، یہ سیاسی سائنس دانوں کے استعمال کی دوسری مثالیں ہیں- جس میں اکثر سیاسی یا پالیسی سازی کے مقاصد کے لیے واضح موازنہ شامل کیا جاتا ہے۔ لیکن عام طور پر ماہر سیاست دان یا تجربہ کار سیاست دان یا ایڈمنسٹریٹر کے تجرباتی تجربات غیر متعلقہ، رازداری، وقت کا دباؤ، اور تکنیکی زبان کے امتیاز کی وجوہات کی بنا پر۔

2.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

- مفاد گروپ : مشترکہ مفاد کے تحت لوگ ایک ساتھ جڑ گئے، یا تو اویکت یا متحرک ہو سکتا ہے۔
- دباؤ گروپ : لوگوں کی ایک باضابطہ تنظیم جو حکومت کے فیصلہ سازی پر اثر انداز ہونے کی کوشش کرتی ہے۔
- حکومت : ایک ایسی تنظیم جس نے طاقت کے استعمال کی نائز اجارہ داری رکھنے کا کامیاب دعویٰ کیا ہے۔
- سیاست : معاشرے میں فیصلے کرنا۔

2.8 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں اوپر بیان کیے گئے عنوان " تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت " کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، جیسے تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت کا تاریخی پس منظر، تقابلی سیاست اور حکومت کے مطالعہ کی اہمیت، تقابلی سیاست کیوں ضروری ہے، تقابلی سیاست کا مطالعہ کیوں، تقابلی سیاست کا طریقہ کار، تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت میں فرق، تقابلی سیاست کی افادیت اور آخر میں تقابلی سیاست کے استعمال پر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد تمام طرح کے سوالات وسکوک کو اپنے ذہن ودماغ سے سمجھ لے گا اور مختلف پہلوؤں پر جس طرح کا بھی سوالات پیدہ ہوں گے وہ ان کے جواب دینے کے قابل ہو جائے گا۔

2.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

2.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ تقابلی سیاست کا بانی کسے کہا جاتا ہے؟

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) روسو (d) میکاولی

2۔ تقابلی سیاست کا بنیادی مقصد کسی بھی ریاست یا ملک کی جاری حالت کو کیا بناتا ہے؟

(a) بہتر (b) خراب (c) دونوں (d) کوئی نہیں

3۔ تقابلی سیاست میں منظم مطالعہ اور دنیا کے سیاسی نظام میں کیا شامل ہے؟

(a) موازنہ (b) غیر موازنہ (c) دونوں (d) کوئی نہیں

4۔ یہاں تک کہ ہندوستانی جمہوریت کی روشنی میں جب دیکھا جائے تو متحدہ ریاستوں میں بھی انتخابی عمل کیسا ہے؟

(a) یکساں (b) مختلف (c) دونوں (d) کوئی نہیں

5۔ تقابلی سیاست کے مطالعہ کی کتنی وجوہات ہیں؟

(a) 4 (b) 5 (c) 6 (d) 7

6۔ تقابلی سیاست کا طریقہ کار کتنے ہیں؟

(a) 1 (b) 2 (c) 3 (d) 4

7۔ تقابلی سیاست کے اہمیت کے تحت تقابلی سیاست کی افادیت کے مطالعہ کو کتنے حصے میں تقسیم کیا گیا ہے؟

(a) 3 (b) 4 (c) 5 (d) 6

8۔ بدنام زمانہ "پروجیکٹ کاملوٹ" کس سال میں قائم کیا گیا تھا؟

(a) 1967 (b) 1968 (c) 1969 (d) 1970

9۔ پیش گوؤں اور وضاحتوں کے درمیان کس کا فرق، سب سے پہلے نتائج سے متعلق اور دوسرا باہمی تعامل سے متعلق ہے؟

(a) ڈیوڈ (b) ریچرڈ (c) آلمنڈ (d) ڈوبن

10۔ ایک جاری سائنسی انٹرپرائز کے ایک حصے کی حیثیت سے، موازنہ کسی بھی صورت میں علم سیاسیات کے کس طریقہ کار میں شامل ہے؟

(a) عمومی (b) غیر عمومی (c) خصوصی (d) غیر خصوصی

2.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ تقابلی سیاست اور حکومت سے کیا مراد ہے؟

2۔ کس بنیاد پر، تقابلی سیاست تقابلی حکومت سے مختلف ہے؟

3۔ تقابلی سیاست کی افادیت بیان کیجیے کیا ہے؟

4۔ تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت کو مختصر بیان کیجیے؟

5۔ تقابلی سیاست کے استعمال کو بھی مختصر میں لکھیے؟

2.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ تقابلی سیاسیات سے کیا ہے مراد ہے؟ اس کے افادیت پر روشنی ڈالیے۔

2۔ تقابلی سیاسیات کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟ تقابلی سیاسیات اور حکومت کے درمیان کے فرق کو واضح کیجیے۔

3۔ تقابلی سیاست اور حکومت کی اہمیت کا تاریخی پس منظر پر روشنی ڈالیے۔

2.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for further Readings)

---

1. Jeffrey. K. Robert (1972), Comparative Politics, University of Cambridge, England

2. Jeffrey. K. Robert (1972), What Is Comparative Politics, The Uses of Comparative Politics, University of Cambridge, England

3. B. Gay Petros (1998), Comparative Politics: Theory and Methods, Palgrave, London.

4. M.D Tarique Anwer (2013), Comparative Government and Politics, Mahatma Gandhi University, Shilong, Meghalaya.

5. Jorgan Rasmu Seen, (2017), The Significance and Aims of Comparative Politics, Rutledge.

6. J.C Johri (2008), Comparative Government and Politics, Sahitya Bhawan Publishers Private Limited, New Delhi

اکائی 3۔ تقابلی حکومت اور سیاست: روایتی نقطہ نظر

(Comparative Government and Politics: Traditional Approach)

اکائی کی اجزا

3.0 تمہید
3.1 مقاصد
3.2 نقطہ نظر اور طریقہ کار کے مابین فرق
3.3 روایتی نقطہ نظر
3.4 روایتی نقطہ نظر اور اس کے مختلف اقسام
3.5 روایتی نقطہ نظر پر تنقید
3.6 اکتسابی نتائج
3.7 کلیدی الفاظ
3.8 نمونہ امتحانی سوالات
3.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

3.0 تمہید (Introduction)

تقابلی حکومت اور سیاست تمام ممالک کے مابین گھریلو سیاست کا مطالعہ اور تخمینہ ہے۔ تقابلی حکومت اور سیاست کی ایک لمبی اور بہت ہی مشہور تاریخ ہے جو قدیم یونان اور روم میں منظم سیاسی علوم کی ابتدا سے ٹھیک پہلے کی ہے۔ یہاں تک کہ قدیم لوگوں نے اپنے حالات کا موازنہ دوسرے لوگوں کے ساتھ کیا جن کے ساتھ وہ رابطے میں آئے تھے۔ قدیم یونانیوں نے، زیادہ جدید اور سیکولر ممالک، کی مابعدانہ تقابلی کارکردگی کی شروعات کی۔ تقابلی حکومت اور سیاست علم سیاسیات کا ایک کلیدی شعبہ ہے جو کہ تقابلی طریقہ پر مبنی ایک تجرباتی نقطہ نظر سے مطالعہ کرتا ہے۔ اسے ایک اور طرح سے دیکھیں تو تقابلی سیاست گھریلو سیاست، سیاسی اداروں اور ممالک کے تنازعات کا مطالعہ ہے۔ اس میں اکثر ممالک کے مابین اور ایک ہی ملک کے اندر مبینہ وقت میں مماثلت اور مشابہت کے بڑے نمونوں پر زور دیا جاتا ہے۔

3.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد تقابلی حکومت اور سیاست کا سرسری جائزہ لیتے ہوئے تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت کے مابین فرق جاننا ہے۔ تقابلی حکومت اور سیاست کے منفرد نقطہ نظر پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے روایتی نقطہ نظر کی جانکاری حاصل کرنا ہے۔ اور ساتھ ساتھ روایتی نقطہ نظر کے مختلف اقسام کی تفصیل سے سیر حاصل بحث کرنا ہے۔

3.2 نقطہ نظر اور طریقہ کار کے مابین فرق (Difference between Aprrocah and Method)

کسی بھی کام کو انجام دینے میں نقطہ نظر اور طریقہ دو اہم تصورات ہیں۔ یہ دونوں عوامل دراصل آپ کے کام کی کامیابی کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔ نقطہ نظر وہ راستہ ہے جس کے ذریعے آپ اس منصوبے کے قریب جارہے ہیں۔ طریقہ وہ راستہ ہے جس آپ منصوبہ کو مکمل کرنے جارہے ہیں۔ نقطہ نظر اور طریقہ کار کے مابین یہ بنیادی فرق ہے ۔ یہ دو معنی الجھن میں ڈال سکتے ہیں کیونکہ وہ اوورلیپ ہورہے ہیں۔ لیکن ہم امید کرتے ہیں کہ مندرجہ ذیل تشریح کے بعد آپ کو ان شرائط کی واضح معلومات حاصل ہوگی۔

نقطہ نظر (Approach)

نقطہ نظر وہ راستہ ہے جس میں آپ کسی پروجیکٹ یا کام سے رجوع کرنے جارہے ہیں۔ اس سے مراد وہ زاویہ ہے جو آپ استعمال کررہے ہیں یا وہ سمت جو آپ لینے جارہے ہیں۔ کسی کام تک پہنچنے کے لیے ایک سے زیادہ راستے ہوسکتے ہیں۔ تعلیمی میدان میں، نقطہ نظر نظریاتی فریم ورک کا حوالہ دے سکتا ہے جسے آپ کسی پروجیکٹ میں استعمال کرنے جارہے ہیں۔

مثال کے طور پر، اگر کوئی استاد اپنے طلباء کو ادب کا ایک ٹکڑا دے، اور ان سے تجزیہ لکھنے کو کہے تو، مختلف طریقے ہوں گے۔ کچھ طلباء زبان کا تجزیہ کرکے کام سے رجوع کریں گے جب کہ کچھ طلبہ موضوعات پر توجہ دیں گے۔ اور بھی ایسے افراد ہوں گے جو ساخت کے تجزیے کے ذریعے کام تک پہنچتے ہیں۔

اسی طرح ادب کے کسی کام کے تجزیے میں، طلباء مختلف زاویوں اور نظریات کا استعمال کریں گے۔ ایک بار جب آپ یہ طے کر لیں کہ آپ کس طرح اس کام سے رجوع کرنے جا رہے ہیں، آپ ان طریقوں کا فیصلہ کر سکتے ہیں جو آپ استعمال کریں گے۔

طریقہ کار (Method)

طریقہ کار وہ راستہ ہے جس میں کچھ کیا جاتا ہے۔ طریقہ ہمیشہ منظم اور باضابطہ ہوتا ہے۔ یہ کام کو انجام دینے کے لیے یا مکمل ہونے والے کاموں کی ایک قدم بہ قدم وضاحت کا حوالہ ہے۔ مثال کے طور پر، اگر آپ کسی ناول پر تنقیدی مضمون لکھ رہے ہیں تو، طریقہ کار آپ کے تجزیہ کرنے والے مقامات اور جس انداز سے آپ تجزیہ کرتے ہیں، وہ راستہ ہو گا۔ اگر آپ تحقیق کر رہے ہیں تو، طریقہ کار وہ راستہ ہے جس میں آپ ڈیٹا اکٹھا کرتے ہیں اور ان کا تجزیہ کرتے ہیں۔ طریقہ کار بنیادی طور پر وضاحت کرتا ہے کہ کس طرح کچھ کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔

3.2.1 تقابلی حکومت اور سیاست کا مختصر تعارف

(Brief Introduction of Comparative Government and Politics)

بہت سارے سیاسی نظریہ نگاروں جیسے آرینڈ لیجفرٹ **(Arend Lijphart)** نے استدلال کیا کہ تقابلی سیاست کی اپنی ذات میں عملی توجہ نہیں ہوتی ہے، بجائے اس کے کہ یہ ایک / طریقہ کار ہے۔ آسان زبان میں، تقابلی سیاست کی وضاحت اس کے مطالعے کے مقصد سے نہیں کی گئی ہے، بلکہ اس طریقہ کار کے ذریعے سیاست مظاہر کے مطالعہ کو عمل میں لایا گیا۔ پیٹر مائر **(Peter Mair)** اور رچرڈ روز (Richard Rose) نے تقابلی سیاست کی ایک جدید تعریف پیش کرتے ہوئے کہا ہے کہ تقابلی سیاست کو ممالک کے سیاسی نظاموں کے مطالعے پر ایک خاص توجہ کے مرکب اور مشترکہ نمونوں کے استعمال سے ان ممالک کے مابین مماثلتوں اور مشابہتوں کو پہچاننے اور ان کی وضاحت کرنے کے ایک طریقہ کار کی مدد سے بیان کیا گیا ہے۔ روز نے ذکر کیا کہ تقابلی سیاست میں، "ایک سے زیادہ ملکوں پر ظاہری یا باطنی طور پر پوری توجہ دی جا رہی ہے، اس طرح ملک کے اندر موازنہ کو درکنار کر کے علم سیاسیات کے طریقہ کار کی پیروی کی جاتی ہے۔ میتھولوجیکل (Methodological) لحاظ سے، موازنہ اس کے تصورات کے استعمال سے ممتاز ہے جو ایک سے زیادہ ملک میں قابل اطلاق ہیں۔"

تقابلی سیاست کے میدان میں، اصطلاحِ سیاست کے تین مفہوم ہیں جیسے سیاسی سرگرمیاں، سیاسی عمل اور سیاسی طاقت۔ سیاسی سرگرمی ان کوششوں پر مشتمل ہوتی ہے جو اقتدار کی جدوجہد میں اپنا کردار ادا کرتے ہیں جس کے ذریعے تنازعات کے حالات پیدا ہو جاتے ہیں اور جہاں تک ممکن ہو اپنے مفاد کو مدِ نظر رکھ کر معاملات کا حل کیا جاتا ہے۔ سیاسی عمل سیاسی سرگرمی کی توسیع ہے۔ تقابلی سیاست میں سیاسی طاقت ایک اہم موضوع ہے۔ اقتدار کی اصطلاح کی تعریف مختلف مصنفین نے کی ہے۔ فریڈرک **(Friedrich)** نے طاقت کو ایک خاص قسم کا انسانی رشتہ قرار دیا۔ جب کہ **(Tawney)** نے طاقت کو کسی فرد یا افراد کے گروہ کی صلاحیت کے طور پر سمجھایا ہے جس سے وہ اپنی خواہش کے مطابق دوسرے افراد کے طرزِ عمل کو تبدیل کر سکے۔

بہت سارے نظریہ نگاروں نے یہ بیان کیا ہے کہ مطالعے کے ایک طریقہ کار کے بر خلاف مطالعے ایک موضوع کے لیے عام اصطلاح کے طور پر "تقابلی علم سیاسیات" کو فرسودہ مانا جاسکتا ہے۔ سیاسی صرف اس صورت میں سیاسی دکھائی دیتی ہے جب یا تو کوئی واضح یا باطن موازنہ کیا جارہا ہو۔ کسی ایک غیر واضح سیاسی ہستی کا مطالعہ، چاہے وہ معاشرہ، ذیلی ثقافت یا مدت ہو کسی اور معاشرے، ذیلی ثقافت، یا مدت کے ساتھ موازنہ کیے بغیر، سیاسی طور پر بے معنی ہو جاتا ہے۔

تقابلی سیاسیات میں مختلف تقابلی طریقوں کو استعمال کیا جاتا ہے جیسے تجرباتی طریقہ، شماریاتی طریقہ اور کیس اسٹڈی نقطہ نظر۔ یہ بنیادی سائنسی طریقے ہیں جو نظریاتی تجویزات کی صداقت کو جانچنے کے لیے استعمال کیے جاسکتے ہیں اور اکثر تجرباتی اعداد و شمار کے استعمال سے یعنی دو یا زیادہ تجرباتی یا تصورات کے مابین تعلقات قائم کر کے کیا جاتا ہے۔ خاص طور پر، تقابلی طریقہ اُس وقت استعمال کیا جاتا ہے جب نہ تو تجرباتی اور نہ ہی شماریاتی طریقہ کار لاگو کیا جاسکتا ہے۔ سیاسیات میں تجربات کیے جاسکتے ہیں۔ اعداد و شمار کے طریقہ کار سے مراد ہے کہ بڑی تعداد میں معاملات کے بارے میں مقداری اعداد و شمار کی تفصیل ہے، جب کہ بعض اوقات بہت کم معاملات بنیادی خوبیوں کا تجزیہ کر کے سیاسی تحقیق کی جاتی۔ کیس اسٹڈی کے نقطہ نظر کو سائنسی طریقہ نہیں سمجھا جاسکتا۔ تاہم کسی خاص معاملہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا مفید ثابت ہو سکتا ہے، جس کے بعد تقابلی طریقہ کے مطابق موازنہ کیا جاسکتا ہے۔

3.2.2 تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت کے مابین فرق

(Difference between Comparative Politics and Comparative Government)

نوعیت اور وسعت اس وقت قابل فخر ہے جب کوئی شخص تقابلی حکومت کی اہم خصوصیات اور اہمیت کو سمجھتا ہے۔ اگرچہ 'تقابلی سیاست' اور 'تقابلی حکومت' دو اصطلاحات کو ہلکے میں اور ایک دوسرے کے مابین استعمال کیا جاتا ہے، لیکن ان میں فرق موجود ہے۔ روایتی طور پر، سیاست کا تقابلی مطالعہ ہمارے سامنے 'تقابلی حکومت' کے عنوان سے کھڑا ہے۔ تقابلی حکومت میں مختلف ریاستوں میں موجود سیاسی اداروں کی خصوصیات اور قانونی طاقتوں کا مطالعہ شامل ہے۔ یہ تقابلی بنیاد پر اپنے قانونی اختیارات، فرائض، اور عہدوں کے لحاظ سے ریاست اور دیگر سیاسی اداروں کا مطالعہ ہے۔

تقابلی حکومت کی کلیدی خصوصیات (Characteristics of Comparative Government)

1۔ مختلف ممالک کے سیاسی اداروں کا مطالعہ

2۔ دنیا کے بڑے آئینوں کے مطالعہ پر توجہ۔

3۔ مختلف ممالک میں کام کرنے والے مختلف سیاسی اداروں کے اختیارات اور افعال کا مطالعہ

4۔ تنظیم اور اختیارات کا باضابطہ مطالعہ، آئینوں اور سیاسی اداروں کی خصوصیات کی تفصیل اور سیاسی اداروں کے قانونی اختیارات۔

5۔ مثالی سیاسی اداروں کا نظریہ واضح کرنا

یہ خصوصیات بیسویں صدی کے آغاز کے دوران حکومت کو تقابلی مطالعے کا مقبول شعبہ بناتی ہے۔اس کے نتیجے میں، بہت سے سیاسی ماہرین نے اس کے تنگ دائرہ کار، بدیہی طریقہ کار، اور باضابطہ قانونی - اداراتی اور معیاری نقطہ نظر کو تائید کیا ہے۔ تب ان محققوں نے سیاست کے عمل کی جامعیت، حقیقت پسندی، صحت سے متعلق اور سائنسی مطالعہ کو اپنا نیا مقصد سمجھتے ہوئے نئے طریقے سے تحقیق شروع کی اس لیے۔ان کی کوششوں اور تحقیقوں کو ہی تقابلی سیاست کا نام دیا گیا۔

بنیادی طور پر، تقابلی سیاست کے مطالعے میں سیاسی تجربات، اداروں، طرز عمل اور حکومت کے بڑے نظاموں کے عمل کا ذہن ساز تقابلی مطالعہ شامل ہے۔ اس میں باضابطہ سرکاری اعضاء کے مطالعے ساتھ آئینی اداروں کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ اس کا تعلق اہم روابط، مماثلت اور سیاسی طرز عمل کے کام کرنے کے فرق سے ہے۔ چنانچہ تقابلی سیاست کو اس موضوع کی حیثیت سے تعبیر کیا جاسکتا ہے جو سیاست کی نوعیت کو سمجھنے اور اس کی وضاحت اور سیاست کے سائنسی نظریہ کی تشکیل دینے کے لیے دنیا کے مختلف حصوں میں موجود سیاسی نظاموں کا موازنہ کرتا ہے۔

تقابلی سیاست کی کچھ مقبول تعریفیں (Important Definitions of Comparative Politics)

جان بلوندیل (John Blondel) کے مطابق تقابلی سیاست "معاصر دنیا میں قومی حکومتوں کے نمونوں کا مطالعہ " ہے۔ ایم جی اسمتھ (M.G. Smith) نے بیان کیا کہ "تقابلی سیاست سیاسی تنظیموں کی شکل، ان کی خصوصیات، ارتباط، تغیرات اور تبدیلی کے طریقوں کا مطالعہ ہے۔" ای اے فری مین (E.A Freeman) نے بیان کیا کہ "تقابلی سیاست حکومت اور متنوع سیاسی اداروں کی مختلف شکلوں کا تقابلی تجزیہ ہے"۔

مندرجہ بالا تعریفوں کی روشنی میں یہ رائے قائم کی جاسکتی ہے کہ تقابلی سیاست نہ صرف ادارہ جاتی اور میکانکی انتظامات کا تقابلی مطالعہ کرتی ہے بلکہ اس میں سیاسی طرز عمل کے غیر تنظیمی اور غیر سیاسی عزم کا ایک تجرباتی اور سائنسی تحقیقی پہلو بھی شامل ہے۔ اس طرح سیاسی عمل، ڈھانچے اور افعال کا تجرباتی مطالعہ تقابلی سیاسی علوم کا ایک اہم حصہ بن جاتا ہے۔

سیاسی علوم کے ادب سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقابلی تجزیہ میں مختلف معاشروں میں چلنے والے سیاسی نظاموں کا تقابلی موازنہ کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے کے لیے، یہ سیاست کے ان تینوں مضمرات کو مدنظر رکھتا ہے جن میں سیاسی سرگرمی، سیاسی عمل اور سیاسی طاقت شامل ہے۔ سیاسی سرگرمی میں وہ تمام سرگرمیاں شامل ہیں جو تنازعات کو حل کرنے یا اقتدار حاصل کرنے کی جدوجہد میں شامل ہیں۔ چونکہ تنازعات کے حل کا مجاز، بنیادی ذرائع کی اقداری تقسیم سے ہے، لہذا اس میں اس عمل کی تفتیش بھی شامل ہے جس کے ذریعے تمام معاشروں میں مستند اقدار بنائے جاتے ہیں اور ان کا نفاذ کیا جاتا ہے۔ اس تناظر میں، سیاست سیاسی عمل کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس میں تمام رسمی اور غیر رسمی ڈھانچے کا مطالعہ شامل ہے جس کے ذریعے سیاسی عمل چلتا ہے۔ سیاسی عمل ماحول و معاشرہ سے معلومات اور اشارات حاصل کرتا ہے اور پھر اِسی معلومات اور اشارہ کو مستند قدروں میں بدل دیتا ہے۔ آخر میں، سیاست، طاقت کے لیے جدوجہد یا جائز طاقت کے استعمال کے ذریعے تنازعات کے حل کا عمل ہونے کے ساتھ ساتھ، معاشرے میں طاقت کے تعلقات کا مطالعہ کرنا بھی شامل ہے۔

لاس وِل (Laswell) نے سیاست کو اقتدار کا حصول اور تقسیم کا عمل کے قرار دیا، جب کہ رابرٹ ڈہل(Robert Dahl) نے کہا کہ سیاست میں ایک اہم حد تک اقتدار حکومت اور اختیار شامل ہے۔ لہذا، سیاست کے مطالعہ میں طاقت کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ اسی طرح تقابلی سیاست میں مختلف سیاسی نظاموں میں سیاسی سرگرمی، سیاسی عمل اور اقتدار کے لیے جدوجہد کا مطالعہ اور موازنہ شامل ہے۔ یہ سیاسی نظاموں کا مجموعی انداز میں تجزیہ اور موازنہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے ڈھانچے، افعال، بنیادی ڈھانچے اور عمل کو تقابلی تجزیے کے ذریعے تلاش کرنا چاہتا ہے۔

تقابلی سیاست کی کلیدی خصوصیات (Characteristics of Comparative Politics)

1۔ تجزیاتی اور تجرباتی تحقیق۔

2۔ سیاست کا معروضی مطالعہ مطلب قدر سے آزاد تجرباتی مطالعہ۔ اس نے تقابلی حکومت کے وصولی وضاحتی طریقوں کو مسترد کر دیا ہے۔

3۔ سیاست کی کے بنیادی ڈھانچے کا مطالعہ۔ تقابلی سیاست اب افراد کے اصل سلوک کا تجزیہ کرتا ہے۔ ماحولیات کے تعلق سے انجمنی ڈھانچے، ذیلی نظام اور نظام کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ تمام اداروں کے اصل سلوک کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔

4۔ بین مضامین توجہ۔ تقابلی سیاست بین مضامین نقطہ نظر پر توجہ دیتا ہے۔ یہ دوسری سوشل سائنس جیسے نفسیات، اور سماجیات بشریات اور معاشیات کی مدد سے سیاست کا مطالعہ کرتا ہے۔

5۔ یہ ترقی یافتہ اور ترقی پذیر دونوں ملکوں میں سیاسی عمل کا مطالعہ کرتا ہے۔ اس نے روایتی علوم کی متعصبانہ اور متنازعہ نوعیت کو بالائے طاق رکھ دیا۔ اب ایشیاء، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے سیاسی نظاموں کے مطالعہ کو افریقی اور یورپی سیاسی نظاموں کے مطالعے کے ساتھ مساوی اہمیت حاصل ہے۔

6۔ نظریہ سازی بطور مقصد: تقابلی سیاست کے مطالعے کا مقصد سائنسی نظریہ سازی کرنا ہے۔

7۔ 'سیاسی نظاموں' کو اپنانا۔

مذکورہ بالا خصوصیات کے ساتھ، تقابلی سیاست، سیاست کی ایک نئی سائنس کے طور پر ابھری ہے۔ اس نے روایتی تقابلی حکومتی مطالعات کے غیر جامع دائرہ کار، باضابطہ کردار، قانونی اور ادارہ جاتی فریم ورک، اصول پسندی اور متنوع نوعیت پر پابندی عائد کر دی ہے۔

3.2.3 تقابلی حکومت اور سیاست کے اہم نقط نظر

(Important Approaches of Comparative Government and Politics)

سیاسی تفتیش کار زیادہ سے زیادہ سیاسی تفہیم حاصل کرنے کے لیے مختلف نقطہ نظر اور اوزارر ں کا استعمال کرتے ہیں۔ متعلقہ حقائق کی وضاحت کرنے میں وہ متنوع نقطہ نظر کی حمایت کرتے ہیں۔ سیاسی سائنسدانوں کے ذریعے سیاسی نظام اور طرز عمل کی پیچیدگی پر

حملہ کرنے کے لیے نقطہ نظر کے تنوع کا استعمال کیا جاتا ہے۔

روایتی طور پر تقابلی سیاست کے مطالعے کو 'موازنہ حکومت' کہا جاتا ہے۔ اس میں مختلف ریاستوں میں موجود سیاسی اداروں کا مطالعہ بھی شامل ہے۔ سیاسی اداروں کی خصوصیات، فوائد، برتاؤ، مشابہت اور مماثلت کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بہترین سیاسی اداروں کا پتہ لگانے کی کوشش ہے۔ انیسویں صدی کے آخر تک روایتی نظریہ توجہ کا مرکز اور مقبول رہا۔ بیسویں صدی میں، سیاسی حکومت کے مطالعے میں انقلابی تبدیلیاں آئیں۔ سیاست کے مطالعے کا روایتی توجہ ایک نئے دائرہ کار، طریقہ کار، تصورات، تراکیب سے بدلا جس کو سیاست کے مطالعے کے عصری نظریات کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ سیاسی محققین نے 'تقابلی سیاست' کی نئی سائنس تیار کرنے کی بڑی کوشش کی۔ انہوں نے تقابلی سیاست کے مطالعے نئے مقاصد کے طور پر جامعیت، حقیقت پسندی، درستگی اور سائنسی طریقوں کے استعمال کی تائید کی۔ اس نئی کوشش کو آج کل 'جدید' تقابلی سیاست کے طور پر فروغ دیا گیا ہے۔ جدید تشخیص میں تقابلی سیاست کا دائرہ زیادہ وسیع ہے۔ اس میں سیاسی ڈھانچوں، رسمی اور غیر رسمی، کے اصل سلوک کا تجزیہ اور موازنہ بھی شامل ہے۔ محققین کا خیال ہے کہ یہ سیاسی ڈھانچے، سرکاری یا غیر سرکاری، تمام سیاسی نظاموں میں براہ راست یا بالواسطہ سیاست کے عمل کو متاثر کرتے ہیں۔

روایتی اور جدید تقابلی سیاست دونوں ہی اس کے مطالعے کے لیے مختلف انداز اپناتے ہیں۔ روایتی سائنسدان ایک تنگ اور معیاری طریقہ کار پر عمل پیرا ہیں۔ اس میں قانونی اداراتی فریم ورک اور اصول پر مبنی توجہ کے ساتھ وضاحتی مطالعات شامل ہیں۔ جب کہ جدید سیاسی ماہرین عمل پر مبنی یا طرز عمل پر مبنی تجرباتی، تجزیاتی مطالعات کو توجہ کے ساتھ عمل میں لاتے ہیں اور وہ سائنسی طریقہ کار کو اپناتے ہیں۔ یہ سیاسی ڈھانچے کے حقیقی طرز عمل کو تجرباتی طور پر تجزیہ اور موازنہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

روایتی نقطہ نظر (Traditional Approaches)

علم سیاسیات میں روایتی نقطہ نظر دوسری عالمی جنگ کے آغاز تک بڑے پیمانے پر غالب رہا۔ یہ نقطہ نظر بنیادی طور پر سیاست کے روایتی انداز کے ساتھ وابستہ تھا جس نے ریاست اور حکومت کے مطالعے کی نشاندہی کی تھی۔ اس کے نتیجے میں، روایتی نقطہ نظر بنیادی طور پر تنظیم اور ریاست کی سرگرمیوں اور اصولوں اور سیاسی تنظیموں اور سرگرمیوں کو تحریک دینے والے نظریات کے مطالعے سے وابستہ ہیں۔ یہ نقطہ نظر بااصول اور معیاری تھے۔ سیاسی فلسفیوں نے ان طریقوں کی حمایت کی اور کئی سوالات اٹھائے جیسے کہ 'ایک مثالی ریاست کیسے ہونی چاہیے ؟' ان کے مطابق، علم سیاسیات کا مطالعہ حکومت کے باقاعدہ ڈھانچے، قوانین، قواعد وضوابط تک محدود ہونا چاہیے۔ لہذا، روایتی نقطہ نظر کے حامی مختلف اصولوں پر زور دیتے ہیں جیسے 'کیا ہونا چاہیے' بجائے 'کیا ہے'۔

3.2.4 روایتی نقطہ نظر کی خصوصیات (Characteristics of Traditional Approach)

روایتی نقطہ نظر کی اہم خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ روایتی انداز زیادہ تر اصول پسند یا نظریاتی ہوتے ہیں اور ان کا دباؤ سیاست کی اقدار پر ہوتا ہے۔

2۔ مختلف سیاسی ڈھانچے کے مطالعہ کو اہمیت دیتا ہے۔

3۔ روایتی طریقوں نے نظریہ اور تحقیق کے مابین تعلق پر بہت کم کوشش کی ہے۔

4۔ ان طریقوں نے مانا ہے کہ چونکہ حقائق اور اقدار ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، لہذا علم سیاسیات میں مطالعہ کبھی بھی سائنسی نہیں ہو سکتا ہے۔

3.4 روایتی نقطہ نظر کے مختلف اقسام (Different Types of Traditional Approach)

3.4.1 فلسفیانہ نقطہ نظر (Philosophical Approach)

فلسفیانہ نقطہ نظر سیاست کا مطالعہ کرنے کے لیے ایک روایتی نقطہ نظر ہے۔ روایتی طور پر، سیاست کے مطالعے کو عالمگیر سیاسی اقدار پر فلسفیانہ رنگ دیا گیا ہے جنہیں انصاف پسند ریاست اور اچھی ریاست کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا۔ سب سے قدیم نظریہ فلسفیانہ ہے۔ فلسفہ "سچائیوں یا اصولوں کا مطالعہ یا سائنس ہے جس میں تمام علم اور وجود موجود ہیں۔" اس میں یہ لازمی ہے کہ فلسفہ یا فلسفیانہ نقطہ نظر سیاسی واقعات یا واقعات کی حقیقت کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں سیاسی تحریروں کا مقصد یا سیاسی مصنف کا مقصد تلاشنا ہوتا ہے۔

فلسفیانہ نقطہ نظر کا بنیادی مقصد منطقی اور سائنسی انداز میں واقعات کے نتائج کا جائزہ لینا ہے۔ وان ڈائک (Van Dyke) نے کہا کہ "فلسفہ فکر کے بارے میں فکر کی نشاندہی کرتا ہے۔ کسی حد تک بڑے پیمانے پر اس کے ما حصل اور اسباب، مقاصد اور طریقوں کے عمومی تصورات کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔" فلسفیانہ نقطہ نظر کا مقصد سیاسی نظریہ نگاروں کے استعمال شدہ الفاظ اور اصطلاحات کی وضاحت کرنا ہے۔ فلسفیانہ نقطہ نظر سے شروع کی گئی تحقیقات مفروضوں کے بارے میں الجھن کو دور کرتی ہے۔

افلاطون (Plato) اور ارسطو (Aristotle) جیسے کئی یونانی فلاسفر اس نقطہ نظر کے تخلیق کار تھے۔ افلاطون کی تحریروں کا بنیادی موضوع ایک مثالی معاشرے کی نوعیت کی وضاحت کرنا تھا۔ یہ نقطہ نظر بیان کرتا ہے کہ حقائق سے اقدار لازم وملزوم ہیں۔ یہ بنیادی طور پر سیاست کا ایک اخلاقی اور اصولی مطالعہ ہے، لہذا اس کا تعلق ہے کہ 'کیا ہونا چاہیے' یا 'ہونا چاہیے'۔ یہ نقطہ نظر ہماری بنیادی نوعیت کو سمجھنے اور انسانیت کی حیثیت سے اس کا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور ساتھ ہی سیاسی زندگی میں اصولوں اور صحیح طرز عمل کے معیارات کو تسلیم کرتا ہے۔ یہ کردار میں اصولی ہے اور اصول کو تیار کرنے یا کچھ معیارات کو طے کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ اِس نے اُس منطقی طریقہ پر عمل کیا جہاں تفتیش کار کی اپنی طے شدہ اقدار اور فلسفے ہیں۔

فلسفیانہ نقطہ نظر کا فائدہ یہ ہے کہ وہ سیاسی مظاہر کے ہر پہلو کی گہرائی میں داخل ہوتا ہے اور ان کا بغیر کسی تفریق کے جانچ پڑتال کرتا ہے۔ اُس کی سیاسی سرگرمیوں کی ترجمانی سیاست کے طلبہ کے ذہنوں میں دلچسپی پیدا کرتی ہے۔ فلسفیوں کے استعمال کردہ الفاظ اور فقرے اس موضوع پر نکات کو اجاگر کرتے ہیں۔ فلسفیانہ نقطہ نظر لسانی وضاحت کو بڑھاتا ہے۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس نقطہ نظر کا مقصد

فکر کے بارے میں سوچنا ہوتا ہے۔ فلسفیانہ نقطہ نظر منطقی تجزیہ کے طریقہ کار کا استعمال کرتا ہے۔ یہ حقیقت کو دریافت کرنے کے لیے وجہ استعمال کرتا ہے۔ اس نقطہ نظر سے قائم ہونے والی سچائی طرح طرح کی، اصول پسندانہ، وضاحتی یا تجویزی، ہو سکتی ہے۔ لیکن فلسفیانہ انداز، حقیقت کی نوعیت یا زمرے سے لاتعلق ہے۔ یہ نقطہ نظر اچھائی، حق اور انصاف کے معیارات کو قائم کرنے کی بھی کوشش کرتا ہے۔ بہت سارے نقادوں نے مشاہدہ کیا کہ یہ نقطہ نظر اس بات کا تعین کرتا ہے کہ عوام کے مفاد میں کیا ہے اور اُس کی دلچسپی مقصد کے ساتھ ساتھ ذریعہ پر بھی ہوتی ہے۔

علم سیاسیات کے وسیع عریض میدان میں، بہت ساری عظیم یا عمدہ کتابیں موجود ہیں۔ فلسفیانہ نقطہ نظر اُن کتابوں کے معنی اور مرکزی خیال کے ساتھ ساتھ مصنفین کے صحیح مقصد کی بھی تلاش کرتا ہے۔ افلاطون کے عہد حاضر کے یونانی شہروں میں، اخلاقیات، اخلاقی اقدار اور تخیل / نظریہ پرستی اِس حد تک تباہ ہوگئی کہ اسے ایک زبردست صدمہ پہنچا اور سنجیدگی سے ان کی بازیافت کرنے کا سوچا اور اس خواہش نے اسے "جمہوریہ (The Republic)" لکھنے کی ترغیب دی۔ وہ یہ قائم کرنا چاہتا تھا کہ سیاست اور اخلاقیات کوئی آسمانی تصورات نہیں ہیں۔ بلکہ، ایک فلاسفر یا فلسفی بادشاہ کی طرف سے بے لوث انتظامیہ کے ذریعے ایک مثالی اور اخلاقی سیاسی طبیعات کو حقیقی بنایا جاسکتا ہے۔ جان لاک (John Locke) نے اپنا "دوسرا معاہدہ (Second Treatise)" نئے متوسط طبقے کے مفادات اور مقاصد اور لوگوں کی آزادی کے لیے جدوجہد کو معقول اور واجب قرار دینے کے لیے مرتب کیا۔

دوسرے سیاسی فلسفیوں جیسے میکیاویلی (Machiavelli) اور ہوبس (Hobbes) نے شاہی مطلقیت کی حمایت کے لیے لکھا۔ کچھ نقاد اُن فلسفیوں کے خیالات یا اُن کتابوں کے دلائل سے اتفاق نہیں کرسکتے ہیں، لیکن یہ بات بھی فراموش نہیں ہونی چاہیے کہ کتابیں تاریخ کے ایک خاص اور نازک اوقات ہیں۔ یہ بات اچھی طرح سے قائم ہے کہ فلسفیانہ نقطہ نظر لوگوں کو معاصر تاریخ اور فلسفوں کے ذریعے تجویز کردہ سیاست کی نوعیت کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں، فلسفیانہ نقطہ نظر گزشتہ صدیوں کے سیاسی نظریات کو سمجھنے میں معاون ہے۔ اس لحاظ سے، محققین اور لوگوں کے لیے فلسفیانہ نقطہ نظر بہت اہم ہے۔

سیاست میں فلسفیانہ نقطہ نظر کا استعمال سیاست کے عظیم نظریات، اقدار اور عقائد پر مرکوز ہے۔ فلسفیانہ نظریاتی نقطہ نظر سیاست کے مطالعے کے لیے قدیم اور کم ترین سائنسی نقطہ نظر ہے، اور عصری نقطہ نظر کا اس پر غلبہ ہے اس کے باوجود یہ مکمل طور پر بے گھر نہیں ہونے پایا ہے۔

3.4.2 فلسفیانہ نقطہ نظر پر تنقید (Critics on Philosophical Approach)

اگرچہ سیاست کے مطالعے لیے عالمین اور دوسرے لوگوں کے لیے فلسفیانہ نقطہ نظر انتہائی اہم ہے، لیکن نقادوں نے اس کی اہلیت کے بارے میں متعدد مسائل کھڑے کیے ہیں۔ ادب میں یہ ثابت شدہ ہے کہ سیاسی فلسفہ کے مرکزی خیالات میں سے ایک، آئیڈیل ازم / تخیل پرستی، ہے اور افلاطون کے جمہوریہ میں یہ خیالات واضح طور پر عیاں ہے۔ نقادوں کا کہنا ہے کہ تخیل پرستی خود اپنے آپ میں اچھا ہے لیکن جب اس کا عملی استعمال ہوتا ہے تو یہ ایک منطق یا اُسطورہ کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے جس پر کارِ عمل مشکل ہے۔

افلاطون نے اپنے نظریہ میں تخیل پرستی پر زور دیا، لیکن اس کی عملی طور پر کوئی اہمیت نہیں تھی اور اسے پوری طرح احساس تھا کہ تخیل پرستی کا کبھی بھی حقیقت میں ترجمہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ قطعی تخیل کا ایک موضوع ہے۔ میکیاویلی اور ہوبس نے اپنے نظریہ کی ترجمانی وقت کی نزاکت کو پیش نظر رکھ کر صرف موجودہ سیاسی نظام کی جمود کی حمایت کے واحد مقصد کے لیے کیا۔

پہلے ادوار کے فلسفیانہ دانشور غیر عملی فلسفی تھے۔ اُن کا کوئی ارادہ نہیں تھا کہ وہ ایسے نظریات کو آگے بڑھائیں جو معاشرے کو بدل سکتے ہیں۔ وہ لوگوں کی پسند اور ناپسند، اُن کی آزادی سے محبت اور ان کے دکھوں اور مصائب سے بے نیاز تھے اور وہ پیش گیر آلات فراہم کرنے میں ناکام رہے۔ ایک علمی موضوع کی حیثیت سے، فلسفیانہ نقطہ نظر مناسب ہے، لیکن عملی راہنما میں، اس کی بمشکل ہی کوئی اہمیت ہے۔

3.4.3 تاریخی نقطہ نظر (Historical Approach)

یہ نقطہ نظر بیان کرتا ہے کہ سیاسی نظریہ تبھی سمجھا جا سکتا ہے جب تاریخی عوامل کو مد نظر رکھا جائے۔ یہ کسی بھی صورت حال کا تجزیہ کرنے کے لیے ہر سیاسی حقیقت کی تاریخ کے مطالعے کو اجاگر کرتا ہے۔ میکیاویلی، سبائن (Sabine) اور ڈننگ (Dunning) جیسے سیاسی نظریہ نگاروں کا خیال تھا کہ سیاست اور تاریخ کا ایک دوسرے سے مضبوط رشتہ ہے۔ لہذا، سیاست کے مطالعہ کا ہمیشہ ایک تاریخی نقطہ نظر ہونا چاہیے۔ سبائن نے غور کیا کہ علم سیاسیات میں وہ تمام مضامین شامل کیے جانے چاہیے جن کے بارے میں افلاطون کے بعد سے ہی مختلف سیاسی مفکرین کی تحریروں پر تبادلہ خیال ہوا ہے۔ تاریخ ماضی کی وضاحت کے ساتھ ساتھ اس کو موجودہ واقعات سے جوڑتی ہے۔ ماضی کے سیاسی واقعات، اداروں اور سیاسی ماحول کا مطالعہ کیے بغیر، موجودہ تجزیہ بڑی حد تک نامکمل ہی رہ جائے گا۔

تاریخی نقطہ نظر کی اہم خوبی یہ ہے کہ تاریخ ایک تحریری یا محفوظ شدہ مضمون کی حیثیت سے ہے اور گزشتہ واقعات پر توجہ دیتی ہے۔ تاریخ سے محققین کو معلوم ہوتا ہے کہ انسان ماضی میں کیسا تھا اور اب وہ کیا ہے۔ تاریخ واقعات کا ذخیرہ اندوزی یا مخزن ہے۔ پروفائلز، خودنوشتوں، مصنفین اور صحافیوں کے تفتیش کاروں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ ماضی میں کیا واقعہ پیش آیا۔

یہ بات اہم ہے کہ واقعات کو سیاسی طور پر ظاہر ہونا چاہیے یا ان کو سیاسی طور پر اہم ہونا چاہیے۔ تاریخی واقعات بہترین مواد فراہم کرتے ہیں جس پر سیاسی سائنس کے نظریہ اور اصول تعمیر ہوتے ہیں۔ تاریخ محققین کو بتاتی ہے کہ حکومت، سیاسی جماعتوں اور بہت سے دوسرے اداروں نے کس طرح کام کیا، ان کی کامیابیوں اور ناکامیوں کو ظاہر کرتے ہیں اور ان سے وہ سبق حاصل کرتے ہیں جو مستقبل کے عمل کو طے کرنے میں ان کی رہنمائی کرتے ہیں۔

تاریخی نقطہ نظر کا تشخیص (Challenges of Historical Approaches)

سیاست کے مطالعے کے لیے تاریخی نقطہ نظر کے کئی حلقوں سے بے شمار چیلنجز ہیں۔ چیلنجوں کا ایک اہم نتیجہ یہ ہے کہ تاریخ کے دو چہرے ہیں۔ ایک تو حقائق کے دستاویزات جو کہ بالکل بسیط ہے اور دوسرا حقائق اور مظاہر کا ترجمہ۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ

ثبوتوں کی صداقت کو مناسب نقطہ نظر سے جانچنا ہو گا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ شواہد اور حقائق کا جائزہ لیتے ہوئے مناسب احتیاط برتنی چاہیے اور اس طرح کی احتیاطی تدابیر کی ہمیشہ پابندی نہیں کی جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں، تاریخی حقائق اس کا استعمال کرنے والوں کے مقصد کو پورا نہیں کرتے ہیں۔ سیاست کے مطالعے کے تاریخی نقطہ نظر کے خلاف یہ بنیادی شکایت ہے۔

ایلن بال (Alan Ball) نے تاریخی نقطہ نظر کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔ انہوں نے بحث مباحثہ کیا کہ "ماضی کے شواہد چھوڑ دینے والے خطرناک خلاء کو چھوڑ دیتے ہیں، اور سیاسی تاریخ اکثر سیاسی سرگرمیوں کے جامع کھاتہ کی بجائے محض عظیم انسانوں اور عظیم واقعات کا ایک نوشتہ ہوتی ہے۔" بہت کم مورخین تاریخی واقعات اور ثبوتوں کی وسیع اور آزادانہ ترجمانی کرتے ہیں۔

3.4.4 ادارہ جاتی نقطہ نظریہ (Institutional Approach)

اس بات کا پختہ عقیدہ ہے کہ فلسفہ، تاریخ اور قانون نے سیاست کا مطالعہ کیا ہے اور اِس کا علم سیاسیات میں کافی نمایاں کردار رہا ہے، اور یہ ساری کوششیں ادارہ جاتی نقطہ نظر کے میدان میں ہے۔ ادارہ جاتی نقطہ نظر علم سیاسیات کے مطالعے لیے ایک قدیم اور اہم نقطہ نظر ہے۔ یہ نقطہ نظر بنیادی طور پر حکومت اور سیاست کے باضابطہ پہلوؤں سے سروکار رکھتا ہے۔ ادارہ جاتی نقطہ نظر کا تعلق مقننہ، مجلس عاملہ، اور عدلیہ جیسے باضابطہ سیاسی ڈھانچے کے مطالعہ سے ہے۔ اس میں سیاسی نظام کے قواعد، مختلف اداروں کے اختیارات، قانون ساز اداروں اور آئین نے کیسے کام رہے اس پر توجہ مرکوز ہوتی ہے۔ اس نقطہ نظر کا بنیادی نقص رسمی ڈھانچے اور انتظامات پر اس کی تنگ توجہ تھی۔ دوررس شرائط میں، کسی ادارے کو، مجموعی سلوک کے کسی بھی انداز میں سرگرمیوں کا مستقل نظام، کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ ٹھوس بات یہ ہے کہ ایک ادارہ کو، دفتروں اور ایجنسیوں کے طور پر سمجھا جاتا ہے جو درجہ بندی کا اہتمام کرتا ہے، اور ہر ایجنسی کچھ خاص کام اور اختیارات رکھتے ہیں۔

اداروں کا مطالعہ نہ صرف تقابلی سیاست کے میدان میں، بلکہ مجموعی طور پر سیاسی سائنس کے میدان میں بھی غالب رہا ہے۔ بہت سارے مصنفین کا استدلال ہے کہ اداروں نے سیاسی طرز عمل اور معاشرتی تبدیلی کی تشکیل دی ہے۔ ان مصنفین نے "ادارہ جاتی" نقطہ نظر اختیار کیا ہے جو اداروں کو آزاد متغیر کے طور پر پیش کرتا ہے۔ پچھلے کچھ دہائیوں میں تقابلی سیاست کے میدان میں "نئی ادارہ جاتیت" کی آمد کا تجربہ ہوا ہے، جو سلوک کے تناظر کے رد عمل میں نکلا ہے جس نے 1960ء اور 1970 کی دہائی کے دوران اس میدان پر ایک خاص اثر ڈالا ہے۔ نئی ادارہ جاتی تنظیم کو تین تجزیاتی طریقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1۔ تاریخی ادارہ جاتی

2۔ منطقی پسند ادارہ جاتی

3۔ معاشرتی ادارہ جاتی

یہ تینوں نظریاتی نقطہ نظر ایک دوسرے سے خود مختار اور آزادانہ طور پر وجود رکھتے ہیں۔ سیاسی تجزیہ کرنے کے لیے ادارہ جاتی انداز حکومت

کے باقاعدہ ڈھانچے اور ایجنسیوں پر زور رہتا ہے۔ اس نے اصل میں مقننہ، مجلس عاملہ اور عدلیہ کی ترقی اور کارروائی پر توجہ دی ہے۔ تاہم، جیسے جیسے یہ نقطہ نظر تیار ہوا، اس فہرست میں سیاسی جماعتیں، حلقہ بندیاں، بیورو کریسی، مفاداتی انجمنیں اور دیگر ادارے شامل کیے گئے جو کم وبیش مستقل طور پر سیاست میں مصروف ہیں۔

وضاحتی ادارہ جاتی انداز میں، توجہ اقدار کے بجائے حقائق ہوئی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، یہ نقطہ نظر ایسے سوالات کے حقائق اور تاریخی جوابات فراہم کر کے جیسے

1۔ مملکت پر پارلیمانی بالادستی کے تاریخی ذرائع کیا ہیں؟

2۔ جب کوئی بل قانون بن جاتا ہے تو اس کے بعد کیا طریقہ کار اختیار کیا جاتا ہے؟

3۔ کن انتخابی انتظامات کے ذریعے کون سے اقدار یا نمائندوں کا انتخاب کیا جاتا ہے؟

4۔ سخت اور لچک دار آئینوں کی نسبتی خوبی اور خامی کیا ہے؟

اگرچہ، وضاحتی ادارہ جاتی نقطہ نظر قدرے قدیم ہے، لیکن سیاسی ماہرین اب بھی ریاست کے بڑے سیاسی اداروں جیسے مجلس عاملہ، مقننہ، سول سروس، عدلیہ اور مقامی حکومت کی جانچ پڑتال پر خاص توجہ مرکوز کرتے ہیں، اور اُن کے امتحانات سے، اپنی تنظیم کے بارے میں قیمتی بصیرت تیار کی جاسکتی ہے اور تبادلہ خیال میں اصلاحات کی تجاویز اور عام نتائج بھی اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ وہیں سیاست کے باخبر پہلوؤں جیسے اصول، عقائد، اقدار، رویوں، شخصیت اور عمل کو نظر انداز کرنے کے لیے اس نقطہ نظر کو تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ ادارہ جاتی نقطہ نظر کی انتہائی تنگ نظر ہونے پر بھی تنقید کی جاتی ہے۔ یہ ایسے افراد کے کردار کو نظر انداز کرتا ہے جو سیاسی نظام کے رسمی نیز غیر رسمی ڈھانچے اور ساخت کو تشکیل دینے اور چلانے کے کام کرتے ہیں۔ ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ علمی خیال کے مطابق ادارہ جاتی نظام کے معنی اور حدود مختلف ہوتے ہیں۔ نیز اس نقطہ نظر کے محققین نے بین الاقوامی سیاست کو نظر انداز کیا ہے۔

3.4.5 قانونی نقطہ نظریہ (Legal Approach)

روایتی انداز کے دائرے میں، قانونی یا فقہی نقطہ نظر بھی ہے۔ یہ نقطہ نظر ریاستوں کو قوانین کے تخلیق اور نفاذ کے لیے مرکزی تنظیم سمجھتا ہے۔ لہذا اس نقطہ نظر کا تعلق قانونی عمل، قانونی اداروں یا تنظیموں اور عدلیہ سے ہے۔ اس نقطہ نظر میں، سیاست کا مطالعہ قانونی عمل اور اداروں کے ساتھ ملایا گیا ہے۔ قانون اور انصاف کے موضوعات کو محض فقہی معاملات نہیں سمجھا جاتا ہے بلکہ سیاست دان، ریاست کو امن وامان کے ایک موثر اور مساوی نظام کے نگہبان کے طور پر دیکھتے ہیں۔ تنظیموں، دائرہ اختیار اور عدالتی اداروں کی آزادی سے متعلق معاملات سیاسی سائنس دانوں کی لازمی تشویش بن جاتی ہے۔ یہ نقطہ نظر ریاست کو بنیادی طور پر قانون کی تشکیل اور نفاذ کے لیے تنظیم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔

اس نقطہ نظر کے حامی سیسرو (Cicero)، بوڈن (Bodin)، ہوبس، جان آسٹن (John Austin)، ڈائسی (Dicey) اور ہنری **مین** (Henry Maine) ہیں۔ ہوبس کے نظام میں، ریاست کا سربراہ سب سے زیادہ قانونی اختیار والا ہے اور اس کا حکم ہی قانون

ہے، جس کی تعمیل لازمی طور پر کرنی چاہیے تا کہ اس کے خلاف ورزی کے بعد ہونے والی سزا سے بچا جا سکے یا فطرت کی خوفناک حالت کو دور رکھا جا سکے۔ دوسرے سائنس دانوں نے بتایا کہ سیاست کا مطالعہ ملک کے قانونی عمل کے پابند ہے اور آزادی اور برابری کی ہم آہنگی والی ریاست کا وجود قانون کی حکمرانی کے ذریعے مختص ہے۔ قانونی نقطہ نظر کا اطلاق قومی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سیاست پر بھی ہوتا ہے۔ یہ ان مفروضوں پر قائم ہے کہ قانون کسی بھی طرح کے ہنگامی حالات میں کارروائی کا مشورہ دیتا ہے اور بعض دیگر حالات میں اس سے منع بھی کرتا ہے۔ یہ اس حقیقت پر بھی زور دیتا ہے کہ جہاں شہری قانون کی پاسداری کرتے ہیں، وہاں قانون کا علم لوگوں کے سیاسی طرز عمل سے متعلق پیش گوئیوں کے لیے ایک اہم بنیاد پیش کرتا ہے۔ اگرچہ یہ ایک موثر نقطہ نظر ہے لیکن تنقید سے پاک نہیں۔ یہ نقطہ نظر بھی محدود ہے۔ کیونکہ قانون میں لوگوں کی زندگی کا صرف ایک پہلو شامل ہے۔ اس میں سیاسی اقدامات کے پورے سلوک کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔

3.5 روایتی نقطہ نظر پر تنقید (Critics on Traditional Approach)

روایتی نقطہ نظر عالمی سطح پر ان افراد کے کردار کی نشاندہی کرنے میں ناکام رہا ہے جو سیاست کی شکل و نوعیت کو ڈھالنے اور اسے دوبارہ بنانے میں اہم رہے ہیں۔ در حقیقت، افراد قومی اور بین الاقوامی سیاست کی اہم کھلاڑی ہیں۔ لیکن یہاں توجہ صرف اداروں کو ہی دی جاتی ہے۔ یہ حیران کن ہے کہ تمام اداروں میں، ایسے افراد موجود ہیں جو ساخت، افعال اور دیگر پہلوؤں کو کنٹرول کرتے ہیں۔ اداروں کو اکٹھا کرنا اور افراد کو نظر انداز کرنا سیاست کا مطالعہ کرنے کے مناسب طریقہ نہیں ہے۔ سیاست کی تعریف بطور اداروں کا مطالعہ کو غلو یا سچ کے تمسخر کے سوا کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے۔

دوسرے سیاسی محققین نے استدلال کیا کہ روایتی انداز بنیادی طور پر وضاحتی ہے۔ سیاست وضاحت کو مسترد نہیں کرتی بلکہ یہ ایک تجزیاتی موضوع بھی ہے۔ حقائق کی سراسر وضاحت لامحالہ علم سیاسیات کے موضوع کو مرتب نہیں کرتی ہے۔ اس کا مقصد ہر واقعے کی گہرائی کا مطالعہ کرنا ہے۔ تفتیش کار نہ صرف ان واقعات کو جاننا چاہتے ہیں بلکہ یہ بھی جاننا چاہتے ہیں کہ کسی خاص وقت پر کوئی خاص واقعہ کیوں پیش آتا ہے۔ اداروں کے اندر روایت پسندوں کا موقف محدود ہے۔ جدید دنیا میں سیاسی محققین اداروں کے اندر سیاست کے اپنے تجزیہ کو محدود کرنے کے لیے متحرک نہیں ہیں۔ انہوں نے ماحولیات کے کردار کی کھوج کی ہے جس میں بین الاقوامی سیاست، کثیر القومی کارپوریشنز، غیر سرکاری تنظیمیں یا بین الاقوامی تنظیمیں شامل ہیں۔

قومی ریاست کا فیصلہ سازی کا عمل بین الاقوامی واقعات اور دیگر ملکوں کی سیاسی سرگرمیوں سے متاثر ہوتا ہے۔ جب روایت پسند سیاست کی نوعیت لکھ رہے تھے، تو قومی اور بین الاقوامی سیاست کا باہمی انحصار انہیں معلوم نہیں تھا اور اسے تسلیم نہ کرنا ان کی ناکامی ہے۔ اس تناظر میں، یہ کہا جا سکتا ہے کہ روایتی انداز متعصبانہ اور نامکمل ہے۔ اس میں ایسی ضروریات پوری کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جو موجودہ دور میں شدت اختیار کر رہی ہے۔ سیاست کا تجزیہ کرنے کے ایک طریقے کے طور پر روایتی انداز کی ایک خاص کمی یہ ہے کہ وہ تیسری دنیا کے ممالک خصوصاً وہ ممالک جو مغربی سیاسی نظام کی پیروی نہیں کرتے، کے سیاسی اداروں کے تجزیہ کو اپنے تحقیق و تصنیف میں جگہ نہیں

دیتے ہیں۔ ان ممالک میں، اگر محققین مغربی نظاموں یا اداروں کو تلاش کرنے کی کوشش کریں تو سراسر ناکامی ہوگی۔

3.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

مختصر یہ کہ تقابلی حکومت مطالعات کا استعمال سیاسی محققین کے ذریعے ریاست اور حکومت کی نوعیت اور تنظیم کے بارے میں درست اور صحیح نتیجے اخذ کرنے کے لیے کیا جاتا تھا۔ ان کا سب سے بڑا مقصد مختلف حکومتوں اور ان کے سیاسی اداروں میں تاریخی اور قانونی مماثلتوں اور عدم مساوات کو دریافت کرنا تھا۔ جس کے لیے آئین کا تقابلی اور اصول پسندانہ مطالعہ کیا گیا۔ یہ ایک بہترین سیاسی اداروں کو پہچاننے کی کوشش تھی۔ لیکن بہت سے سیاسی ماہرین نے اس کے تنگ دائرہ کار، بدیہی طریقہ کار، اور باضابطہ قانونی-اداراتی اور معیاری نقطہ نظر سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ تب ان محققوں نے سیاست کے عمل کی جامعیت، حقیقت پسندی، صحت سے متعلق اور سائنسی مطالعے کو اپنا نیا مقصد سمجھتے ہوئے نئے طریقے سے تحقیق شروع کی۔ ان کی کوششوں اور تحقیقوں کو ہی تقابلی سیاست کا نام دیا گیا۔ تقابلی حکومت اور سیاست مختلف حکومتوں کا تقابلی مطالعہ اور سیاسی اداروں کو اسکین یا جانچ کرتا ہے جو آئینوں سے لے کر ایگزیکٹوز تک، پارلیمنٹ سے لے کر انتخابی قوانین اور ایسے عمل اور تعلقات کی حیثیت رکھتا ہے جو سیاست، معیشت، ثقافت، تنازعہ، حکومت، حقوق اور عوامی پالیسی میں استحکام اور تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ تقابلی حکومت اور سیاست دنیا کے سیاسی نظاموں کے منظم مطالعے اور موازنے کو شامل کرتی ہے۔ اس میں ممالک کے مابین مماثلت کے ساتھ ساتھ فرق کو بھی بیان کیا جاتا ہے۔ کسی ایک ملک پر صحافتی رپورٹنگ کے برعکس، تقابلی حکومت اور سیاست بنیادی طور پر سیاسی نظاموں میں نمونوں، عمل اور باقاعدگی کو دریافت کرنے میں دلچسپی رکھتی ہے اور یہ پیٹرن یا طرز میں تبدیلی کے رجحانات کی تلاش کرتا ہے، عام مفروضے تیار کرنے کی کوشش کرتا ہے جو ان رجحانات کی وضاحت کرتی ہے۔

3.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

- تجرباتی نقطہ نظر : جرباتی نقطہ نظر تفتیش اور مشاہدے کی سائنسی طریقے کار سے مراد ہے۔
- سیاسی نظام : باضابتہ قانونی اداروں کا مجموعہ جو ایک حکومت یا ریاست کی تشکیل کرے۔
- سیاسی ادارے : کسی ملک یا ریاست میں وہ ادارے جو ملک کی قانون کو بناتے ہیں، لاگو اور نافذ کرتے ہیں۔
- ذیلی ثقافت : کسی بڑی ثقافت کے اندر ایک ثقافتی گروہ جس کے عقائد اور مفادات اُس بڑی ثقافتی گرہ کے برعکس ہو۔
- اضافی آئینی ادارہ : وہ ادارے جن کی آئین میں تعریف یا تشریح نہیں کی گئی ہے لیکن اس کا وجود مقننہ یا عاملہ کے ذریعے ہوا ہو۔
- تخیل / نظریہ پرستی : فکر کا کوئی بھی ایسا نظام جو تجربے کی ترجمانی میں مثالی یا روحانی کے مرکزی کردار پر زور دیتا ہے۔

3.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

3.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ممالک کے مابین گھریلو سیاست کا مطالعہ اور تخمینہ کہلاتا ہے۔

(a) تقابلی سیاست (b) تقابلی حکومت (c) **a** اور **b** دونوں (d) کوئی بھی نہیں

2۔ کس کے مطابق تقابلی سیاست کی اپنی ذات میں عملی توجہ نہیں ہوتی ہے، بجائے اس کے کہ یہ ایک میتھوڈالاجی / طریقہ کار ہے؟

(a) لیجفرٹ (b) پیٹر (c) سیسرو (d) لاڑڈ ایکٹن

3۔ بہت سے سیاسی ماہرین نے کس کے تئیں تنگ دائرہ کار، بدیہی طریقہ کار، اور باضابطہ قانونی - اداراتی اور معیاری نقطہ نظر سے ناراضگی کا اظہار کیا۔

(a) تقابلی سیاست (b) تقابلی حکومت (c) ادارہ جاتی نقطہ نظر (d) روایتی نقطہ نظر

4۔ محققوں نے سیاست کے کون سے عمل کی جامعیت، حقیقت پسندی، صحت سے متعلق اور سائنسی مطالعہ کو اپنا نیا مقصد سمجھتے ہوئے نئے طریقے سے تحقیق شروع کی۔

(a) روایتی نقطہ نظر (b) جدید نقطہ نظر (c) تقابلی سیاست (d) تقابلی حکومت

5۔ سیاست کے مطالعے کا روایتی توجہ ایک نئے دائرہ کار، طریقہ کار، تصورات، تراکیب سے بدلا جس کو سیاست کے مطالعے کے طور پر جانا گیا۔

(a) عصری نظریات (b) بدیہی نظریات (c) اُصولی نظریات (d) تحریری نظریات

6۔ تقابلی سیاست کے مطالعہ میں روایتی نقطہ نظر کے کتنے اقسام ہیں؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

7۔ مندرجہ ذیل میں سے کون تقابلی سیاست کا روایتی نقطہ نظر نہیں ہے

(a) تاریخی (b) ادارہ جاتی (c) معاشراتی (d) فلسفی

8۔ کون سا نقطہ نظر ریاست کو بنیادی طور پر قانون کی تشکیل اور نفاذ کے لیے تنظیم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے؟

(a) ادارہ جاتی (b) قانونی (c) فلسفی (d) اقتداری

9۔ نئی ادارہ جاتی تنظیم کو کتنی تجزیاتی طریقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے؟

(a) تین (b) پانچ (c) سات (d) نو

10۔ کون سا روایتی نقطہ نظر مجلس عاملہ، مقننہ، سول سروس، عدلیہ اور مقامی حکومت کی جانچ پڑتال پر خاص توجہ مرکوز کرتا ہے؟

(a) ادارہ جاتی (b) معاشرتی (c) تاریخی (d) سائنس

3.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ تقابلی سیاست سے کیا مراد ہے؟ تشریح کریں۔

2۔ تقابلی سیاست اور تقابلی حکومت کے مابین فرق واضح کریں۔

3۔ روایتی نقطہ نظر کا تنقیدی جائزہ لیں۔

4۔ روایتی نقطہ نظر کے کتنے اقسام ہوتے ہیں؟ مختصر میں لکھیں۔

5۔ تاریخی اور ادارہ جاتی نقطہ نظر کا تنقیدی طور پر واضح کیجیے۔

3.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ روایتی نقطہ نظر سے آپ کیا سمجھتے ہیں اس کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے کسی ایک قسم پر روشنی ڈالیے؟

2۔ تاریخی نقطہ نظر پر غور کرتے ہوئے اس کے تشخیص بتائیے

3۔ تقابلی سیاست کے مقبول تعریفیں بیان کرتے ہوئے یہ بتائیے کہ تقابلی سیاست کا مطالعہ کیوں ضروری ہے؟

3.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Dr. B.L Fadia, (20019), Indian Government, and Politics, Sahitya Bhawan Publications, Agra (U.P)
2. Ravidas, (2011) Comparative Government, Atlantic Publications, (New Delhi)
3. Subarta and Sushila Mukherjee, Basic Theory of Comparative Politics, The Orient Public Swan, (New Delhi)
4. J.C Johri. (2011), Comparative Governments, Sterling Publishers Pvt. Limited, New Delhi

اکائی 4۔ تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے

(Modern Approches to the Study of Comparative Government andPolitics)

اکائی کے اجزا

4.0 تمہید

4.1 مقاصد

4.2 تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقوں کے معنی

4.3 تقابل سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے

4.4 اکتسابی نتائج

4.5 کلیدی الفاظ

4.6 نمونہ امتحانی سوالات

4.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

4.0 تمہید (Introduction)

تقابلی سیاست کی افادیت اور اس کی معنویت روایتی طرز مطالعے گلیاروں میں گم ہوتی محسوس ہو رہی تھی جب کہ دوسری جانب رویہ جاتی انقلاب نے تقابلی سیاست کو ایک جدید شکل دینا شروع کر دیا۔ دور جدید کے ماہرین نے یہ محسوس کیا کہ تقابلی سیاست کو جدید طریقے سے دیکھنے کی ضرورت ہے اور اسے وقت کی ضرورتوں سے ہم آہنگی کیا جانا چاہیے۔ لہٰذا اس کے مطالعہ میں بہت سے جدید طریقے متعارف ہونے لگے۔ ان جدید طریقوں کو ہی تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے Modern Approches to the Study of Comparative Government and Politics سے موسوم کیا گیا ہے۔ بہت سے مفکرین کا ماننا ہے کہ تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقوں کے وجود میں آنے کی وجہ روایتی طریقوں کا ناکافی ہونا ہی ہے۔ تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے بنیادی طور پر اس کے سائنٹفک مطالعے سے وابستہ ہیں اور اس سلسلے میں پہلی جرت علم سیاسیات میں رویہ جاتی انقلاب کی آمد کے ساتھ سامنے آئی۔

4.1 مقاصد (Objectives)

تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے اس موضوع پر ایک اہم پیش رفت ہیں اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ان جدید طریقوں کو جانے بغیر ملکی اور بیرونی ممالک کی سیاست کا موازنہ ممکن نہیں ہے۔روایتی طریقوں نے دنیا کے بدلتے حالات اور ضرورتوں کے مد نظر اطمینان بخش رہنمائی نہیں کی۔ لہٰذ آ ان جدید طریقوں کی ضرورت محسوس کی گئی۔ ظاہر ہے دور جدید کے مسائل کا سامنا جدید طریقوں سے ہی کیا جاسکتا ہے ۔ لہٰذا اس جیت میں جدید طریقوں کا استعمال ہی جدید مسائل کو حل کر سکتا ہے ۔تقابلی سیاست کے مطالعے جدید طریقوں کی مدد سے قومی و بین الاقوامی سیاست کی خوبیوں اور خامیوں سے واقفیت حاصل کی جاسکتی ہے۔ حکومتی اداروں کے رویوں کا موازنہ کر کے اچھی مثالیں اور قابل عمل نمونے (Model) تلاش کیے جاسکتے ہیں۔ عوام کے سیاسی رجحانات پر اچھے یا برے اثرات ڈالنے والے عوامل کا جائزہ لیا جاسکتا ہے اور ایک ہی ملک کے مختلف ادوار کے موازنہ کے ساتھ کئی ممالک کے سیاسی حالات کے تقابلی مطالعہ میں اس سے مدد حاصل کی جاسکتی ہے۔

4.2 تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقوں کے معنی

(Meaning of Modern Approach to Study of Comparative Politics)

تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقوں سے مراد وہ طریقے ہیں کو جو کہ غیر روایتی ہیں یعنی سیاسیات کو پرکھنے کے ایسے نادر طریقے جو روایتی نہیں ہیں بلکہ روایتی طریقوں کو نظر انداز کر کے حالات کے مطابق مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں۔ جدید طریقوں کی خصوصیات درج ذیل ہیں۔

4.2.1 تقابلی سیاست کے مطالعے جدید طریقوں کی خصوصیات

(Charracteristic of Modern Approach to Study Comparative Politics)

- یہ نقطۂ نظر تجرباتی اعداد و شمار سے نتیجہ اخذ کرتا ہے۔(Draw Conclusion from Empircal Data)
- یہ نقطۂ نظر' سیاسی ساخت اور اس کے تاریخی تجزیہ تک ہی خود کو محدود نہیں رکھتا
- جدید طریقہ بین المضامین (Inter-disciplinary) مطالعے کے طریقے کو اختیار کرتا
- اپنی ان خصوصیات کی بنا پر تقابلی سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے، سائنٹیفک طریقے کو اختیار کرتے ہیں

4.3 تقابل سیاست کے مطالعے کے جدید طریقے

(Modern Approach to Study of Comparative Politics)

4.3.1 معاشرتی طریقہ (Sociological Approach)

علم سیاسیات اور علم سماجیات دونوں ہی سماجی علوم ہیں اور متعدد جگہوں پر ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوتے ہیں۔ معاشرتی علوم کا شعبہ انسانی طرز عمل میں جس میں سیاسی عدلیہ، جماعت کا عدلیہ اور اس کا طرز یا طریقہ کار اور تہذیب و ثقافت سبھی شامل ہیں اور یہ تمام علم سیاسیات کے مطالعے کا بھی حصہ ہیں۔ سیاسیات کا معاشرتی مطالعہ کا طریقہ کار (Sociological Approach) ایک مقبول طریقہ کار ہے۔ آلمنڈ (Almond) کے مطابق علم سماجیات میں انسانی رویہ جات اور تہذیب و ثقافت سے متعلق بیش بہا ذخائر موجود ہیں جن کا استعمال کر کے سیاسی رویہ جات (Political Behaviour) کے سائنسی اصول و ضوابط واضح کیے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح بہت سے مفکرین ایسے بھی ہیں جن کا ماننا ہے کہ مملکت سیاسی ادارہ ہونے سے زیادہ ایک معاشرتی ادارہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاشرتی نقطۂ نظر برائے مطالعہ تقابلی سیاست کافی اہمیت کا حامل ہے اس سے عوام کے سیاسی رویہ کو سمجھنے میں بڑی مدد حاصل ہوتی ہے۔ اس موضوع کے مفکرین میں میک آئیور (Maciver) اور ایسٹن (Easton) بھی شامل ہیں۔

4.3.2 نفسیاتی طریقہ (Psychological Approach)

تقابلی سیاست کے جدید طریقہ مطالعہ میں نفسیاتی طریقہ کار بھی کافی اہمیت کا حامل ہے یہ کہنا شاید غلط نہ ہو گا کہ عدلیہ جاتی انقلاب کی روح نفسیات (Psychology) ہی ہے۔ دور جدید میں افراد کی معنویت بحیثیت فرد کسی بھی دور کے مقابلے میں زیادہ اجاگر نظر آتی ہے۔ فرد واحد یا افراد یا جماعتیں اور ادارے کوئی کام کیوں کرنا چاہتے ہیں، ان کے پیچھے کون سے عوامل کار فرما ہیں، ایک ہی شخص ایک انتخاب میں کسی سیاسی جماعت کی حمایت کرتا ہے تو دوسرے انتخاب میں کسی دوسری جماعت کا، علم نفسیات براہ راست طور پر عوام کی فیصلہ لینے کی قوت سے بحث کرتا ہے اور دور جدید کی حکومتیں جہاں جمہوری نظام قائم ہے عوامی رائے سے ہی بنتی اور بگڑتی ہیں۔ اسی طرح اگر سیاسی افکار کا جائزہ لیا جائے تو بہت ساری مثالیں ایسی نظر آتی ہیں جو سیاسیات اور نفسیات کے تعلقات کو اجاگر کرتی ہیں، ارسطو کے مطابق

انسان فطری طور پر ایک سماجی جانور ہے اور اس کا سماجی ہونا ہی مملکت کے قیام کی وجہ بنا۔ انسان کی نفسیات یہ جب کہ وہ دوسروں کے ساتھ رہنا چاہتا ہے ایک اور با اثر سیاسی فلسفی ہوکیوں کا قول ہے کہ ہر فرد سلامتی چاہتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے وہ اقتدار حاصل کرنا چاہتا ہے یہ ایک عام احساس ہے کہ طاقت ہی سلامتی فراہم کر سکتی ہے ہوبز (Hobbes) کا سیاسی فلسفہ کافی حد تک نفسیاتی عوامل پر مبنی ہے اس نے انسانوں کی فطرت کو پیش کیا ہے جو حالت فطری میں رہتے تھے۔ حالت فطری کے انسان طاقت کے بھوکے اور ایک دوسرے سے حسد کرنے والے تھے۔

لاک (Locke) کے مطابق انسان آزادی اور حقوق کے خواہش مند تھے اور اسی توحید کے تحت مملکت کو قائم کیا۔ افادیت پسند فلسفی بنتھم (Benthem) نے متوسط طبقے کے لوگوں کی نفسیات کا خوب مطالعہ کیا جنہوں نے اپنی خوشی کو زیادہ سے زیادہ کرنے کی کوشش کی بنتھم نے انسانی فطرت جس میں انسان درد سے بچنا چاہتا ہے اور جوش کو حاصل کرنا چاہتا ہے تاکے ذریعے انسانی نفسیات کو سمجھا اور اپنے فلسفے کی بنیاد بنایا۔ مارکس کا نظریہ طبقاتی کشمکش بھی نفسیات پر مبنی ہے بین الاقوامی سیاست میں بھی نفسیات کا اثر ورسوخ نظر آتا ہے۔

4.3.3 معاشی طریقہ (Economic Approach)

معاشیات اور سیاسیات معاشرتی علوم کے اہم میدان ہیں اور کئی معاملات میں ان کا گہرا تعلق ہے۔ معاشی معاملات کو طے کرنا اب حکومتی کاموں کا ایک اہم حصہ ہے۔ زیادہ تر ممالک میں معاشی مسائل ہی عوامی مسائل ہیں۔ اور اکثر و بیشتر ان معاشی معاملات کو طے کرنے والے سیاسی قائدین ہی ہوتے ہیں۔ مالی پالیسی، صنعتی پالیسی، زرعی پالیسی اور محنت کشی سے مطلق سبھی معاشی مسائل ہیں لیکن ان میں سب سے اہم اداکار حکومت کے ممبران ہیں جن پر معاشی پالیسیوں کی کامیابی اور ناکامی کے نتائج پر منحصر ہیں۔ لہٰذا سیاست پر بحث معاشیات کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی۔

سیاسیات کے مطالعے معاشی نقطہ نظر کی ایک بڑی وجہ مارکس (Marx) اور اینجلز (Engels) کی تحریروں میں بھی نظر آتی ہے۔ طبقاتی کشمکش اور سرمایہ داروں کے ذریعے غریبوں کا استحصال معاشی عوامل پر مبنی ہے۔ مارکس اور اینجلز نے طبقات کے مابین مفادات کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ طبقات معاشی مفادات کی بنیاد پر طبقات کی تشکیل ہوتی ہے، سرمایہ داروں کا منافع کمانے کا مقصد، کارکنوں کے استحصال کا باعث بنتا ہے۔ استحصال سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مزدوروں کو مجبوراً جدوجہد کرنا پڑتا ہے۔ مارکس کے مطابق، سیاست ان افراد کے زیر کنٹرول ہے جو پیداوار کے ذرائع پر کنٹرول رکھتے ہیں اور تقسیم کے عوامل کو انجام دیتے ہیں معاشی اثر رسوخ سے باہر سیاست کا کوئی آزادانہ وجود نہیں ہے۔

4.3.4 مقداری طریقہ (Quantitative Approach)

اس طریقے کو شماریائی طریقہ بھی کہا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار میں اعداد و شمار کی بنیاد پر نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سیاسی رجحان وغیرہ کو بیان کرنے اور سیاسی تجزیہ میں قطعات حاصل کرنے کی غرض سے اس طریقہ کا استعمال بڑے پیمانے پر کیا جاتا

ہے۔اس طریقہ کار میں محققن کے لیے یہ ممکن ہوا ہے کہ چارٹ گراف اور ٹیبل کے ذریعے صنعتی نتائج اخذ کر سکیں۔ تقابلی سیاست میں اس طریقہ کار کو گلپ(Gallup) چارلس مریم(Charls Merriam) گوسنل(Gosnell) اور لیوبل(Lubell) وغیرہ نے خوب استعمال کیا ہے انہوں نے لوگوں کے انتخابی طرز عمل کا مطالعہ کرنے کے لیے اعداد و شمار کی مدد سے عمدہ طریقے ایجاد کیے ہیں۔

4.3.5 نظامی طریقہ (System Approach)

تقابلی سیاست کے مطالعے کا یہ طریقہ بھی جدید طریقوں میں سے ایک ہے۔ سب سے پہلے اس طریقے کو حیاتاتی (Biology) میں استعمال کیا گیا تھا پھر اسے سماجیات اور نفسیات میں استعمال کیا گیا اور پھر گزشتہ صدی کی ساٹھ کی دہائی میں علم سیاسیات میں کلیدی عوامل کی جانچ اور تفتیش کے لیے نظامی نظریہ ایک اہم ذریعہ بن گیا سیاسی سائنسدانوں میں ڈیوڈ اسٹن(David Eston) پہلا شخص ہے جس نے اس نظریے کو سیاسی تجزیہ کے لیے استعمال کیا۔

سسٹم چارٹ(System Chart) سیاسی نظام ایک خاص ماحول میں کام کرتا ہے سماج کے مختلف شعبوں سے یہ ماحول مطالبات (Demand) کو جنم دیتا ہے مثلاً کسی خاص گردہ کے لیے نوکریوں میں ریزرویشن کی ڈیمانڈ، کام کرنے کے حالات اور اجرت سے متعلق مطالبہ بہتر نقل و حمل کی سہولیات کا مطالبہ، صحت کی بہتر سہولیات کا مطالبہ، اس طرح مختلف مطالبات کی حمایت کی مختلف سطحیں ہوتی ہیں۔ اسٹن کے مطابق دونوں مطالبہ(Demand) اور حمایت(Support) داخلات(Input) کو قائم کرتے ہیں سیاسی نظام ماحول سے داخلات (Input) کو حاصل کرتا ہے مختلف عوامل پر غور کرنے کے بعد حکومت ان میں سے کچھ مطالبات پر کارروائی کرنے کا فیصلہ کرتی ہے۔

4.3.6 رویہ جاتی طریقہ (Behavioural Approach)

تقابلی سیاست میں اس طریقے کو عصری طریقہ کار کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کا اختراع تیسویں صدی میں ہوا۔ پر یہ مطالبہ میں ایک اہم میدان کے سیاسی رجحان کا مطالبہ ہے اس طریقہ کار کا خاص مرکز فرد ہیں، یہ فرد کو بحیثیت ووٹر' لیڈر' انقلاب لانے والا اور پارٹی ممبر کی حیثیت سے اپنے مطالعہ میں شامل کرتا ہے اور ان پر افراد پر سیاسی نظام کے اثر کا بھی مطالعہ کرتا ہے۔ رویہ جاتی طریقہ کار (Behavioural Approach) واقعات کے سائنٹفک، با مقصد اور قدر سے آزاد مطالعہ پر زور دیتا ہے۔ رویہ جاتی طریقہ کار میں افراد کے رویہ کو مختلف سطحوں پر پرکھا جاتا ہے۔

4.3.7 طرز عمل کی خصوصیات (Charracteristics of Behaviouralism)

رویہ جاتی (Behaviouralism) کی اہم خصوصیات درج ذیل ہیں ۔ ڈیویڈ اسٹن(David Eston) نے اس طرز عمل کی کچھ اہم خصوصیات بیان کی ہیں جنہیں اس کی فکری بنیاد سمجھا جاتا ہے:

1۔با قاعدگی(Regularities) اس طریقہ کار کے مطابق سیاسی برتاؤ میں چیزیں منتقل ہوتی ہیں ان چیزوں کو ان کی باقاعدگی اور استقلال کی بنیاد پر عمومی شمار کیا جاسکتا ہے اور سیاسی نظریہ میں ان کو شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس کی بنیاد پر سیاسیات میں باقاعدہ پیشن گوئی کی جاسکتی ہے۔

2۔ توثیق (Verification) : (Behaviouralism) کے حامی بلا تحقیق کسی چیز کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرنا چاہتے۔ اس لیے توثیق کرنے کے لیے جانچ پڑتال اور تصدیق ضروری ہوتی ہے۔ ان کے مطابق کسی رجحان کی اگر تصدیق نہیں ہوتی تو یہ باضابطہ نہیں ہے۔

3۔ تکنیک (Technique): اس طریقہ کار کے حامی تحقیق کے ان ٹولز اور طریقوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں جو درست، قابل اعتماد اور تقابلی سیاست میں اعداد و شمار سے صحیح نتائج حاصل کرنے میں مددگار ہوں۔ ان کے مطابق ایک محقق کو نمونے کے سروے ریاضی کے ماڈل اور نقالی (Simulation) جیسے بہترین مقاصد کا جاننا ضروری ہے۔

4۔ تعین مقدار (Quantification) شماریات اکٹھا کرنے کے بعد محقق کو ان اعداد و شمار کی پیمائش اور مقدار درست کرنی چاہیے۔

5۔ اقدار (Values) ان کے مطابق حقائق کو اقدار سے الگ رکھنا چاہیے یا ان کا جاننا ہے کہ بامقصد تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ محقق اقدار سے الگ ہو۔

6۔ نظم بندی (Systematization) علم سیاسیات میں تحقیق منظم ہونی چاہیے نظریہ اور تحقیق کو ساتھ ساتھ چلنا چاہیے۔

7۔ خالص سائنس (Pure Science) اس نظریہ کے حامیوں کی ہمیشہ سے یہ رجحان رہی ہے کہ علم سیاسیات کو خالص سائنس بنا دیا جائے۔ ان کا خیال ہے کہ علم سیاسیات کے مطالبہ کی تصدیق، ثبوت کے ذریعے ہونی چاہیے۔

8۔ انضمام (Integration) ان کا خیال ہے کہ علم سیاسیات کو تاریخ، سماجیات اور معاشیات جیسے مختلف دیگر معاشرتی علوم سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ نقطہ نظر اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ سیاسی واقعات معاشرے میں مختلف عوامل کے ذریعے تشکیل پاتے ہیں۔

4.3.8 رویہ جاتی طریقہ کار کے فائدے (Advantages of Behavioural Approach)

مندرجہ بالا خصوصیات کی بنیاد پر رویہ جاتی طرز عمل (Behaviouralism) کی ترقی کے ساتھ ہی علم سیاسیات میں اچھی سوچ اور مطالعے کا جدید طرز عمل مقبول ہو گیا۔ اس طرز عمل (Behavioural Approch) کے فوائد درج ذیل ہیں۔

1۔ یہ طریقہ کار علم سیاسیات میں سائنٹفک طریقہ کار کو استعمال کرتا ہے اور علم سیاسیات کو خالص سائنس بناتا ہے۔ علم سیاسیات کو انسان کی زندگی میں روزمرہ کی ضرورتوں اور مسائل کے حل کے طور پر پیش کرتا ہے۔

2۔ رویہ پسندی نے علم سیاسیات کے میدان میں انسانی طرز عمل کو شامل کر لیا اور اس طرح اسے معاشرے کے بہت قریب لانا چاہتا ہے۔

3۔ یہ طریقہ کار مستقبل کے سیاسی واقعات کی پیشن گوئی کرنے میں معاون ہے۔

رویہ جاتی طریقہ کار کی حمایت بہت سارے مفکرین نے کی ہے لیکن اسے تنقید کا بھی نشانہ بنایا گیا ہے اور خاص طور پر اسے خالص سائنس بنانے کی کاوش کی وجہ سے۔

4.3.9 رویہ جاتی طریقہ کار پر تنقید: (Criticsm on Behavoural Approach)

1۔ تکنیک اور طریقوں پر بہت زیادہ انحصار کرنے اور اصول موضوع کو نظر انداز کرنے کی وجہ سے اس نقطۂ نظر پر تنقید کی جاتی ہے۔

2۔ اس نقطۂ نظر کے حامی اس وقت غلطی کر بیٹھے جب انہوں نے یہ سمجھا کہ انسان ایک جیسے حالات میں ایک جیسا رویہ رکھتا ہے۔

3۔ انسانی طرز عمل کا مطالعہ کرنا اور ایک خاص نتیجہ اخذ کرنا ایک مشکل کام ہے۔

4۔ بہت سارے سیاسی واقعات اور ان کے اثرات غیر یقینی اور لا محدود ہوتے ہیں لہذا سائنٹفک طریقہ کار کا استعمال ممکن نہیں ہے۔

5۔ محقق بھی ایک انسان ہے لہٰذا اقدار سے غیر جانبدار (Value Neuteral) ہونا نا ممکن ہے۔

6۔ اسے ایک غیر یقینی سیاست (Pseudo-Politics) کہا جانے لگا کیوں کے یہ طریقہ کار امریکی اداروں کو دنیا کے بہترین مقام پر رکھنا چاہتا ہے۔

7۔ یہ طریقہ کار انسانی رویے کو ادارے پر فوقیت دیتا ہے۔

8۔ یہ طریقہ کار اعداد و شمار پر زور دیتا نہ کی موجودہ صورت حال پر۔

4.3.10 مارکسی طریقہ کار (Marxist Approach)

مارکس ریاست سے تعلق روایتی رائے نہیں رکھتا اس کے مطابق ریاست نہ کبھی ایسی منتظم برادری تھی اور نہ ہی رہ سکتی ہے جس کا مقصد عوامی فلاح ہو۔ اس کا ماننا ہے کہ ریاست ہمیشہ ایک اپنی تنظیم رہی ہے اور رہے گی جس کے ذریعے معاشی اعتبار سے طاقتور طبقہ غریبوں پر حکمرانی اور ان کا استحصال کرتا ہے۔ مارکسی اشتمالی منشور (Pre Communist Manifesto) کا اعلان کرتا ہے کہ ریاست، بورژوا طبقہ کی مجلس منتظمہ ہے۔ اینجلز کے قول کے مطابق، ریاست ایک مشین ہے جس کے ذریعے ایک طبقہ دوسرے طبقہ کے اوپر ظلم کرتا ہے۔

مارکس اور اینجلز، ریاست کو اس طرح کا فطری ادارہ تسلیم نہیں کرتے جیسا کہ افلاطون اور ارسطو اسے تسلیم کرتے ہیں۔ مارکس کے خیال کے مطابق ریاست کی ابتدا تاریخ کے اسی دور میں ہوئی جب سماج دو ایسے مخالف طبقات میں منقسم ہو گیا جس کے مفاد ایک دوسرے کے مخالف تھے اور جن کے مفاد میں کسی قیمت پر ہم آہنگی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ دوسرے لفظوں، میں ریاست طبقاتی کشمکش کا لازمی نتیجہ ہے اس کی پیدائش اولاً طبقاتی کشمکش کو روکنے کے لیے ہوتی لیکن معاشی اعتبار سے طاقتور طبقہ نے فوراً ہی معاشی طور پر کمزور طبقات کے استحصال کے لیے اس کا استعمال شروع کر دیا۔ اس طرح ریاست فرمانروائی کا ایک آلہ (A Weapon of class domination) بن گئی۔ اور ریاستی قانون' اس کی پولیس اور اس کی فوج معاشی طور پر طاقتور طبقہ کے میعاد کی محافظ بن گئی۔ مارکس کے خیال کے مطابق حکومت کے ذریعے حکمران طبقہ اپنی خواہشات کو محکوم طبقے پر مسلط کرتا ہے۔ ریاست ایسی تنظیم ہے جو مزدوروں سے قدر زائد کو چھیننے میں سرمایہ داروں کی مدد کرتی ہے۔ سرمایہ داروں کی حفاظت کے لیے صرف اتنا ہی نہیں کہ پولیس اور فوج رکھی گئی ہے بلکہ نظام عدلیہ (Judicial System) اور تعلیمی نظام (Educational System) کو بھی اس طرح ترتیب دیتی ہے کہ سرمایہ داروں کے مفاد کی حفاظت ہو سکے۔ اس مقصد کے لیے مذہب کو بھی معاون کی حیثیت سے استعمال کیا جاتا ہے۔

4.3.11 سیاست اور مملکت سے متعلق مارکس کے نظریہ کی خصوصیات

(Charracteristics of Marx Theory Related to Politics and State)

سیاست اور مملکت سے متعلق مارکس کے نظریہ کی مندرجہ ذیل خصوصیات ہیں:

1۔ریاست طبقاتی کشمکش کی پیداوار ہے۔(State is the product of class antagonism) کہاں کب اور کس حد تک ریاست کا جنم ہوتا ہے یہ اس بات پر منحصر کرتا ہے کہ کب کہاں اور کس حد تک کسی سماج کے طبقاتی کشمکش میں ہم آہنگی پیدا نہیں ہوتی۔یعنی ریاست کا وجود ہی اس حقیقت کی غمازی کرتا ہے کہ طبقاتی کشمکش ناقابل مصالحت (Irreconcilable) ہے۔

2۔مزدور کبھی بھی سرمایہ دارانہ نظام کے ساتھ ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔(Workers can not remain satisfied in a Capitalist State)۔چونکہ ریاست سرمایہ داروں کے لیے ایک ایسی مشین کی طرح کام کرتی ہے جس سے مزدوروں کا استحصال ہوتا ہے اس لیے مزدور ایسی ریاست کا وفادار نہیں ہو سکتا۔ پارلیامنٹ ، بحث و مباحثہ کی ایک ایسی جگہ ہے جہاں اس کہ اراکین سرمایہ داروں کی وکالت کرتے ہیں۔ایسی حالت میں ریاست کی مخالفت مزدوروں کا اہم فریضہ ہے۔

3۔ریاست ایک جابرانہ ادارہ ہے (The state is a coercive organisation) ریاست کا مقصد موجودہ نظام کو برقرار رکھنا ہے تاکہ طبقات باقی رہیں اور معاشی طور پر مضبوط طبقہ ،کمزور طبقات کا استحصال کرتا رہے ۔ ریاست کا جبری کردار (Repressive Character) اس وقت منظر عام پر آجاتا ہے جب پولیس اور افواج کا استعمال مزدوروں کی ہڑتال وغیرہ کو کچلنے / دبانے کے لیے کیا جاتا ہے اور اس کے لیے یہ جواز پیش کیا جاتا ہے کہ یہ حرکت حکومت کے خلاف سرکشی یا بغاوت کی ہے۔

4۔انقلاب ہی تمام پریشانیوں کا علاج ہے (Revolution is the panacea for all evils) سرمایہ دارانہ سماج' طبقاتی کشمکش اور مزدوروں کے استحصال کے خاتمہ کے لیے انقلاب ہی واحد ذریعہ ہے۔مارکس کے خیال کے مطابق ریاست کو ختم کرنے کے لیے سب سے پہلے انقلاب کے ذریعے اسے سرمایہ داروں کے قبضے سے آزاد کرایا جائے اور جب تک سرمایہ دارانہ نظام کی مکمل خاتمہ نہ ہو جائے۔اس وقت تک ریاست پر مزدوروں کی تاناشاہی قائم رہے۔انقلاب سے حاصل شدہ فوائد کے دفاع کے لیے طاقت کا استعمال ضروری ہے۔ٹروٹسکی کے لفظوں میں ہتھیار کی مدد سے اقتدار پر قابض ہونے والی انقلابی جماعت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہتھیار اٹھا کر ہر اس حملے کو پسپا کرے جو اس سے اقتدار چھین لینے کے لیے کیا جائے۔

5۔غیر طبقاتی سماج کا قیام۔(Establishment of classless Society) مارکس کے مطابق، مستقبل میں ریاست کا خاتمہ ہو جائے گا اور ایک غیر طبقاتی سماج (Classless Society) کا قیام عمل میں آئے گا۔یہ سماج غیر ریاستی (Stateless) سماج ہو گا۔

مزدور طبقہ کی فتح کے بعد سرمایہ دارانہ نظام اور ایک ادارے کی شکل میں ریاست کا وجود ختم ہو جائے گا۔اس کے سیاسی کردار بھی بدل جائیں گے اور وہ حقیقی معنوں میں سماج کی حفاظت کریں گے۔

4.3.12 ساختی۔معلیاتی طریقہ کار (Structural- Functional Approach)

ساختی۔معلیاتی طریقہ کار یارسائی نظامی طریقہ کار یارسائی (System Approach) میں کچھ اضافہ ' اصلاحی یا بہت ہی شکل ہے یعنی ڈیوڈ اسٹن کے سیاسی نظام کے محرک ' اور محاصل (Input- output) کو گیبریل آلمنڈ (Gabriel Almond) نے ایک بہتر اور تفصیلی شکل دی ہے یہ دراصل نظامی طریقہ مطالعہ (System Approach) بہت ہی عمومی تھا۔

سیاسی جماعتیں (Political Parries): اس کا مرکز صرف ساخت تھا یعنی اس کا موضوع بنیادی طور پر حکومت یا مملکت کی ساختوں سے بحث کرنا تھا لیکن آلمنڈ نے ساختوں کے افعال کو مطالعہ کا مرکز بنا دیا ساختی معلیاتی طریقہ مطالبہ برائے تجزیہ کو سب سے پہلے سوشل اینتھرو پولوجسٹ ریڈ کلف براؤن (Redcliffe Brown) اور مالی نوسکی (Malinowski) نے ترقی دی۔ اس کے بعد اس طریقہ مطالعہ کو ماہر سماجیات ٹالکوٹ پرسنس (Talcott Parsons) مارٹن (Marton) اور آئیوی (Ievy) نے مستعار لیا اور سوشیالوجی میں اس کا استعمال شروع کر دیا۔ ڈیوڈ اسٹن نے اسے سب سے پہلے علم سیاسیات میں استعمال کیا۔ آلمنڈ کے ساختی معلیاتی طریقہ مطالعہ میں سب سے زیادہ اثر ایسٹن کے داخلات، خارجات (Input, out put) کا نظر آتا ہے۔ساختی معلیاتی طریقہ کار نظامی اور ادارتی طریقہ کار (System and Institutional Approach) کی مدد لے کر اپنی تکمیل کرتا ہے۔

4.3.13 سیاسی نظام کی خصوصیات (Characteristics of Political System)

گیبرئیل آلمنڈ اور کولمین (Gabriel Almond & Coleman) نے اپنی کتاب ' The Politics of Developing Areas ' میں چار خصوصیات کی نشاندہی کی ہے

1۔ سبھی پولیٹیکل سسٹم کے اندر ساخت / ڈھانچے ہوتے ہیں۔

2۔ سبھی پولیٹیکل سسٹم ساخت / ڈھانچے کی مدد سے کام کرتے ہیں۔

3۔ سبھی بہت سے کام کرتے ہیں۔

4۔ سبھی جدید و قدیم تہذیب و ثقافت کا امتزاج رکھتے ہیں۔

ساختی معلیاتی طریقہ کار (Structural Functional Approach) کو مزید قبولیت کا موقع ملا۔ آلمنڈ اور پاویل نے اپنی کتاب " Comparatiue Politics: A Development Approach" میں اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ ان کا ماننا ہے کہ بلا تفریق نوعیت، سبھی سیاسی ساختوں کو اپنی افادیت برقرار رکھنے کے لیے کچھ کام انجام دینے پڑتے ہیں۔ ان دونوں ماہرین نے ایسٹن کے داخلات و خارجات (Input, out put) کو فعل اور فعلیاتی شرائط (Functions and Functional Requisites) میں تبدیل کر دیا۔ انہوں نے ایسے سات افعال کا ذکر کیا ہے جنہیں سیاسی نظام کو انجام دینا ہوتا ہے تاکہ وہ خود کو محفوظ اور قائم رکھ سکیں اور اپنی افادیت کو بھی برقرار رکھ سکیں۔ یہ افعال مختلف سیاسی ساختوں کے ذریعے انجام دیے جاسکتے ہیں۔ لیکن وہ آگے مزید کہتے ہیں کہ ایک فروغ یافتہ (Mature) سیاسی نظام کے اندر عملی مہارت ہوتی ہے یعنی سیاسی ساختیں صرف وہی کام انجام دیتی ہیں جن میں ان کو مہارت

حاصل ہوتی ہے۔

4.3.14 سیاسی نظاموں کے کام (Functions of Political Systems)

1۔سیاسی سماجیانہ اور بھرتی(Political Socialisation and Recruitment)یہ ایک ایسا عمل ہے جس کے ذریعے عوام کو ان کے سیاسی نظام سے متعلق آگاہی حاصل ہوتی ہے یہ عمل معاشرے کی اقدار عقائد اور اصولوں کو سیاسی نظام کی طرف راغب کرتا ہے۔اس عمل کے اندر سے اسی طرح کا نظام لوگوں کی ثقافت اور تہذیب میں شامل ہو جاتا ہے۔اس کے ذریعے بنیادی سماجیانہ (Socialisation)گھر سے شروع ہو کر پڑوس اور تعلیمی اداروں تک پہنچتا ہے جہاں سے لوگوں کی سیاسی ذہن سازی ہوتی ہے اور لوگوں کے رویے' آرااور رکھ رکھاؤ میں سیاسی سمجھ داری شامل ہو جاتی ہے۔اس طرح کی سیاسی تعلیم اور تحریک سیاسی دائرہ کار میں اور دیگر ممبران کو بھی شامل کرتی ہے

2۔مفاد کو بہتر طور پر پیش کرنا(Interest Articulation)چونکہ وسائل محدود ہوتے ہیں جنھیں حاصل کرنے کے لیے مختلف گروپوں میں مسابقت چلتی ہیں اس لیے مربوط مطالبات کو دباؤ گروپ، مفاداتی گروپ اور دیگر جماعتوں کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے تاکہ ان مفادات کے حصول میں بہتر نتائج حاصل کیے جاسکیں۔

3۔مفادات کو جمع کرنا(Interests Aggregation) یہ وہ مرحلہ ہے جہاں مفادات کو یکجا کیا جاتا ہے اور مطالبات کو پالیسیوں کی شکل دی جاتی ہے۔

4۔سیاسی مواصلات (Political Communication) یہ ایک ایسا عمل ہے جہاں افراد گروہ اور ادارے وغیرہ ایک دوسرے کو اپنی منشا سے آگاہ کراتے ہیں اور ایک دوسرے سے آگاہی حاصل کرتے ہیں تاکہ سیاسی نظام کے کاموں پر نظر رکھ سکیں اور ان سے واقفیت حاصل کرسکیں۔مندرجہ بالا تینوں داخلات (Inputs)سیاسی عمل کے ذریعے خارجات (Out Put)میں تبدیل ہو جاتے ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں۔

- قانون سازی مقننہ (Rule Making)
- اصولوں کا نفاذ انتظامیہ(Rule Application)
- قانونی انصاف عدلیہ (Rule Adjudication)

4.3.15 مواصلاتی تھیوری طریقہ کار (Communication Theory Approach)

تقابلی سیاست کا یہ طریقہ کار اس بات سے بحث کرتا ہے کہ کس طرح سے سیاسی نظام کا ایک حصہ دوسرے حصے کو پیغامات اور مواصلات کے ذریعے متاثر کرتا ہے۔اس طریقہ کار کی سب سے پہلے تعریف رابرٹ ویز (Robert Weiner)نے کی تھی۔بعد میں کارل ڈیوئش نے اسے ترقی دی اور سیاسیات کے مطالعہ میں استعمال کیا ڈیوش کا خیال ہے کہ سیاسی نظام مواصلاتی ذرائع کا ایک نظام ہے اور یہ خود ساختہ ہے اس نے مزید کہا کہ حکومت مواصلات کے مختلف چینلز کی نگرانی کے لیے ذمہ دار ہے۔یہ طریقہ کار حکومت کو فیصلہ لینے اور قانون

بنانے والا نظام تسلیم کرتا ہے۔ڈیوش کے مطابق مواصلات کے نظریہ میں تجزیہ کے چار عوامل ہیں:-

1۔ سربراہی (Lead) حکومت کا فوراً ایکشن میں آجانا اور معاملے کی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرنا۔

2۔ وقفہ (Lag) اطلاعات حاصل کرنے اور فیصلہ لینے کے درمیان کا وقفہ۔

3۔ وزن (Lead) انفارمیشن کی حقدار۔

4۔ حاصل (Gain) سیاسی نظام کے عمل کا حاصل یعنی اس نظام نے اپنے مقاصد میں کہاں تک کامیابی حاصل کر سکا۔

4.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- تقابلی سیاست کے بہت سارے مطالعے کے طریقے ہیں جن کو روایتی اور جدید میں تقسیم کیا گیا۔ دنیا کے بدلتے حالات کے پیش نظر دیگر علوم کی طرح تقابلی سیاست میں بھی تبدیلیاں آیئں ہیں۔ سیاسی مفکرین نے علم سیاسیات کے مطالعے کے لیے پیمانے تلاش کیے۔
- اس اکائی کے ذریعہ طلبا نے جدید سیاست کے طریقے اور اور اس کے معنی کو سمجھا۔
- اس اکائی کے مطالعے بعد طلبا تقابلی سیاست کے مختلف جدید طریقے کو بھی اچھی طرح جانیں گئے۔اور ساتھ ہی سیاست سے متلق مارکسی نظریہ، سیاسی پارٹی اور اس کے کیا کیا فرائض ہیں اس کو بھی جانیں گے۔
- اس اکائی میں سیاسی نظام، مواصلاتی نظریہ کا طریقہ کار، سیاسی نظاموں کے کام سے بھی مکمل طور پر واقف ہونگے۔

4.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

- تقابل کرنا : موازنہ کرنا
- تفتیش کرنا : چھان بین کرنا، جانچ پڑتال کرنا
- ہم آہنگی : یکسانیت
- استحصال کرنا : کسی کی مجبوری کا فائدہ اٹھانا
- مقننہ : قانون بنانے والا ادارہ
- طرز عمل : کام کرنے کا طریقہ

4.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examinations Questions)

4.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔"انسانی فطری طور پر ایک سماجی جانور ہے" یہ کس مفکر کا قول ہے؟

(a) افلاطون (b) ارسطو (c) روسو (d) جان لاک

2۔انسانی نفسیات کے متعلق کس مفکر نے کہا ہے کہ انسان درد سے بچنا چاہتا ہے اور خوشی کو حاصل کرنا چاہتا ہے؟

(a) ہوبز (b) لاک (c) بنتھم (d) سیلے

3۔ نظریہ طبقاتی کشمکش کا تعلق کس مفکر سے ہے؟

(a) افلاطون (b) لیکاک (c) کارل مارکس (d) بنتھم

4۔ تقابلی سیاست میں مقداری طریقہ کار برائے مطالعہ کا تعلق درج ذیل میں سے کس سے ہے؟

(a) جدید طریقہ کار سے (b) روایتی طریقہ کار سے (c) دونوں سے (d) کسی سے بھی نہیں

5 نظام کا طریقہ برائے مطالعہ سیاسیات(system approach)کا تعلق سب سے پہلے علم سیاسیات میں کس ماہر سیاسیات نے کیا؟

(a) بنتھم (b) اسٹن (c) چارلس میریم (d) گلپ

6۔ تجرباتی اعداد و شمار(empirical data)کے استعمال کے لیے درج ذیل میں سے کس طریقہ مطالعہ میں تاکید کی گئی ہے؟

(a) جدید طریقہ مطالعہ میں (b) روایتی طریقہ مطالعہ میں

(c) دونوں میں (d) دونوں میں سے کسی میں نہیں

7۔طبقات معاشی، مفادات کی بنیاد پر تشکیل دیئے جاتے ہیں یہ کس کا قول ہے؟

(a) بنتھم (b) کارل مارکس (c) اسٹن (d) ارسطو

8۔داخلات' خارجات(in-put, out-put)کا تعلق کس سے ہے؟

(a) نظام (b) نفسیات (c) مقدار (d) سماجیات

9۔تقابلی سیاست کا کون سا طریقہ مطالعہ سیاسیات کو خالص سائنس بنانے پر زور دیتا ہے؟

(a) معاشی طریقہ (b) مقداری طریقہ (c) رویہ جاتی طریقہ (d) مارکسی طریقہ

10۔ comparative politics a developmental approachکا تعلق کس سے ہے؟

(a) آلمنڈ اور پاویل (b) آلمنڈ اور کولمن (c) مارکس اور اینجلز (d) افلاطون اور ارسطو

4.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ آلمنڈ اور کولمن نے سیاسی نظام کی چار خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔چاروں کو مختصراً درج کیجیے۔

2۔ کارل ڈیوش کے نظریہ کو مواصلات(Communication)میں تجزیہ کے چار عوامل کی فہرست درج کیجیے۔

3۔ تقابلی سیاست کے مطالعے جدید طریقوں(Modern Approaches) کی خصوصیات کو قلم بند کیجیے۔

4۔ سیاسی نظام کے کاموں کو مختص طور پر بیان کیجیے

5۔ داخلات اور خارجات(Input, Output) کا کیا مطلب ہے وضاحت کیجیے۔

4.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ مقداری طریقہ کار برائے مطالعہ(Quantitative Approach) سے آپ کیا سمجھتے ہیں مختصر اًبیان کیجیے۔

2۔ ساختی معالیاتی رسائی یا طریقہ کار برائے مطالعہ تقابلی سیاست کی وضاحت کیجیے۔

3۔ تقابلی سیاست میں رویہ جاتی طریقہ' مطالعہ(Behavioural Approach) سے آپ کیا سمجھتے ہیں۔ وضاحت کیجیے۔

4.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. J.C Johri, Comparative Politics, (2011) Sterling Publishers, New Delhi
2. S.A Palekar, (2008) Comparative Politics and Government, PHI Learning Pvt. Ltd. New Delhi.
3. Vidya Bhushan, (2006) Comparative Politics, Atlantic Publishers, New Delhi
4. Manoj Kumar, (2004) Comparative Politics and Political Analysis, Anmol Publishers, New Delhi
5. B. Guy Peters, (1998) Comparative Politics and Theory and Methods, Macmillan

اکائی 5- حکومت کی مختلف شکلیں

(Different Forms of Government)

اکائی کے اجزا

5.0 تمہید

5.1 مقاصد

5.2 حکومت کی مختلف شکلیں

5.3 وفاقی حکومت

5.4 صدارتی طرز حکومت

5.5 پالیمانی طرز حکومت

5.6 پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومتوں میں فرق

5.7 اکتسابی نتائج

5.8 کلیدی الفاظ

5.9 نمونہ امتحانی سوالات

5.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

5.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم " تعارف: حکومت کی مختلف شکلیں" کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے حکومت کیا ہے اور حکومت کسے کہتے ہیں اور کتنے طرح کی شکلیں ہوتی ہے اور اس کے اختیارات کے بارے میں جاننا ہو گا۔ حکومت مملکت کا ایک اہم عنصر ہے۔ ریاست کے ذریعے طاقت کا استعمال بنیادی طور پر حکومت کی تنظیم کے ذریعے ہوتا ہے۔ حکومت مملکت کے کام کاج کے لیے ایک سازوسامان ہے۔ اس کو آئینی اور قانونی اختیارات کے ساتھ عوامی دفاتر میں منظم کیا گیا ہے اور اس کا کام کچھ خاص طریقہ کار کا پابند ہے، حکومت ان اداروں کی تشکیل پر مشتمل ہے جہاں افراد اقتدار کے عہدوں پر قابض ہیں۔ حکومت کی تنظیم مختلف ممالک اور مختلف ادوار میں مختلف ہوتی ہے۔ مملکت کی نوعیت حکومت کی نوعیت اور افعال سے مختلف ہوتی ہے۔ حکومت مملکت کا ایک ناگزیر ذریعہ ہے۔ یہ قوانین اور ضوابط کو تیار اور نافذ کرتا ہے۔ حکومت ان تمام اداروں اور عہدیداروں پر مشتمل ہے جو اختیارات استعمال کرتے ہیں اور باقی لوگوں کو ہدایت جاری کرتے ہیں۔ حکومتیں مختلف اقسام کی ہوتی ہیں اور انہیں مختلف لکھنے والوں کے ذریعے مختلف طریقوں سے درجہ بند کیا جاتا ہے۔

5.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ " تعارف: حکومت کی مختلف شکلیں" جس میں حکومت کی شکلیں کے بارے اور اس کے خصوصیات، خوبیوں اور خامیاں کے بارے میں تفصیل کے ساتھ اس طرح بیان اور واضع کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد حکومت کی مختلف شکلوں کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات وسکوک وشبہات کو نہ صرف یہ ہے کہ خود اپنے ذہن ودماغ سے سمجھ سکے بلکہ حکومت کے تمام شکلوں اور کن ملکوں میں کس طرح کی حکومت ہیں کہ مختلف پہلویوں پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں ان کا جواب دینے کا قابل ہو جائے۔

5.2 حکومت کی مختلف شکلیں (Different Forms of Government)

حکومت مملکت کا ایک جزو ہے۔ علم سیاسیات کے آغاز سے ہی دانشور اور مفکرین اپنے اپنے نقطہ نظر سے حکومت کی درجہ بندی کرتے آئے ہیں۔ سب سے پہلے ارسطو نے حکومت کی درجہ بندی کرنے کی کوشش کی تھی۔ طرز حکومت کی اس کی ہوئی درجہ بندی روایتی درجہ بندی کہلاتی ہے۔ اس میں تین سیٹ شامل تھے جو مجموعی طور پر چھ قسم کی حکومتوں پر مشتمل تھے۔ (1) شہنشائیت اور استبداری حکومت، (2) ثرفا اور چند سری حکومت، (3) نظام سیاست اور جمہوریت۔ یہ کہا جاتا ہے کہ طرز حکومت کی جو درجہ بندی ارسطو نے پیش کی اس سے آج کے زمانے کی پیچیدہ حکومت کی وضاحت نہیں ہو سکتی ہے۔ آلمنڈ (Almond) اور پاویل (Powell) نے سیاسی نظام کی اس طرح درجہ کی ہے (1) جمہوری نظام جس میں تین ذیلی نظام ہوتے ہیں اور (2) مطلق العنانی نظام جس میں چار ذیلی نظام ہوتے ہیں۔ ایلن بال

نے سیاسی نظاموں کی درجہ بندی اس طرح کی ہے:(1) آزادانہ جمہوریت،(2) مجموعیت،(3) مطلق العنانی۔ ہمارے مطالعے لیے میریٹ (Marriot)اور لیکاک(Leacock) نے حکومتوں کی جو جدید درجہ بندی کی ہے وہ زیادہ بہتر ہے۔ ان دونوں جدید حکومتوں کو تین وسیع درجوں میں تقسیم کیا ہے۔(1) اکائی یا وحدانی اور فیڈریشن یا وفاقی (2) صدارتی اور پارلیمانی (3) جمہوریت اور آمریت۔

حکومت کی شکل علم سیاسیات کا کوئی نیا موضوع نہیں ہے۔ قدیم یونانی دور سے ہی اس فکر پر تبادلہ خیال ہوتا آرہا ہے۔ آج بھی علم سیاسیات کے جدید ماہرین اس موضوع پر بہت حد تک ایک دوسرے سے اتفاق نہیں رکھتے۔ جہاں تک حکومت کی شکلوں کا سوال ہے ان کے خیالات ایک دوسرے سے متضاد ہیں۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں اس ملک کے سماجی و سیاسی حالات کو دیکھتے ہوئے ہی حکومت کی کسی مخصوص شکل کو اپنایا جاتا ہے۔ لیکن بات اگر قدیم یونانی دور سے شروع کی جائے تو علم سیاسیات کے دو اہم ستون افلاطون اور ارسطو نے حکومت کی مختلف شکلوں پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ افلاطون حکومت کی دو بنیادوں پر درجہ بندی کرتا ہے۔ پہلی بنیاد بادشاہ کی ذہانت پر ہے جب کہ دوسری بنیاد حکمراں کی تعداد پر ہے۔

پہلی بنیاد کو افلاطون مزید تین حصوں میں منقسم کرتا ہے۔(1) مکمل مملکت،(2) نامکمل مملکت اور (3) روشن خیال مملکت۔ مملکت کی ان مختلف شکلوں کی وضاحت کرتے ہوئے افلاطون کہتا ہے کہ مکمل ریاست کی باگ دوڑ فلسفی بادشاہ کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ اس قسم کی مملکت میں قانون کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ بادشاہ خود اتنا ذہین ہوتا ہے کہ اسے قانون کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ وہ اپنی عقل و ذہانت سے حکومت کرتا ہے۔ نامکمل مملکت میں قانون کا وجود ہوتا ہے اور شہری ان قوانین کی اطاعت بھی کرتے ہیں۔ روشن خیال مملکت بیوقوفوں کی مملکت ہوتی ہے۔ یہاں قانون، نظم و نسق نام کی چیز نہیں ہوتی ہے۔

افلاطون کی حکومت کی دوسری بنیاد حکمراں کی تعداد پر ہے۔ اس بنیاد کے مطابق افلاطون نے حکومت کی تین شکلوں کا تذکرہ کیا ہے۔(1) بادشاہت۔ اس میں حکومت کی باگ دوڑ ایک آدمی کے ہاتھوں میں ہوتی ہے،(2) اشرافیہ۔ اس میں حکومت کی باگ دوڑ چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے اور (3) جمہوریت۔ اس میں حکومت کی باگ دوڑ عام لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ افلاطون نے ان تینوں کی بگڑی ہوئی شکلوں کا بھی تذکرہ کیا ہے یعنی بالترتیب ظالمانہ حکومت، عدیدیہ اور جمہوریت۔

افلاطون کے بعد اس کے شاگرد ارسطو نے بھی حکومت کی درجہ بندی کی ہے۔ ارسطو کی درجہ بندی کے دو شرائط ہیں: اول لوگوں کی وہ تعداد جن کے ہاتھوں میں اقتدار اعلیٰ ہوتا ہے اور دویم اس اقتدار اعلیٰ کے استعمال کرنے کا مقصد۔ پہلی شرط کی رو سے ارسطو نے حکومت کے تین شکلوں کا تذکرہ کیا ہے۔(1) بادشاہت،(2) اشرافیہ اور (3) معاشرہ۔ بادشاہت میں حکومت کے تمام تر اختیارات ایک آدمی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ اشرافیہ میں حکومت کا باگ دوڑ چند لوگوں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جب کہ زیادہ لوگوں کے منظم کا نام معاشرہ ہے۔ دوسری شرط کی رو سے حکومت کی دو شکلیں ہیں۔(1) بہتر یا عام شکل اور (2) بگڑی ہوئی شکل۔ اگر حکومت فلاح عامہ کا کام کرتی ہے تو یہ بہتر شکل ہے لیکن اگر حکومت صرف حکمراں طبقے کی مفاد کا خیال رکھتی ہے تو یہ بگڑی ہوئی یا منحرف شکل ہے۔

لیکن حکومت کی قدیم یونانی درجہ بندی سے جدید ماہرین علم سیاسیات بہت حد تک اتفاق نہیں رکھتے حالانکہ جدید ماہرین ارسطو کی

درجہ بندی کو بنیادی مانتے ہیں لیکن موجودہ حالات میں درجہ بندی بہت حد تک فرسودہ ہے۔ جدید مفکرین جیسے سرمارئیٹ اور لیکاک، افلاطون اور ارسطو کے خیالات سے تضاد رکھتے ہوئے حکومت کی جدید درجہ بندی کی ہے۔ مارئیٹ کی درجہ بندی کی تین بنیادیں ہیں: (1) وحدانی اور وفاقی، (2) لچکدار اور غیر لچکدار اور (3) بادشاہت، صدارتی اور پارلیمانی حکومت۔ لیکن سرمائیٹ کی درجہ بندی کے خلاف لیکاک (Leacock) نے حکومت کی جو درجہ بندی کی ہے وہ مکمل طور پر جدید ہے۔ وہ پہلے جدید مملکت کی دو حصوں میں منقسم کرتا ہے، جمہوریت اور آمریت۔ اس کے بعد جمہوریت کو وہ مزید دو حصوں میں منقسم کرتا ہے، (1) محدود بادشاہت اور (2) جمہوریہ، پھر وہ ان دونوں حصوں کو مزید دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے، (1) وحدانی اور وفاقی طرز۔ لیکاک کہتا ہے کہ وحدانی یا وفاقی طرز پارلیمانی یا غیر پارلیمانی طرز حکومت کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

5.2.1 جمہوریت (Democracy)

جمہوریت کی اصطلاح یونانی اور کراتو سے ماخوذ ہے، اس کے سابقہ معنی 'عوام' اور بعد میں 'طاقت' ہیں۔ اس طرح جمہوریت کا مطلب 'عوام کی طاقت' ہے۔ جمہوریت کی معنی الگ الگ ماہرین نے الگ الگ بیان کیا ہے۔ یونانیوں کے مطابق، "جمہوریت ایسی حکومت ہے جس میں لوگ خود پر حکومت کرتے ہیں"۔ ارسطو نے اسے حکومت کی ایک گمراہ شکل سمجھا۔ امریکی صدر ابراہم لینکن (Abraham Lincon) کے لفظوں میں، "جمہوریت لوگوں کی، عوام کے ذریعے اور لوگوں کے لیے حکومت ہے"۔ ڈائسی (Dicey) کے مطابق، "جمہوریت کی ایک شکل ہے جس میں گورننگ باڈی قوم کا ایک نسبتاً بڑا حصہ ہے"۔ جمہوریت کی دو اقسام ہیں: (1) خالص یا براہ راست جمہوریت (2) بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت۔ براہ راست جمہوریت: جب عوام خود ہی عوامی امور پر اپنی مرضی کا اظہار کرتے ہیں تو اس حکومت کو براہ راست جمہوریت کہا جاتا ہے۔ عوام ایک بڑے جلسے میں قانون بناتے ہیں۔ قدیم یونانی شہروں میں براہ راست جمہوریت قائم ہوئی۔ بھارت میں بودھی ادوار میں واجھی سنگھا میں براہ راست جمہوریت دیکھی گئی۔ اب یہ نظام سوئٹزرلینڈ کی صرف چار کینٹنوں پر غالب ہے۔ وہ اپینز یل، اوری، انٹر والڈن اور گلاروس ہیں۔ جب کہ بالواسطہ جمہوریت میں مملکت کی ماضی مرتب کی جاتی ہے اور اس کا اظہار براہ راست عوام خود نہیں کرتے، بلکہ ان کے نمائندوں کے ذریعے کرتے ہیں جن کو وہ غور و فکر اور فیصلہ سازی کی طاقت دیتے ہیں۔ اس قسم کی حکومت انگلینڈ میں 17ویں صدی میں قائم کی گئی تھی۔ یہ فرانس میں 1830 اور اٹلی میں 1948 میں قائم کی گئی تھی۔ جرمنی میں یہ وائمر آئین (Weimar Constitution) کے مطابق پہلی جنگ عظیم کے بعد قائم ہوا تھا۔ آج یہ نظام جاپان، بھارت، کینیڈا، سری لنکا، امریکہ وغیرہ دیگر جیسے بہت سے ممالک میں دیکھا جاتا ہے۔

5.2.2 آمریت (Dictatorship)

فورڈ (Ford) کے مطابق، "آمریت ایک مملکت کے سربراہ کے ذریعے اضافی قانونی اتھارٹی کا مفروضہ ہے"۔ الفریڈ کہتے ہیں، "آمریت ایک ایسے شخص کی حکومت ہے جس میں میراث وراثت کے ذریعے حاصل نہیں کی جاتی ہے۔ لیکن طاقت یا رضامندی سے اور عام

طور پر دونوں کے امتزاج سے۔ اسے مکمل خود مختاری حاصل کرنی چاہیے۔ تمام سیاسی طاقتوں کو بالآخر اس کی مرضی سے نکلنا چاہیے اور اسے دائرہ کار میں لامحدود ہونا چاہیے۔ اس کا استعمال قانون کے بجائے صوابدیدی انداز میں کم سے کم کثرت سے کرنا چاہیے۔ آخر میں، یہ قطعی حکمرانی سے مطابقت نہیں رکھتا"۔ الفریڈ کوربن (Alfred V. Corbin) کے تجربے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ آمریت کی بنیادی خصوصیات یہ ہیں: 1۔ یہ ایک شخص کی حکومت ہے؛ 2۔ یہ طاقت یا رضامندی یا دونوں کے مرکب پر مبنی ہے؛ 3۔ تاناشاہ کسی دوسرے اتھارٹی کا ذمہ دار نہیں ہے؛ 4۔ اس کے اختیارات لامحدود ہیں؛ 5۔ تاناشاہ انتظامیہ کو مستند طریقے سے چلاتا ہے قانون کے مطابق نہیں؛ 6۔ اس کی معیاد طے نہیں ہے۔ الفریڈ کوربن کی وضاحت نپولین یا کمال اتاترک جیسے تاناشاہوں پر لاگو تھی۔ یہ جدید فوجی آمروں پر بھی لاگو ہوتا ہے۔ لیکن ان ممالک میں جہاں آمریت پارٹی پر منحصر ہے، اس کا اطلاق نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر، روس، چین، چیکوسلوواکیا، پولینڈ۔ ہنگری، رومانیہ وغیرہ میں کیمونسٹ پارٹی کی آمریت ہے۔ کیمونسٹ پارٹی کا پہلا سکریٹری ان ممالک میں تمام طاقتور ہے لیکن ان کے اختیارات بھی پارٹی کی حمایت پر منحصر ہیں۔

5.2.3 وحدانی حکومت (Unitary Government)

وحدانی ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں حکومت کے تمام تر اختیارات ایک جگہ پر مرتکز ہو جاتی ہے یعنی کہ حکومت کے مراکز کئی ایک جگہ کے بجائے ایک ہی جگہ ہوتا ہے اور ایک ہی جگہ سے پورے ملک پر حکومت کی جاتی ہے۔ چونکہ ایک ہی مرکز ہونے کے سبب تمام تر مقننانی اور انتظامی اختیارات مرکز کو ہی حاصل ہوتے ہیں۔ مختلف ماہرین وحدانی حکومت کی تعریف اپنے اپنے انداز میں کیا ہے جیسے: وحدانی طرز حکومت کی تعریف کرتے ہوئے ڈائسی کہتا ہے: "وحدانی حکومت ایک مرکزی طاقت کے ذریعے اعلیٰ قانون سازی کے اختیار کی عادت ہے"۔ پروفیسر ویلوبی (Prof. W.F. Willoughby) کے مطابق: "وحدانی یا اکائی حکومت میں حکومت کے تمام اختیارات پہلی مرتبہ کسی ایک مرکزی حکومت کو یہ اعزاز دیا گیا ہے اور یہ حکومت ان اختیارات کی اس طرح کی تقسیم پر اثر انداز کرنے کی پوری آزادی میں رہ گیا ہے، علاقائی طور پر جیسا کہ اس کی رائے میں دانشمندی ہے۔

5.2.4 وحدانی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Unitary Forms of Government)

وحدانی طرز حکومت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(1) مضبوط مرکزی حکومت: چونکہ وحدانی طرز مرکزی حکومت میں صوبائی یا علاقائی حکومتوں کا عموماً وجود نہیں ہوتا ہے، صرف مرکزی حکومت ہی ہوتا ہے، ایسے میں تمام تر اختیارات کا مالک و مختار مرکز ہی ہوتا ہے اس لیے ایک مضبوط حکومت کی تشکیل ہوتی ہے۔

(2) اختیارات کی تقسیم: وفاقی طرز حکومت میں حکمرانی سے متعلق تمام تر اختیارات چند دستوری فہرستوں کے ذریعے مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں تین فہرستوں کے ذریعے اختیارات کو تقسیم کر دیا گیا ہے۔

(3) مرکزی مقننہ کی برتری: جیسا کہ پروفیسر ڈائسی کا کہنا ہے کہ ایک مرکزی طاقت کے ذریعے برتر مقنناتی اختیارات کا متواتر استعمال کو

وحدانیت کہا جاتا ہے یعنی کہ:"وحدانی حکومت ایک مرکزی طاقت کے ذریعے سپریم قانون سازی کے اختیار کی عادت ہے۔"

(4) دستور کی نوعیت: وحدانی طرز حکومت میں دستور کا تحریری ہونا شرط نہیں ہے کیونکہ یہاں اختیارات کی تقسیم کا مسئلہ نہیں ہے۔ وفاقی طرز حکومت میں دستور کی نوعیت ہمیشہ تحریری ہوتی ہے کیونکہ وفاقی نظام میں دو سطحی حکومتیں ہوتی ہیں۔

5.2.5 وحدانی حکومت کی خوبیاں (Merits of Unitary Government)

وحدانی طرز حکومت کی خوبیاں حسب ذیل ہیں:

(1) یکساں نظم و نسق: وحدانی طرز حکومت کی سب سے بڑی خوبی اس کی انتظامی یکسانیت میں ہے۔

(2) واحد شہریت: وفاقی نظام کے برخلاف وحدانی طرز حکومت میں تمام شہریوں کو بلا تفریق ایک ہی شہریت حاصل ہوتی ہے۔

(3) کارگزار حکومت: وحدانی طرز حکومت کارگزار ہوتا ہے۔ کسی بھی قومی اور بین الاقوامی معاملے پر بروقت فیصلے لیے جاتے ہیں۔

(4) چھوٹے ملک کے لیے مناسب: وحدانی طرز حکومت چھوٹے ملک کے لیے کافی موزوں ہے۔ بھارت اور امریکہ جیسے وسیع عریض ممالک جہاں بالترتیب 29 اور 50 ریاستیں ہیں کروڑوں اربوں کی آبادی ہے، وحدانی طرز نامناسب نہیں ہے۔

5.2.6 وحدانی حکومت کی خامیاں (Demerits of Unitary Government)

وحدانی طرز حکومت کی خامیاں حسب ذیل ہیں:

(1) علاحدگی کا احساس: وحدانی طرز حکومت میں پورے ملک کے لیے ایک ہی انتظامیہ اور ایک ہی مقننہ ہوتا ہے ایسے میں کام کا بوجھ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ ملک کے دور افتادہ علاقوں پر مرکزی حکومت دھیان نہیں رکھ پاتی ہے۔ لوگوں میں علاحدگی کی رجحان پیدا ہونے لگتا ہے۔

(2) بربادی کا خدشہ: وحدانی طرز حکومت میں چونکہ اختیارات کا ارتکاز ایک مرکزی حکومت کے ہاتھوں میں ہوتا ہے ایسے میں دباؤ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس بات کا ہمیشہ خدشہ رہتا ہے کہ مرکزی حکومت کہیں بیٹھ نہ جائے اس کے بربادی کا ڈر ہمیشہ بنا رہتا ہے۔

(3) بڑے ملکوں کے لیے مناسب نہیں: ایسا مانا جاتا ہے کہ وحدانی طرز حکومت بڑے ملکوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔ بھارت اور امریکہ جیسے وسیع و عریض ملک میں جہاں ہر سطح پر مذہبی، لسانی اور ثقافتی تضاد ہو وحدانی طرز حکومت کارگر ثابت نہیں ہوتی۔

(4) اختیارات کا ارتکاز: چونکہ وحدانی طرز حکومت میں تمام کہ تمام اختیارات مرکز کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتے ہیں ایسے میں اس بات کا ہمیشہ خدشہ رہتا ہے کہ حکومت کہیں ظالمانہ روپ نہ اپنا لے جیسا کہ لاسکی (Herold Laski) کا ماننا ہے کہ:"------ جدید مملکت کا مضبوط مرکزیت حقوق کے ایک مثالی نظام کے بہت بڑے دشمن ہے۔

5.3 وفاقی حکومت (Federal Government)

وفاقیت ایک ایسی طرز حکومت ہے جس میں حکومت کرنے کے تمام تر اختیارات مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر

دیے جاتے ہیں۔ وحدانیت کے برخلاف یہاں حکومت کا مرکز ایک نہیں بلکہ کئی ایک مراکز ہوتے ہیں اور ہر مرکز کو دستور کے رو سے حقیقی انتظامی اور مقننانی اختیارات دیے جاتے ہیں یعنی یہاں صوبائی حکومتیں اپنی اختیارات کے لیے مرکز پر منحصر نہیں ہوتی ہیں۔ ہر صوبہ اپنے اپنے دائرے میں بہت حد تک خود مختار ہوا کرتی ہیں۔ ماہرین علم سیاسیات فینر نے وفاقی طرز حکومت کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے: "ایک وفاقی ریاست ایک ریاست ہے جس میں اختیارات اور اقتدار کا ایک حصہ مقامی علاقوں میں دیا جاتا ہے جب کہ دوسرا حصہ ایک مرکزی ادارہ میں ہوتا ہے جسے جان بوجھ کر مقامی علاقوں کی انجمن تشکیل دی جاتی ہے۔" ڈائسی کے مطابق: "ایک وفاقی ریاست ایک سیاسی تضاد کے سوا کچھ نہیں ہے جس کا مقصد قومی اتحاد کو ریاست کے حقوق کی بحالی کے ساتھ مفاہمت کرنا ہے۔" ڈاکٹر گارنر (Dr. Garner) کے مطابق: "وفاقی حکومت مرکزی اور مقامی حکومت کا ایک نظام ہے۔ مشترکہ خود مختاری کے تحت مشترکہ، دونوں مرکزی اور مقامی تنظیمیں اپنے مخصوص دائرہ کار میں اعلیٰ ہیں، ان کے لیے عام آئین یا پارلیامنٹ کے ایکٹ کے ذریعے نشان زد کیا گیا ہے جو نظام کو تشکیل دیتا ہے۔"

5.3.1 وفاقی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Federal Form of Government)

وفاقی طرز حکومت کی بھی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(1) دستوری بالادستی: وفاقی طرز حکومت کی سب سے اہم خاصیت دستوری بالادستی ہے۔ وفاقیت میں چونکہ مرکز اور وفاقی ریاستوں کے مابین اختیارات کی تقسیم دستور کے ذریعے ہوتا ہے اس لیے دستور اساسی تحریری اور غیر لچک دار ہوتی ہے۔

(2) اختیارات کی تقسیم: وفاقی طرز حکومت کی دوسری سب سے اہم خاصیت اختیارات کی تقسیم ہے۔ وفاقیت میں دستور کے رو سے مرکزی اور وفاقی ریاستوں کے اختیارات تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ قومی اہمیت کے حامل تمام معاملات مرکز کے اختیار میں دے دیا جاتا ہے جب کہ علاقائی یا صوبائی اہمیت کے حامل تمام معاملات کو وفاقی ریاستوں کے اختیار میں دے دیے جاتے ہیں۔

(3) عدالتی بالادستی: وفاقی طرز حکومت کی تیسری خاصیت عدالتی بالادستی ہے۔ وفاقی نظام میں دستوری تنازعات کی تصفیہ کے لیے عدالت عظمیٰ کی ضرورت واہمیت کو شدت سے محسوس کیا جاتا ہے۔ چونکہ اختیارات کی تقسیم وفاقیت کا ایک اہم پہلو ہے اس لیے مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان دستوری تنازعے کا کھڑا ہونا فطری ہے۔ سپریم کورٹ حکومتوں کے درمیان تنازعات کو ختم کرتی ہے۔

5.3.2 وفاقی طرز حکومت کی خوبیاں (Merits of Federal Form of Government)

وفاقی طرز حکومت کی خوبیاں حسب ذیل ہیں:

(1) کارگزار حکومت: وفاقیت میں چونکہ حکومت کا دوہرا نظام ہوتا ہے اس لیے حکومت جو ہوتا ہے وہ کارگزار ہوتا ہے۔ دستور کے رو سے مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے اختیارات تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔

(2) کثرت میں وحدت: ہر وہ ملک جہاں مختلف مذاہب و ثقافت کے لوگ آباد ہوتے ہیں یا پھر مختلف زبان بولنے والے لوگ آباد ہوتے ہیں ایسے ملک کے لیے وفاقی طرز حکومت اتحاد کا محور بن کر کام کرتا ہے، دوسرے لفظوں میں کثرت میں وحدت آتی ہے۔ وفاقی ریاست

صوباؤں کے اختیارات کو بحال رکھتے ہوئے قومی اتحاد کو فروغ دیتا ہے۔
(3) چھوٹی ریاستوں کے لیے مناسب: چھوٹی ریاستوں کے لیے وفاقی طرز نظام کافی مناسب ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں اتنی طاقت نہیں ہوتی ہے کہ اپنی شاخت کو برقرار رکھ پائیں۔ داخلی اتحاد سے لے کر دفاعی انتظام تک چھوٹی ریاستوں کے لیے مسائل ہی مسائل ہے ایسے میں اگر وہ متحد ہو کر وفاق کا قیام کرتے ہیں تو انہیں اپنی شاخت کو برقرار رکھنے اور اپنی طاقت میں اضافہ کرنے میں کافی مدد حاصل ہوتی ہے۔
(4) فلاحی حکومت: وفاقی طرز حکومت میں حکومت کی نوعیت فلاحی ہوتی ہے۔ چونکہ دستور کے ذریعے حکومت کے تمام تر اختیارات مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیے جاتے ہیں اس لیے مرکز کی تاناشاہی نہیں بنتی۔

5.3.3 وفاقی طرز حکومت کی خامیاں (Demerits of Federal Form of Government)

وفاقی طرز حکومت کی خامیاں حسب ذیل ہیں:
(1) کمزور نظام: اکثریت کا یہ ماننا ہے کہ وفاقیت ایک کمزور نظام ہے۔ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات کی تقسیم وفاقی نظام کو کمزور سے کمزور تر بنا دیتی ہے۔
(2) کمزور خارجہ پالیسی: بہت سارے ماہرین علم سیاسیات کا ماننا ہے کہ وفاقی طرز حکومت میں صوبائی حکومتوں کے سبب ملک کی خارجہ پالیسی کمزور ہوتی ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں جہاں وفاقی نظام قائم ہے خارجہ پالیسی کا تعین میں صوبائی حکومتوں کا ایک اہم رول ہوتا ہے۔
(3) ذیلی قوم پرستی ایک فروغ: وفاقی طرز نظام میں چونکہ شہریت کا دوہرا انظام قائم ہے یعنی کہ لوگوں کے دوہری شہریت حاصل ہوتی ہے۔ ایک اس ملک کا جہاں وہ رہنے والا ہے دوسرا اس صوبے کا جہاں کا وہ باشندہ ہے۔ دوہری شہریت کے وجہ سے ان کی وفاداری ملک اور صوبے کے درمیان تقسیم ہو جاتی ہے۔ یہ منقسم وفاداری کے سبب شہری ہمیشہ اپنے صوبے کو زیادہ ترجیح دیتا ہے۔
(4) خرچیلی حکومت: وفاقی طرز حکومت کی ایک اور خامی اس کا خرچیلا پن ہے۔ وحدانی طرز حکومت میں چونکہ ایک ہی انتظامیہ، ایک ہی مقننہ اور ایک ہی نظام قائم ہوتا ہے جس سے خرچ کم ہوتا ہے۔ لیکن وفاقی طرز حکومت میں ہر چیز دوہری ہوتی ہے۔

5.4 صدارتی طرز حکومت (Presidential Form of Government)

صدارتی طرز حکومت ایک ایسی حکومت ہے جس میں انتظامیہ کا سربراہ مقننہ سے آزاد ہوتا ہے۔ اس کا انتخاب یا تو بالواسطہ طور پر عوام کے ذریعے ہوتا ہے یا پھر ایک الیکٹورل کالج کے ذریعے۔ وہ بیک وقت حکومت کا بھی سربراہ ہوتا ہے اور مملکت کا بھی سربراہ ہوتا ہے۔ مخصوص حالات میں اسے مواخذ کے ذریعہ برطرف تو کیا جا سکتا ہے مگر اس کے معیار کو کسی بھی حال میں کم نہیں کیا جا سکتا۔ وہ مقننہ کا رکن تو نہیں ہوتا ہے مگر اسے پیغام اور سفارش بھیجنے کا اسے اختیار حاصل ہے۔ اسے مقننہ کے اجلاس کو طلب کرنے کا اختیار ہے۔ کابینہ کے تمام ممبران اس کے زیر تحت بطور معاون کا کام کرتے ہیں۔ وہ اپنے کاموں کے لیے مقننہ کے تئیں ذمے دار نہیں ہوتا۔ صدارتی طرز حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے پروفیسر گارنر کہتے ہیں: "صدارتی حکومت کیا وہ نظام ہے جس میں ایگزیکٹو آئینی طور پر اپنے دور کی مدت کے

حوالے سے مقننہ سے آزاد ہے اور اس کی یا ان کی سیاسی پالیسیوں کے لیے اس کے لیے غیر ذمہ دارانہ ہے۔ ایسے نظام میں ریاست کا چیف محض ٹائٹلر ایگزیکٹو نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ حقیقی ایگزیکٹو ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ اختیارات کا استعمال کرتا ہے جو آئین اور قوانین انہیں عطا کرتے ہیں۔"

5.4.1 صدارتی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Presidential Form of Government)

صدارتی طرز حکومت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(1) مقننہ سے آزادی: صدارتی طرز حکومت کی سب سے اہم خاصیت یہ ہے کہ اس نظام میں عاملہ، مقننہ سے مکمل آزاد ہوتا ہے۔ ایسے نظام میں اختیارات کی علاحدگی کے اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ انتظامیہ کا سربراہ یا اس کا معاون وزراء مقننہ کے رکن نہیں ہوتے ہیں۔ انتظامی معاملات میں حکومت کا سربراہ مکمل طور پر آزاد ہوتا ہے۔

(3) معینہ معیاد: صدارتی طرز حکومت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں انتظامیہ کو ایک معینہ مدت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔ معینہ مدت کے اختتام سے پہلے اس کی معیاد کو کم نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی برطرف کیا جاسکتا ہے۔ سوائے دستوری پامالی کے عوض مواخذے کے، اور نہیں تو مقننہ چاہ کر بھی اسے برخاست نہیں کرسکتی۔ صدر اپنے معیاد تکمیل کے بعد ہی ہٹتا ہے۔

(4) حقیقی حکمراں: صدارتی طرز حکومت میں صدر حقیقی حکمراں یا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ عاملہ کا سربراہ تو ہوتا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ مملکت کا بھی سربراہ ہوتا ہے۔ دستور کے ذریعے حکومت کے تمام تر اختیارات حقیقی طور پر اسی کے ہاتھ میں مرتکز کردیے جاتے ہیں۔

(5) عدلیہ کی اہمیت: مضبوط اور غیر جانبدار عدلیہ صدارتی طرز حکومت کی اہم خاصیت ہوتی ہے۔ صدارتی طرز حکومت میں عدالت عظمیٰ دستور کا حقیقی محافظ ہوتا ہے۔ وہ مقننہ کے کسی بھی ایسے قانون یا انتظامیہ یا عاملہ کے کسی بھی ایسے حکم کو غیر دستوری قرار دے سکتا ہے۔

5.4.2 صدارتی طرز حکومت کی خوبیاں (Merits of Presidential Forms of Government)

صدارتی طرز حکومت کی اپنی بہت ساری خوبیاں حسب ذیل ہیں:

(1) آزادی کا تحفظ: صدارتی طرز حکومت میں عوام کی آزادی کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ خیال رکھنے کے بہت سارے طریقوں میں ایک طریقہ اختیار کی علاحدگی بھی ہے۔ اس طرز حکومت میں تمام تر اختیارات دستور کے ذریعے حکومت کے تینوں اعضاء کے درمیان تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ حکومت کا ہر عضو اپنے اپنے دائرہ اختیار میں مکمل آزاد ہوتا ہے۔ امریکہ میں صدارتی طرز حکومت قائم ہے۔ وہاں حکومت کے تینوں اعضاء ایک دوسرے کے اثر سے مکمل آزاد ہیں۔

(2) حکومتی استقامت: صدارتی طرز حکومت کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں انتظامیہ ایک معینہ مدت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے جس سے حکومت میں استقامت آتی ہے، معیاد کے اختتام سے قبل عموماً انتظامیہ کو برخاست نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس کے معیاد کو کم کیا جاسکتا ہے۔ نتیجتاً انتظامیہ بغیر کسی خوف و خطرے کے پالیسیاں مرتب کرتی ہے اور اس کو نافذ العمل کرتی ہے۔

(3) کار گزار حکومت: صدارتی نظام میں حکومت کافی کار گزار ہوتا ہے۔ چونکہ حکومت کے تمام تر اختیارات صدر کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتے ہیں ایسے میں حکومت کافی مستعدی کے ساتھ اپنا فرائض انجام دیتی ہے۔

(4) مزاحمت اور توازن: حالانکہ صدارتی حکومت میں حکومت کے تینوں اعضاء اپنے اپنے دائرے میں ایک دوسرے کے اثر سے آزاد ہوتے ہیں۔ اس پر سے صدر مملکت کے ہاتھوں میں اس قدر اختیارات ہوتے ہیں کہ وہ کبھی بھی مطلق العنان بن سکتا ہے۔ مگر عملاً ایسا نہیں ہوتا ہے کیونکہ صدارتی طرز حکومت میں مزاحمت اور توازن کے اصول پر کام کیا جاتا ہے۔

(5) ناگہانی حالات میں سود مند: ناگہانی حالات کے لیے صدارتی طرز نظام کو کافی بہتر اور موزوں تصور کیا جاتا ہے۔ چونکہ اختیارات مکمل طور پر صدر کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتا ہے اس لیے ایمر جنسی بالخصوص جنگ کی صورت میں فی الفور فیصلے لیے جاتے ہیں۔

5.4.3 صدارتی طرز حکومت کی خامیاں (Demerits of Presidential Forms of Government)

صدارتی طرز حکومت کی اپنی بہت ساری خامیاں حسب ذیل ہیں:

(1) انتظامی غیر ذمیداری: صدارتی طرز حکومت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس میں انتظامیہ غیر ذمہ دار ہوا کرتی ہے۔ چونکہ اس طرز حکومت میں عاملہ کا سربراہ مقننہ کے کنٹرول سے آزاد ہوتا ہے ایسے میں اس کی تاناشاہی یا پھر غیر ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔

(2) عدم تعاون: صدارتی طرز حکومت کی دوسری سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ جس طرح امریکہ میں ہے، انتظامیہ اور مقننہ کے باہمی عدم تعاون کے سبب کام مستعدی کے ساتھ نہیں ہوپاتا ہے۔ کار گزار حکومت فقط ایک تصور بن کر رہ جاتی ہے۔

(3) سخت دستور: صدارتی طرز حکومت میں دستور جو ہوتا ہے وہ سخت ہوتا ہے جیسا کہ امریکہ میں رائج ہے۔ وہاں کا دستور حد درجہ سخت ہے۔ نتیجتاً بدلتے حالات کے پیش نظر اس میں آسانی سے ترمیم نہیں لائی جاسکتی۔

(4) ہم آہنگی کا فقدان: چونکہ صدارتی طرز حکومت میں جیسا کہ امریکہ میں رائج ہے مکمل طور پر اختیارات کی علاحدگی کے اصول پر کام ہوتا ہے نتیجتاً عاملہ اور مقننہ کے درمیان کسی بھی قسم کی کوئی ہم آہنگی نہیں رہتی۔ عاملہ اور مقننہ کے مابین یہ عدم ہم آہنگی بعض اوقات حکومت کے استحاد پر منفی اثر ڈالتا ہے۔

5.5 پالیمانی طرز حکومت (Parliamentary Form of Government)

پارلیمانی طرز حکومت جسے 'ذمے دار' یا 'وزارتی' حکومت بھی کہتے ہیں، حکومت کی ایک ایسی شکل ہے جس میں حکومت کا سربراہ مقننہ کا رکن ہوتا ہے اور اپنے تمام کاموں کے لیے مقننہ کا ذمے دار و جوابدہ ہوتا ہے۔ اس کا انتخاب بالواسطہ طور پر عوام کے ذریعے ہوتا ہے۔ مقننہ جب چاہے اس کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ پاس کر کے اسے مستعفی ہونے پر مجبور کر سکتی ہے۔ پارلیمانی طرز حکومت کو دو اہم اعضاء؛ مقننہ اور عاملہ میں زبردست باہمی تعلقات دیکھنے کو ملتا ہے۔ ان کی باہمی تعلقات کو دیکھتے ہوئے بیج ہاٹ کہتے ہیں: "ایک ہائفن جو شامل ہوتا ہے، ایک بکسوا جو تیز ہوتا ہے، ایگزیکٹو اور قانون ساز محکموں کو ایک ساتھ کرتے ہیں۔" اس طرز حکومت میں کابینہ یا مجلس

وزراء پر مشتمل انتظامیہ کی تشکیل ہوتی ہے۔ مجلس وزراء کے جتنے بھی اراکین ہوتے ہیں وہ تمام کے تمام مقننہ کے بھی رکن ہوتے ہیں اور وہ اپنے ہر کام کے لیے مقننہ کے ذمے دار ہوتے ہیں۔ پارلیمانی طرز حکومت کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر گارنر کہتے ہیں:"کابینہ حکومت وہ نظام ہے جس میں حقیقی عاملہ یعنی کابینہ یا وزارت - اس کی سیاسی پالیسیوں اور عمل کی مقننہ یا شاخ کا فوری طور پر اور قانونی طور پر ذمہ دار ہے، اور فوری طور پر یا بالآخر رائے دہند گان کے لیے ذمہ دار ہے۔ جب کہ ٹائٹلر یا برائے نامی عاملہ۔ ریاست کا سربراہ۔ غیر ذمہ داری کی حیثیت رکھتا ہے۔"

5.5.1 پارلیمانی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Parliamentary Form of Government)

صدارتی طرز حکومت کی طرح پارلیمانی طرز حکومت کی بھی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(1) سیاسی یکسانیت: صدارتی طرز حکومت میں انتظامیہ کے جو اراکین ہوتے ہیں ان کا تعلق کسی بھی سیاسی پارٹی سے ہو سکتا ہے بعض اوقات یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ سیاسی مخالفین کو بھی انتظامیہ میں مساوی طور پر حصے دار بنایا جاتا ہے۔ لیکن پارلیمانی طرز حکومت میں ایسا نہیں ہوتا ہے۔ اس میں انتظامیہ کے ممبران (وزراء) ہوتے ہیں ان کا تعلق عموماً ایک ہی سیاسی پارٹی سے ہوتا ہے۔

(2) برائے نام سربراہ مملکت: پارلیمانی طرز حکومت میں مملکت کا سربراہ برائے نام کا ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس طرز حکومت میں مملکت کا اور حکومت کا سربراہ الگ الگ ہوتا ہے۔ اس طرح سے مملکت کا سربراہ (صدر) برائے نام کا ہوتا ہے اصل کام حکومت کا سربراہ (وزیراعظم) کرتا ہے۔ انگلینڈ اور بھارت میں پارلیمانی نظام قائم ہے یہاں بالترتیب رانی اور صدر، مملکت کے سربراہ ہیں۔ بھارت میں دستور کے آرٹیکل (1) 53 کے ذریعے مرکز کے تمام انتظامی اختیارات صدر کے ہاتھوں میں مرتکز کر دیے گئے ہیں۔

(3) مقننہ کی لازمی رکنیت: صدارتی طرز حکومت میں انتظامیہ کے ممبران کسی بھی حال میں مقننہ کے رکن نہیں ہوتے ہیں مگر اس کے بر خلاف پارلیمانی طرز حکومت میں انتظامیہ کا رکن وہی ہو سکتا ہے جو مقننہ کا رکن ہو۔ یہی سبب ہے کہ سربراہ مملکت انہیں لوگوں کو انتظامیہ کے ممبر کے طور پر حلف دلواتا ہے جو مقننہ کے رکن ہوتے ہیں۔ رکن نہ ہونے کی صورت میں بھی وزارت کا حلف دلوایا جاتا ہے مگر اس دستوری شرط کے ساتھ کہ رکنیت کے چھ ماہ کے اندر اس وزیر کو مقننہ کی رکنیت حاصل کرنی ہوگی۔

(4) وزیراعظم کا رتبہ: پارلیمانی طرز حکومت میں وزیراعظم کا رتبہ اونچا ہوتا ہے۔ وہ اپنے دیگر ساتھی وزراء کے درمیان ایک ممتاز مقام رکھتا ہے۔ تمام وزراء آپس میں مساوی ہو سکتے ہیں مگر وزیراعظم اس سے کہیں زیادہ اونچا ہوتا ہے۔

(5) وزارتی ذمے داری / جوابدہی: پارلیمانی طرز حکومت کی ایک اہم خاصیت یہ ہے کہ اس میں مجلس وزراء مقننہ کے تئیں ذمے دار اور جوابدہ ہوا کرتی ہے۔ تمام وزیر انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنے کاموں کے لیے مقننہ میں جوابدہ ہے۔ وزراء عموماً مقننہ کے ایوان زیریں میں جوابدہ ہوتے ہیں جو کہ ایک عوامی ایوان ہوتا ہے۔ ہر وزیر اپنی وزارت کے لیے انفرادی طور پر مقننہ میں جوابدہ ہے، ساتھ ہی ساتھ حکومت کی پالیسی کے لیے وہ اجتماعی طور پر بھی جوابدہ ہے۔ ہمارے بھارت میں دستور کے آرٹیکل (3) 75 کے مطابق تمام وزراء اجتماعی طور پر لوک سبھا کے لیے ذمے دار ہیں۔ ٹھیک یہی معاملہ برطانیہ میں بھی ہے۔

5.5.2 پارلیمانی طرز حکومت کی خوبیاں اور خامیاں (Merits and Demerits of Parliamentary Government)

صدارتی طرز حکومت کی طرح پارلیمانی طرز حکومت کی خوبیاں (Merits) حسب ذیل ہیں:

(1) باہمی تعاون: پارلیمانی طرز حکومت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حکومت کے دو اہم اعضاء مقننہ اور عاملہ میں زبردست باہمی تعاون ہوتا ہے۔ دونوں کے باہمی تعاون سے ہی حکومت کارگزار ہوتی ہے۔

(2) انتظامی ذمہ داری: پارلیمانی طرز حکومت میں عاملہ اپنے ہر کام کے لیے مقننہ کے تیئں ذمے دار اور جوابدہ ہوتی ہے اور اس طرح سے مقننہ عاملہ کے اوپر ایک پکڑ بنائے رکھتی ہے۔

(3) تاناشاہی کا خدشہ نہیں: پارلیمانی طرز حکومت میں حکومت کی تاناشاہی کا خدشہ نہیں رہتا۔ کیونکہ اس نظام میں انتظامیہ بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر عوام کے تیئں ذمہ دار ہوتی ہے۔ حکومت کے ہر سخت اقدام کو اپوزیشن اور مقننہ لگام لگاتی ہے۔

(4) حالات موافق نظام: پارلیمانی طرز حکومت کو حالات موافق نظام سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ حالات کے پیش نظر اس میں تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ چاہے وہ دستوری ترمیم کا معاملہ ہو یا قائد کی تبدیلی کا۔ ہر حال میں یہ نظام اپنے آپ کو بہتر پیش کر سکتا ہے۔

خامیاں: (Demerits) صدارتی طرز حکومت کی طرح پارلیمانی طرز حکومت کی خامیاں حسب ذیل ہیں:

(1) آزادی کے لیے خطرہ : اس طرز حکومت میں اختیارات کی علاحدگی کے اصول پر عمل نہیں کیا جاتا ہے نتیجتاً عاملہ اور مقننہ میں ایک گہرا ربط ہوتا ہے جس سے عوامی آزادی پر اس کا منفی اثر پڑتا ہے۔ مانٹسکو کے دلیل کے مطابق حکومت کے اعضاء کے درمیان گہرا ربط آزادی کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

(2) مستقل پالیسی کا فقدان: پارلیمانی طرز حکومت کی ایک اہم خامی یہ ہے کہ اس نظام میں ترقی کے لیے کوئی مستقل پالیسی مرتب نہیں کی جاتی ہے۔ کیونکہ انتظامیہ کا دستوری معیاد تو ہوتا ہے مگر بعض اوقات معیاد کی اختتام سے پہلے ہی حکومت کا زوال ہو جاتا ہے۔

(3) گندی سیاست: کابینی طرز حکومت کی ایک سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ یہ گندی سیاست کو جنم دیتا ہے۔ انتخاب کے بعد اکثریتی پارٹی حکومت بناتی ہے جب کہ اپوزیشن پارٹیاں سالوں بھر اس کے پیچھے لگی رہتی ہے اور اسی میں گندی سیاست جنم لیتی ہے

(4) حکومتی تاناشاہی: پارلیمانی طرز حکومت میں مقننہ میں جس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوتی ہے وہی پارٹی حکومت سازی کرتی ہے۔ اگر کسی پارٹی کو ایوان میں بھاری اکثریت حاصل ہوتی ہے تو اس بات کا ہمیشہ ایک خدشہ بنا رہتا ہے کہ حکومت کہیں تاناشاہ نا بن جائے۔

(5) دفتر شاہی کی تاناشاہی: کابینی طرز حکومت کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ اس نظام میں دفتر شاہوں کی تاناشاہی ہوتی ہے۔

5.6 پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومتوں میں فرق

(Difference between Parliamentary and Presidential Forms of Government)

ان دونوں طرز حکومت میں حسب ذیل فرق ہیں:

(1) اختیارات کی علاحدگی: صدارتی طرز حکومت میں اختیارات کی علاحدگی کے اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ جب کہ پارلیمانی طرز

حکومت میں اس قسم کی کسی اصول پر عمل نہیں کیا جاتا ہے۔

(2) معینہ مدت: صدارتی طرز حکومت میں دستور کے رو سے حکومت کے سربراہ کی مدت متعین کر دیے جاتے ہیں۔ یعنی کہ اس معینہ مدت سے پہلے اسے ہٹایا نہیں جا سکتا ہے اور نہ ہی اس کے معیاد کو کم کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ پارلیمانی طرز حکومت میں حکومت کے سربراہ کا معیاد متعین ہوتے ہیں مگر وقت سے پہلے مقننہ عدم اعتماد کی تحریک پیش کر کے اسے مستعفی دینے پر مجبور کر سکتی ہے۔

(3) انتظامی ذمہ داری: پارلیمانی طرز حکومت میں انتظامیہ اپنے ہر کام کے لیے مقننہ میں بالخصوص ایوان زیریں میں ذمہ دار اور جوابدہ ہوتی ہے۔ مقننہ، عاملہ کی کارکردگی سے متعلق سوالات پوچھتی ہے جسے جواب دینا عاملہ کا دستوری فرض ہوتا ہے۔ عاملہ کی یہ جوابدہی انفرادی اور اجتماعی دونوں نوعیت کی ہوتی ہے۔

(4) رائے عامہ کی اہمیت: پارلیمانی طرز حکومت میں رائے عامہ کو کافی اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ اس نظام میں عاملہ عوام کے تحت جوابدہ ہوتی ہے۔ لیکن صدارتی طرز حکومت میں بھی عاملہ عوام کے تحت جوابدہ ہوتی ہے مگر وہ رائے عامہ کو اتنی اہمیت نہیں دیتی۔

5.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد ہم نے سیکھا:

- اس اکائی میں اوپر بیان کیے گئے عنوان "تعارف: حکومت کی مختلف شکلیں" کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے،
- جیسے حکومت کی شکلوں کے ساتھ ساتھ اس کی خصوصیات، خوبیاں اور خامیاں وغیرہ کے علاوہ کس طرح کی حکومتیں کس ملک میں موجودہ دور میں قابض ہیں وغیرہ کے بارے میں بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔
- اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ جو بھی طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد تمام طرح کے سوالات و سکوک کو اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ لیں گے اور مختلف پہلوؤں پر جس طرح کے بھی سوالات پیدہ ہوں گے وہ ان کے جواب دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

5.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

- بادشاہت : حکومت کی اس شکل کی نمائندگی کرتی ہے، جہاں تمام سیاسی اختیارات کا ماخذ ایک اعلیٰ حکمران ہوتا ہے۔
- اشرافیہ : اشرافیہ حکومت کی وہ شکل ہے جو معاشرے کے ایک چھوٹے سے طبقے کے ذریعے منعقد کیا جاتا ہے۔
- معاشی جمہوریت: معاشی جمہوریت کا مطلب معاشرے میں ہر ایک کو مساوی مواقع سے لطف اندوز ہونا چاہیے۔
- مطلق العنانیت: سے مراد یہ ہے کہ شہریوں کی زندگیوں میں کوئی بھی چیز ریاست کے کنٹرول سے باہر نہیں ہونا چاہیے۔

5.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

5.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ افلاطون کے مطابق اشرافیہ کی بگڑی ہوئی شکل کیا ہے؟

(a) بالترتیب ظالمانہ حکومت (b) غائت جمہوریت

(c) عدیدیہ (d) بادشاہت

2۔ کس حکومت میں اختیارات بلدیاتی اداروں کو سونپ دیے جاتے ہیں؟

(a) وفاقی حکومت (b) وحدانی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

3۔ کس حکومت میں ایک ہی شہریت حاصل ہوتی ہے؟

(a) وحدانی حکومت (b) وفاقی حکومت (c) پارلیمانی حکومت (d) صدارتی حکومت

4۔ دستوری بالادستی کس حکومت کی بنیادی خاصیت ہے؟

(a) وفاقی حکومت (b) صدارتی حکومت (c) وحدانی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

5۔ کس حکومت میں اختیارات کی تقسیم کی جاتی ہے؟

(a) وفاقی حکومت (b) وحدانی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پاریمانی حکومت

6۔ پارلیمانی حکومت میں اصل حکمران کون ہوتا ہے؟

(a) راجا (b) صدر (c) عوام (d) وزیراعظم

7۔ ایک ایسے ملک کا نام بتائیں جہاں حکومت کی صدارتی شکل موجود ہے؟

(a) امریکہ (b) برطانیہ (c) پاکستان (d) سعودی عرب

8۔ حکومت کا سربراہ کس طرح صدارتی حکومت میں ہٹا دیا جاتا ہے؟

(a) عوام کے ذریعے (b) مواخذہ کے ذریعے (c) پارلیامنٹ کے ذریعے (d) سبھی کے ذریعے

9۔ حکومت کی کس شکل میں وزراء پالیامنٹ کے ایوان زیریں کے لیے اجتمائی طور پر ذمہ دار ہیں؟

(a) وحدانی حکومت (b) وفاقی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

10۔ بادشاہت میں کتنے لوگ راج کرتے ہیں؟

(a) دو (b) ایک (c) تین (d) چار

5.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. افلاطون کے پہلی بنیاد پر حکومت کی حصوں کا مختصر بیان کیجیے؟
2. ارسطو کے حکومت کی درجہ بندی کے دونوں شرائط کے بارے میں مختصر خلاصہ لکھیے؟
3. وحدانی طرز حکومت کی تعریف میں ڈائسی کیا کہتا ہے؟
4. وفاقی طرز حکومت کی بنیادی خصوصیات کو مختصر میں بیان کیجیے؟
5. پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومتوں میں فرق کے بارے میں مختصر خلاصہ لکھیں؟

5.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. پارلیمانی طرز حکومت کیا ہے اس کی خصوصیات بیان کیجیے؟
2. وفاقی طرز حکومت کو بتاتے ہوئے اس کی خوبیاں پر روشنی ڈالیے۔
3. حکومت کی مختلف شکلیں پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

5.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. O.P Gauba, (2017) An Introduction to Political Theory, National Publishing House, N. Delhi.
2. Amal Rayond and Mohit Bhattacharya (2005), Political Theory: Ideas and Institution, The World Press, Private Limited, Kolkatta.
3. Pokhraj Jain, N.D, Arora (2014), Political Science, SBPD Publishing House, Agra.
4. V.D. Mahajan, (2010), Political Theory, S. Chand Publishing House, New Delhi.
5. R.C. Aggarwal, (1994), Political Theory (Principle of Political Science), S. Chand Group Private Limited, New Delhi

اکائی 6۔ وحدانی حکومت

(Unitary Government)

اکائی کے اجزا

6.0 تمہید
6.1 مقاصد
6.2 وحدانی حکومت کا تصور
6.3 وحدانی طرز حکومت کی تعریف
6.4 وحدانی طرز حکومت کی خصوصیات
6.5 وحدانی طرز حکومت کی خوبیاں
6.6 وحدانی حکومت کی خامیاں
6.7 وحدانی اور وفاقی حکومت میں تفریق
6.8 بھارت کا وفاقی حکومت سے مرکزیت کے طرف بڑھتے قدم
6.9 وحدانی حکومت کے لیے ماڈل مملکت
6.10 اکتسابی نتائج
6.11 کلیدی الفاظ
6.12 نمونہ امتحانی سوالات
6.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

6.0 تمہید(Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم وحدانی حکومت کے بارے میں گفتگو کریں گے۔ وحدانی حکومت جس کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے یہ واحد حکومت ہے جس کے سارے اختیارات واحد مرکز میں موجود ہوتا ہے۔ باقی انتظامی اکائی کے اختیار اور اس کے وجود واحد مرکز پر منحصر ہے۔ حالانکہ اس نظام کی اپنی کچھ خوبیاں بھی ہیں لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ وحدانی حکومت آمریت میں بدلنے کے حتی المکان کوشش رہتی ہے۔ اس اکائی میں کچھ ماڈل مملکت کی بھی وضاحت کی گئی اس کے ساتھ ہی کیسے موجودہ دور میں بھارت وفاقی سے وحدانی کی طرف رُخ کرتا جا رہا ہے اس کی بھی تجزیہ کی گئی ہے۔

6.1 مقاصد (Objectives)

- اس اکائی کا مقصد ہے طلبا کو وحدانی حکومت سے واقف کروانا۔
- اس اکائی میں طلبا وحدانی حکومت کا تصور، اس کی خوبیاں اور خامیوں سے بھی مستفید ہوں گے۔
- اس کے علاوہ اس میں وحدانی اور وفاقی حکومت میں تفریق کو سمجھنے میں بھی طلبا کو آسانی ہو گی۔
- اس اکائی کے آخر میں طلبا ہندوستانی حکومت کا وحدانی رجحان کے علاوہ وحدانی حکومت کے ماڈل مملکت اور وحدانی حکومت بنام تحکم پسند حکومت کی بھی معلومات حاصل کر پائیں گے۔

6.2 وحدانی حکومت کا تصور (Concept of Unitary Government)

جدید دنیا میں حکومت کے دو طرح کا نظام ہوتا ہے۔ وحدانی یا وفاقی حکومت۔ لیکن زیادہ تر ممالک میں وحدانی طرز حکومت کا وجود ہے۔ جیسے، براجیل، آسٹریلیا، کنیڈا، روس، ارجینٹنہ، آسٹریہ، بیلجیم، جرمنی، پاکستان، یواےای وغیرہ۔

اس قسم کی حکومت میں ایک ایسا زمرہ (Category) بھی ہے جو نہ تو مکمل طور پر وحدانی ہے اور نہ ہی وفاقی۔ اس زمرہ میں بھارت کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس بھارتیہ طرز حکومت کو دستور کے ماہر کے۔ سی۔ ویر 'نیم وفاقی حکومت' کا نام دیا ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو مکمل طور پر وحدانی ہے اور نہ ہی وفاقی ہے۔ عام دنوں میں بھارت کا انتظام وفاقی نظام کی طرح کام کرتا ہے۔ لیکن جیسے کسی وجہ سے ملک میں صدر جمہوریہ ہنگامی حالات کا اعلان کرتا ہے۔ پورے ملک کا انتظام وفاقی طرز حکومت سے خود بخود وحدانی طرزِ حکومت میں منتقل ہو جاتا ہے اور ریاست و دیگر انتظامی اکائی کے سارے اختیارات مرکز کو حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسا تب تک بنا رہتا ہے جب تک کہ ہنگامی حالات کے خاتمہ کا اعلان نہ کر دیا جائے۔

وحدانی حکومت ' جیسا کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے۔ ایک ایسی حکومت جہاں انتظام حکومت ایک مرکز کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ دیگر ریاست و انتظامی یونٹ مرکزی حکومت کے ماتحت ایک ایجینٹ کی طرح کام کرتا ہے۔ مرکز کبھی بھی کسی بھی اکائیوں کو اختیار دے سکتی

ہے اور لے بھی سکتی ہے۔ اس لیے وحدانی حکومت میں ریاست اور یہ انتظامی اکائیوں کو اختیار اور اقتدار کے لیے مکمل طور پر مرکز کے اُوپر منحصر کرتی ہے۔

6.3 وحدانی طرز حکومت کی تعریفیں (Definition of Unitary Government)

وحدانی طرز حکومت کی تعریفیں مختلف مفکروں نے مختلف طریقے سے پیش کی ہیں۔

1. گارنر کے مطابق۔ ایک ایسا حکومت جہاں تمام تر اختیارات مرکزی حکومت کے پاس ہوتی ہے۔
2. ای۔وی۔ڈائیسی کے مطابق وحدانی حکومت بر سر قانون سازی کا اختیار کا ایک مرکزی طاقت کی جانب سے عادتاً استعمال ہے
3. سی۔ایف۔اسٹرونگ کے مطابق وحدانی حکومت کی دو اہم خوبیاں ہیں۔
   - مرکزی حکومت کی بالادستی
   - خود مختار باڈی کی غیر موجودگی۔
4. ہرمن فائنر لکھتے ہیں کہ وحدانی حکومت ایک ایسی حکومت ہے جس میں سبھی اختیارات اور طاقت ایک مرکز کو حاصل رہتی ہے۔ جس کی مرضی اور ایجینٹ قانونی طور پر سارے علاقے پر حاکم ہوتے ہیں۔

حسب بالا تعریفات سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حکومت کے سارے کام کاج و نظم ونسق کے اختیارات صرف واحد مرکز میں موجود ہوتا ہے۔ مرکزی مجلس قانون ساز کی برتری وحدانی حکومت کا بنیادی نکتہ سمجھا جاتا ہے۔

6.4 وحدانی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Unitary Form of Government)

وحدانی حکومت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1 طاقتور مرکز (Strong Centre)

اس طرح کی طرز حکومت میں اختیار کی تقسیم مرکز کی طرف سے ہوتا ہے اور وفاقی اعتبار سے بڑا ہی غیر برابری ہوتا ہے۔(i) یونین فہرست، ریاستی فہرست کے مقابلے میں زیادہ سبجیکٹ شامل ہیں۔(ii) زیادہ تر اہم سبجیکٹ کو یونین فہرست میں رکھا گیا ہے۔(iii) کنکریٹ فہرست کی قانون سازی میں مرکزی حکومت کو ترجیح دی جاتی ہے۔ (iv) Residuary Power بھی مرکز کے پاس ہی ہے یہ مختلف باتیں مرکز کو بااثر اور طاقتور بناتی ہے۔ اگر صوبائی یا علاقائی حکومتوں کا وجود ہوتا بھی ہے تو ایسی صورت میں ان کا اپنا کچھ اختیار نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ انہیں اختیارات کا استعمال کرتی ہے جو مرکزی حکومت اسے تفویض کرتی ہے۔ جب کہ وفاقی نظام میں ہوتا کیا ہے کہ اختیارات کی تقسیم دستور کے ذریعے ہوتا ہے اور صوبائی حکومتوں کا اختیارات حقیقی ہوتے ہیں۔ مرکز کسی بھی قسم کا کوئی اختیار صوبہ کو تفویض نہیں کرتی۔ اس طرح دیکھا جائے تو وحدانی طرز حکومت میں مرکز کافی مضبوط ہوتا ہے۔ برطانیہ میں علاقائی محکمے کافی مضبوط ہیں لیکن وہ جو کچھ بھی اختیارات کا استعمال کرتی ہے وہ لندن کے 10 ڈاؤننگ اسٹریٹ سے تفویض کیے جاتے ہیں جسے حالات کے پیش نظر ختم

بھی کیا جاسکتا ہے۔

2. مرکزی حکومت کا ریاستی علاقہ پر کنٹرول(Central Government control over State Territory)

وفاقی حکومت کی طرح، حکومت ہند میں ریاستی حکومت کو علاقائی سالمیت کا کوئی حق نہیں ہے۔ پارلیمنٹ کو اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی بھی ریاست کے حدود و نام اور اس کے کچھ حصہ کو تبدیل کر سکتی ہے۔

3. واحد دستور (Single Constitution) عام طور پر وفاقی نظام میں ریاست کو اپنا دستور بنانے کا حق ہوتا ہے جو مرکزی حکومت سے الگ ہوتا ہے لیکن اس کے برعکس بھارت میں ریاست کو ایسا کوئی بھی حق حاصل نہیں ہے اور یہاں مرکزی حکومت اور ریاست کے لیے ایک ہی دستور فراہم کیا گیا ہے۔ لازمی طور پر مرکزی اور ریاستی حکومت ایک ہی دستور سے چلتے ہیں۔

4. دستور کا لچکدار ہونا (Flexibility of the Constitution)

بڑے پیمانے پر دستور میں ترمیم پارلیمنٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ چاہے عام اکثریت (Simple Majority) یا خاص اکثریت (Special Majority) سے ہو۔ دستور میں ترمیم کرنے کے لیے صرف مرکز ہی شروعات کر سکتا ہے۔ اس میں ریاست کو ایسا کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔ جب کہ امریکی مملکت میں وہاں کے ریاست کو دستور میں ترمیم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

5. واحد شہریت (Single Citizenship)

بھارت میں شہری کو ایک ہی شہریت فراہم کی گئی ہے۔ وہ صرف بھارت کا شہری ہوگا اور اُسے اس سے الگ کسی بھی شہری کو اپنے ریاست کی شہریت حاصل نہیں ہوگی۔ کسی بھی ریاست کے شہری واحد شہریت ہی حاصل ہوئی ہے۔ جب کہ دوسرے مملکت خاص کر یو ایس اے، سوئیٹجر لینڈ اور آسٹریلیا میں شہری کو مرکزی شہریت کے ساتھ ساتھ وہاں کی ریاست کی بھی شہریت حاصل ہوتی ہے جہاں کا وہ شہری باشندہ ہو۔

6. اکہری متحد عدلیہ(Single Integrated Judiciary)

اس سے مراد یہ ہے کہ ہندوستان کے سبھی عدالتوں جیسے نچلی عدالت سے لے کر سپریم کورٹ تک ترتیب وار(Hierarchical) طریقے سے الگ(Order) ترتیب میں بھارتیہ کورٹ کے پاس اختیار حاصل ہے۔

7. آل انڈیا سروس (All India Service)

آل انڈیا سروس، مرکزی سروس کی ایک اہم خصوصیت ہے جس سے مرکزی ملازمت یہ آل انڈیا سروس تمام بھارت میں یکساں نظم و نسق کے نظام کو عمل میں لاتا ہے۔ آل نڈیا سروس کی مثالیں، جیسے، آئی-اے-ایس، آئی-پی-ایس، انڈین فوریسٹ سروس وغیرہ۔

8. ہنگامی حالات کی فراہمی (Provisions of Emergency)

آئین کے دفعہ 352، 356 اور 360 میں ایمرجنسی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ہنگامی حالات کے دوران مرکزی حکومت کافی طاقتور ہو جاتی ہے، ریاستی حکومت کے سارے اختیارات مرکز کو حاصل ہو جاتی ہے اور ریاست مرکز کے ماتحت آجاتی ہیں۔ حکومت بغیر آئین میں ترمیم

کے وفاقی نظام سے وحدانی نظام میں خود بخود آ جاتا ہے۔اس طرح کی تبدیلی اور کسی وفاق (Fedration) میں نہیں پایا جاتا۔ یہ اس طرح کی فراہمی ہندوستانی آیئن کی نیاب مثال ہے۔

9. گورنر کا تقرر (Appointment of Governor)

ریاست میں گورنر کا انتخاب نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ صدر کے ذریعے تقرر کیے جاتے ہیں اور ان کا اپنے عہدے پر بنے رہنا یہ بھی صدر کے مرضی پر منحصر کرتا ہے۔ ریاست میں گورنر کے پاس کئی اہم اختیار حاصل ہوتے ہیں۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ گورنر ریاست میں مرکزی حکومت کے ایجینٹ ہوتے ہیں۔

10. ریاستوں کی غیر مساوی نمائندگی (Unequal Representation of States)

وفاقی مملکت میں ایوان کے بالاتر ہاوس میں مساوی نمائندگی ہوتی ہے لیکن بھارت میں ریاست کو راجیہ سبھا کے اندر برابری کی نمائندگی نہیں ہے۔

6.5 وحدانی طرز حکومت کی خوبیاں (Merits of Unitary Form of Government)

وحدانی حکومت کی مختلف خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ وحدانی طرز حکومت چھوٹے ملکوں کے لیے مناسب (Appropriate for Small Countries)

اس طرح کی حکومت چھوٹے ممالک کے لیے بہتر ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس سے پورے ملک کے نظم ونسق اور پروگرام یا پالیسی کو بااثر بنانا اور اس کو عمل میں لانا ممکن بنایا جا سکتا ہے۔ بھارت اور امریکہ جیسے وسیع عریض ممالک جہاں بالترتیب 29 اور 50 ریاستیں ہیں کروڑوں اربوں کی آبادی ہے، وحدانی طرز نامناسب ہے کیونکہ بڑے ملک میں انتظامیہ بڑا مسئلہ ہے وہاں وحدانی نہیں بلکہ وفاقی نظام ہی کافی بہتر اور مناسب ہے۔ دنیا میں جہاں کہیں بھی وحدانی طرز حکومت قائم ہے وہ تمام کے تمام ممالک نسبتاً کافی چھوٹے ہیں جیسے انگلینڈ، فرانس، جاپان، سویڈین وغیرہ۔

2۔ موئثر حکومت (Effective Government)

وفاقی طرز حکومت میں جس طرح سے کافی پیچیدگیاں ہین ویسا وحدانی طرز حکومت میں نہیں ہوتا۔ نتیجتاً حکومت موئثر ہوتی ہے۔ کسی بھی قومی اور بین الاقوامی معاملے پر بر وقت فیصلے لیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ فلاح بہبود کے کاموں میں تاخیر نہیں ہوتی۔ حکومت بھی موئثر کے خاطر ایسے ایسے افسران کی تقرری کرتی ہے جو مستعدی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے ہیں۔

3 ۔ واحد شہریت (Single Citizenship)

وفاقی نظام کے برخلاف وحدانی طرز حکومت میں شہریوں کی وفاداری کا بٹوارہ نہیں ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں وحدانی طرز حکومت میں تمام شہریوں کو بلا تفریق جائے پیدائش ایک ہی شہریت حاصل ہوتی ہے مثلاً ایک شخص برطانیہ کے چار اکائیوں میں سے کسی

بھی اکائی میں پیدا ہوتا ہے چاہے انگلینڈ میں، شمالی آئرلینڈ میں، ویلس میں یا پھر اسکاٹ لینڈ میں وہ برطانیہ کا ہی شہری کہلائے گا۔ لیکن وفاقیت میں جیسا کہ امریکہ میں رائج ہے کہ ایک شخص دوہری شہریت کا مالک ہوتا ہے۔ ایک امریکہ کا اور دوسرا امریکہ کے اس صوبے کا جہاں وہ پیدا ہوا ہے اور رہتا ہے۔ واحد شہریت ملک کے اتحاد کو برقرار رکھتی ہے جب کہ وفاقیت میں انتشار کا خدشہ رہتا ہے جیسا کہ امریکی میں۔

4۔ کم خرچیلی حکومت (Less Expensive Government)

اس طرز حکومت کی ایک موثر خوبی یہ بھی ہے کہ اس نظام میں حکومت کی تنظیم پر ہونے والا خرچ کم ہوتا ہے کیوں کہ وفاقی نظام کی طرح کی طرح یہاں دوہری تنظیم قائم نہیں کرنا پڑتا۔ وحدانی طرز نظام کافی کفائت شعار ہوتا ہے۔ وفاقی نظام کے برخلاف جہاں مرکز کے علاوہ ہر صوبے میں بھی مقننہ ہوتا ہے اس کے علاوہ مرکزیت کے طرز پر صوبائی ڈھانچے بھی ہوتے ہیں، دوہری انتخاب بھی ہوتے ہیں، وحدانی طرز حکومت میں یہ تمام اخراجات نہیں ہوتے ہیں جس سے ملک کے خزانے پر بے جا اضافی بوجھ نہیں پڑتا ہے

5 ۔ لچک دار حکومت (Flexible Government)

اس حکومت میں دستور میں ترمیم کرنا آسان ہوتا ہے۔ وفاقی طرز حکومت میں دستور کی ترمیم کا ایک طریقہ صوبائی مقننہ کی منظوری کے طور پر بھی ہے۔ مگر وحدانی طرز حکومت میں اس قسم کی کسی منظوری کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ نتیجتاً بدلتے سماجی و اقتصادی حالات کے پیش نظر دستور میں آسانی کے ساتھ تبدیلی لائی جاسکتی ہے۔ جس سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہ سکتا ہے

6۔ نظم ونسق اور قانون میں یکسانیت (Uniformity in Administration and Law)

وحدانی حکومت میں وحدانیت، پالیسی، نظم ونسق اور قانون میں یکسانیت پایا جاتا ہے۔ کیوں کہ سارے اختیارات مرکز کے پاس ہوتے ہیں اس لیے کوئی بھی، پالیسی، قانون اور نظم نسق میں بنانے اور نافذ کرنے میں کسی طرح کی کوئی دسواریاں نہیں آتی۔ جب کہ وفاقی نظام میں مرکز اور ریاست کے درمیان تنازعات کے خدشات ہمیشہ بنا رہتا ہے۔

6.6 وحدانی حکومت کی خامیاں (Demerits of Unitary Government)

وحدانی حکومت کی مختلف خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ بڑے آبادی والے ملکوں کے لیے مناسب نہیں(Not Appropriate for Populated Countries)

وحدانی حکومت بڑے ملک کے لیے مناسب نہیں مثال کے طور پر امریکہ اور ہندوستان جیسے مختلف ذات، مذہب، خاندان، زبان اور تمدن کے مختلف گروہ پائے جاتے ہیں اور یہی تنوع کسی بھی جمہوری ملک کی خوبصورتی ہوتی ہے۔ وحدانی طرز حکومت بڑے ملک کے لیے موافق نہیں ہوتا کیوں کے یہی ڈائیورسیٹی کبھی کبھی تضاد کا سبب بھی بن جاتی ہے۔ ان سب ملکوں کے لیے وفاقی نظام ہی بہتر ہے تاکہ ہر سطح پر مختلف مفادات کی تحفظ کے لیے انتظامیہ اور مقننہ کا معقول انتظام ہو۔ وحدانی طرز حکومت میں علاقائی انتظامیہ یا مقننہ کا کوئی جواب نہیں ہوتا نتیجتاً مختلف لوگوں کے مختلف مفادات کا تحفظ ممکن نہیں ہوتا۔

2۔ تمام اختیارات مرکز کے ہاتھوں میں (All Powers in Centre)

چونکہ وحدانی طرز حکومت میں تمام کے تمام اختیارات مرکز کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتے ہیں ایسے میں اس بات کا ہمیشہ خدشہ بنا رہتا ہے کہ حکومت کہیں ظالمانہ شکل نہ اختیار کر لے جیسا کہ لاسکی(Herold Laski)کا ماننا ہے:"جدید ریاست کا مضبوط مرکزیت حقوق کے ایک مثالی نظام کے بہت بڑے دشمن ہے۔ صرف اس لیے جہاں بجلی بڑے پیمانے پر تقسیم کی جاتی ہے ان لوگوں پر کوئی موٗثر پابندی عائد ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہر وہ نظام جس میں اختیارات کا ارتقاز ایک جگہ یا ایک آدمی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ وہاں ہمہ وقت شہریوں کے آزادی و حقوق سلب ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ لیکن وفاقی نظام میں ایسا ممکن نہیں کیونکہ دستور کے ذریعے وہاں اختیارات کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

3۔ علاحدگی کا خطرات (To Risk of Separation)

وحدانی طرز حکومت میں پورے ملک کے لیے ایک ہی انتظامیہ اور ایک ہی مقننہ ہوتا ہے ایسے میں کام کا بوجھ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ ملک کے دور افتادہ علاقوں پر مرکزی حکومت دھیان نہیں رکھ پاتی ہے نتیجتاً وہاں کے مسائل حل نہیں ہو پاتے ہیں اور اس کے سبب وہاں کے لوگ علاحدگی کی پسند کے شکار ہو جاتے رہے ہیں جس سے ملک کی اتحاد اور یکجہتی پر منفی اثر پڑتا ہے۔ بھارت جو وفاقیت کی ایک بڑی علامت ہے۔ یہاں علاقائی انتظامیہ اور مقننہ ہونے کے باوجود بھی مرکزی سرکار شمالی مشرقی ریاستوں میں صحیح دھیان نہیں رکھ پاتی ہے۔ نتیجتاً وہاں کے لوگوں کے اندر ایک علاحدگی کا احساس ہے جو لوگوں کو غیر جمہوری اور غیر دستوری کام کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

4۔ دفتر شاہی کا غلبہ (Dominance of Bureaucracy)

وحدانی طرز حکومت میں صوبائی یا علاقائی مقننے نہیں ہوتے ہیں اس لیے علاقائی انتظامیہ مکمل طور پر نوکر شاہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے جن کی تقرری مرکزی حکومت کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس سطح پر عوامی نمائندوں کا کوئی رول نہیں ہوتا ہے نتیجتاً نوکر شاہ کا غلبہ کافی بڑھ جاتا ہے، عوام چاہ کر بھی علاقائی انتظامیہ میں شمولیت اختیار نہیں کر سکتے ہیں۔ جس سے ان کی سیاسی تربیت بھی ممکن نہیں ہو پاتی۔ صرف اور صرف افسران کی حکومت چلتی ہے۔ ان کا زور سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر گارنر کہتے ہیں:"وحدانی حکومت مقامی اقدام کو رجحان بنتا ہے، عوامی معاملات میں دلچسپی لانے کے بجائے حوصلہ شکنی کرتا ہے، حکومتوں کی جانفشانی کو نقصان پہنچاتا ہے اور مرکزی بیروکریسی کی ترقی کی سہولت فراہم کرتا ہے۔

5۔ بربادی کا خدشہ (Threatening of Loss)

وحدانی طرز حکومت میں چونکہ اختیارات کا ارتکاز ایک مرکزی حکومت کے ہاتھوں میں ہوتا ہے ایسے میں دباؤ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اس بات کا ہمیشہ خدشہ رہتا ہے کہ مرکزی حکومت کہیں بیٹھ نہ جائے اس کے بربادی کا ڈر ہمیشہ بنا رہتا ہے۔ اندرونی خلفشار ہو یا بیرونی حملے کا خدشہ مرکزی حکومت ہمیشہ پنکھ کے توازن پر بیٹھی رہتی ہے۔ ذرا سی ہوا پر بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لیکن ملک میں اگر وفاقی نظام قائم ہو اور

مختلف سطح پر اختیارات کا بٹوارہ ہوا ہو تو اس قسم کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ پرانے دنوں میں مملکت کا دارالخلافہ ملک کے وسطی شہر میں ہوا کرتا تھا۔ خیر وفاقیت کے سینکڑوں قلعے سر کرنے کے بجائے وحدانیت کا ایک مرکزی قلعہ فتح کرنا بہت آسان ہوتا ہے۔

6 ۔ سیاست میں عدم دلچسپی(Non Interest in Politics)

چونکہ وحدانی طرز حکومت میں صوبائی یا علاقائی سیاسی انتظامیہ نہیں ہوتے ہیں ایسے لوگ سرگرم طریقے سے سیاست میں حصہ نہیں لیتے ہیں، سیاست سے ان کی دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔ سیاسی طور پر اپنے آپ کو آگے بڑھانے کا ان کے پاس زیادہ مواقع نہیں ہوتے ہیں نتیجتاً وہ دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کرتے ہیں اور ان کی یہ عدم دلچسپی عوامی آزادی کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہوتا ہے جیسا کہ پروفیسر لاسکی (Herold Laski) کہتے ہیں: "ہم جمہوری حکومت کا پورا فائدہ اٹھا نہیں سکتے۔ جب تک کہ ہم یہ اعتراف نہیں کرتے ہیں کہ سارے مسئلے مرکزی مسائل نہیں ہیں، اور ان واقعات میں مرکزی کے متناسب مسائل کے نتیجے میں فیصلہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اور ان افراد کے ذریعے، جن کے ذریعے یہ واقعہ سب سے زیادہ گہرائی میں پڑا ہے۔"

ایمرجنسی کے دوران زمانہ جنگی میں وحدانی حکومت میں اندرونی بغاوت اور بیرونی حملہ کا اندیشہ رہتا ہے کیوں کہ ایسے وقت میں وحدانی حکومت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔

6.7 وحدانی اور وفاقی حکومت میں تفریق (Difference between Unitary and Federal Government)

وحدانی اور وفاقی حکومت میں مندرجہ ذیل فرق ہیں۔

(1)دستوری نظام (Constitutional System)

وحدانی اور وفاقی طرز حکومتوں کے درمیان پہلا فرق دستوری انتظام سے متعلق ہے۔ وحدانی طرز حکومت میں ایک ہی مقننہ کے ساتھ ایک مرکزی حکومت ہوتی ہے جس کے ہاتھوں میں تمام اختیارات مرتکز ہوتے ہیں۔ حالانکہ اس طرز حکومت میں علاقائی انتظامیہ بھی ہوتی ہے مگر انہیں حقیقی اختیارات حاصل نہیں ہوتے ہیں بلکہ مرکزی حکومت ہی حسب ضرورت اختیارات تفویض کرتی رہتی ہے۔ جب کہ وفاقی طرز حکومت میں حکومت کا دوہرا انظام ہوتا ہے۔ ایک مرکز میں اور دوسرا صوباؤں میں اور دستور کے ذریعے دونوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ صوبائی حکومتوں کا اختیارات حقیقی ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ وفاقی طرز نظام میں کئی ایک دیگر سطحوں پر بھی نظام حکومت قائم ہوتا ہے جو مقننہ کے ایکٹ کے ذریعے تشکیل دیا جاتا ہے۔

(2)دستوری ترمیم (Constitutional Amendment)

وحدانی حکومت میں دستور کی ترمیم بہت آسانی کے ساتھ کی جاتی ہے چونکہ اس میں ایک ہی مقننہ اور ایک ہی مرکزی حکومت ہوتی ہے جس کے ہاتھوں میں تمام اختیارات مرتکز ہوتے ہیں اس لیے جب بھی دستور میں ترمیم کی ضرورت پیش آتی ہے حکومت با آسانی معمولی طریقے کو اپناتے ہوئے دستور میں ترمیم کرتی ہے۔ مگر وفاقی طرز حکومت میں دستور میں ترمیم کرنا لوہے کا چنا چبانے کا مترادف ہے۔

اختیارات کی تقسیم کے سبب دستور اتنا سخت ہوتا ہے کہ مرکزی حکومت جب تب اس میں ترمیم نہیں لاسکتی۔ اس کے لیے بہت پیچیدہ مراحل سے گزرنے پڑتے ہیں۔ امریکہ اور بھارت میں دستوری ترمیم کے تین طریقے بتائے گئے ہیں جو کافی سخت نوعیت کے ہیں۔ بعض معاملوں میں ترمیم کے لیے صوبائی مقننہ کی منظوری بھی لینی پڑتی ہے۔

(3)شہریت(Citizenship)

وحدانی طرز حکومت میں لوگوں کو صرف ایک ہی شہریت حاصل ہوتی ہے۔ چاہے وہ ملک کے کسی بھی خطے میں رہتا ہو۔ وہ اپنے ملک کا ہی شہری کہلاتا ہے۔ مثلاً برطانیہ میں جہاں وحدانی طرز نظام قائم ہے ایک شہری چاہے اسکاٹ لینڈ کا باشندہ ہو یا ویلس کا یا شمالی آئر لینڈ کا یا پھر انگلینڈ کا۔ وہ برطانیہ کا ہی شہری ہوتا ہے۔ مگر وفاقی طرز حکومت میں معاملہ کچھ الگ ہے۔ یہاں ہر آدمی اپنے ملک کا شہری تو ہوتا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ وہ اس صوبے کا بھی شہری ہوتا ہے جہاں کا وہ باشندہ ہے۔ جیسا کہ امریکہ میں ہے وہاں ایک آدمی جس صوبے کا رہنے والا ہوتا ہے وہ وہاں کا بھی شہری کہلاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں وحدانی طرز حکومت میں لوگوں کو ایک ہی شہریت حاصل ہوتی ہے جب کہ وفاقی طرز حکومت میں لوگوں کو دوہری شہریت حاصل ہوتی ہے۔

(4)اختیارات کی تقسیم(Separation of Power)

وحدانی طرز حکومت میں چونکہ ایک مرکزی حکومت کا وجود ہوتا ہے اور کوئی دیگر حکومت نہیں ہوتی ہے ایسے میں مرکزی حکومت تمام تر اختیارات کا مالک و مختار ہوتا ہے۔ جب کہ وفاقی طرز حکومت میں وحدانیت کے برخلاف حکومت کا دوہرا نظام قائم ہوتا ہے۔ ایک مرکزی اور دوسرا صوبائی حکومت ہوتی ہے اور دستور اساسی کے ذریعے ان دونوں کے اختیارات کو واضح کر دیا جاتا ہے۔ دونوں کے اختیارات حقیقی ہوتے ہیں جو دستور سے اخذ کرتے ہیں۔ مثلاً بھارت میں جہاں وفاقی طرز حکومت قائم ہے، دستور ہند کے تین فہرستوں کے ذریعے دونوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ مرکزی فہرست مرکز کے لیے، صوبائی فہرست صوباؤں کے لیے جب کہ مشترکہ فہرست میں متذکرہ موضوعات پر قوانین کو وضع کرنے کا اختیار مرکز اور صوبائی حکومتوں دونوں کا ہے۔

(5)عدلیہ کا مقام (Position of Judiciary)

وفاقی طرز حکومت میں عدلیہ کو ایک برتر مقام حاصل ہوتا ہے۔ عدلیہ قانون کی دستوریت کو دیکھتی ہے، دستور کی تشریح و وضاحت کرتی ہے اور اس کی محافظ کے طور پر کام کرتی ہے۔ وفاقیت میں چونکہ مرکزی اور صوبائی حکومتوں کے درمیان اختیارات تقسیم کر دیے جاتے ہیں اس لیے اختیارات کے استعمال سے متعلق دستوری تنازعے کا کھڑا ہونا لازمی ہے۔ ایسے میں عدلیہ ہی وہ واحد دستوری ادارہ ہوتا ہے جو ان کے تنازعے کا تصفیہ کرتا ہے۔ اس ضمن میں عدلیہ حتمی اور قطعی ہوتا ہے۔ جب کہ وحدانی طرز حکومت میں عدلیہ کو یہ رتبہ حاصل نہیں ہے۔ یہاں اختیارات کی تقسیم کا ایسا کوئی نظام ہی نہیں ہوتا جس سے تنازعہ قائم ہو۔ تمام اختیارات مرکز کو حاصل ہوتے ہیں اور وہ اپنی رضا سے علاقائی انتظامیہ کو اختیارات تفویض کرتی ہے اور کسی معاملے کے کھڑے ہونے کی صورت میں مرکزی حکومت ہی اس کو نپٹا

لیتی ہے۔عدلیہ کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔

6.8 بھارت کا وفاقی حکومت سے مرکزیت کے طرف بڑھتے قدم

(India Move Towards Centralization)

بھارت اپنے وفاقی نظام کے لیے جانا جاتا ہے لیکن پچھلے کچھ سالوں سے حکومت جس طرح کی پالیسی نافذ کر رہی ایسا لگ رہا دستور کا نظام وفاقی کے اُپر خطرات کے بادل چھائے جارہا۔ ابھی حال میں بھارت کی حکومت نے دفعہ 370 اور A 35 کو ختم کر دیا اور جموں کشمیر کو (Union Territory) میں تقسیم کر دیا۔ اس میں صرف جموں و کشمیر کے عوام کا دستور کے تعلق بُرا اثر پڑا بلکہ اس قدم نے بھارت کے وفاقی توازن پر بھی اثر ڈالا۔ یہ قدم بھارت کا وفاقی نظام سے وحدانی کے طرف بڑھنے کی علامت ہے۔ جس وقت دستور کو تشکیل دیا جارہا تھا۔ اس وقت بھارت کو ایک مضبوط مرکزی حکومت کی ضرورت تھی کیوں کہ تاریخی طور پر بھارت اور پاکستان کے بٹوارے سے سبق سیکھ لیا ہے۔

لیکن جس طرح کی پالیسی، قانون اور یوجنا حال کے کچھ سالوں سے عمل میں لائی جارہی ہے اس سے مرکزی حکومت تو مضبوط ہو رہی ہے لیکن ریاستوں کو ایسا لگ رہا ہے کہ دن بدن اس کے اختیارات میں مداخلت بڑھتی جارہی ہے۔ بھارت کے حکومت کا وحدانی کے طرف بڑھتے ہوئے قدم کی دلیلیں مندرجہ ذیل ہیں:

1. گوڈس اور سروس ٹیکس (Goods and Services Tax) کے ذریعے پورے ملک میں ایک برابر ٹیکس لگانا۔
2. قومی زراعتی بازار (National Agriculture Market) بنانا اور سب Making India کے نام پر ہوا۔
3. علاقائی پارٹی کے اخلاقی اختیارات جس سے بھارت کے وفاقی نظام کو تحفظ کرنا ہے اسے بھی نظر انداز کیا جارہا ہے۔
4. 1990 کے بعد علاقائی پارٹیاں مرکز کے لیے صرف ایک سیاسی Check کی طرح کام کر رہی ہیں۔
5. کچھ علاقائی پارٹیوں نے بھی دفعہ 370 کے خاتمے کی حمایت میں مرکزی حکومت کا ساتھ دیا۔ یہ اچھی علامت نہیں ہے اس سے بھارت کی جمہوریت کمزور ہوگی۔

حسب بالا بتائے گئے سارے دلیل اس بات کا ثبوت ہے کہ بھارت تیزی سے مرکزیت کی طرف بڑھ رہا ہے۔ حالانکہ موجودہ حکومت سری نریندر مودی کی قیادت میں ایسا ہو رہا ہے جو کی خود کئی بار یہ دہرا چکے ہیں اور وہ خود 'باہمی امداد وفاق' (Coperative Federalism) کے حامی ہیں۔ لیکن ان خیال میں کتنا اختلاف (Contradiction) ہے کیوں کہ جو ریاست کو اپنے ساتھ لے کر چلنے کی بات کرتے ہیں اور مرکز اور ریاست کو ایک دوسرے کا پارٹنر بناتے اور بار بار اس بات کا زور دیتے ہیں کہ ملک کی ترقی میں مرکز اور ریاستوں کو قدم سے قدم ملا کر چلنا دونوں حکومتوں کے درمیان دوستانہ تعلق ہونا چاہیے۔ پھر وہی دوسرے جانب ایسے ایسے اقدامات لے رہے ہیں جس سے دونوں حکومتوں کے درمیان تنازعہ پیدا ہونا لازمی ہے اور ریاست

کے اختیار جس کو دستور نے فراہم کیا وہاں مداخلت ہو رہا ہے اور ریاست کمزور ہو رہی ہے اور مرکز مضبوطی کے طرف آگے بڑھتی جا رہی ہے۔ اگر بھارت وفاقی خصوصیات جو دستور نے فراہم کیا ہے بچانا ہے تو ریاست اور مرکز کو ساتھ ملک کر چلنا ہو گا۔ اس سے نہ صرف ریاست بلکہ ملک بھی مضبوط ہو گا۔ آگے ترقی کے راستے ہموار ہوں گے اور ہمارے وزیر اعظم جو Cooperative Federalism پر زیادہ توجہ ڈالتے ہیں تب ہی ان کا خواب پورا ہو گا۔

6.9 وحدانی حکومت کے لیے ماڈل مملکت (Model Countries for Unitary System)

یوں تو دنیا کے زیادہ تر ملک میں وحدانی حکومت کا نظام ہے لیکن پھر یو۔ این۔ او(U.N.O) کے 193 ممبر ملک میں 165 کا طرزِ حکومت وحدانی ہے جیسے یو۔ کے (United Kingdom) اور فرانس وحدانی حکومت کا بہترین مثال ہے۔ یو کے وحدانی نظام والے ملکوں کے درمیان وحدانی حکومت کا ماڈل ملک ہے۔

1. یو کے (United Kingdom): یو کے، انگلینڈ، اسکاٹ لینڈ، ویلس اور ناردن آئیر لینڈ کے ملکوں سے مل کر بنا ہے۔ تکنیکی طور پر یو کے ایک دستوری کا نظام ہے۔ لیکن یو کے (UK) وحدانی حکومت کی طرح کام کرتا ہے جہاں مکمل اختیارات وہاں کے پارلیمنٹ میں ہے۔ قومی مقننہ کا قیام لندن انگلینڈ میں موجود ہے۔ حالانکہ دوسرے ملک (یو کے) کا اس کا اپنا حکومت ہے لیکن وہ کسی قانون کو نہیں بنا سکتا۔

2. فرانس (France): فرانس کی جمہوریہ (Republic) حکومت 1000 مقامی سیاسی سبڈیویزن (Sub-Division) جس کو وہاں ڈپارٹمنٹس (Departments) کہا جاتا ہے مکمل طور پر اپنے اختیار کا استعمال کرتی ہے۔ ہر ایک ڈیپارٹمنٹس کی قیادت ایک کامل انتظامی کے ذریعے ہوتا ہے جس کا منتخب فرانس کی مرکزی حکومت کرتی ہے۔ تکنیکی طور پر وہ حکومت ہے جو کہ فرانس کا علاقائی ڈیپارٹمنٹس کا وجود صرف مرکزی حکومت کے ذریعے جاری کیے گئے ڈائریکٹویس (Directives) کو نافذ کرنا ہے۔

دنیا میں کچھ ایسے بھی ممالک ہے جیسے چین، جاپان، اٹلی، فلی پائنس (Philipines) جس میں وحدانی حکومت کا وجود ہے لیکن سبھی میں کچھ نہ کچھ نیا پن بھی ہے۔

وحدانی حکومت بنام آمریت پسند حکومت (Unitary States Vs Authoritarian State)

وحدانی حکومت کے غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے اس طرز حکومت کا جھکاؤ معنی میں آمریت پسند حکومت کی طرف ہے۔ اس نظام میں سبھی اختیارات واحد سیاسی لیڈر یا اشراف گروہ میں موجود ہوتا ہے۔ لیڈر یا لیڈران آمریت پسند حکومت میں عوام کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں اور نہ ہی دستوری اختیار سے وہ عوام کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ آمریت پسند حکومت (Authoritarian State) بامشکل ہی میڈیا کی آزادی، بولنے کی آزادی اور بغیر اجازت مذہب کو ماننے کی اجازت دینے میں یقین رکھتے ہیں بلکہ ان پر پابندیاں عائید کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اس نظام میں اقلیت گروہ کی تحفظ کی کوئی آزادی موجود نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر جرمنی میں ہٹلر کے زمانے میں جدید دنیاں میں آمرانہ مملکت کی مثال ہے۔ ایران، کیوبہ، شمال کوریہ وغیرہ۔

حالانکہ یونائیٹیڈ کنگڈم (UK) اور فرانس وہاں بھی وحدانی حکومت ہے لیکن وہاں آمرانہ حکومت (Authoritarian State) کی علامت ویسی نہیں ہے جیسا کہ جدید شمال کوریہ، کیوبہ اور چین میں ہے۔

6.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد ہم نے جانا کہ

- وحدانی حکومت کا تصور کیا ہے۔
- وحدانی حکومت کی تعریفیں اور خصوصیات کے بارے جانکاری معلوم کی۔
- وحدانی حکومت کی خوبیاں اور خامیاں کو جانا۔
- وحدانی اور وفاقی حکومت کے مابین تفریق کو سمجھا۔

6.11 کلیدی الفاظ (Keywords)

- مرکزیت : واحد مرکز میں اختیار کا مجتمع
- لامرکزیت : اختیار کا تقسیم مرکز اور دیگر انتظامی اکائیوں میں
- ماڈل : نمونہ
- باہمی امداد کا وفاق : مرکز اور ریاستوں کے درمیان دوستانہ تعلق
- تحکم مملکت : ویسا مملکت جہاں اختیار واحد حکمران کے پاس اور وہ نہ تو دستور اور ہی عوام کے لیے جواب دہ ہونا
- Abrogation : خاتمہ
- شہریت : وحدانی حکومت میں واحد شہریت کا نظام پایا جاتا ہے۔ جب کہ وفاقی حکومت میں دوہری شہریت کا نظام اکثر دیکھا گیا ہے
- قانون: : وحدانی حکومت میں عوام کو ایک ہی اقتدار کے قانون کو عمل کرنا پڑتا ہے حالانکہ وفاقی حکومت میں عوام کو دو حکومت مرکز اور ریاست کے قانون کو عمل کرنا پڑتا ہے۔

6.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

6.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1 ہندوستان کے آئین میں کتنے فہرست کی فراہمی کی گئی ہے؟

(a) ایک (b) دو (c) تین (d) چار

2. حکومت ہند نے دفعہ 370 کا حال ہی میں خاتمہ کر دیا اس کا تعلق کس ریاست سے تھا؟

(a) پنجاب (b) جموں و کشمیر (c) آسام (d) ان میں سے کوئی نہیں

3. دنیا کے بیشتر ممالک میں کس طرح کا نظام حکومت ہے؟

(a) وحدانی حکومت (b) وفاقی حکومت (c) دونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

4. ہنگامی حالات کے دوران ہندوستان میں حکومت کا نظام کیسا ہوتا ہے؟

(a) وحدانی (b) وفاقی (c) نیم وفاقی (d) ان میں سے کوئی نہیں

5. دوہری شہریت کس ملک کی خصوصیت ہے؟

(a) بھارت (b) چین (c) پاکستان (d) امریکہ

6. وحدانی حکومت کس قسم کے ملک کے لیے بہتر ہوتی ہے؟

(a) چھوٹے ملک کے لیے (b) بڑے ملک کے لیے

(c) چھوٹے اور بڑے دونوں ملک کے لیے (d) ان مین سے کوئی نہیں

7. موجودہ وقت میں اقوام متحدہ (UNO) میں ممالک کی تعداد کتنی ہے؟

(a) 190 (b) 192 (c) 193 (d) 180

8. ہندوستان کے ریاست میں گورنر کا تقرر کس کے ذریعے ہوتا ہے۔

(a) وزیر اعظم (b) صدر جمہوریہ (c) چیف جسٹس آف انڈیا (d) لوک سبھا کا اسپیکر

9. کیا ہندوستان کی ریاستوں کو آئین میں ترمیم کرنے کا حق حاصل ہے؟

(a) ہاں (b) نہیں (c) کسی خاص معاملے میں (d) ہنگامی حالات کے دوران

10. کس نظام حکومت میں حکومت کے متعلق العنانی ہونے کے خدشات بنا رہتا ہے؟

(a) وفاقی حکومت (b) وحدانی میں (c) نیم وفاقی (d) ان میں سے کوئی نہیں

6.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ وحدانی حکومت پر مختصر نوٹ لکھیے

2۔ وحدانی حکومت کی خصوصیات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ وحدانی حکومت ہندوستان جیسے ملک کے لیے کیوں موافق نہیں ہے؟

4۔ وحدانی اور وفاقی حکومت کے درمیان تفریق کو بتائیے۔

5۔ وحدانی حکومت کی خوبیاں اور خامیاں کو مختصر میں بیان کیجیے۔

6.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ وحدانی حکومت کے معنی و مفہوم اور تعریف کو بیان کیجیے۔

2 ۔ بھارت میں مکمل طور پر نہ ہی وحدانی اور نہ ہی وفاقی حکومت ہے سمجھایئے۔

3۔ ہنگامی حالات میں بھارتیہ حکومت کیسے وحدانی شکل اختیار کر لیتی ہے بحث کیجیے ۔

6.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Andrew Heywood, (2019) Politics, Bloomsbury Publishing, PLC, London
2. S.N Ray, (2004) Modern Comparative Politics, Prentice Hall of India, Delhi
3. D.D Basu (2021) Introduction to the Constitution of India, Lexis Nexis
4. Dr. Abdul Qayyum (2019) Comparative Politics, Nisab Publishers, Hyderabad
5. Praveer Kumar De, (2011) Comparative Politics, Pearson, New Delhi
6. Michael G. Roskin and others (2019) Political Science: An Introduction, 14th Edition, Pearson
7. Mamta Pareek (2020) Introduction to Organs of Government, Poddar International College, Jaipur
8. R.C. Aggarwal, (1994), Political Theory (Principle of Political Science), S. Chand Group Private Limited.
9. Amal Rayond, Mohit Bhattacharya (2005), Political Theory: Ideas and Institution, The World Press, Private Limited, Kolkata

اکائی 7۔ وفاقی حکومت

(Federal Government)

اکائی کے اجزا

7.0 تمہید
7.1 مقاصد
7.2 وفاقی طرز حکومت
7.3 وفاقی حکومت کے معنی
7.4 وفاقی حکومت کی تعریفات
7.5 وفاقی حکومت کی قسمیں
7.6 وفاقی حکومت کو اپنانے کی وجوہات
7.7 بھارت میں وفاقی حکومت کی نوعیت
7.8 وفاقی حکومت کی خصوصیات
7.9 وفاقی حکومت کی خوبیاں
7.10 وفاقی حکومت کی خامیاں
7.11 وفاقی حکومت کی مخطلف تصور
7.12 ایسوز اور چیلنجز سے بھارتیہ وفاق کاروبرو
7.13 اکتسابی نتائج
7.14 کلیدی الفاظ
7.15 نمونہ امتحانی سوالات
7.16 مزید مطالعے لیے تجویز کردہ کتابیں

7.0 تمہید (Introduction)

وفاقی حکومت میں دو سطح پر حکومت ہوتی ہے پہلی مرکزی اور دوسری ریاستی حکومت دونوں حکومت کے اختیارات دستور ہند کے ذریعے فراہم کیا گیا ہے۔ دونوں حکومت سے یہ امید کی جاتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے دائرہ اختیار میں مداخلت نہ کرے لیکن پھر بھی دونوں حکومت کے درمیان تنازع کی شکایتیں ملتی رہتی ہے۔ حالانکہ بھارت کا وفاقی نظام باقی ملکوں کے مقابلے تھوڑ مختلف ہے یہ عام دنوں میں وفاقی شکل اختیار کیے رہتی ہے۔ جیسے ہی باہری حملہ یا ہنگامی حالات جیسے صورت حال بنتی ہے تو صدر جمہوریہ کے ذریعے ایمر جینسی کا اعلان کیا جاتا ہے خود بخود بھارت کا نظام وحدانی شکل ختیار کر لیتی ہے۔ کچھ خوبیوں اور خامیاں کے ساتھ بھارت جیسا بڑا اور تنوع مملکت (Diversity) کے لیے یہ نظام موافق ہے۔

7.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کہ بعد طلبہ اس لائق ہو جایئں گے کے

- وہ بھارت کے وفاقی حکومت کی ساخت نوعیت اور اس کی خوبیاں اور خامیاں سے واقف ہو جایئں گے۔
- ساتھ۔ساتھ وفاقی حکومت کے سامنے کون۔کون سے ایسوں اور چیلنجز ہیں اس سے بھی روبرو ہوں گے۔
- بھارت کے سیاست کے ماہرین نے اس نظام حکومت کو کیوں اپنایا اس سے بھی طلبہ واقف ہو جائیں گے۔
- اس کے علاوہ وفاق کے مختلف تصورات کو بھی جان پایئں گے۔

7.2 وفاقی طرز کی حکومت (Federal Form of Government)

ہمارے دستور نے ہندوستان کو خود مختار ریاستوں کی یونین قرار دیا ہے۔ وفاقی طرز کی حکومت بھارت جیسے ملک کے لیے نہایت موزوں ہے یہ ایسا ملک ہے جس میں مذہب، زبان اور تمدّن کا تنوع ہے آئین نے دو طرح کی حکومتوں کو قائم کیا ہے۔ مرکزی حکومت اور ریاستی حکومت آگے چل کر مقامی حکومت بھی اس میں شامل ہو گئے۔ لہٰذ آ ان کے حدود و اختیارات کو اچھی طرح واضح کر دینا ضروری تھا۔ دستور میں اس کی پوری اور واضح تصویر ملتی ہے۔ ہندوستان میں با اختیار عدلیہ سپریم کورٹ ہے۔ یہ دستور کی تصریح اور تحفظ کا ضامن ہے۔ ایسی حکومت جس میں مرکز اور ریاست کے اختیار تقسیم ہوتے ہیں اس قسم کی حکومت وفاقی کہلاتی ہے۔

مُلک کے اتحاد کو قائم رکھنے کے لیے کچھ ایسا اصول ہے جس سے ملک وفاقی سے زیادہ وحدانی ہو گیا ہے۔ یہاں واحد شہریت ہے۔ امریکہ کی طرح دوہری شہریت نہیں ہے۔ عام حالات میں بھی صدر مملکت وحدانی حکومت قائم کر دیتا ہے ہنگامی حالات کے بغیر ہی مرکز کو بہت ہی مضبوط بنایا گیا ہے۔ چوں کہ بیشتر اختیارات مرکز کو حاصل ہیں۔ اسی وجہ سے مرکز بہت مضبوط اور مستحکم ہو گیا ہے۔ اس لیے بھارت کا آئین بہت حد تک کناڈا (Canada) کی وفاقی حکومت سے مشابہت رکھتا ہے اور یہ امریکہ کی طرح نہیں ہے۔

7.3 وفاقی طرز حکومت کے معنی (Meaning of Federal Government)

وفاقی طرز حکومت ایسی حکومت کو کہا جاتا ہے جس میں اختیارات کا تقسیم صاف طور پھر مرکزی حکومت' ریاستی حکومت کے درمیان تقسیم کیا گیا ہے۔ اور اس طرح کا اختیارات کا تقسیم دستور کے تحت کیا گیا ہے۔ دنیاں کے کئی ملکوں میں وفاقی نظام پایا جاتا ہے۔

مثال کے طور پر امریکہ جو وفاقی حکومت کا بہترین مثال ہے۔ لیکن بھارت کا معاملہ کچھ مختلف ہے یہاں نہ تو مکمل طور پر وفاقی نظام ہے اور نہ ہی وحدانی بلکہ کے۔ سی۔ ویر (K.C Wheare) کے مطابق بھارت کا نظام نیم وفاقی ہے (Quasi-Federal) ہے کیوں عام دنوں میں تو یہاں کا نظام وفاقی دِکھتا ہے لیکن جیسے ہی ہنگامی حالات (Emergency) کا اعلان ہوتا ہے یہ نظام خود بخود سارے ملک میں وفاقی سے وحدانی نظام میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ ریاستی حکومت کے زیادہ تر اختیارات مرکزی حکومت کو منتقل ہو جاتے ہیں۔

7.4 وفاقی حکومت کی تعریفات (Definitions of Federal Government)

مختلف ماہرین نے وفاقی حکومت کی تعریفیں اپنے اپنے مطابق دی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

- ماہرین علم سیاسیات **فینر** نے وفاقی طرز حکومت کی تعریف کچھ اس طرح کی ہے: "ایک وفاقی ریاست ایک ایسی ریاست ہے جس میں اختیارات اور اقتدار کا ایک حصہ مقامی علاقوں میں دیا جاتا ہے جب کہ دوسرا حصہ ایک مرکزی ادارہ میں ہوتا ہے جسے جان بوجھ کر مقامی علاقوں کی انجمن تشکیل دی جاتی ہے۔
- **ڈائسی** کے مطابق: "ایک وفاقی ریاست ایک سیاسی تضاد کے سوا کچھ نہیں ہے جس کا مقصد قومی اتحاد کو ریاست کے حقوق کی بحالی کے ساتھ مفاہمت کرنا ہے۔
- ۔" **ڈاکٹر گارنر** کے مطابق: "وفاقی حکومت مرکزی اور مقامی حکومت کا ایک نظام ہے۔ مشترکہ خود مختاری کے تحت مشترکہ، دونوں مرکزی اور مقامی تنظیمیں اپنے مخصوص دائرہ کار میں اعلیٰ ہیں، ان کے لیے عام آیئن یا پارلیامنٹ کے ایکٹ کے ذریعے نشان زد کیا گیا ہے جو نظام کو تشکیل دیتا ہے۔"

7.5 حکومت کی قسمیں (Types of Government)

ہندوستان کے دستور کے مطابق ہندوستان میں کئی سطح پر حکومت کا نظام قیام عمل میں لایا گیا ہے۔ جس کی قسمیں مندرجہ ذیل ہیں۔

مقامی حکومت: (Local Government) مقامی حکومت بنیادی سطح پر کام کرتی ہے۔ یہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے علاوہ حکومت کا تیسرا درجہ ہے۔ یہ دیہی علاقوں میں پنچایتوں اور شہری علاقوں میں میونسپلٹیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے رکن عوام کے ذریعے بالواسطہ یا بلاواسطہ منتخب ہوتے ہیں۔ 1992 کے آئینی ترمیم کے بعد سے، ہندوستان میں بلدیاتی حکومت دو الگ الگ شکلوں میں وجود میں آئی۔ شہری

بلدیاتی حکومت اور دیہی بلدیاتی حکومت۔ شہری علاقوں میں ان کے اختیارات انفرادی ریاستی حکومتوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ شہری مقامی حکومتوں کی اقسام میں شامل ہیں۔

ریاستی حکومت: (State Government) ہندوستان میں ریاستی حکومتیں ہندوستان کی ریاست پر حکمرانی کرنے والی حکومتیں ہیں اور چیف منسٹر / وزیر اعلیٰ ریاستی حکومت کی سربراہی کرتے ہیں۔ اقتدار مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں میں تقسیم ہے۔ ہندوستان کی ریاست کو ریاستی فہرست اور متفقہ فہرست (جزوی طور پر) میں درج موضوع پر قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔

مرکزی حکومت (Central Government) ایسی حکومت سے ہے جس کو ہندوستان کے دستور نے سب سے زیادہ اختیار حاصل ہے۔ دستوری طور پر مرکزی حکومت کے سربراہ مملکت صدر ہوتے ہیں جب کی حقیقی طور پر سارے اختیار کا استعمال وزیر آعظم کرتے ہیں۔ وزیر آعظم کو حکومت کا سربراہ مانا جاتا ہے۔ حالانکہ دستور نے ملک کے ریاستوں کو بھی کئی اختیار دیئے ہیں، لیکن جیسے ہی ملک میں ہنگامی حالات پیدا ہوتے ہیں ایسی صورت میں ریاستوں کے اختیار بھی مرکزی حکومت کے ہاتھ میں آجاتا ہے اور مرکز ریاست کے گورنر کے ذریعے ریاست کے نظم ونسق کو چلاتے ہیں۔

دیہاتی شہری (Village Urban Government)

وفاقی طرز حکومت میں اختیارات کا تقسیم پہلے مرکزی اور ریاستی حکومت کے درمیان تھا۔ 1992 میں ہندوستان کے آیئن میں 73 ویں اور 74 ویں ترمیم کر مقامی طرز حکومت کو شہری اور دیہاتی میں تقسیم کر منظر عام پر لایا گیا جس کے مقامی سطح پر پالیسی' پروگرام اور نظم ونسق کو بہتر عملی جامہ پہنایا جاسکے۔

7.6 وفاقی حکومت کو اپنانے کی وجوہات (Reason for Adopted Federal Government)

بھارت میں وفاقی حکومت کو اپنانے کی مختلف وجوہات ہیں۔ بابا صاحب بھیم راؤ امبیڈکر کا خیال تھا کہ بھارت اگر وحدانی طرز حکومت کو اپناتا ہے تو اتنا بڑا ملک جس میں بہت سے اختلافات ہر سطح پر پائے جاتے ہیں جس کو چلانا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دلی میں بیٹھ کر جنوب میں موجود ریاست کیرالا یہ بھارت کے شمال مشرق میں موجود کئی چھوٹے ریاست کو جاننا اور سمجھنا اور اس کو چلانا کافی مشکل ہوتا۔ اس لیے بڑا ملک کو چلانے کے لیے وفاقی حکومت موافق ہے کیوں اس نظام حکومت میں حکومت کو مرکزی ریاستی اور مقامی حکومت میں تقسیم کر دستوری اختیارات کے ساتھ اس کے نظم ونسق کو با آسانی کے ساتھ چلایا جاسکتا ہے۔ وہیں دوسری طرف وحدانی حکومت چھوٹے ملک کے لیے مفید ہوتا ہے نہ کہ ہندوستان جیسے بڑے ملک کے لیے۔

دوسری وجہ تھی تمدن تنوع (Cultural Diversity) ۔ کیوں کے بھارت میں ہر ایک علاقہ' سطح اور ریاست میں مذہب ذات' خاندان' زبان اور تمدن کے اعتبار سے تنوع پایا جاتا ہے حلانکہ کے بھارت ایک جمہوری ملک ہے اور جمہوریت میں نمائندگی ایک اہم موزوں ہے اسے صرف وفاقی حکومت میں ہی سبھی گروہ کی نمائندگی ممکن ہے۔ اس وجہ سے دستور بنانے والوں نے وحدانی حکومت کی جگہ

پر وفاقی طرز حکومت کو ترجیح دینا مناسب سمجھا۔

7.7 بھارت میں وفاق کی نوعیت (Nature of Federation in India)

بھارت میں دستور بنانے والوں نے پہلے ہی وفاقی طرز حکومت کو اپنایا ہے لیکن بھارت کے آئین میں کہیں بھی لفظ 'Federal' عمل میں نہیں آیا ہے۔ ہمارے دستور کے دفعہ 1 میں کہا گیا ہے 'India Shall be Union of State' بھارت ریاستوں کا یونین ہوگا۔ ایسا اس لیے کیا گیا کہ بھارت ایک ملک کے طور پر اپنے ریاستوں کے ساتھ بھارت کے ساتھ مل کر رہنے کہ لیے کس طرح کا کوئی معاہدہ نہیں کیا جیسا کہ اور دوسرے وفاق نے کیا ہے مثال کے طور پر امریکہ وہاں سبھی ریاستوں کا مرکز کے ساتھ معاہدہ کیے اور وہ جب چاہے مرکز سے الگ ہو سکتا ہے۔ لیکن بھارت میں ایسا نہیں وہ کسی بھی قیمت پر مرکز سے جدا نہیں ہو سکتا۔ اس لیے بھارت کا وفاقی نوعیت دوسرے ملک کے وفاق سے مختلف ہے۔ یہی وجہ دستور کے ماہرین یہاں کے وفاقی طرز حکومت کو مکمل طور پر وفاقی نظام ماننے سے اختلاف رائے رکھتے ہیں۔

7.8 وفاقی حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Federal Government)

(1) دوہری طرز حکومت (Dual Government)

بھارت کے دستور میں حکومت کی دوہری نظام ہے۔ پہلا مرکزی حکومت اور دوسرا ریاستی حکومت۔ دونوں حکومت کو دستور کے طرف سے الگ الگ اختیار حاصل ہیں۔ مرکزی حکومت کو قومی اہمیت کے مدّے کو جیسے کہ دِفاع' بیرونی معاملہ' کرینسی، شہریت وغیرہ اہم سبجکٹ پر فوقیت حاصل ہے جب کہ دوسرے طرف ریاستی حکومت علاقائی اور مقامی مدّے جیسے زراعت' طبی' مقامی حکومت عوامی فائدہ وغیرہ پر قانون سازی کرتے ہیں۔

(2) تحریری آئین (Written Constitution)

بھارت کا دستور دنیاں کا سب سے طویل اور تحریری دستور ہے۔ ابتدا میں 8 فہرست، 395 دفعہ اور 22 حصہ تھا لیکن اب 2016 کے مطابق دستور میں 465 دفعہ' 25 حصہ اور 12 فہرست شامل ہے جو دونوں حکومت کے اقتدار' بناوٹ اور کارکردگی کی وضاحت کرتا ہے دونوں کو اپنے حدود میں رہ کر اپنے کام کو انجام دینے کی بات کرتا ہے۔ وفاقی حکومت کے لیے تحریری آیئن کا ہونا لازمی ہے۔

(3) اختیارات کی تقسیم (Division of Powers)

بھارت کا آئین مرکزی اور ریاستی حکومت کے درمیان اختیار کی تقسیم یونین فہرست (Union List)' ریاستی فہرست (State List) اور مشترکہ فہرست (Concurrent List) کے لحاظ سے کرتا ہے۔ ابھی حال تک یونین فہرست میں 100 سبجکٹ' ریاست فہرست میں 66 سبجکٹ اور مشترکہ فہرست میں 52 سبجکٹ کو جگہ ملی ہوئی ہے۔ مشترکہ فہرست میں موجود سبجکٹ سے مرکزی اور ریاستی

دونوں حکومت قانون سازی کر سکتی ہے لیکن اگر دونوں کے درمیان کوئی تنازع پیدا ہوتا ہے تو اس صورت میں ریاستی قانون سازی پر مرکزی حکومت کی قانون سازی کو فوقیت حاصل ہوگی۔ ریجوڈری سبجکٹ (Residuary Subject) پر بھی مرکزی حکومت کو ہی قانون سازی کا حق حاصل ہے۔

(4) آئین کا بالادستی (Supremacy of the Constitution)

بھارت میں آئین ہی سب کچھ ہے۔ حالانکہ مرکزی اور ریاستی دونوں حکومت کو آئین کے مطابق اختیار حاصل ہے لیکن پھر بھی دونوں میں سے کوئی بھی حکومت اگر ایسا قانون سازی کرتا ہے جو غیر آئین ہو تو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹ آئین کے حوالے سے یہ حق حاصل ہے کہ حکومتوں کے ذریعے قانون سازی کو غلط قرار کر دے گی۔ اس لیے حکومت کے تینوں اعضا 'مقننہ' عاملہ اور عدلیہ آئین کے تحت ہی کام کر سکتی ہے اس سے باہر جا کر نہیں۔

(5) سخت آئین (Rigid Constitution)

بھارت کا آئین کافی حد تک سخت ہے خاص کر جیسے وفاقی بناوٹ کو لے کر جیسے مرکز اور ریاست کا رشتہ 'عدلیہ تنظیم اور آئین میں ترمیم دونوں حکومت کے متحدہ عمل سے ہی ممکن ہے اور ایسے کسی ترمیم کے لیے پارلیمنٹ میں غیر معمولی اکثریت کی ضرورت ہوتی ہے ساتھ ہی آدھی ریاست اسمبلی کی منظوری ہونا بھی لازمی ہوتا ہے۔

(6) عدلیہ کی آزادی (Independent Judiciary)

دستور نے آزادانہ عدلیہ کو قائم کیا ہے جس کے سربراہ سپریم کورٹ ہے جس کے دو اہم کام ہے (i) دستور کے برتری کی حفاظت عدالتی نظر ثانی کے ذریعے سے (ii) تنازع کا خاتمہ: اگر مرکزی اور ریاستی یہ پھر ریاستوں کے درمیان پیدا ہو جائے تو عدلیہ کو حکومت سے آزاد رکھنے کے لیے دستور میں جج سے مطلق کئی سارے فائدہ بتائے گئے جیسے ججوں کی مدّت' طے شدہ نوکری کے شرائط وغیرہ۔

(7) دوہری ایوانیت (Bicameralism)

بھارت کے دستور میں دو ایوان کا بندوبست کیا گیا ہے جو لوک سبھا (Lower House) اور راجیہ سبھا (Upper House) سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ راجیہ سبھا میں ریاست کی نمائندگی جب کی لوک سبھا میں پورے ملک کی نمائندگی ہوتی ہے۔ راجیہ سبھا کے ذریعے ریاست کے مفاد کو تحفظ مرکزی حکومت کے دخل سے کیا جاتا ہے۔ اس سے وفاقی نظام قائم رہتی ہے۔

اس طرح وفاقی حکومت کی مختلف خصوصیات بھارت کے آئین میں موجود ہے جو وفاقی حکومت کو بنائے رکھنے میں ایک اہم رول ادا کرتی ہے۔

7.9 وفاقی حکومت کی خوبیاں (Merits of federal Government)

(1) وفاقی حکومت میں اختیارات دستور کے مطابق ہوتا ہے اس لیے چاہے وہ مرکزی حکومت ہو یا ریاستی حکومت ہو یا ریاستی اپنے اپنے دائیرہ میں رہ کر اپنے کاموں کو انجام دیتی ہے۔

(2) وفاقی نظام میں مقامی مدّے کو یا بہتر طریقے سے عمل میں لایا جاتا ہے کیوں کہ مقامی سطح پر مقامی لوگوں کا مقامی مدّے پر شراکت ہوتی جس سے بہتر پالیسی کو عمل میں لایا جاسکتا ہے۔

(3) وفاقی حکومت بڑے مملکت کے لیے موئثر: ہوتا ہے کیوں کے اس میں مختلف ذات' مذہب' زبان اور تمدن کی نمائندگی ہوتی ہے جو ایک ہیلتھی جمہوریت کے لیے لازمی ہے۔

(4) چھوٹی ریاستوں کے لیے مناسب حکومت: چھوٹی ریاستوں کے لیے وفاقی طرز نظام کافی مناسب ہوتا ہے۔ کیونکہ ان میں اتنی طاقت نہیں ہوتی ہے کہ اپنی شاخت کو برقرار رکھ پائیں۔ داخلی اتحاد سے لے کر دفاعی انتظام تک چھوٹی ریاستوں کے لیے مسائل ہی مسائل ہیں۔ ایسے میں اگر وہ متحد ہو کر وفاق کا قیام کرتے ہیں تو انہیں اپنی شاخت کو برقرار رکھنے کو لے کر اور اپنی طاقت میں اضافہ کرنے میں کافی مدد ملے گی۔ آزادی سے قبل بھارت میں سینکڑوں شاہی ریاستوں کا وجود تھا مگر آزادی کے بعد ایک کے بعد دیگر تمام شاہی ریاستوں نے اپنی وجود کو ضم کر کے ایک متحدہ اور مضبوط ہندوستان کی بنیاد دی رکھی ورنہ کسی بڑی طاقت کا نوالہ بن کر اپنی ثقافتی شاخت کو کھو بیٹھتے۔

(5) عوام کی شمولیت: وفاقیت میں چونکہ ہر سطح پر حکومت کا نظام ہوتا ہے ایسے میں عوام کو حکومت میں شمولیت کا بھرپور موقعہ فراہم ہوتا ہے۔ عوام ذوق در ذوق حکومت کے کاموں میں اپنے آپ کو ملوث کرتے ہیں جس سے ان کی سیاسی تربیت ہوتی ہے۔ حکومتی مسائل میں عوامی دلچسپی ان کو ایک بہتر شہری بننے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ وفاقی طرز نظام میں چونکہ علاقائی خود مختار حکومتوں کا وجود ہوتا ہے۔ ایسے میں عام شہری نچلی سطح پر حکومت میں شامل ہوتے ہیں اور حکومت کا باگ دوڑ سنبھالتے ہیں جس سے ان کے اندر اعتماد بحال ہوتا ہے اور جمہوریت مضبوط تر ہوتی ہے۔ ساتھ ہی مقامی سطح پر مقامی لوگوں کی خود حکومت (Self-Government) کی اچھی طربیت ہو جاتی ہے جس سے آگے چل کر قومی سطح پر بہتر لیڈر ثابت ہوتے ہیں۔

(6) وفاقی حکومت میں مرکزی مطلق العنانی (Despotism) نہیں چلتی کیوں کے وہ عوام کو جوابدہ ہوتی ہے۔ اختیارات کے تقسیم در کر کے حکومت کے بوجھ کو کم کیا جاسکتا ہے۔

(7) فلاحی حکومت: وفاقی طرز حکومت میں حکومت کی نوعیت فلاحی ہوتی ہے۔ چونکہ دستور کے ذریعے حکومت کے تمام تر اختیارات مرکز اور صوبائی حکومتوں کے درمیان تقسیم کر دیے جاتے ہیں اس لیے مرکز کی تاناشاہی نہیں بنتی یا بالفاظ دیگر حکومت تاناشاہ کا روپ اختیار نہیں کرتی ہے۔ واضح ہو کہ وحدانی طرز حکومت میں اختیارات کی تقسیم کا ایسا کوئی نظام نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ مرکزی حکومت کو تمام اختیارات حاصل ہوتے ہیں جس سے اس بات کا ہمیشہ ایک ڈر بنا رہتا ہے کہ حکومت ان اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہوئے ظالمانہ روپ نہ اپنا لے۔ بہر کیف حکومت کی تاناشاہی تو قائم نہیں ہوتی بلکہ فلاحی حکومت کا قیام عمل میں آتا ہے جو عوام کو لے کر چلتی ہے اور عوامی بھلائی کے لیے

کام کرتی ہے۔

ان تمام خوبیوں کی وجہ سے وفاقی نظام کئی ملکوں میں کامیاب رہا ہے۔ اس نظام کا امریکہ بہترین مثال ثابت ہوا ہے۔

7.10 وفاقی حکومت کی خامیاں (Demerits of Federal Government)

وفاقی حکومت کی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں:

(1) اس طرز حکومت میں فوری فیصلہ لینے میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے کچھ معاملے میں تو مرکزی حکومت کو ریاستی حکومت کی تعاون کی ضرورت ہوتی اور کچھ معاملے میں ریاستی حکومت کو مرکز سے منظوری نہیں ہوتی ہے۔

(2) یہ نظام کم موئثر ہوتا ہے کیوں کہ مختلف قانون اور نظم و نسق کی موجودگی ہوتی ہے۔

(3) انتظامی سطح پر عدم یکسانیت: واضح ہو کہ وفاقی طرز نظام میں کئی ایک سطحوں پر حکومت کا نظام قائم ہوتا ہے۔ مگر ان حکومتوں کے انتظامیہ میں یکسانیت نہیں ہوتی ہے جو اس کی بہت بڑی خامی ہے۔ ایک ہی موضوع پر الگ الگ صوبے میں الگ الگ قانون ہوتے ہیں جو کہ قطعی اچھا نہیں ہے۔ یہ انتظامی عدم یکسانیت بعض اوقات مرکز اور صوبے کے باہمی تعلقات پر منفی اثر ڈالتا ہے جو ملک کے داخلی صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا ہے۔ متحدہ امریکہ میں بعض ایسے بھی موضوعات ہیں جس پہ پچاس صوبوں میں پچاس قسم کے قوانین ہیں۔ ٹھیک وہی معاملہ ہمارے بھارت میں بھی ہے۔ مشترکہ فہرست میں شامل یا پھر صوبائی فہرست میں متذکرہ موضوعات پر جو مختلف صوبوں میں قوانین وضع کیے گئے ہیں اس میں یکسانیت نہیں ہے۔

(4) وفاقی حکومت میں عوام کے درمیان غیر برابری کا خدشات ہمیشہ رہتا ہے کیوں کے قدرتی وسائیل اور اس کے مواقع علاقہ در علاقہ میں تبدیل ہوتا رہتا ہے۔

(5) خرچیلہ نظام: وفاقی طرز حکومت کی ایک اور خامی اس کا خرچیلا پن ہے۔ وحدانی طرز حکومت میں چونکہ ایک ہی عاملہ، ایک ہی مقننہ اور ایک ہی نظام قائم ہوتا ہے جس سے خرچ کم ہوتا ہے۔ لیکن وفاقی طرز حکومت میں ہر چیز دوہرا ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ کئی ایک انتخاب ہوتے ہیں جس سے سرکاری خزانے پر حد سے زیادہ بوجھ پڑتا ہے۔ جو ملک کے اقتصادی صحت کے لیے اچھا نہیں ہوتا ہے۔ بھارت میں ایک عام انتخاب پے خرچ ہونے والی رقم کسی غریب اور چھوٹے ملک کے لیے حسد سے کم نہیں ہے۔

(6) کمزور خارجہ پالیسی بہت سارے ماہرین علم سیاسیات کا ماننا ہے کہ وفاقی طرز حکومت میں صوبائی حکومتوں کے سبب ملک کی خارجہ پالیسی کمزور ہوتی ہے۔ سوئٹزرلینڈ میں جہاں وفاقی نظام قائم ہے خارجہ پالیسی کا تعین میں صوبائی حکومتوں کا ایک اہم رول ہوتا ہے۔ وہاں مرکزی حکومت ہر اس خارجہ پالیسی کو نافذ نہیں کر سکتی جس پہ صوبائی حکومتوں کا اتفاق نا ہو۔ یہی معاملہ کم و بیش امریکہ میں بھی ہے۔

(6) بھارت میں وفاقی نظام کی اہمیت (Importance of Indian Federalism) وفاقی حکومت جدید دستور کا ایک خاص عوامل ہے۔ بھارتیہ وفاق کا لازمی مقصد ہے یکسانیت میں تنوع اختیارات کا تفویض انتظام کا لامرکزیت وفاق کے ذریعے مملکت عام فلاح و بہبود کے

کام کو سماجی تمدن اور معاشی مقصد کو پورا کرتی ہے۔

7.11 وفاق کے مختلف تصورات (Different Concepts of Federalism)

وفاقی طرز حکومت کو سمجھنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ اس مختلف شکل کو بھی سمجھا جائے جیسے

کانفیڈریشن (Confederation)

یہ ایک آزاد مملکتوں کا اتحاد ہوتا ہے جس میں تمام سے تعلق رکھنے والے کچھ امور کے لیے جوائنٹ آتھریٹی کو مانتے ہیں اور اس بات کے لیے راضی ہوتے ہیں وہ اپنی آزادی اور کچھ عمل پر پابندیاں عائد کرتے ہیں جس سے ان کے مشترکہ مقصد حاصل ہوسکتے۔ لیکن کانفیڈریشن' وفاق سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ وفاق سے الگ ہوتا ہے۔ چوں کہ یہ خود مختاری اور اقتدار اعلیٰ مملکتوں کا اتحاد ہوتا ہے۔ جس میں ہر اکائی مقتدر رہوتی ہے۔ کانفیڈریشن میں ہر ایک اکائی کو اتحاد سے الگ ہونے کی آزادی ہوتی ہے۔

کانفیڈریشن کی ایک اہم کمزوری یہ ہے کہ ہر ایک موئثر عاملہ دینے میں ناکامیاب ہے۔ ساتھ ہی یہ ایک مضبوط مرکزی حکومت بنانے میں بھی کامیاب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اس اتحاد میں شامل مملکت پر اپنا علاحدہ قومی گروہ اور علاحدہ سفارتی نمائندگی عمل میں رکھتے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے کانفیڈریشن پہلا یا دوسرا قدم مانا جاتا ہے قومی مملکت یہ فیڈرل یونین کی بنیاد ڈالنے میں مثال کے طور پر جدید سویجرلینڈ کا فیڈرل یونین کا بہترین مثال قایم کرتا ہے۔ سویس کینٹونس (Swiss Cantons) کے کنفیڈرشن کا۔ اسی طرح سے جرمنی کے جدید وفاق کے بندوبست کو 19 ویں صدی کے جرمن کانفیڈریشن میں دیکھا جاسکتا ہے۔ دنیاں کے کئی ممالک کا کئی ایسے مثالیں ہیں جس کا وجود وفاقی حکومت کے طور پر کانفیڈریشن سے ہی ہو کر آیا ہے جیسے یو۔ ایس۔ اے، برٹس کامنویلتھ وغیرہ۔

امداد باہمی کا وفاق (Cooperative Federalism)

بھارت کا نظام حکومت وفاقی اور وفاقی حکومت کو بہتر طریقے سے چلانے کے لیے مرکزی ریاستیں اور انتظامی اکائیوں کے درمیان تعلقات بہتر اور امدادی ہونا چاہیے۔ اگر مرکز اور ریاستوں کے درمیان کسی بھی مدے کو لے کر آپسی تنازعہ بنا رہے گا تو ملک کی پالیسی' پروگرام' قوانین وغیرہ پر اس کے منفی اثرات دیکھنے کو ملیں گے۔ ان سب باتوں کو دھیان میں رکھتے ہوئے۔ سیاست کے ماہرین نے امداد باہمی کا وفاق کا تصور پیش کیا۔

امداد باہمی وفاق کے معنی ہے۔ مرکز اور ریاستوں کے درمیان کسی طرح کا تنازعہ کے بجائے دونوں کے درمیان امداد ہونا چاہیے جو ملک کے فلاح و بہبود کے لیے اہم ہے۔ 1983 میں بھارت میں سرکاریہ کمیشن (Sarkariya Commission) نے امداد باہمی کے وفاق پر زور دیا۔ آگے کمیشن نے کہا کہ بھارت میں ایک مضبوط مرکزی حکومت ہو لیکن اس حکومت کو ریاستی حکومت کے معاملے میں مداخلت کرنے سے بچنا چاہیے دونوں حکومتوں کو ایک دوسرے اقتدار و اختیار کا خیال رکھنا چاہیے اور ہم آہنگی کے ساتھ مل کر

کام کرنا چاہیے۔

لیکن کئی بار دونوں خود مختار حکومتوں کے درمیان کسی نہ کسی مددے کو لے کر تنازعہ کی خبریں سامنے آتی رہتی ہیں۔ حالانکہ دونوں حکومتوں (مرکزی اور ریاستی) کے اختیارات بھارت کے دستور میں صاف طور پر واضح کر دیا گیا ہے انہیں تنازع کو دیکھتے ہوئے گزشتہ برسوں سے امداد باہمی کے وفاق پر کافی زور دیا جارہا جس کسی بھی فلاحی کام' پالیسی' پروگرام اور قوانین جو ملک کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے۔ اس میں کسی طرح کی تاخیر نہ ہو اسے جلد از جلد نافذ کیا جاسکے۔

7.12 بھارتیہ وفاق کے ایسوز اور چیلنجز سے رُوبرو

(Introduce to Issues and Challenges of Indian Federalism)

ہندوستانی وفاقی نظام کے ایسوز اور چیلنجز مندرجہ ذیل ہیں:

(1) علاقائیت (Regionalism)

ہندوستانی وفاق کے سامنے علاقائیت سب سے بڑا چیلنجز ہے کیوں کے وفاقی حکومت میں اختیار کا تقسیم مرکز اور ریاستی حکومت کے درمیان ہوتا ہے۔ جس میں پالیسی' اختیارات' وسائیل کا صحیح حصہ داری نہیں ہونے کی وجہ سے لوگوں میں مرکز سے مایوس ہونے لگتی ہے۔ اور یہ بھی اکسر دیکھا گیا ہے کہ لوگوں میں ملک سے زیادہ اپنے علاقہ سے محبت ہوتی ہے جس علاقہ سے وہ تعلق رکھتے ہیں۔ دلی میں اقتدار میں بیٹھے ہوئے ذمہ دار دلی سے کافی فاصلے پر موجود شمالی مشرق ریاستوں پر قابض رہنا دُشوارای بھرا کام ہے۔ اس لیے کبھی کبھی علاحدہ ریاست اور ملک کی مطالبہ کے سوال اُٹھتے رہتے ہیں۔ 2014 میں نیا تیلنگانہ ریاست کے وجود میں آنے سے ہندوستان کے مختلف علاقے سے نئے ریاست کی مانگ جیسے گورکھالینڈ، بوڈولینڈ، ویدربھا' اور پورو انچل جوڑ پکرنے لگا ہے۔ اس کام میں علاقائی پارٹی کے ساتھ اتحاد میں حکومت کا تشکیل علاقائیت کو اُبھاڑنے میں آگ میں گھی ڈالنے کا کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ ووٹ بینک کی سیاست بھی علاقائیت کو بڑھانے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔

(2) اختیار میں ترمیم کی مرکزیت (Centralized Amendment Power)

وفاقی نظام میں آیئنی ترمیم کے اختیارات کی تقسیم مرکز اور اس کے اکائیوں کے درمیان برابری پر مبنی ہوتا ہے لیکن بھارت کے وفاق کی نوعیت دیگر وفاقی مملک کے مقابلے مختلف ہے۔ دستور میں ترمیم کا اختیار دفعہ 368 تحت صرف مرکزی حکومت کے پاس ہوتا ہے صرف کچھ ہی ایسے ایسو ہیں جس کو ترمیم کرنے کے لیے ملک کے آدھے ریاست کی منظوری ضروری ہوتا ہے۔

(3) گورنر کا آفس (Office of the Governor)

ہندوستان کے سبھی ریاست میں صدر جمہوریہ کے ذریعے گورنر کا تقرر کیا جاتا ہے۔ ریاست میں گورنر کی موجودگی وفاقی نظام کے لیے اچھی، علامت نہیں ہے۔ اور یہ بھارتیہ یونین کے وفاقی کریکٹر کے لیے خطرات ہے۔ مرکزی حکومت گورنر کے ذریعے کسی نہ کسی طرح

ریاست کے کار کردگی پر نگرانی بنائے رکھتی ہے۔ گورنر مرکزی حکومت کے لیے ریاست میں ایک ایجنٹ کی طرح کام کرتے ہیں۔اور ریاست کے اختیارات کے غلط استعمال کا خدشات بنا رہتا ہے۔ کئی بار گورنر کے ذریعے دفعہ 356 کا غلط استعمال کر ریاست کے اختیار کی خلاف ورزی کی خبریں بھی آتی رہتی ہیں۔

(4) زبان کا تنازعہ (Language Conflicts)

بھارت میں بولی جانے والی مختلف زبان بھی کبھی کبھی دستور کے وفاقی روح کو ٹھیس پہچانے کا سبب بن جاتی ہے۔ ہندوستانی دستور کے شیڈیول 8 میں سرکاری طور 22 زبانیں اور 100 سے زائید بولیاں منظور شدہ ہے۔ قومی سطح پر پریشانی تب ہوتی ہے جب وفاق کی مضبوط اکائیاں ایک خاص زبان کو دوسرے پر تھوپتی ہے۔ جب بھارت کی سرکاری زبان ہندی کا تنازع جگ ظاہر ہے خاص طور پر جنوبی ریاست میں ہندی کو قومی زبان بنائے جانے کو لے کر ہمیشہ ناراضگی رہتی ہے۔

(5) بیرونی طاقت (External Forces)

بیرونی طاقت بھی ہندوستان وفاق کے لیے ہمیشہ خطرات کا سبب بنا رہتا ہے کبھی کبھی شمالی مشرقی ریاست میں چین کا خطرہ رہتا ہے ۔وہ ہمیشہ ارونا چل پر دیش کے کچھ حصے کو اپنا حصہ مانتا ہے۔ حال کے دنوں میں بھارت اور چین سرحد پر اکثر تنازع دیکھنے کو ملتا ہے۔ ابھی حال میں (Line of Actual Control) LAC کا معاملہ کافی سرگرم ہے۔ دوسری طرف پاکستان جموں کشمیر سے لے کر پنجاب کے علاقے تک کوئی نہ کوئی تکرار چلتا رہتا ہے۔ پنجاب کے خالستانی تحریک میں بھی اس کا ہاتھ ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ بھارت کے وفاقی نظام کو چوٹ پہنچانے کے کوشس میں لگا رہتا ہے۔

(6) ریاستوں کے درمیان معاشی غیر برابری (Economic Inequality Among the States)

ریاستوں کے درمیان معاشی غیر برابری اور معاشی یوجنا اور ترقی کو لے کر غیر برابری بھی بھارت کے وفاق کو کمزور بناتی ہے کیوں ریاستوں کے درمیان مختلف میدان میں غیر برابری سے مرکزی حکومت کو اندورونی خطرات دستیاب ہے۔

7.13 اکتسابی نتائج (Conclusion)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد میں ہم نے

- وفاقی طرز حکومت اور اس کے معنی کو جانا۔
- وفاقی طرز حکومت کی تعریفات کا مطالعہ کیا۔
- وفاقی حکومت کی قسمیں اور وفاقی طرز حکومت کو اپنانے کی وجوہات کو جانا۔
- اس کے علاوہ اس میں ہم نے وفاقی حکومت کی خصوصیات، اس کی خوبیاں اور خامیاں، اور مختلف تصور کی گہرائی سے سمجھا

7.14 کلیدی الفاظ (Keywords)

- نیم وفاق : حکومت کی ایسی شکل جو نہ تو مکمل طور پر وحدانی ہے اور نہ ہی وفاقی۔
- مطلق العنان : ایک ایسا ملک یا سیاسی نظام جس میں حکمران کے پاس سارے اختیار ہوتے ہیں اور وہ انفرادی طور پر فیصلہ لیتے ہیں
- عدالتی نظر ثانی : پارلیمنٹ کے ذریعے بنائے قانون کو جب اعلیٰ عدلیہ یہ نظر ثانی کرتی ہے کہ یہ قانون دستور کے تحت ہے یا نہیں۔
- دوایوانی : ایسا نظام حکومت جہاں پارلیمنٹ دو ہاوس پر مستمل ہوتا ہے۔
- اختیار : حکم دینے اور اس کو نافذ کرانے کا حق
- امداد باہمی وفاق : اس سے مراد مرکز اور ریاستوں کے درمیان کسی طرح کا تنازعہ کے بجائے دونوں کے درمیان امداد ہونا چاہیے جو ملک کے فلاح و بہود کے لیے اہم ہے

7.15 نمونہ امتحانی سوالات (Model Answer Questions)

7.15.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Question)

1۔ سرکاریہ کمیشن کس سال قائم کی گئی تھی؟

(a) 1983 (b) 1984 (c) 1985 (d) 1986

2۔ بھارت کے ایوان میں سے کون Lower House کہلاتا ہے؟

(a) راجیہ سبھا (b) لوک سبھا (c) دونوں (d) اسٹیٹ اسمبلی

3۔ کس ماہرین کے مطابق بھارت کی حکومت کا نظام نیم وفاق (Quasi-Federal) ہے؟

(a) ڈی۔ڈی۔بسو (b) کے۔سی۔ویر (c) پی۔این بھگوتی (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ دستور ہند کے کس دفعہ کے تحت آئین میں ترمیم کیا جاتا ہے؟

(a) دفعہ 368 (b) دفعہ 370 (c) دفعہ 356 (d) دفعہ 360

5۔ دستور ہند کے کس دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ 'India Shall be Union of State'

(a) دفعہ 2 (b) دفعہ 1 (c) دفعہ 4 (d) دفعہ 3

6۔ 'Line of Actual Control' کس دو ممالک کے درمیان موجود ہے؟

(a) بھارت اور پاکستان (b) بھارت اور چین (c) بھارت اور بنگلہ دیش (d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ہندوستانی دستور کے کس شیڈیول میں 22زبانیں سرکاری طور پر درج ہے؟

(a) شیڈیول7 (b) شیڈیول9 (c) شیڈیول8 (d) شیڈیول9

8۔پارلیامنٹ کے کس ہاوس میں پورے ملک کی نمائندگی ہوتی ہے؟

() لوک سبھا () راجیہ سبھا () لوک سبھااور راجیہ سبھادونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔دستور ہند کی ابتدامیں کتنے دفعات موجود تھے؟

(a) دفعہ395 (b) دفعہ396 (c) دفعہ399 (d) دفعہ400

10۔کسی معاملہ کولے کر مرکزی اور ریاستی حکومت کے درمیان تنازع پیدا ہوجاتا ہے تو اس کا حل کس کے ذریعے نکالہ جاتا ہے؟

(a) سپریم کورٹ (b) ہائی کوڑٹ (c) ہندوستان کا صدر جمہوریہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

7.15.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات(Objective Answer Type Questions)

1۔وفاقی نظام یا حکومت کیا ہے؟اس پر روشنی ڈالیے۔

2۔وفاقی حکومت کی خصوصیات کو بیان کیجیے۔

3 ۔وفاقی طرز حکومت کی خوبیاں اور خامیاں پر روشنی ڈالیے۔

4۔امداد باہمی(Cooperative Federalism)کا وفاق پر مختصر نوٹ لکھیے۔

5۔بھارت میں وفاقی حکومت کو اپنانے کی وجوہات بیان کیجیے۔

7.15.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ہندوستان میں وفاقی حکومت کی نوعیت کو سمجھائیے۔

2۔وفاقی حکومت ہندوستان جیسے ملک کے لیے کیوں ضروری ہے؟بحث کیجئے۔

3۔وفاقی حکومت کی خوبیاں پر روشنی ڈالیے ۔

7.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں(Suggested Books for FurtherReadings)

1. S.N Ray, (2004) Modern Comparative Politics, PHI learnings, New Delhi

2. D.D. Basu (2017) Introduction to the Constitution of India, Lexis Nexis

اکائی 8۔ پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت

(Parliamentary and Presidential Form of Government)

اکائی کے اجزا

8.0 تمہید

8.1 مقاصد

8.2 پارلیمانی طرز حکومت

8.3 معنی

8.4 پارلیمانی طرز حکومت کی خصوصیات

8.5 پارلیمانی طرز حکومت کے فوائد

8.6 پارلیمانی طرز حکومت کے نقصانات

8.7 صدارتی حکومت

8.8 پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت میں فرق

8.9 صدارتی طرز حکومت کی خصوصیات

8.10 صدارتی حکومت کی خوبیاں

8.11 صدارتی حکومت کی خامیاں

8.12 پارلیمانی اور صدارتی حکومت کا موازنہ

8.13 صدارتی حکومت کو اپنانے پر بحث ومباحثہ

8.14 اکتسابی نتائج

8.15 کلیدی الفاظ

8.16 نمونہ امتحانی سوالات

8.17 مزید مطالعے لیے تجویز کردہ کتابیں

8.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت سے متعلق مطالعہ کریں گے۔

دنیاں کے تمام ممالک میں دو نظام حکومت ایک پارلیمانی اور دوسرا صدارتی حکومت کا نظام ہے۔ بھارت جیسے کئی بڑے ملک میں پارلیمانی حکومت ہے جہاں حکومت کا سربراہ وزیر آعظم اور مملکت کا سربراہ صدر ہوتا ہے۔ بھارت میں موجود پارلیمانی حکومت کئی خوبیاں اور خامیاں کے ساتھ کامیابی کا ایک لمبا سفر طے کیا ہے۔ حالانکہ اس طرز حکومت کی کچھ خامیاں بھی رہی ہے۔ اس لیے کچھ لوگ صدارتی حکومت کو پسند کرتے ہیں اور دنیاں کے کئی ممالک اپنے صدارتی حکومت کے ساتھ ایک طویل سفر طے کیا ہے۔

8.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مقصد ہے طلبا کو بھارت کے پارلیمانی اور صدارتی حکومت سے تعارف کرانا ہے۔ ساتھ ہی دونوں حکومت نظام کے کیا خوبیاں اور خامیاں ہے اس سے واقف کروانا۔ اس اکائی کو پڑھنے کے بعد طلبہ اس لائق ہو جائیں گے کہ جس سے وہ پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت کو بہتر طریقے سے جان پائیں گے۔

8.2 پارلیمانی طرز حکومت (Parliamentary Form of Government)

بھارت کا آئین وزرا کونسل کو حقیقی اختیار عطا کرتا ہے۔ مرکز میں وزرا کا سربراہ وزیر آعظم اور ریاستی حکومت میں وزرا کا سربراہ وزیر آعلیٰ ہوتا ہے۔ وزرا قانون ساز مجلس کو جواب دہ ہوتے ہیں۔ مجلس ساز انہیں عدم اعتماد کے ووٹ کے ذریعے برطرف کر سکتی ہے۔ بشرطہ کہ وہ قانون ساز مجلس کے ممبران کا اعتماد کھو دے۔ وزرا مجلس قانون ساز کو نظر انداز نہیں کر سکتے کیوں کہ یہ ان پر ہمیشہ نظر رکھتی ہے اور ان کے تمام اختیارات اور خامیوں کے لیے ان سے جواب طلب کر سکتی ہے۔ صدر مملکت اور ریاست کے گورنر محض آئینی سربراہ ہیں۔ دوسرے الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستانی حکومت پارلیمانی طرز کی حکومت ہے۔ اس میں کابینہ جس کا سربراہ وزیر آعظم ہوتا ہے وہ حقیقی عاملہ ہوتی ہے۔ اور صدر کو محض آئینی یا رسمی اختیارات حاصل ہوتے ہیں۔ بھارت کہ علاوہ دنیاں میں بہت سے ایسے ملک جہاں پارلیمانی طرز کی حکومت ہے۔ مثال کے طور پر جاپان (Japan) اور بریٹن۔ بھارت کا پارلیمانی طرز حکومت بڑی حد تک بریٹن (Britain) کے پارلیمانی طرز حکومت سے ملتا جلتا ہے۔

8.3 معنیٰ (Meaning)

پارلیمانی حکومت سے مُراد ایسی حکومت سے ہے جس میں مملکت کا سربراہ صدر اور حکومت کا سربراہ وزیر آعظم ہوتا ہے۔ حالانکہ حقیقی اختیارات وزیر آعظم کے پاس ہوتا ہے جب کہ صرف رسمی اختیارات صدر کے پاس۔ اس طرز حکومت کو کابینہ (Cabinet

(Form of Government) بھی کہا جاتا ہے۔ کیوں کہ اس میں کابینہ ہی حقیقی عاملہ ہوتا ہے۔ اس میں کابینہ ہمیشہ مقننہ کی سرگرمیوں کے لیے جواب دہ ہوتا ہے اس لیے اس کو جواب دہ (Responsible Government) حکومت بھی کہتے ہیں۔ جدید جمہوری حکومتوں میں پارلیمانی طرز حکومت ایک اہم اور مشہور و مقبول حکومت ہے۔

8.4 پارلیمانی طرز حکومت کی خصوصیات

(Characteristics of Parliamentary Form of Government)

پارلیمانی طرز حکومت کو بہتر طریقے سے سمجھنے کے لیے اس کی خصوصیات پر روشنی ڈالنا لازمی ہے۔

(1) رسمی یا حقیقی عاملہ (Real or Nominal Executive)

اس طرز حکومت میں صدر رسمی یا دستوری سربراہ ہوتا ہے وزرا کاونسل کے مشورہ پر ہر کام کرتے ہیں۔ اس نظام میں حقیقی اختیارات وزیر آعظم اور اس کے کابینہ کے پاس ہوتا ہے۔

(2) مقننہ اور عاملہ کے درمیان نزدیکی تعلقات

(Close Relationship Between the Legislature and Executive)

اس حکومت میں مقننہ اور عاملہ کے درمیان نزدیکی تعلقات ہوتا ہے۔ مجلس وزرا اور وزیر آعظم مقننہ کا سربراہ وہتا ہے صرف اکثریت یا اتحادی پارٹیاں (Majority or Coalition Parties) ہی وزیر آعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ لازمی طور پر وزرا کاونسل کے سبھی ممبر پارلیمانی ممبران ہونے چاہیے۔ صرف وزرا کاونسل کے مشورہ پر صدر جمہوریہ پارلیمانی اجلاس کا طلب منسوخ کرسکتا ہے۔ یہاں تک کے لوک سبھا کو منسوخ بھی وزرا کاونسل کے مشورہ پر ہی کرسکتا ہے۔ سبھی منتخب پارلیانی ممبران ہی صدر جمہوریہ کے انتخاب میں حصہ لیتے ہیں۔

(3) اجتماعی جواب دہی (Collective Responsibility)

وزرا کاونسل ہی پارلیمنٹ کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔ صرف ہاوس زریں (Lower House) کو ہی ایوان میں No Confidence Motion لانے کا اختیار حاصل ہے۔ اگر یہ موسن (Motion) ایوان میں پاس ہوجاتا ہے تو اس کے بعد سرکار گرجاتی ہے بھارت میں حکومت تب تک بنی رہتی ہے جب تک اس کو لوک سبھا میں اکثریت حاصل رہتی ہے۔ No confidence motion لانے کا اختیار صرف لوک سبھا کو ہی حاصل ہے۔

(4) اقتدار کے مرکز میں وزیر آعظم (Prime Minister as the Centre of Power)

بھارت میں وزیر آعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ حقیقی عاملہ بھی ہوتے ہیں۔ وہ وزرا کا بھی مکھیا ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم سرکار میں اہم اور مختلف کام کو انجام دیتے ہیں۔ وزرا کاونسل بھی وزرا کو صدر جمہوریہ کے ذریعے وزیر آعظم کی شفارش پر منتخب کرتے

ہیں۔کابینہ کا منتخب اور ان کے درمیان منسٹری کا بٹوارا وزیر آعظم ہی کرتے ہیں۔اگر کسی وزیر کو اس کے عہدے سے برطرف وزیر آعظم ہی کر سکتا ہے۔پارلیمانی نظام میں وزیر اعظم ہی سب کچھ ہوتا ہے۔

(5) پارلیمانی اپوزیشن (Parliamentary Opposition)

پارلیمنٹ کے اندر کسی بھی حکومت کو سو فیصد اکثریت حاصل نہیں ہوتی۔اس میں کچھ نہ کچھ پارٹیاں اپوزیشن میں ہوتی ہیں۔ پارلیمنٹ میں مضبوط اپوزیشن ہیلتھی جمہوریت کی بھی علامت مانا جاتا ہے۔کیوں کہ اگر ایوان میں اپوزیشن نہ ہو تو اس کے مطلق العنان ہونے کے امکان بہت زیادہ ہوتا ہے۔حکومت کی کارکردگی، اس کی پالیسی اور قوانین پر اپوزیشن جماعت نظر رکھتی ہے۔اگر حکومت کی کارکردگی، پالیسیاں اور قوانین دستور کے مطابق نہیں ہوتا ہے اپوزیشن اُس پر دباؤ بنا کر ویسے پروگرام' پالیسی اور قوانین کا خاتمہ کروا دیتی ہے۔

8.5 پارلیمانی طرز حکومت کے فوائد (Advantages of Parliamentary Government)

پارلیمانی طرز حکومت کے مختلف فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مختلف گروہ کی نمائندگی (Representations of Diverse Groups)

اس نظام حکومت میں مختلف' زبان' خیال' تمدن اور مذہب کی نمائندگی پارلیمانی ممبران کے طور رہتا ہے۔جس سے پالیسی بنانے میں ان کی بھی حصہ داری ہوتی ہے۔حکومت جب بھی کوئی پالیسی' قوانین اور ضوابط کو عملی جامہ پہناتی ہے تو مختلف گروہ کی نمائندگی کا بھی خیال رکھتے ہوئے ایسا کرتی ہے۔

(2) مطلق العنان بننے سے روکاوٹ (Prevents to be Authoritarian)

پارلیمانی طرز حکومت حکومت کو مطلق العنان بننے سے روکتی ہے کیوں اس کہ اختیار انفرادی نہ ہو کر وزرا کاونسل میں سمولیت ہوتا ہے اس کے علاوہ پارلیمنٹ میں حکومت کے خلاف No Confidence Motion لاکر حکومت کو گرا سکتی ہے۔جس سے حکومت پر ایک طرح سے دباؤ بنا رہتا ہے تاکہ وہ دستوری دائیرہ میں رہ کر اپنے کام کو انجام دے سکے۔

(3) جواب دہ حکومت (Responsible Government)

پارلیمنٹ عاملہ (Executives) کے سرگرمیوں پر روک لگاتی ہے اور عاملہ' مقننہ (Legislatures) کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔جب کہ صدارتی حکومت میں صدر جمہوریہ مقننہ کے لیے جواب دہ نہیں ہوتا ہے۔پارلیمانی نظام میں پارلیمانی رُکن حکومت سے سوال کرتی ہے اور ریزولوشن (Resolution) لاسکتی ہے۔عوامی اہمیت (Public Importance) کے سوال پر بحث کر سکتی ہے جس کی وجہ سے حکومت کے اُوپر دباؤ بنا درہتا ہے۔صدارتی حکومت میں ایسا کوئی بھی انتظام نہیں ہوتا ہے۔

(4) متبادلہ حکومت کی موجودگی (Presence of Alternate Government)

پارلیمانی حکومت کی ایک خاص بات یہ بھی ہے اس کی ہاوس زریں (Lower House) میں No confidence Motion لایا جا سکتا ہے جس کی وجہ سے حکومت موقوف ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں مملکت کے سربراہ صدر مخالف پارٹی (Opposition Party) کو سرکار بنانے کا داعوت دیتا ہے جس کہ وجہ سے حکومت پر ہمیشہ صحیح صمت میں کام کرنے کا دباؤ بنا رہتا ہے۔

8.6 پارلیمانی حکومت کے نقصانات (Disadvantages of Parliamentary Government)

---

(1) حکمران پارٹی اور مخالف کے درمیان سخت مقابلہ

(Tough Competition between Ruling Party and Opposition)

اس حکومت میں حکمران پارٹی اور مخالف پارٹیوں کے درمیان تنازعات کا خدشہ ہمیشہ بنا رہتا ہے۔ اپوزیشن اکثر حکومت کو ہر میدان میں گھیرنا چاہتی ہے۔ کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ اصل مدّے پر بھی حکومت کو گھیرتی ہے جس سے فلاح و بہود کے کاموں میں بھی تاخیر ہونے لگتا ہے۔ اور پھر حکمران پارٹی مستقبل انٹریسٹ کو طاق پر رکھ کر صرف چناوی ایجنڈا پر کام کرنے لگ جاتی ہے جس کا خامیازہ کئی گروہ کو اُٹھانا پڑتا ہے۔

(2) حکومت چلانے میں خرچ (Expensive to Operate)

پارلیمانی نظام میں دوہری عاملہ کے سبب جس میں وزیر آعظم اور صدر دونوں شامل ہے خرچیلا سمجھا جاتا ہے۔ کیوں کے دونوں کے آفیس پر کافی خرچ ہوتا ہے اس سے ملک کے معاشی وسائیل کی بربادی ہوتی ہے۔ موازنہ طور پر دیکھا جائے تو پارلیمانی نظام صدارتی نظام کے مقابلے خرچیلا ثابت ہوتا ہے۔

(3) تفریق اختیار کے تصور کا خلاف ورزی (Its Violate the Concept of Separation of Power)

اختیارات کے تفریق بتاتا ہے کہ حکومت کے تین اہم اعضا ہوتے ہیں عاملہ، مقننہ اور عدلیہ جن کے مختلف اختیار ہوتے ہیں۔ لیکن پارلیمانی حکومت میں خاص طور پر عاملہ اور مقننہ کے اختیار میں فرق رہتا ہے۔

(4) مملکت کے سربراہ اور حکومت کے سربراہ کے درمیان تنازع

(Conflict between Head of the State and Head of the Government)

دوہرا عاملہ پارلیمانی طرز حکومت میں ٹکراؤ کا باعث ہوتا ہے۔ نتیجتاً کبھی کبھی دونوں کسی پالیسی، ضوابط اور قانون نافذ کرنے کو لے کر متفق نہیں ہوتے ہیں جس سے کام میں تاخیر دیکھنے کو ملتا ہے۔

(5) پارلیمانی رُکن کی طرف سے نئے اقدامات لینے میں سستی

(Lack of interest to take new steps in House by the Parliament members)

اس نظام حکومت میں پارلیمانی اراکین مضبوطی کے ساتھ پارٹی لائین سے جڑے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی پارٹی کی پالیسی کے

خلاف جا کر کبھی بھی ایوان میں ووٹ نہیں کرتے۔اسی وجہ سے پارلیمانی رکن کبھی اپنے طرف سے کوئی نیا اقدم نہیں اُٹھا پاتے ہیں۔

8.7 صدارتی طرز حکومت (Presidential Form of Government)

صدارتی طرز حکومت اُس طرز حکومت کو کہا جاتا ہے جہاں کہ صدر حکومت اور مملکت دونوں کا سربراہ ہوتا ہے۔ وہ ہندوستانی سربراہ کی طرح صرف رسمی سربراہ نہیں ہوتا ہے۔ وہ بہت ہی طاقتور مانا جاتا ہے کیوں کہ وہ نہ تو کسی بزنس کا ممبر ہوتا ہے اور نہ ہی کسی اجلاس میں حصہ لیتا ہے اور نہ ہی کسی ایوان کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔ صدارتی طرز حکومت میں وہ ایک طے شدہ مدت کے لیے منتخب ہوتے ہیں۔ صدر کو صرف غیر آئینی کام کرنے پر ہی اُنھیں عہدہ سے برطرف کیا جاسکتا ہے۔

مختلف ممالک میں عاملہ نظام مختلف ہوتا ہے۔ حالانکہ کچھ کے آئین اور قانون حقیقی مملکت کے سربراہ فراہم کرتا ہے جو کہ نہ صرف نظریہ کے اعتبار سے بلکہ عملی طور پر بھی صدر عاملہ ہوتا ہے۔ وہ مقننہ سے علاحدہ اور آزادانہ طور پر اپنے کام کو انجام دیتا ہے ایسے نظام کو صدارتی طرز حکومت کہا جاتا ہے کیوں کے اس نظام میں حکومت مکمل طور سے مملکت کے سربراہ کے لیے جواب دہ ہوتا ہے۔ صدارتی طرز حکومت میں وزیر آعظم کا آئینی اور سیاسی طور پر غلبہ نہیں ہوتا ہے اور وزیر آعظم صرف صدر کا جونیر پارٹنز کی طرح ہوتا ہے ۔اس طرز حکومت میں صدر بااختیار ہوتا ہے وہ کبھی بھی اور کسی کو بھی کسی وقت چاہے وہ وزیر آعظم ہی کیوں نہ ہو اُس کے عہدہ سے برطرف کر سکتا ہے۔

گیٹس (Gets) کے مطابق صدارتی طرز حکومت میں صدر عاملہ اپنے مدت اور کافی حد تک اپنے کارکردگی اور پالیسی کو لے کر مقننہ سے آزاد ہوتا ہے۔

پروفیسر گارنر کہتے ہیں: "صدارتی حکومت وہ نظام ہے جس میں عاملہ آئینی طور پر اپنے دور کی مدت کے حوالے سے مقننہ سے آزاد ہے اور اس کی یا ان کی سیاسی پالیسیوں کے لیے اس کے لیے غیر ذمہ دارانہ ہے۔ ایسے نظام میں ریاست کا چیف محض ٹائٹلر عاملہ نہیں ہوتا ہے بلکہ وہ حقیقی عاملہ ہوتا ہے اور در حقیقت میں وہ اختیارات استعمال کرتا ہے جو آئین اور قوانین نے انہیں عطا کرتے ہیں۔

8.8 صدارتی طرز حکومت میں تفریق (Difference in Presidential Government)

صدارتی نظام میں ملک در ملک فرق ہوتا ہے۔ کچھ نظام میں صدر اپنے وزرا کو نسل مکمل طور پر پارلیمنٹ سے باہر کے لوگوں کو منتخب کرتے ہیں جب کے دوسرے صدارتی نظام میں کچھ ممبر پارلیمنٹ سے اور کچھ ممبر پارلیمنٹ کے باہر سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ مختلف صدارتی نظام کے باوجود حکومت اور مملکت دونوں کا سربراہ صدر ہی ہوتا ہے نہ کہ وزیر آعظم۔

8.9 صدارتی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Presidential Government)

پارلیمانی حکومت کی طرح صدارتی حکومت کی بھی کچھ اہم خصوصیات ہیں امریکہ کے آئین میں صدارتی طرز حکومت کی تو

ضیعات کی گئی ہے۔امریکہ صدراتی طرز حکومت کی ایک بہترین مثال ہے۔
(1) اس طرز حکومت میں مملکت اور حکومت کا مکھیا صدر ہوتا ہے۔(2)صدر کا انتخاب الیکٹرول کالیج کے ذریعے طے شدہ مدت چار برس کے لیے ہوتا ہے۔صدر کی برخاستگی صرف Impeachment کے ذریعے غیر آئین عمل کو انجام دینے پر ہوتا ہے۔(3)صدر اپنے کارکردگی کا انجام ایک چھوٹا سا Body جس کو 'Kitchen Cabinet' کہا جاتا ہے اور یہ مجلس مشاوارات غیر انتخابی سیکریٹری سے بنا ہوتا ہے اور جس کو صدر انتخاب کرتا ہے اور صدر ہی کسی بھی وقت اور کبھی بھی برطرف کر سکتا ہے۔(4)صدر اور اس کے سیکرٹری اپنے کام کاج کو لے کر کانگریس کے لیے ذمہ دار نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ کانگریس کے ممبر شپ اور نہ ہی کسی اجلاس میں حصہ لیتے ہیں۔(5)صدر کو کانگریس کے زیریں ہاوس کو تحلیل کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔(6) تقسیم اختیارات کا نظریہ امریکی آئین کی ایک اہم خصوصیات ہیں جس میں حکومت کے تینوں اعضا عاملہ، متقننہ اور عدلیہ ایک دوسرے سے الگ ہوتے اور اس میں کسی بھی اعضا کو ایک دوسرے میں دخل دینے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔

صدارتی طرز حکومت کی خصوصیات (Characteristics of Presidential Government)

صدارتی طرز حکومت کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

1 انتظامی جوابدہی (Administrative Responsibility) صدارتی طرز حکومت میں مقننہ کے تئیں انتظامی جوابدہی کا ایسا کوئی نظام نہیں ہوتا ہے۔چونکہ انتظامیہ کا کوئی رکن مقننہ کا رکن نہیں ہوتا اس لیے جوابدہی کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا ہے۔ نتیجتاً اسے اپنی وجود وبقا کے لیے مقننہ پر منحصر نہیں رہنا پڑتا ہے۔وہ اگر جوابدہ ہے تو صرف بالواسطہ طور پر عوام کے لیے ہے۔

(2) معینہ معیاد (Fixed Tenure) صدارتی طرز حکومت کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اس میں انتظامیہ کو ایک معینہ مدت کے لیے منتخب کیا جاتا ہے۔معینہ مدت کے اختتام سے پہلے اس کی معیاد کو کم نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی برطرف کیا جا سکتا ہے۔سوائے دستوری پامالی کے عوض مواخذے کے، اور نہیں تو مقننہ چاہ کر بھی اسے برخاست نہیں کر سکتی۔صدر اپنے معیاد تکمیل کے بعد ہی ہٹتا ہے یا پھر دوسری معیاد کے لیے کوشش کرتا ہے۔

(3) حقیقی حکمراں (Real Ruler) صدارتی طرز حکومت میں صدر حقیقی حکمراں ہوتا ہے۔وہ انتظامیہ کا سربراہ تو ہوتا ہی ہے ساتھ ہی ساتھ مملکت کا بھی سربراہ ہوتا ہے۔دستور کے ذریعے حکومت کے تمام تر اختیارات حقیقی طور پر اسی کے ہاتھ میں مرتکز کر دیے جاتے ہیں جنہیں وہ بالواسطہ طور پر خود استعمال کرتا ہے۔وہ اپنے وزراء کی تقرری خود کرتا ہے جو اس کے کاموں میں بطور معاون اس کا ساتھ دیتے ہیں، صدر اپنے وزراء کے روبرو ایک مساوی حیثیت نہیں رکھتا بلکہ تمام وزراء اس کے زیر ما تحت کام کرتے ہیں وہ ان تمام لوگوں سے برتر ہوتا ہے۔

(4)عدلیہ کی اہمیت (Importance of Judiciary) مضبوط اور غیر جانبدار عدلیہ صدارتی طرز حکومت کی اہم خاصیت ہوتی ہے۔ صدارتی طرز حکومت میں عدالت عظمیٰ دستور کا حقیقی محافظ ہوتا ہے۔وہ مقننہ کے کسی بھی ایسے قانون یا ایتظامیہ کے کسی بھی ایسے حکم کو غیر

دستوری قرار دے سکتا ہے جو دستور اساسی کے نکات کے عین مطابق نہ ہو۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ صدارتی طرز نظام میں عدالت عظمیٰ واقعی شہریوں کے حقوق کا حقیقی محافظ ہوتا ہے۔

8.10 صدارتی طرز حکومت کی خوبیاں (Merits of Presidential Form of Government)

---

(1) مستحکم عاملہ (Stable Executive)

صدارتی طرز حکومت پارلیمنٹ طرز حکومت کے مقابلے میں مستحکم ہوتا ہے کیوں کے اس میں حکومت کو طے شدہ مدّت سے پہلے تحلیل نہیں کیا جا سکتا کیوں کے یہ مقننہ سے آزاد ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر بھارت جہاں کئی ایسے مواقع آئے جہاں حکومت وقت سے پہلے تحلیل (Dissolve) کر دی گئی۔ نتیجتاً انتظامیہ بغیر کسی خوف و خطرے کے پالیسیاں مرتب کرتی ہے اور اس کو نافذ العمل کرتی ہے۔ حکومت کو اچانک تبدیل نہیں کیا جا سکتا اس لیے حکومت مطمئن ہو کر اپنے تمام فرائض کو انجام دیتی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ وہ مقننہ کے بد نظر سے بھی مطمئن رہتا ہے اور اس کے حکومت کو تقویت حاصل رہتی ہے۔

(2) بہتر پالیسی کی عمل درآمد (Implementations of Better Policy)

عاملہ کا طے شدہ مدت ہونے کی وجہ سے حکومت کی پالیسی بغیر کسی خدشات اور حمایت کے چلتی ہے اور آسانی سے نافذ کی جاتی ہے ساتھ اس نظام میں معیاری نظم و نسق کو انجام دیا جاتا ہے۔

(3) براہ راست عوام کے پسند کا عکس (Direct Reflection of People Choice)

جیسا کے اس صدارتی طرز حکومت براہ راست صدر کا انتخاب عوام کے ذریعے ہوتا ہے۔ اور اپنے پسند سے صدر کا انتخاب کرتے ہیں نہ کے صدر ممبر آف پارلیمنٹ اور قانون ساز اسمبلی کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔

(4) بہتر نظم و نسق (Better Administration) صدر کسی کو بھی سیکریٹری منتخب کر سکتا ہے (ہندوستان میں وزرا) جس سے آسانی سے مشہور و معروف ایڈ منسٹر صدر کو مل جاتا ہے۔ وہ لوگ اپنے اپنے فیلڈ کے ماہرین ہوتے ہیں۔ سکریٹری کے انتخاب میں صدر کے پاس بڑے پیمانے پر اپنے پسند کا سکریٹری کو انتخاب کرنے کا اختیار ہوتا ہے جس سے انہیں بغیر پارٹی سے باہر کے ماہر لوگ مل جاتے ہیں۔

(5) سختی سے اختیار کا تقسیم (Stricter Separation of Power)

پارلیمنٹ طرز حکومت میں اختیار کے تقسیم میں اورلیپ (Overlap) رہتا ہے خاص کر مقننہ اور عاملہ کے درمیان جو مقننہ کو کمزور کر دیتا ہے اور وہ عاملہ کو جواب دہ بنانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ جب کے اس کے برعکس صدارتی نظام میں سارے اعضا کے ختیار کا سختی سے تقسیم پایا جاتا ہے۔

(6) تیزی سے فیصلہ (Fastest Decision)

امریکہ کا صدر بھارت کے صدر سے بہت زیادہ طاقتور ہوتا ہے اس لیے گھریلو سطح پر تیزی سے فیصلہ لینا ممکن بناتا ہے اس کی وجہ صدر کے پاس سارے اختیار کا ہونا ہے۔

(7) عوام کی حصہ داری (Peoples Participation)

صدر کا مقبول (Popular) انتخاب براہ راست ہوتا ہے جس میں عام شہری میں جوش و خروش پیدا کرتا ہے عام شہری صدر کے انتخاب میں زیادہ دلچسپی کے ساتھ شرکت کرتے ہیں۔

8.11 صدارتی طرز حکومت کی خامیاں (Demerits of Presidential Form Government)

(1) مطلق العنان (Authoritarian) اس طرز حکومت میں صدر طاقتور ہوتے ہیں اور وہ مقننہ کے لیے جواب دہ نہیں ہوتے ہیں اور اکثر وہ اپنے مطابق فیصلہ لیتے ہیں جس سے ان کے مطلق العنان ہونے کا خدشہ بنا رہتا ہے۔

(2) غیر ذمہ دار (Irresponsible)

چوں کے عاملہ مقننہ سے آزاد رہتا ہے اور کوئی ایسا موثر ذریعہ نہیں جس سے عاملہ کو ذمہ دار ہونے کا یقین دہائی کیا جاسکے۔ صدارتی طرز حکومت کی ایک خامی یہ بھی ہے کہ اس میں ذمہ داری کو تعین کافی مشکل ہوتا ہے۔ چونکہ ایسے نظام میں اختیارات کی علاحدگی کے اصول پر سختی سے عمل کیا جاتا ہے نتیجتاً ہر عضو اپنے اپنے دائرہ میں رہ کر آزادانہ طور پر کام کرتے ہیں۔ لیکن ان میں تعاون اور ہم آہنگی کی فقدان کے وجہ سے مشترکہ ذمہ داری منقسم ہو جاتی ہے۔ انتظامیہ اپنا راگ اپلاتی ہے جب کہ مقننہ اپنی دھن میں مگن رہتی ہے۔ ہر عضو اپنی ذمہ داری کا دوسرے کے کاندھوں پے ٹال دیتا ہے۔ جس سے ایک دستوری بحران کا خدشہ بنا رہتا ہے جو کہ ہونے والے انتخاب سے ہی دور ہوتا ہے۔

(3) تعاون کی کمی (Lack of Co-operation)

ان نظام کی ایک بڑا ناکامی یہ ہے کہ قانون ساز اور انتظامیہ کے درمیان تعاون کی کمی پایا جاتا۔ عاملہ اور مقننہ کے درمیان لگاتار تنازعہ کسی نہ کسی کام میں رکاوٹ ڈالتی ہے۔

(4) جواب دہی کی کمی (Lack of Accountability)

عاملہ مقننہ میں لوگوں کے نمائندگی کے لیے عاملہ کا جواب دہی میں کمی پائی جاتی ہے ایک طے شدہ مدّت بھی عاملہ کو رائے عامہ کی جواب دہی کو کم کرتا ہے۔

(5) بے لچک (Inelastic)

صدارتی حکومت کی سب سے بڑی خامیاں بے لچک بناوٹ اور غیر یقینی طے شدہ آخری جوابدہی۔ یہ بے لچک اس لیے ہے کہ ایک بار صدر کے منتخب ہو جانے کے بعد وہ طے شدہ مدّت تک اپنے عہدہ پر فائز رہتے ہیں چاہے اسے عوام پسند کرے یا نہ کرے۔

(6) اہم مدّے پر روکاوٹ (Deadlock on important issues)صدارتی حکومت میں مقننہ اور عاملہ کے درمیان لگاتار تنازعہ بنا رہتاہے جو کے کام میں روکاوٹ ڈالتی ہے۔

8.12 پارلیمانی اور صدارتی حکومت کا موازنہ (Comparison of Presidential and Parliament)

اصول بنیاد	پارلیمنٹ	صدارتی
عاملہ	دوہرا	واحد
جوابدہی	عاملہ مقننہ کو جواب دہ	عاملہ مقننہ کے لیے جواب دہ ہیں
وزرا	پارلیمنٹ ممبران کے درمیان سے	مقننہ سے باہر کے لوگوں کا منتخب
ایوان زرین منسوخ	وزیر آعظم طے مدّت سے پہلے منسوخ کر سکتا ہے	صدر ایسا نہیں کر سکتا
معیاد عہدہ	مستحکم	مستحکم نہیں

8.13 بھارت میں صدارتی حکومت کو اپنانے پر بحث ومباحثہ

(Debate on Adopting Presidential Government in India)

بھارت میں صدارتی حکومت کو اپنانے کو لے کر ماہرین کے مختلف رائے ہیں۔کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بھارت کے دستور میں ترمیم کر صدارتی نظام نافذ کیا جائے جب کہ کچھ لوگ اس کے برعکس خیال رکھتے ہیں ان کے خیال میں صدارتی حکومت بھارت جیسے جمہوری ملک کے لیے موافق نہیں ہے۔

8.13.1 مثبت خیال (Positive Opinion)

صدراتی نظام کے طرف سے مثبت خیال رکھنے والوں کا دلیل ہے کے صدارتی نظام بھارت میں نافذ کرنے سے ملک کے وسائیل' معاشی' علاقائی' اور سیاسی خرچ پر لگام لگے گی۔

(1) لگاتار الیکشن سے نجات(Getting rid of Continue Elections)

بھارت کو ہر سال کسی نہ کسی الیکشن سے گزرنا پڑتا ہے۔صدارتی نظام آنے سے لگاتار الیکشن پر پابندی لگے گا جس سے فلاح وبہود کے کام پر منفی اثرات سے ملک کو نجات مل سکے گا۔

(2) پارلیمانی حکومت میں حکومت کا معیاد طے شدہ وقت تک مقرر کیا گیاہے، لیکن اس کے باوجود طے وقت سے پہلے بھی حکومت کو گرنے کا امکانات رہتاہے اور اگر اتحادی پارٹیاں(Coalition Parties)مل کر حکومت بناتی ہے اس صورت میں بھی حکمران پارٹی ہمیشہ اپنے

اتحاد پارٹز کے دباؤ میں رہتی ہے۔ لیکن اگر بھارت میں صدارتی حکومت آنے سے ناپائیداری (Lack of Stability) سے بھارت کو آزادی مل جائے گا اور ایک پائیدار (Stable) حکومت کا وجود سامنے آئے گا۔ وجہ صاف ہے صدارتی حکومت میں حکومت کی معیاد طے مدت تک برقرار رہتی ہے۔

(3) عوام کے ذریعے بلاواسطہ طور پر اپنے پسندیدہ لیڈر کا انتخاب

(People directly elected to their own Choice Leaders)

اکثر پارلیمانی حکومت میں عوام اپنے پسند کے لیڈر کا انتخاب کرتے ہیں، اور ملک کا سربراہ کوئی اور بن جاتا ہے۔ کیوں کے پارلیمانی نظام میں وزیر آعظم کو عوام بلاواسطہ نہیں چن سکتے جب کی صدارتی حکومت میں عوام اپنے پسندیدہ لیڈر کو بلاواسطہ انتخاب کرسکتے ہیں۔

(4) پالیسی نافذ کرنے میں تیزی (Implementation of Quick Policies)

صدراتی حکومت میں صدر کسی بھی پالیسی کو جلد از جلد نافذ کرسکتے ہیں چونکہ اس نظام میں عاملہ اور مقننہ میں کسی طرح کا ٹکراؤ نہیں ہوتا صدر اپنے حساب سے وزرا کو چنتے ہیں اور جب چاہے اسے برخواست بھی کرسکتے ہیں۔

(5) مکمل دستوری اختیار صدارتی حکومت میں صدر کے پاس ہوتا ہے وہ جلدی سے کوئی بھی کام کو انجام دے سکتا ہے وہاں کسی طرح کی کوئی روکاوٹ نہیں ہے۔

8.13.2 منفی خیال (Negative Opinion)

(1) بنیادی ڈھانچہ کی خلاف ورزی (Violation of Basic Structures)

منفی خیال رکھنے والے کا یہ دلیل ہے کہ اگر ملک میں پارلیمانی حکومت کی جگہ صدارتی حکومت نافذ کر دیا جائے گا تو اس سے دستور کے بنیادی ڈھانچہ کی خلاف ورزی ہوگا۔ چونکہ پارلیمانی حکومت میں بنیادی ڈھانچہ دستور کا ایک اہم حصہ ہے۔

(2) ملک کے سربراہ کا مطلق العنان ہونے کا امکان۔ صدارتی حکومت میں مکمل اختیار صدر کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور اس نظام میں حکومت پر کسی طرح کا کوئی دباؤ نہیں ہوتا جیسا کہ پارلیمانی نظام میں ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں صدر کو مطلق العنان (Despotic) ہونے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔

(3) صدارتی حکومت کو بھارت جیسے ایک بڑا اور متنوع (Diverse) ملک میں نافذ کرنا جمہوریت کے لیے اچھی علامت نہیں ہے کیوں اس سے مختلف گروہ کی نمائندگی پر منفی اثرات دیکھنے کو ملے گا۔

8.14 اکتسابی نتائج (Learning Outcome)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد آپ نے:

- پارلیمانی طرز حکومت کی معنی اور خصوصیات کا مطالعہ کیا۔
- پارلیمانی طرز حکومت کے فائدہ اور نقصانات کو سمجھا۔
- صدارتی حکومت کی خوبیاں اور خامیاں کا مطالعہ کیا۔
- صدارتی حکومت کی خصوصیات کا گہرائی مطالعہ کیا۔
- پارلیمانی اور صدارتی طرز حکومت کے فرق کو سمجھا۔
- صدارتی حکومت کو اپنانے پر بحث کا گہرائی سے جانا۔

8.15 کلیدی الفاظ (Keywords)

- بنیادی ڈھانچہ : دستور کی بنیادی خصوصیات جس کو کسی بھی قیمت پر اس میں تبدیلی ترمیم پارلیمنٹ کہ ذریعہ نہیں کیا جاسکتا۔
- اختیار کی تقسیم : حکومت کے تین اعضا' عاملہ' مقننہ اور عدلیہ خود مختار اور آزادانہ اختیارات حاصل ہے۔
- رسمی عاملہ : ایسا عاملہ جس کے پاس اختیار نا کہ برابر ہو۔
- مطلق العنان : تاناشاہ۔
- ہاوس زریں : پارلیمنٹ کا ایسا ہاوس جو کبھی تحلیل نہیں ہوتا۔

8.16 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

8.16.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Type Question)

1۔ بھارت میں کس طرح کی طرز کی حکومت ہے؟

(a) پارلیمانی (b) صدارتی (c) پارلیمانی اور صدارتی (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ پارلیمانی حکومت میں مملکت کا سربراہ کون ہوتا ہے؟

(a) صدر (b) وزیر اعظم (c) لوک سبھا اسپیکر (d) ان میں سے کوئی نہیں

3۔ No Confidence Motion کس ہاوس میں لایا جاسکتا ہے؟

(a) راجیہ سبھا (b) لوک سبھا (c) دونوں ہاوس میں (d) اسٹیٹ اسمبلی

4۔ بھارت کا ایوان بنا ہوتا ہے۔

(a) لوک سبھا اور راجیہ سبھا (b) لوک سبھا، راجیہ سبھا اور صدر (c) لوک سبھا اور صدر (d) ان میں کوئی نہیں

5۔ صدارتی طرز حکومت میں صدر عاملہ اپنے مدت اور کارکردگی و پالیسی کو لے کر مقننہ سے آزاد ہوتا ہے۔ یہ کس کا قول ہے؟

(a) گیٹس (b) کے سی ویر (c) ارسطو (d) کارل مارکس

6۔ بھارت میں پارلیمانی حکومت کی جگہ کچھ ماہرین صدارتی حکومت کا قیام چاہتے ہیں کیوں؟

(a) مستحکم عاملہ کا ہونا (b) کم خرچیلا نظام ہے (c) بہتر پالیسی کے لیے درآمد (d) یہ سبھی

7۔ کس حکومت نظام میں صدر کے پاس صرف رسمی اختیارات ہوتا ہے؟

(a) صدارتی (b) پارلیمانی (c) صدارتی اور پارلیمانی دونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔ صدارتی نظام بہتر ہوتا ہے۔

(a) بڑے ملکوں کے لیے (b) چھوٹے ملکوں کے لیے (c) دونوں کے لیے (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ پائیدار حکومت کس نظام حکومت میں ممکن ہے؟

(a) صدارتی (b) پارلیمانی (c) دونوں میں (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ تقسیم اختیارات کا نظریہ کس ملک کی آئین سے ماخذ ہے؟

(a) بھارت (b) جاپان (c) امریکہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

8.16.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ پارلیمانی حکومت سے کیا مراد ہے اس کی خصوصیات بیان کیجیے؟

2۔ پارلیمانی طرز حکومت اور صدارتی حکومت کے درمیان فرق پر روشنی ڈالیے؟

3۔ صدارتی حکومت کیا ہے اس کی خوبیاں اور خامیاں پر روشنی ڈالیے۔

4۔ صدارتی حکومت کے معنی کیا ہے اس کی خصوصیات پر غور و فکر کیجیے۔

5۔ صدارتی نظام کے مشبت خیال پر مختصر نوٹ لکھیے۔

8.16.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ صدارتی حکومت بھارت جیسے ملک کے لیے کیسے موافق ہے اپنی رائے بتائیے؟

2۔ صدارتی اور پارلیمانی حکومت پر مختصر نوٹ لکھیے۔

3۔ دستور کے ماہرین نے پارلیمانی حکومت کو کیوں اپنایا وضاحت کیجیے؟

8.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتاب (Suggested Books for Further Readings)

1. Pushpa Singh & Chetna Singh, (2019) Comparative Government and Politics, Sage Publication, New Delhi, India.
2. J.C Johri, (2011) Comparative Politics, Sterling Publishers Pvt Ltd. New Delhi
3. D.D Basu, (2019) Introduction to the Constitution of India, Lexis Nexis, New Delhi
4. Eddy Ashirvatham and K.K. Mishra, (2012) Political Theory, S. Chand, New Delhi
5. G. Almond G, (2000) Comparative Political Today: A World View, Harper and Collins.

اکائی 9۔ تعارف: حکومت کے مختلف شاخیں

(Introduction: Different Branches of Government)

اکائی کے اجزا

9.0 تمہید

9.1 مقاصد

9.2 مقننہ

9.3 انتظامیہ

9.4 عدلیہ

9.5 اکتسابی نتائج

9.6 کلیدی الفاظ

9.7 نمونہ امتحانی سوالات

9.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

9.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم حکومت کی مختلف شاخیں کا مطالعہ کریں گے۔

حکومت ریاست کی ایک سب سے ضروری خوبی ہے۔ ہمارے پاس اس کے بغیر کسی مملکت کے بارے میں کوئی واضح نظریہ نہیں ہو سکتا۔ برک نے کہا ہے، "حکومت انسانی علم کی ایجادات میں سے ایک ہے جس کے ذریعے انسان اپنی خواہشات کو پورا کرتا ہے۔ مملکت ایک غیر مرئی شے جسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ہی چھو سکتے ہیں۔ لیکن وہ شے جو مملکت میں جان ڈالتی ہے اور مملکت کو متحرک بناتی ہے اسے حکومت کہتے ہیں۔ ماضی میں مملکت اور حکومت کو متبادل کے طور پر بھی استعمال کیا گیا ہے۔ یعنی کے ارسطو کے دور سے ہی حکومت کے تین شاخیں یا اعضاء ہمیں ملتے ہیں جو الگ الگ مگر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور فرائض انجام دیتے ہیں۔ مقننہ کا کام ہے قوانین وضع کرنا، انتظامیہ کا کام ہے قوانین کا نفاذ کرنا جب کہ عدلیہ کا کام ہے قوانین کی تشریح کرنا۔ موجودہ دور میں حکومت کے تین شاخیں ہیں جو اپنے اپنے شعبے میں اپنا فرائض انجام دیتے ہیں: مقننہ، عاملہ اور عدلیہ۔

9.1 مقاصد (Objectives)

- اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ "تعارف: حکومت کے مختلف شاخیں"، جس میں اس سے متعلق سارے پہلوؤں کو اس طرح بیان اور واضع کر دیا جائے کہ طلبا اس باب کے مطالعے کے بعد "تعارف: حکومت کے مختلف شاخیں" کو سمجھ سکیں گے۔
- حکومت کی یہ تینوں شاخیں ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں، چونکہ مقننہ قانون بناتی ہے، اس لیے عاملہ نے ان پر عمل در آمد کرتا ہے اور عدلیہ ان کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کو بھی طلبا آسانی سے جان سکیں گے۔
- مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کے سبھی پہلو کو اس اکائی کے ذریعہ طلبا حکومت کی تینوں ساخوں کو سمجھنے کے اہل ہوں گے۔
- جج پارلیامنٹ کے بنائے قوانین کو کالعدم قرار دے سکتے ہیں، اگر وہ آئین کی کسی شق یا شق کی روح کی خلاف ورزی کریں اور دیگر وغیرہ کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات و سکوک اور شبہات کو نہ صرف یہ کہ خود اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ سکیں بلکہ ان عنوان کے مختلف پہلوؤں پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں وہ ان کا جواب دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

9.2 مقننہ (The Legislature)

مقننہ حکومت کی ایک اہم شاخ یا عضو ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے بغیر حکومت کے باقی دو اعضا یا شاخیں بے کار ہیں اور اپنے وجود کے لیے مقننہ پر منحصر ہیں۔ مقننہ کا کام ہے قوانین واضح کرنا اور اس کے بنائے ہوئے قانون کے نفاذ و تشریح کرنے کی ذمہ داری بالترتیب عاملہ اور عدلیہ کی ہے۔ زیادہ تر ممالک میں، مقننہ قانون سازی کرنے لیے دستیاب ہیں جمہوریت میں، مقننہ کی اہمیت اب بھی زیادہ ہے۔ قانون بنانے کے لیے بیشتر ممالک میں مقننہ کے دو ایوان ہیں جب کہ چند ممالک میں صرف ایک ہی ایوان

ہے۔ پہلے ایوان کو ایوان زیریں اور دوسرا کو ایوان بالا کہا جاتا ہے۔

9.2.1 ساخت (Structure)

بناوٹ کے اعتبار سے مقننہ کے دو اقسام ہیں: ایک ایوانی مقننہ اور دو ایوانی مقننہ

(A) ایک ایوانی مقننہ (Unicameral Legislature)

دنیا کے جس ممالک میں صرف ایک ہی ایوان ہوں تو اسے ایک ایوانی مقننہ کہا جاتا ہے۔
جیسے چین، بنگلا دیش، پرتگال، ترکی اور بھارت کے کچھ ریاست جیسے پنجاب، ہریانہ، راجستھان، گجرات، اڑیسہ، آسام، آندھرا پردیس، کیرلا وغیرہ صرف ایک ہی ایوان رکھتے ہیں۔ سوئس کینٹن میں بھی ایک چیمبر ہوتا ہے۔ اب، ہمیں دیکھنا ہے کہ قانون بنانے کے لیے، ایک یا دو ایوان ہونا چاہیے۔

(B) دو ایوانی مقننہ (Bicameral Legislature)

جب دنیا کے کسی ملک میں پارلیامنٹ کے دو ایوان ہوں تو اسے دو ایوانی مقننہ کہتے ہیں۔ دنیا کے بیشتر ممالک میں پارلیامنٹ دو ایوانی ہے۔ دنیا میں ان ممالک میں دو ایوانی مقننہ وجود میں ہیں جیسے فرانس، بیلجیم، جرمنی، انگلینڈ، ہولینڈ، سویڈین، ناروے، جاپان، امریکہ، اسٹریلیہ، کناڈا، روس، سوئٹزرلینڈ اور بھارت وغیرہ میں۔ ہمارے ہندوستان میں بھی پارلیامنٹ دو ایوانی ہے، (1) راجیہ سبھا اور (2) لوک سبھا۔ دو ایوانی مقننہ ہیں ایک ایوان بالا ہوتا ہے تو دوسرا ایوان زیریں۔ ایوان زیریں کو عوامی ایوان بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے ممبران بالواسطہ طور پر عوام کے ذریعے چن کر آتے ہیں جب کہ ایوان بالا میں الگ الگ ملکوں میں الگ الگ نمائندگی کے طریقے ہیں۔ امریکہ اور ہندوستان میں ریاستوں کے نمائندوں پر ایوان بالا پر مشتمل ہے جب کہ انگلینڈ میں امراء و شرفا کو لے کر ایوان بالا (ہاؤس آف لارڈس) کی تشکیل دی گئی ہے۔

9.2.2 مقننہ کے فرائض (Functions of Legislature)

چونکہ مقننہ کا خاص کام قوانین وضع کرنا ہے مگر موجودہ دور میں اس کے اختیارات و فرائض میں کافی توسیع ہوئی۔ مقننہ کے فرائض سے متعلق ایک بات واضح ہونی چاہیے کہ الگ الگ طرز نظام میں مقننہ کے فرائض بھی الگ الگ ہیں۔ جمہوریت، آمریت، صدارتی، بادشاہت، پارلیمانی وغیرہ طرز نظام میں مقننہ کے فرائض الگ الگ پائے جاتے ہیں۔ لیکن ایک جمہوری پارلیمانی نظام میں مقننہ کے حسب ذیل فرائض ہیں:

1۔ قوانین واضع کرنا (Law making)

کسی بھی ملک میں مقننہ کا پہلا اور خاص کام ہوتا ہے قوانین واضح کرنا، مقننہ کو یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ تقریباً ہر معاملات پر وہ

قانون بنائے۔ دستور میں اس کے اختیارات واضح کر دیے جاتے ہیے۔ مقننہ کو صرف قوانین ہی وضع کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہوتا بلکہ قوانین میں ترمیم لانے کا بھی فرائض انجام دیتا ہے۔ مقننہ ہی ریاست کے مختلف و منفرد خواہشوں کی تکمیل کرتا ہے۔ بیشتر ملکوں میں دستور کے ذریعے اسے سپریم تسلیم کیا گیا ہے۔

2۔ بحث ومباحثہ (Debates)

کسی بھی ملک میں مقننہ جمہوریت کی علامت ہوتا ہے۔ عوام ایک ملک میں کتنے با اختیار ہیں اس بات کی گواہی اس ملک کا مقننہ دیتا ہے۔ مقننہ عوام کی امیدوں وخواہشوں کی عکاسی کرتا ہے۔ چونکہ دنیا کے بیشتر ممالک کے مقننہ سینکڑوں اور ہزاروں ممبران پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے درمیان ملک کے درپیش کسی مسئلے کا گفتگو اس ملک کی قسمت کا تعین کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مقننہ کے ہاتھوں میں ملک کی عظمت و قسمت کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ ممبران مقننہ کے اندر بحث ومباحثہ کرتے ہیں اور کسی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماہرین سے بھرے مقننہ ملک کی ترقی کی ضمانت ہوتا ہے۔

3۔ انتظامیہ کو کنٹرول (Control of Administration)

مقننہ کا کام انتظامیہ کو کنٹرول کرنا بھی ہوتا ہے۔ چونکہ کابینہ کے ممبر وہی ہوتے ہیں جو مقننہ کے ممبر ہوتے ہیں اور پارلیمانی نظام میں کابینہ (انتظامیہ) اپنے ہر کام کے لیے مقننہ کے تحت جوابدہ ہوتی ہے۔ مقننہ کے ممبران کابینہ سے سوال پوچھتے ہیں ان سے کسی معاملے پر جواب طلب کرتے ہیں۔ ان کی پالیسی و پروگرام پر بالواسطہ تنقید کرتے ہیں یہی نہیں بلکہ کابینہ کو برخاست کرنے کے لیے وہ مقننہ کے اندر ان کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ بھی پیش کر سکتے ہیں۔ حالانکہ امریکہ میں جہاں جمہوری صدارتی نظام قائم ہے وہاں مقننہ بالواسطہ طور پر انتظامیہ کو کنٹرول نہیں کر پاتی ہے کیوں کہ انتظامیہ وہاں مقننہ کا ممبر ہی نہیں ہوتی۔

4۔ مالیات کا محافظ (Custodian of Finance)

جمہوری نظام میں ملک کے مالیات کا محافظ مقننہ ہوتا ہے۔ ملک میں سال بھر ہونے والے آمدنی وخرچ کا تخمینہ مقننہ میں پیش و پاس کیا جاتا ہے۔ مقننہ کے اجازت کے بغیر انتظامیہ ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کر سکتی اور انتظامیہ پائی پائی کا حساب مقننہ میں ہی پیش کرتی ہے۔ مقننہ کی اجازت کے بغیر ملک میں کسی بھی قسم کا کوئی ٹیکس نہیں لگایا جا سکتا، یعنی کے دوسرے لفظوں میں مالی معاملوں میں مقننہ کو زبردست اختیار و کنٹرول حاصل ہے۔

5۔ عدالت وفرائض (Judicial Functions)

مقننہ کو عدالتی اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔ ہندوستان جیسے دیگر جمہوری ملکوں میں سربراہ مملکت پر مواخذہ کی کاروائی کرنے کا اختیار مقننہ کو ہی حاصل ہے۔ عدالت کے ججوں سمیت دیگر اونچی سطح کے افسران پر کاروائی کا اختیار بھی مقننہ کو ہی ہے۔ مقننہ ان پہ لگے الزامات کی

تحقیقات کرتا ہے اور ان تحقیقات کی بنیاد پر حتمی فیصلہ بھی لیتا ہے۔ انگلینڈ میں وہاں کے ایوان بالا یعنی کہ ہاؤس آف لارڈس کو خصوصی عدالتی اختیار دیے گئے ہیں۔ ہاؤس آف لارڈس کو انگلینڈ میں اپیل سے متعلق سماعت کرنے کا بھی اختیار دیا گیا ہے۔

6۔ انتظامی اختیارات (Executive Functions)

امریکہ جیسے جمہوری صدارتی ملک میں مقننہ کو زبردست انتظامی اختیارات دیے گئے ہیں۔ امریکی صدر وہاں کے ایوان بالا، سینیٹ کے صلاح ومشورہ سے اونچی سطح کے افسران کی تقرری کرتا ہے۔ مقننہ کی رضامندی کے بغیر کوئی بھی معاہدہ روبئہ عمل نہیں ہو سکتا۔ سینیٹ کے منظوری کے بغیر امریکی صدر جنگ کا اعلان نہیں کر سکتا۔ دوسرے لفظوں میں امریکی مقننہ بالخصوص سینیٹ امریکی صدر کے سائے کے طور پر کام کرتا ہے۔

7۔ انتخابی فرائض (Electoral Functions)

کم و بیش دنیا کے تمام ممالک میں مقننہ کو چند انتخابی اختیارات دیے گئے ہیں۔ مثلاً بھارت میں صدر اور نائب صدر کا انتخاب مقننہ کے ذریعے ہی ہوتا ہے۔ امریکہ میں کسی بھی امیدوار کو الیکٹورل کالج میں اکثریت نہ ملنے کی صورت میں ایوان زیریں کو یہ اختیار دیا گیا ہے

9.2.3 دوایوانی مقننہ کی حمایت ومخالفت میں دلیلیں (Arguments for and against the Bicameral Legislature)

آج دنیا میں تقریباً بیشتر ممالک میں دوایوانی مقننہ قائم ہے۔ بلا تفریق طرز نظام ہر ملک کے پارلیامنٹ کے دو ایوان ہیں۔ ہاں دنیا میں چند ایسے ممالک بھی ہیں جہاں ایک ایوانی مقننہ قائم ہے جیسے چین۔ مگر وہاں بھی ایوان سے منسلک مختلف کمیٹیاں دوسری ایوان کے طور پر اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔ لارڈ ایکٹس، جان اسٹوارٹ اور جیفرسن جیسے بہت سارے سیاسی مفکر دوایوانی مقننہ کے حامی ہیں جب کہ مایہ ناز سیاسی مفکر جیسے جیریمی بینتھم، فرنکلین اور لاسکی (Herold Laski) ایک ایوانی مقننہ کی خصوصیات سے متاثر ہیں۔

(A) حمایت میں دلیلیں (Arguments for Bicameralism)

دوایوانی مقننہ کی حمایت میں حسب ذیل دلائل پیش کیے جاسکتے ہیں۔

(1) بہتر قانون سازی (Good Legislation)

دوایوانی مقننہ میں قوانین واضع کرنے کا جو طریقہ کار ہوتا ہے وہ پیچیدہ تو ہوتا ہے مگر بہتر قوانین کی امید کی جاتی ہے۔ کسی بھی مسودے یا بل پر وسیع پیمانے پر بحث ومباحثہ ہوتا ہے۔ جس سے اس بل کے چھوٹے سے چھوٹے نقائص کو دور کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں دوایوانی مقننہ میں جذبات سے مغلوب ہو کر قوانین نہیں بنائے جاتے بلکہ قانون پر تفصیلی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ ایک ایوان میں ہوئے کسی بھی بھول چوک کو دوسرے ایوان میں سدھار لیا جاتا ہے۔ لہازا دوایوانی مقننہ بہتر ہوتی ہے اور منطقی قوانین کی ضمانت ہوتی ہے۔

(2) باہمی توازن (Co-balance)

دو ایوانی مقننہ میں دونوں ایوان ایک دوسرے کو من مانی سے روکتے ہیں۔ بھارت جیسے وسیع جمہوریت میں جہاں کثیر جماعتی نظام قائم ہے۔ یہاں دیکھا گیا ہے کہ ایوان میں اگر ایک سیاسی جماعت کی اکثریت ہے تو دوسرے ایوان میں کسی اور پارٹی کا غلبہ ہے۔ ایسے میں دونوں ایک دوسرے کو باہم لگام لگائے رکھتے ہیں تا کہ کوئی من مانی نہیں کر سکے اور ایسا کوئی قانون نہ بنے جو عوام کے فلاح کے عین خلاف ہو۔

(3) باہمی تعاون (Co-operation)

دو ایوانی مقننہ میں دونوں ایوان ایک دوسرے کو صرف لگام ہی لگا کر نہیں رکھتے بلکہ ایک دوسرے کے معاون بھی ہوتے ہیں کسی بھی بل کو دونوں کی مکمل رضامندی مضبوط جمہوریت کی پہچان ہوتی ہے۔ دو ایوانی مقننہ میں قوانین واضع کرنے کے علاوہ اور بھی بہت سارے ایسے اختیارات ہیں جہاں دونوں ایوان کی باہمی تعاون ملک کی مستقبل کا فیصلہ کرتی ہے، بھارت اور امریکہ جیسے ممالک جہاں دو ایوانی مقننہ قائم ہے دونوں ایوان اختیارات ورتبہ سے بعید ایک دوسرے کو باہم مدد پہنچاتے ہیں جس سے کام کرنے میں سہولت پیدا ہوتی ہے۔

(4) اقلیتوں کی نمائندگی (Minority Representation)

مقننہ میں اقلیتوں کی مناسب نمائنگی کسی بھی ملک کی ترقی کی ضمانت ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک میں جب تک اس کے ہر شعبے، فرقے اور خیالات کے لوگوں کی نمائندگی نہیں ہوتی ہے تب تک بہتر اور فلاحی قوانین کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایک ایوانی مقننہ میں بہت ممکن ہوتا ہے کہ اقلیتی طبقہ سے نمائندگی نہ ہو مگر جہاں دو ایوانی مقننہ قائم ہے وہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر اقلیتوں کی نمائندگی کے لیے مناسب اقدام لیے جاتے ہیں۔

(5) دوہری سیٹ (Double Set)

دو ایوانی مقننہ وفاقی نظام کی روح ہوا کرتی ہے۔ وفاقی نظام میں ہر چیز کم و بیش دو سطحی ہوتا ہے۔ ایسا میں مقننہ کا ایک ایوان پر مشتمل ہوتا ہے۔ وفاقی نظام کے منافی ہے۔ دو ایوانی مقننہ سے وفاق کو تقویت ملتی ہے کیونکہ دو ایوانی مقننہ ہونے سے ایوان زیریں میں عوام کے نمائندے چنے جاتے ہیں۔ جب کہ ایوان بالا میں وفاقی ریاستوں سے ممبران منتخب ہو کر آتے ہیں۔ جب کہ ایک ایوانی مقننہ میں یہ ممکن نہیں۔ امریکہ کے سینیٹ اور بھارت کے راجیہ سبھا کے تمام ممبران صوبوں سے منتخب ہو کر آتے ہیں اور ایوان میں اپنے اپنے اصولوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

(B) مخالفت میں دلیل (Arguments against Bicameralism)

فرینکلن جیسے چند ایسے بھی ماہرین جو ایک ایوان کے حامی ہیں اور دلیل حسب ذیل ہیں۔

(1) غیر ضروری قانون سازی (Unnecessary Legislation)

جس ملک میں دو ایوانی مقننہ قائم ہے وہاں بھی غیر ضروری اور غور و فکر سے بعید قانون سازی ہوتا ہے۔ جماعتی رسہ کشی، واک آوٹ اور شور و غل کی وجہ سے کسی بھی ایوان میں صحیح طریقے سے کام نہیں ہو پاتا ہے۔ دوسری طرف انا کی وجہ سے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش سے بہتر قوانین وضع نہیں ہو پاتے ہیں۔

(2) غیر ضروری تاخیر (Unnecessary Delay)

دو ایوانی مقننہ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ مقننہ کے تعلق سے ہر کام میں دیر ہوتا ہے۔ پارلیمانی طریقہ کار میں پیچیدگی کی وجہ سے ہر وقت کوئی فیصلہ نہیں لیا جاسکتا یا پھر فی الفور کوئی قانون وضع نہیں کیا جاسکتا۔ دوسری طرف کسی بل یا مسودے پر عدم رضامندی کی صورت میں تنازعہ کھڑا ہونے پر قانون سازی میں دیری ہوتی ہے۔ ایسے میں بہت سارے ماہرین کا خیال ہے کہ ایک ایوانی مقننہ میں فیصلہ بروقت لیا جاتا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ عدم رضامندی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

(3) اقلیتی کی نمائندگی-ایک مذاق (Minority Representation- a farce)

دو ایوانی مقننہ میں اقلیتوں کی نمائندگی ایک مذاق ہے۔ ایوان زیریں میں تو اقلیتی طبقہ کے لوگوں کی نمائندگی تو ہونے سے رہی مگر ایوان بالا میں بھی ان کی نمائندگی نہیں ہو پاتی۔ بالخصوص مذہبی طور پر اقلیتی طبقہ کی نمائندگی تو ہوتی نہیں ہے۔ اگر نمائندگی ہوتی بھی ہے تو اس سے خاطر خواہ کچھ فرق نہیں پڑتا۔ وہ صرف آواز ہی بلند کرسکتے ہیں۔ لیکن عملی طور پر کچھ نہیں ہو پاتا ہے جب کہ ملک کا اگر نظام اچھا ہو تو ایک ایوانی مقننہ میں بھی ہر قسم کے اقلیتی طبقے کی نمائندگی ہو سکتی ہے۔

(4) غیر ضروری ایوان (Unnecessary House)

آج کے موجودہ دور میں دوسرا ایوان غیر ضروری ہے۔ دوسرے ایوان سے کام میں رخنہ پڑتا ہے۔ غیر ضروری طور پر پارلیمانی قواعد کا سہارا لے کر مقننہ کا بیش قیمتی وقت برباد ہوتا ہے۔ بھارت کے بیشتر وفاقی ریاستوں میں جو مقننہ ہے وہ ایک ایوانی ہے اور قانون سازی کے ساتھ ساتھ دیگر تمام کام کو بھی بخوبی انجام دیتی ہے۔ اس کے علاوہ دوسرا ایوان سے خرچ میں بے تحاشا اضافہ ہو جاتا ہے۔ پارلیمانی اجلاس میں کروڑوں کا خرچ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ایوان سے جڑے جتنے بھی معاملات ہیں وہ تمام کے تمام خرچیلے ہیں۔

(5) غیر جمہوری ایوان(Undemocratic House)

دوسرا ایوان غیر جمہوری ہے۔ جمہوری اصول و قواعد کے مطابق حکومت کے تمام تر اختیارات عوام کے ہاتھوں میں مرتکز ہوتے ہیں۔ مگر ایوان بالا کی ساخت ایسی ہوتی ہے کہ اس کے ممبران بالوسطہ عوام کے ذریعے منتخب ہو کر نہیں آتے بلکہ یا تو نامزد ہوتے ہیں یا پھر موروثی ہوتے ہیں۔

9.3 عاملہ (The Executive)

انتظامیہ حکومت کا دوسرا شاخ یا عضو ہے جو مقننہ کے بنائے ہوئے قوانین کا نفاذ کرتا ہے۔ قانون کے نفاذ کے معاملے میں ہر وہ شخص چاہے ریاست کا چیف عاملہ ہو یا پھر اونچے اور نچلی سطح کے افسران، عاملہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ وزراء اور افسران عاملہ کے حصے ہوتے ہیں۔ عاملہ کے دو اقسام ہوتے ہیں۔ (1) سیاسی یا غیر مستقل عاملہ (2) غیر سیاسی یا مستقل عاملہ

(1) غیر سیاسی یا مستقل عاملہ (Non-political or Permanent Executive)

عاملہ کی یہ قسم غیر سیاسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ صلاحیت و لیاقت کی بنیاد پر مقابلہ جاتی طریقے سے منتخب ہوتے ہیں۔ یہ مستقل طور

پر چنے جاتے ہیں۔ عوامی انتخابات سے ان کا دور دور کا واسطہ نہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ عوام کے ذریعے منتخب نہیں ہوتے گویا کہ چند برسوں کے لیے ان کا انتخاب نہیں ہوتا اور چونکہ یہ افسران بلاواسطہ طور پر عوام کے ذریعے منتخب نہیں ہوتے اس لیے یہ اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلے میں بالواسطہ طور پر عوام کے تئیں ذمہ دار نہیں ہیں۔ ان افسران کو بیورو کیٹ بھی کہا جاتا ہے۔ سیاسی عاملہ کے ذریعے کیے ہوئے پالیسیوں کو یہ نفاذ کرنے کا کام کرتی ہے۔ بھارت میں آئی اے ایس، آئی پی ایس، آئی ایف ایس ریاستی سول افسران اس زمرے میں آتے ہیں۔

(2) سیاسی یا غیر مستقل عاملہ (Political or Non-permanent Executive)

عاملہ کا یہ قسم سیاسی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مقابلہ جاتی امتحانات کے ذریعے نہیں بلکہ عوام کے ووٹوں سے چن کر آتے ہیں۔ ان کا انتخاب چند برسوں کے لیے ہوتا ہے اور پھر دوبارہ منتخب ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ کسی ملک میں ان کی معیاد چار سال، تو کسی ملک میں پانچ سال اور کسی ملک میں ان کی معیاد سات سال کا ہوتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ عوام کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں اس لیے یہ اپنے کام کے لیے بالواسطہ اور بلاواسطہ طور پر عوام کے تئیں ذمے دار ہوتے ہیں۔ یہ لوگ عموماً مجلس وزراء کے ممبران ہوتے ہیں اور ملک کے لیے پالیسیاں مرتب کرتے ہیں۔ غیر سیاسی عاملہ کے بہت سارے اقسام ہیں جو الگ الگ نام سے جانے جاتے ہیں:

(A) حقیقی اور برائے نام عاملہ (Real and Nominal Executive)

جب عاملہ سے متعلق تمام تر اختیارات اصولی طور پر کسی ایسے شخص کے ہاتھوں میں مرتکز کر دیے جاتے ہیں جو عملاً خود حکومت تو نہیں کرتا مگر اس کے نام پر دیگر لوگ حکومت کرتے ہیں تو ایسے عاملہ کو برائے نام عاملہ کہا جاتا ہے جب کہ اس کے نام پر حکومت کرنے والے عاملہ کو حقیقی عاملہ کہتے ہیں۔ اس زمرے کی بہترین مثال بھارت اور انگلینڈ ہے۔ ہمارے بھارت میں دستور کے ذریعے تمام تر انتظامی اختیارات صدر ہند کے ہاتھوں میں مرتکز کر دیے گئے ہیں۔ مگر حقیقتاً ان اختیارات کا استعمال وزیر اعظم اور ان کی رہنمائی میں کابینہ کرتی ہے۔ اس طرح وزیر اعظم کی رہنمائی میں کابینہ حقیقی عاملہ ہوئی جب کہ صدر ہند برائے نام عاملہ، ٹھیک اسی طرح سے انگلینڈ میں بادشاہ یا رانی برائے نام عاملہ ہے جب کہ حقیقی حکمراں وزیر اعظم ہے۔

(B) واحد اور کثیر عاملہ (Single and Plural Executive)

جب حکومت کے تمام تر اختیارات کسی ایک آدمی کے ہاتھوں میں سونپ دیے جاتے ہیں تو ایسے عاملہ کو واحد عاملہ کہتے ہیں جب کہ عاملہ سے متعلق تمام تر اختیارات جب ایک سے زائد لوگوں کے ہاتھوں میں مرتکز ہو تو ایسی عاملہ کو کثیر عاملہ یا پھر اجتماعی عاملہ کہتے ہیں۔ اٹلی میں موسولینی کی، جرمنی میں ہٹلر کی، تنزانیہ میں جولیئس نائریرے کی اور اسپین میں جنرل فریکو کی آمرانہ حکومت واحد عاملہ کی بہترین مثالیں ہیں۔ ان ممالک میں آمر اپنی طاقت کے زور پر عاملہ کا مالک و مختار تھا۔ تمام تر انتظامی اقدام اسی کے ایما پر لیے جاتے تھے۔ جمہوریت میں بھی واحد عاملہ کا نظیر ملتا ہے۔

(C) منتخب اور موروثی عاملہ (Elected and Hereditary Executive)

تاریخ گواہ ہے کہ جدید سیاسی نظام سے قبل حکمراں کو نامزد کرنے کا رواج قائم تھا۔ یہ رواج موجودہ دور میں بھی قائم ہے۔ موروثی عاملہ اس کی ایک مثال ہے۔ اس طرح کے عاملہ میں حکمراں کو نامزد کیا جاتا ہے۔ حکمراں کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہوتا ہے۔ مثلاً انگلینڈ میں بادشاہت ایک خاندان کے لوگوں کی میراث ہوتی ہے۔ موروثی عاملہ برائے نام ہوتا ہے جب کہ اصل اختیارات کا مالک کوئی اور ہوتا ہے۔ جب کہ منتخب عاملہ موروثی نہیں ہوتا اس کا باضابطہ انتخاب ہوتا ہے۔ یہ انتخاب کہیں بالواسطہ تو کہیں بلاواسطہ ہوتا ہے۔ بھارت کا صدر اس کی مثال ہے۔ صدر ہند کا انتخاب مرکزی وصوبائی مقننہ کے ممبران کے ذریعے ہوتا ہے۔ جو عوام کے ذریعے چن کر آتے ہیں۔

9.3.1 عاملہ کے فرائض (Functions of Executive)

موجودہ دور میں حکومت سے متعلق تمام تر فرائض عاملہ ہی کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ حالانکہ عاملہ کا خاص کام مقننہ کے ذریعے بنائے ہوئے قوانین کو نافذ کرنا ہوتا ہے۔ مگر موجودہ دور میں عاملہ اس دائرے سے نکل کر وسیع فرائض انجام دیتی ہے۔ عاملہ کے فرائض حسب ذیل ہیں۔

(1) قانون کا نفاذ (Implementation of Law)

ریاست کے داخلی معاملے میں سربراہ ہونے کے ناطے عاملہ قوانین کا نفاذ کرتا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے عاملہ کا سربراہ ذیلی افسران کی تقرری، برخاستگی اور نگرانی کرتا ہے۔ حالانکہ بعض ملکوں میں اونچی سطح کے افسران کی تقرری کی توشیق مقننہ سے بھی کرانی پڑتی ہے، بعض ملکوں میں انتخاب کے ذریعے افسران کی تقرری ہوتی ہے۔ ورنہ مقابلہ جاتی طریقہ سے افسران کا انتخاب تو عام ہے۔ قوانین کے نفاذ کے لیے عاملہ آرڈیننس، سرکولر اور مختلف قسم کی ہدایت جاری کرتی ہے۔

(2) دوہری ذمے داری (Double Responsibility)

پارلیمانی نظام میں عاملہ کے ارکان مقننہ کے بھی حصے ہوتے ہیں۔ مجلس وزراء کے سبھی ممبران پارلیامنٹ کے ممبر ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح بیک وقت وہ دو اہم فرائض نبھاتے ہیں۔ قوانین واضع کرنا اور پھر ان قوانین کا نفاذ کرنا، مقننہ کے اجلاس کے طلب، طلبی یا پھر تحلیل میں کہیں نہ کہیں عاملہ کا بھی رول ہوتا ہے۔

(3) عدالتی فرائض (Judicial Function)

مجرموں کی سزا میں تخفیف، تبدیلی یا پھر مکمل معافی اختیار انتظامیہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ جرائم کے تعلق سے قوانین میں سختی کو سدھارنے کا یہ طریقہ مانا جاتا ہے۔ سزا کے اعلان کے بعد نئے شہادت کے آنے کی وجہ سے عاملہ میں سزا میں تندیلی، تخفیف یا پھر معاف کر سکتی ہے۔ چونکہ سزا معاف کرنے کا عاملہ کا یہ اختیار مکمل انسانیت نوازی پر منحصر ہوتا ہے۔ اس لیے عاملہ بغیر کسی گواہ و شہادت کے کسی بھی مجرم کو معاف کر سکتا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں صدر کو سزا معاف کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔

(4) انتظامی فرائض (Executive Function)

عاملہ کا سربراہ عموماً ملک کے ملٹری فورس کا کمانڈر ان چیف ہوتا ہے۔ اس ناطے وہ دفاعی افسران کی تقرری اور برخاستگی بھی کرتا ہے۔ حالانکہ عاملہ جنگ کا اعلان کر سکتا ہے مگر اس کے لیے مقننہ کی منظوری لینی پڑتی ہے کیوں کہ ملک کے مالیات کا محافظ مقننہ ہوتا ہے مگر خارجی امور پر عاملہ کا کنٹرول ہونے کے سبب وہ جنگ کو ناگریز پیش کر کے مقننہ سے آسانی کے ساتھ منظوری لے لیتا ہے۔ جنگ کے دوران عاملہ کے اختیارات میں نمایاں توسیع ہو جاتی ہے۔ وہ عوام کے بنیادی حقوق کو سلب کر سکتا ہے۔

(5) سفارتی فرائض (Diplomatic Function)

سفارت کاری سے متعلق تمام تر اختیارات عاملہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ چونکہ عالمی سطح پر عاملہ کا سربراہ ملک کی نمائندگی کرتا ہے اس لیے وہ جنگ کا اعلان اور امن کا معاہدہ بھی کر سکتا ہے۔ وہ دوسرے ممالک میں سفیروں کی تقرری کرتا ہے اور دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے سفیروں کا خیر مقدم بھی کرتا ہے۔ سفیروں کا خیر مقدم سے مراد متعلقہ ملک کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرنا ہوتا ہے۔ اس لیے یہ اختیار عاملہ کے سربراہ کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ بعض ملکوں میں عاملہ کے ذریعے لیے گئے عالمی نوعیت کے معاہدے کو مقننہ سے توثیق بھی کرانی پڑتی ہے۔ سوئزرلینڈ میں کسی عالمی معاہدے کو عوام کے ذریعے بھی توثیق کرائی جاتی ہے۔

9.4 عدلیہ (The Judiciary)

عدلیہ حکومت کی تیسرا اہم شاخ یا عضو ہے۔ اس کا کام قانون کی تشریح کرنے کے ساتھ ساتھ تنازعوں کا تصفیہ کرنا ہوتا ہے۔ یہ شہری اور شہری کے علاوہ حکومت اور شہریوں کے مابین تنازعوں کا تصفیہ کرتا ہے۔ عہد حاضر میں آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ مستحکم جمہوریت کی علامت ہوتی ہے۔ ابتدائی دور میں لوگ اپنے تنازعوں کے حل کے لیے ہی بادشاہ کی شکل میں عدلیہ قائم تھا۔ آج عدلیہ ہماری آزادی اور ترقی کی ضمانت ہے۔ ہمارے حقوق کے تحفظ کی ذمہ داری عدلیہ کے ہی کاندھوں پے ہوتی ہے اور حکومت کے اولیت کا انحصار عدلیہ پر ہی ہوتا ہے۔

9.4.1 عدلیہ کے فرائض (Functions of Judiciary)

(1) قانون کی تشریح (Interpretation of Laws)

عدلیہ کا پہلا اور اہم کام قانون کی تشریح کرنا ہوتا ہے۔ وفاقی نظام میں حکومت سے متعلق تمام اختیارات ایک فہرست کے ذریعے مرکز اور ریاستوں کے درمیان تقسیم کر دیے جاتے ہیں۔ تقسیم اختیارات سے متعلق کسی بھی قسم کے تنازعوں کا تصفیہ عدلیہ دستور کی وضاحت و تشریح کے ذریعے کرتا ہے۔ امریکہ و بھارت جیسے وفاقی ممالک میں سپریم کورٹ کو اس ضمن میں کافی اختیار حاصل ہے۔ ان ممالک میں سپریم کورٹ کو دستور کا محافظ مانا گیا ہے۔

(2) تنازعوں کا تصفیہ (Settlement of Disputes)

دستور کی وضاحت و تشریح کے علاوہ عام تنازعوں کے حل کی بھی ذمہ داری عدلیہ کے کاندھوں پر ہوتی ہے۔ عام تنازعوں کے تصفیہ کے دوران عدلیہ ملک کے سول اور جرائمی قوانین کی بھی وضاحت اور تشریح کرتا ہے اور ان قوانین کی روشنی میں اپنے فیصلے کا اعلان کرتی ہے۔

(3) عدالتی نظر ثانی (Judicial Review)

موجودہ دور میں بعض ملکوں میں عدلیہ ایک سرگرم رول ادا کر رہی ہے۔ اس ضمن میں عدالتی نظر ثانی عدلیہ کی اہم ذمہ داری مانی جاتی ہے۔ نظر ثانی کرنے کا اس حق کے ذریعے عدلیہ مقننہ کے بنائے ہوئے کسی بھی قانون کی دستوریت و قانونیت کی جانچ کر سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں آیا وہ قانون دستور کے عین مطابق بنائے گئے ہیں کہ نہیں اسے دیکھنے کا اختیار عدلیہ کو حاصل ہوتا ہے۔ ہر قانون جو دستوری نکات کے خلاف بنائے گئے ہیں اسے رد کرنے کا اختیار عدلیہ کو ہے۔ اس حق کی وجہ سے عدلیہ کو دستور کا شارح اور محافظ مانا گیا ہے۔

(4) بطور تیسرا ایوان (As a third Chamber)

بہت سارے ملکوں میں عدلیہ کو مقننہ کے تیسرے ایوان کے طور پر بھی لیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عدلیہ قوانین تو واضع نہیں کرتی مگر اپنے فیصلے سے ایک نئی قانونی نظیر قائم کرتی ہے جو مستقبل میں دیگر قوانین کی طرح اسے بھی بطور حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ چونکہ ججوں کے تیئں یہ ممکن نہیں کہ وہ ہر معاملات کا حل رائج قانون کی روشنی میں ہی کریں یا پھر بہت ایسے بھی معاملات آتے ہیں جن معاملات کے حل کے لیے رائج قانون کافی نہیں ہوتا۔ ایسے میں جج حضرات اپنی عقل و فہم، ضمیر اور فطری انصاف کا سہارا لے کر فیصلہ صادر کرتے ہیں۔ عدلیہ کا فیصلہ قانونی حیثیت رکھتا ہے۔ اس وجہ سے عدلیہ کو مقننہ کا تیسرا ایوان سمجھا جاتا ہے۔

(5) حقوق کی حفاظت (Protection of Rights)

جمہوری نظام میں شہریوں کو دستور کے ذریعے چند بنیادی حقوق دیے جاتے ہیں۔ ان حقوق کی تحفظ کی ذمہ داری عدلیہ کی ہوتی ہے۔ اگر عاملہ یا مقننہ شہریوں کے ان حقوق کو سلب کرنے کی کوشش کرتی ہے تو عدلیہ ان حقوق کی بحالی کے لیے خاطر خواہ قدم اٹھاتا ہے۔ بھارت اور امریکہ میں سپریم کورٹ کو اس ضمن میں وسیع اختیارات ہیں۔

(6) مشاورتی فرائض (Advisory Duties)

بہت سارے ملکوں میں عدلیہ عاملہ کو مشورہ دینے کا بھی کام کرتی ہے۔ بھارت میں بھی دستور کے ذریعے سپریم کورٹ کو یہ ذمہ داری دی گئی ہے کہ صدر کے طلب پر عوامی اہمیت کے حامل کسی معاملے پر انہیں بیش قیمتی مشورہ دے۔ قانونی نوعیت کے کسی بھی معاملے پر عاملہ عدلیہ سے رائے طلب کر سکتا ہے اور عدلیہ کی یہ دستوری ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ مشورہ دے۔ عصر حاضر میں عدلیہ کے وسیع اختیارات و فرائض کا ہم گمان بھی نہیں کر سکتے۔ عدلیہ جس مستعدی سے اپنا فرائض نبھا رہی ہے۔

9.4.2 عدلیہ کی آزدی (Independence of Judiciary)

شہری آزادی اور مستحکم جمہوریت کے لیے آزاد عدلیہ کا قیام لازمی ہوتا ہے۔ آزاد عدلیہ ہماری ترقی کی ضمانت ہوتی ہے۔ حالانکہ عدلیہ کا کام

قوانین کی تشریح ووضاحت کرنا ہوتا ہے۔ انصاف کی بحالی اس کا اولین فریضہ ہے۔ مگر ان سب کی توقع بیکار ہے اگر عدلیہ غیر جانبدار اور آزاد نہ ہو۔ لارڈ برائس کے مطابق عدلیہ بہترین حکومت کی شرط ہوتی ہے۔ شہریوں کے حقوق کا تحفظ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک عدلیہ آزاد اور غیر جانبدار نہ ہو۔ عدلیہ کی آزادی اور غیر جانبداری کا انحصار مندرجہ ذیل عوامل پر ہے۔

(1) ججوں کی تقرری (Appointment of Judges)

عدلیہ کے غیر جانبداری کے سمت میں پہلی شرط ہے کہ ججوں کی تقرری صحیح ڈھنگ سے کی جائے۔ الگ الگ ملکوں میں ججوں کی تقرری الگ ہیں۔ مگر بیشتر ملکوں میں ججوں کی تقرری عاملہ کے ذریعے ہوتی ہے۔ ججوں کے انتخاب میں عاملہ اگر دانشمندی کا مظاہرہ کرے تو انصاف کی بحالی اور عدالت کے عظمت میں بڑھاوا ملے گا۔ ہمارے بھارت میں ججوں کی تقرری ان کی صلاحیت اور کام کرنے کے تجربے کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ سینئریٹی کے بنیاد پر ججوں کا انتخاب ہونے سے کسی کے اندر بھی ناخوشی کا مادہ نہیں ملتا۔ سوئزرلینڈ میں ججوں کی تقرری وہاں کی مقننہ کرتی ہے۔ ایسے نظام میں اس بات کا ہر ممکن خدشہ رہتا ہے کہ اکثریتی جماعت سیاسی نقطہ نگاہ سے کسی ایسے فرد کی تقرری کر دیتا ہے جو اس کام کے لیے اہل نہیں ہے

(2) ججوں کی معیاد (Terms of Judges)

دوسری شرط ہے۔ عدلیہ کی آزادی و غیر جانبداری کا انحصار بہت حد تک ججوں کی تقرری کے معیاد پر ہوتا ہے۔ جج حضرات کی تقرری اگر غیر مستقل معیاد کے لیے ہوتا ہے تو ایسے میں وہ اپنے اختیارات ورتبے کا غلط استعمال کر سکتے ہیں۔ نتیجتاً عدلیہ بدعنوانی کا شکار ہو سکتی ہے۔ اس لیے ججوں کی تقرری ایک لمبی مدت کے لیے ہونی چاہیے۔

(3) ججوں کی برطرفی (Removal of Judges)

ججوں کی برطرفی کا تعلق بھی عدلیہ کی آزادی اور غیر جانبداری سے ہے۔ کوئی بھی شخص اس وقت تک صحیح ڈھنگ سے اپنا کام انجام نہیں دے سکتا جب تک اس کے کام کی سلامتی کو یقینی نہ بنایا جائے۔ اگر ججوں کے گردن پر برطرفی کی تلوار ہر وقت لٹکتی رہے تو بہت ممکن ہے کہ وہ اپنا کام صحیح ڈھنگ اور مستعدی سے نہ کر پائے۔ امریکہ و بھارت جیسے جمہوری ملکوں میں عدلیہ کو بآسانی برطرف نہیں کیا جا سکتا۔ انہیں ہٹانے کے لیے مناسب جواز کے ساتھ مقننہ کے اکثریتی ووٹ کی ضرورت پڑتی ہے۔

(4) قابلیت(Capability)

ججوں کی ایمانداری، لیاقت اور جوانمردی بھی بہت حد تک عدلیہ کی آزادی اور غیر جانبداری پر اثر ڈالتا ہے۔ ایک ایماندار اور ماہر قانون ہی عدلیہ کے عظمت کو بحال رکھ سکتا ہے۔ اس لیے ججوں کے انتخاب میں احتیاط برتنی چاہیے۔

(5) تنخواہ (Salary)

بہت سارے ماہرین کا یہ خیال ہے کہ ججوں کو معقول و مناسب تنخواہ ملنی چاہیے جس سے وہ غیر طرفدارانہ طریقے سے کام کر پائے۔ کم تنخواہ بدعنوانی کی علامت ہے۔ تنخواہ جاذب ہونے سے باصلاحیت لوگ پیشے سے جڑتے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ

ججوں کو ان کے عہد ملازمت کے دوران ان کی تنخواہ میں کسی قسم کی کوئی کٹوتی یا تخفیف نہیں ہونا چاہیے۔

(6) آزاد اور غیر جانبدار (Free and Netural)

آزاد اور غیر جانبدارانہ عدلیہ کی سب سے اہم شرط ہے کہ یہ ادارہ سیاست سے پاک ہو اور اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عاملہ اور مقننہ کے دباؤ میں کام نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض ملکوں میں اختیارات کے علاحدگی کے اصول پر عمل کیا جاتا ہے۔ اس اصول کے تحت حکومت کے تینوں شاخیں ایک دوسرے کے کاموں میں مداخلت کیے بغیر اپنے اپنے دائرے میں رہ کر آزادانہ و غیر جانبدارانہ طریقے سے کام کرتی ہے۔ ہمارے بھارت میں عدلیہ حکومت کے دیگر شاخوں سے آزاد ہو کر کام کرتی ہے۔ جب کہ امریکہ میں حکومت کے تینوں شاخیں مکمل علاحدہ ہے۔

9.4.3 اختیار کی علاحدگی (Separation of Power)

اختیار کی علاحدگی کا نظریہ سب سے پہلے باضابطہ طور پر فرانس کے سیاسی مفکر مانٹسکو نے پیش کیا تھا۔ اس نے اپنی شہرہ آفاق کتاب اسپرٹ آف لاز جو 1748 میں شائع ہوئی تھی اس میں اس نظریئے کا تذکرہ کیا۔ مانٹسکو کے اس نظریئے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ امریکی دستور اساسی پر اس کا گہرا اثر ہے۔ حکومت کے تین شاخیں ہیں: مقننہ، عاملہ اور عدلیہ۔ مقننہ کا کام قوانین وضع کرنا ہوتا ہے اور عاملہ کا کام ان قوانین کا نفاذ کرنا ہوتا ہے جب کہ عدلیہ ان قوانین کی وضاحت و تشریح کرتی ہے۔ مانٹسکو کے اس نظریئے کے مطابق حکومت کے یہ تینوں شاخیں ایک دوسرے سے آزاد رہیں، کوئی بھی شاخ کسی دوسرے شاخ کے کام میں مداخلت نہیں کرے گا اور ایک ہی آدمی یا گروہ ایک سے زائد شاخ کے ساتھ جڑا ہوا نہیں ہوگا۔

9.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں حکومت کے مختلف شاخیں" کے سارے پہلو پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، طالب علم، اس اکائی کے مطالعے کے بعد تمام طرح کے سوالات وسکوک کو اپنے ذہن ودماغ سے سمجھ لیں گے اور منتخب پہلوؤں پر جس طرح کا بھی سوالات پیدا ہوں گے وہ ان کے جواب دینے کا قابل ہو چکے۔
- اس اکائی کے ذریعہ "تعارف: حکومت کے مختلف شاخیں"، جس میں اس سے متعلق سارے پہلویوں کو اس طرح بیان اور واضع کر دیا گیا ہے کہ "تعارف: حکومت کے مختلف شاخیں" کو اچھے سے جان گئے ہیں۔
- حکومت کی یہ تینوں شاخیں ایک دوسرے سے بہت قریب سے متعلق ہیں، چونکہ مقننہ قانون بناتا ہے، اس لیے عاملہ نے ان پر عمل در آمد کیا اور عدلیہ ان کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس کو بھی طلبا اس اکائی میں واقف ہو گئے۔
- مقننہ، عاملہ اور ودلیہ کے سبھی پہلو کو اس اکائی کے ذریعہ طلبا حکومت کی تینوں ساخوں کو سمجھنے کے اہل ہو گئے۔
- اس اکائی میں طلبانے عدلیہ اور اس سے متعلق سبھی پہلو جیسے اس کی آزادی، فرائض اور عدلیہ کی نظر ثانی کو بھی بخوبی سمجھا۔

9.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

- براہ راست قانون سازی : براہ راست قانون سازی کا مطلب ہے ملک کے قوانین کی تشکیل میں لوگوں کا حصہ لینا
- واحد عاملہ : جب حکومت کے تمام تر اختیارات کسی ایک آدمی کے ہاتھوں میں سونپ دیے جاتے ہیں
- قانون کی حکمرانی : قانون کی نظر میں افراد چھوٹے بڑے، امیر غریب، حاکم محکوم سبھی برابر ہیں
- سول سروس : سول سروس جدید ریاست میں مستقل عاملہ کی تشکیل کرتی ہے۔

9.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

9.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ اختیارات کی علاحدگی کا نظریہ کس مفکر نے پیش کیا تھا؟

(a) مل (b) لاک (c) ہابس (d) مانٹسکیو

2۔ واحد عاملہ کی بہترین مثال کون ہے؟

(a) جرمنی کا ہٹلر (b) امریکہ کا صدر (c) برطانیہ کا وزیر اعظم (d) بھارت کا وزیر اعظم

3۔ اپیلٹ کے اختیارات کس کے پاس ہوتے ہیں؟

(a) سینیٹ (b) لوک سبھا (c) ہاوس آف کامن (d) ہاوس آف لارڈس

4۔ مندرجہ ذیل میں مستقل عاملہ کون ہیں؟

(a) بوروکریٹس (b) ایم ایل اے (c) وزراء (d) ایم پی

5۔ کون سا ملک کثیر عاملہ کا اچھا مثال ہے؟

(a) سویٹزرلینڈ (b) امریکہ (c) برطانیہ (d) بھارت

6۔ ایک ایوانی مقننہ کا وکیل کون ہے؟

(a) سیلے (b) بینتھم (c) لاسکی (d) جے ایس مل

7۔ دو ایوانی مقننہ کا وکیل کون ہے؟

(a) جے ایس مل (b) سیلے (c) بینتھم (d) گرین

8۔ کس ملک میں برائے نام عاملہ کی مثال ملتی ہے؟

(a) امریکن صدر (b) ہندوستانی صدر (c) ہندوستانی وزیر اعظم (d) برطانیہ وزیر اعظم

9۔ امریکن کانگریس کے ایوان بالا کو کیا کہا جاتا ہے؟

(a) ہاوس آف ریپریزنٹیٹو (b) ہاوس آف لارڈس (c) سینیٹ (d) ہاوس آف کامن

10۔ اختیارات کو علاحدہ کرنے کی پالیسی کس ملک نے نافذ کی ہے؟

(a) سوئٹزرلینڈ (b) امریکہ (c) برطانیہ (d) بھارت

9.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ مقننہ کے کسی ایک اہم کار پر تبادلہ خیال کریں۔

2۔ برطانیہ کی سپریم اپیلٹ کورٹ پر ایک نوٹ لکھیے۔

3۔ مستقل عاملہ (عاملہ) سے آپ کا کیا مطلب ہے؟

4۔ آزاد عدلیہ کی آزادی کیوں ضروری ہے؟ بحث کیجیے۔

5۔ اختیارات کی علاحدگی سے کیا مُراد ہے اس نظریہ کو کس نے پیش کیا؟

9.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ عدلیہ کے فرائض پر روشنی ڈالیے۔

2۔ دوایوانی مقننہ کی حمایت و مخالفت میں دلیلیں کو تفصیل سے بیان کیجیے۔

3۔ عاملہ کے فرائض پر غور و فکر کریں۔

9.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. O.P. Gauba, (2017) An Introduction to Political Theory, N P H, New Delhi,
2. Amal Ray and Mohit Bhattacharya, (2005) Political Theory: Ideas and Institutions, The World Press Pvt. Ltd., Kolkata.
3. S. Meyani, (1961) Political Science for Law Students, Allahabad Law Agency, Allahabad.
4. A.C. Kapoor, (1950) Principles of Politcal Science, S. Chand Pub. House, New Delhi.
5. V.D. Mahajan, (2010) Political Theory, S. Chand Publishing House, New Delhi.

اکائی 10۔ مقننہ

(Legislature)

اکائی کے اجزا

10.0	تمہید
10.1	مقاصد
10.2	مقننہ کی ساخت
10.3	مقننہ کے فرائض
10.4	مقننہ کا انتخاب
10.5	اکتسابی نتائج
10.6	کلیدی الفاظ
10.7	نمونہ امتحانی سوالات
10.8	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

10.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم مقننہ کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔ مقننہ حکومت کی ایک اہم جز ہے۔

لفظ مقننہ اس ادارے کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کے ذمہ سماج حکومت اور ملک کے لیے قانون سازی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ قدیم دور میں شاہی حکومتیں ہوا کرتی تھی اور بادشاہ کا اشارہ فرمان یا حکم قانون کہلاتا تھا۔ لیکن آج جمہوری دور حکومت میں حکومت عوام کی عوام سے اور عوام کے لیے ہوتی ہے جہاں عوام کے منتخب نمائیندے حکومت تشکیل دیتے ہیں۔ جھوری نظام حکومت کی تین شاخیں ہوتی ہیں (1)مقننہ (2)عاملہ اور عدلیہ۔ مقننہ حکومت کی وہ شاخ ہے جس کے ذمہ روز مرّہ امور کے لیے دستور کے مطابق قانون سازی کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ مقننہ کی ابتداء 1295ء میں برطانوی حکمران ایڈورڈ لاویل کے دور میں سماج کے مختلف طبقات پر مشتمل ایک ماڈل پارلیمنٹ تشکیل سے ہوئی تھی۔ بعد میں اسے ذہین افراد کی کونسل کا نام دیا گیا جسے حکمران وقتاً فوقتاً عوام سے محصول وصول کرنے کی اجازت لینے کے لیے اسے طلب کرنا تھا۔ بعد میں اسے گریٹ نیشنل کونسل کا نام دیا گیا۔ جو بعد میں پارلیمنٹ کہلایا۔

10.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد طلبا اس قابل ہو جائیں گے:

- حکومت کی مندرجہ بالا تین شاخوں میں مقننہ کو اولیت حاصل ہے یہی وہ ادارہ ہے جس کے ذریعے پارلیمانی نظام حکومت میں حکومت سازی کے ساتھ ساتھ حکومت پر نگرانی و کنٹرول بھی رکھتا ہے۔
- لیکن مقننہ کا سب سے اہم کام روز مرّہ قانون سازی' پرانے قواعد میں ردوبدل اور دستور میں ترمیم کرنا بھی ہے۔ اس اکائی میں آپ مقننہ کی نوعیت فرائض اور مقننہ کی اہمیت کے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔
- اس کے علاوہ اس اکائی میں طلبا مقننہ کے انتخاب اور مقننہ کے زوال پر کو بھی جانیں گے۔

10.2 مقننہ کی ساخت (Structure of Legislature)

جہاں مقننہ کا ایک ہی ایوان ہوتا ہے تو اسے ایک ایوانی مقننہ کہتے ہیں ایک ہی ایوان قانون سازی کرتا ہے۔ وہی حکومت پر نگرانی بھی رکھتا ہے۔ اس کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس کے اراکین راست عوام سے منتخبہ ہوتے ہیں ایک ایوان مقننہ سے تیز رفتار قانون سازی ہوتی ہے۔ دو ایوان کی موجودگی میں قانون ایک ایوان سے دوسرے ایوان کو منتقل ہوتا ہے اور اگر دوسرا ایوان اس قانون سازی سے اتفاق نہ کرے تو قانون سازی کا عمل خطرہ میں پڑجاتا ہے۔ اس لیے دو ایوان مقننہ کو قانون سازی میں ہونے والے دیری کی وجہ سے دنیا کے اکثر ممالک کہ علاوہ ہندوستان کی زیادہ تر ریاستوں میں ایک ایوانی مقننہ ہی رائج ہے ذیل میں ہم ایک ایوانی مقننہ کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر ڈالیں گے۔

10.2.1 ایک ایوانی مقننہ (Single Legislature)

ساری دنیا میں مقننہ کی دو ساختیں ہیں ایک ایوانی مقننہ اور دو ایوانی مقننہ

ایک ایوانی مقننہ کی خوبیاں (Merits of Single Legislature)

ایک ایوانی مقننہ کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں:

- یہ اپنی شکل اور تنظیم میں سادہ ہونے کی وجہ سے پیچیدہ نہیں ہوتی تمام اراکین عوام سے راست منتخب ہوتے ہیں۔ اس لیے یہ کم خرچیلی ہوتی ہے۔
- ایک ایوانی مقننہ میں قانون سازی میں دیری نہیں ہوتی اور واحد ایوانی ہونے کی وجہ سے اراکین احتیاط اور زیادہ غور وخوص کے ذریعے قانون سازی کرتے ہیں۔
- ایک ایوانی مقننہ میں انقلابی قانون سازی ممکن ہوتی ہے چونکہ ایک ایوانی مقننہ روایتوں پر نہیں چلتی بلکہ سماجی ضرورتوں اور تقاضوں کی اسر ہوتی۔
- ایک ایوانی مقننہ کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ایک ایوان عاملہ پر موثر نگرانی رکھ سکتا ہے چونکہ عاملہ کو دوسرے ایوان کی تائید یا سہارا نہیں ہوتا۔ دو ایوانی مقننہ میں دو ایوانوں کے درمیان عدم اتفاق کا فائدہ عاملہ اُٹھاتی ہے اور وہ مطلق العنان رویہ اپنا سکتی ہے۔ اس کی واضح مثال امریکی صدر بل کلنٹن کے خلاف کانگریس میں تحریک مواخذہ ہے۔ صدر کے خلاف ایوان زیریں (ایوان نمایندگان) میں تو تحریک مواخذہ کامیاب ہوئی لیکن ایوان بالا (سینیٹ) میں اُسے شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ اس طرح دو ایوانی مقننہ نہ تو عاملہ پر موئثر کنٹرول رکھ سکتی ہے اور نہ ہی موثر قانون سازی کر سکتی ہے۔

ایک ایوانی مقننہ کی خامیاں (Demerits of Single Legislature)

- ایک ایوان پر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ ایک ایوانی اپنی من مانی یا مطلق انعانی چلاتا ہے چونکہ اس پر نگرانی رکھنے کے لیے کوئی دوسرا ایوان نہیں ہوتا۔
- ایک ایوانی مقننہ پر یہ تنقید کی جاتی ہے کہ ایک واحد ایوان ہمیشہ حکمران جماعت کے دباؤ میں کام کرتا ہے بہتر حکمرانی قائم نہیں ہو سکتی بلکہ حکمرانی مطلق العنان ہو جاتی۔ ایک ایوان جو چاہتا ہے قانون سازی کر سکتا ہے اور اس پر روک لگانے و توازن میں لانے کے لیے کوئی دوسرا ایوان نہیں ہوتا۔
- ایک ایوانی مقننہ میں قانون سازی ہوش کی جگہ جوش سے کی جاتی ہے جس کی وجہ سے قانون سازی میں خامیاں پائی جاتی ہیں چونکہ قانون سازی موقتی جذبات کے تحت کی جاتی ہے اور دوبارہ غور وخوص کا کوئی امکان ہی نہیں رہتا۔

10.2.2 دوایوانی مقننہ (Bicameral Legislature)

ایسی مقننہ جہاں مقننہ کے دو ایوان ہوتے ہیں کو دو ایوانی مقننہ کہتے ہیں اس کا آغاز برطانیہ سے ہوا تھا جہاں ایوان زیریں کو دارالعلوم (House of the People) اور ایوان بالا کو دارالامرائ (House of Lords) کہا جاتا ہے۔ دنیا کے زیادہ تر ممالک میں دو ایوانی مقننہ ہی ہے۔ ہندوستان کے علاوہ آسٹریلیا' آسٹریا' بلجیم' برازیل' کینیڈا' جرمن' ملیشیا' میکسیکو' نیپال' پاکستان' روس' سویزرلینڈ' نائجیریا اور امریکہ میں دو ایوانی مقننہ ہے۔

تمام ملک میں ایوان زیریں عوام کا نمائندہ اور راست منتخبہ ادارہ ہوتا ہے اسی لیے ان کے اختیارات ایوان بالا سے زیادہ ہوتے ہیں۔ خصوصاً حکومت پر نگرانی اور کنٹرول و مالی معاملات میں ایوان زیریں کا اختیار قطعی اور ایوان بالا سے زیادہ ہوتا ہے۔ پارلیمانی حکومتوں میں ایوان زیریں تحریک عدم اعتماد کے ذریعے حکومت وقت کو بے دخل کر سکتا ہے۔ ایوان بالا قانون سازی کے عمل میں اگرچہ کہ ایوان زیریں کے مساوی اختیارات رکھتا ہے اس کے باوجود ایوان بالا ایوان زیریں کی منظورہ قانون سازی میں رکاوٹ یا دیری تو پیدا کر سکتا ہے لیکن مکمل طور پر مسترد نہیں کر سکتا۔ ہندوستان اور آسٹریلیہ میں دو ایوانوں کے درمیان اختلافات کی صورت میں مشترکہ اجلاس کے انعقاد کا طریقہ دستور میں رکھا گیا ہے۔ دوسرے معنوں میں مالی معاملات، حکومت پر نگرانی کے علاوہ قانون سازی کے معاملات میں بھی ایوان زیریں کو فوقیت و اختیار حاصل ہے اور ایوان بالا کی حیثیت محض انگشت ششم کی رہ جاتی ہے۔ اس لیے ایک ایوانی مقننہ کے حامی مصنفین ایوان بالا کو غیر ضروری و لنگڑا ایوان قرار دے کر اُسے مسترد کرتے ہیں۔ ہندوستان کی ریاست آندھراپردیش میں تیلگو دیشم دور حکومت میں 1984 میں چیف منسٹر این۔ ٹی۔ راماراو نے ایوان بالا (ودھان پریشد / قانون ساز کونسل) کو سفید ہاتھی قرار دے کر اس کی برخاستگی کے لیے قانون ساز اسمبلی سے سفارشی قرار داد کے ذریعے اُسے ختم کر دیا تھا۔ جب کہ 2004 میں کانگریس حکومت نے ایوان بالا کے احیا کے لیے اسمبلی میں قرارداد منظور کی ہے جس کے نتیجے میں 2005 میں آندھراپردیش میں ایوان بالا کا قیام دوبارہ عمل میں آیا۔

دو ایوانی مقننہ کی خوبیاں (Merits of Bicameral Legislature)

1. دو ایوانی مقننہ کو ایک ایوانی مقننہ کی جانب سے کی جانے والی جلد بازی کی قانون سازی پر ایک ضروری روک کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ پہلے ایوان میں کی جانے والی جلد بازی کی قانون سازی پر دوسرے ایوان میں ٹھنڈے دل سے غور و فکر کے بعد پاک صاف قانون سازی کا موقع ملتا ہے۔ دوسرا ایوان دراصل لارڈ ٹیکٹس کے الفاظ میں پہلے ایوان کی مطلق العنان کو ختم کر کے آزادیوں کا تحفظ کرتا ہے۔
2. ایک ایوانی مقننہ کے نتیجے میں اس ایوان پر پڑنے والے قانون سازی کے بوجھ کو دوسرا ایوان ختم کرتا ہے۔ قانون سازی کا عمل ویسے تو کسی بھی ایوان میں شروع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن عموماً دو ایوان میں سے جو ایوان زیریں ہوتا اس سے قانون سازی کا آغاز ہوتا۔ اس ایوان کی منظوری کے بعد دوسرے ایوان بالا میں اس قانون پر از میر نو غور کرتے ہوئے پہلی قانون سازی کی خامیوں کو دور کیا جاتا ہے۔ گویا دونوں ایوان ایک دوسرے کی تکمیل کے طور پر قانون سازی میں حصہ داری نبھاتے ہیں۔

3. دو ایوانی مقننہ میں زیریں ایوان راست عوام کا منتخبہ ہوتا ہے جب کہ دوسرا ایوان سماج کے مختلف طبقات کی نمائندگی کرتا ہے۔ جیسے برطانیہ میں دوسرا ایوان دارالامرائ شاہی اور امرائی کی نمائندگی کرتا ہے تو امریکہ میں اور ہندوستان میں ایوان بالا سینٹ اور راجیہ سبھا وفاقی ریاستوں کی نمائندگی کرتا ہے ہندوستان کی راجیہ سبھا میں صدر ہند ادب، فنون، آرٹ، سائنس اور سماجی خدمات کے شعبہ سے تعلق رکھنے والے بارہ نمائندوں کو نامزد کرتا ہے۔ اس طرح ایوان بالا میں خصوصی مفادات اور صلاحیت کے حامل سنجیدہ افراد کی رکنیت ہوتی ہے اس لیے اسے ایوان بزرگان بھی کہا جاتا ہے۔

4. دو ایوانی مقننہ وفاقی مملکتوں کے لیے لازمی ضرورت ہے۔ ایوان زیریں جہاں قوم کا نمائندہ ہوتا ہے وہیں دوسرا ایوان، ایوان بالا وفاقی کی اکائیوں ریاستوں کی نمائندگی کرتا ہے امریکہ کے ایوان بالا جسے سینٹ (Senate) کہا جاتا ہے میں تمام ریاستوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہے تمام امریکی ریاستیں دو دو نمائندوں کو بھیجتی ہیں جب کہ ہندوستانی پارلیمنٹ کے ایوان بالا راجیہ سبھا میں ریاستوں کی نمائندگی ان کی آبادی کے تناسب سے ہوتی ہے ۔ بہر حال وفاقی کی اکائیوں کے مفادات کے تحفظ کے لیے دوسرا ایوان ضروری ہے۔

5. دو ایوانی مقننہ کا ایوان بالا نا قابل تحلیل ہوتا جب کہ ایوان زیریں سیاسی اتھل پتھل کے نتیجے میں اپنی معیاد کے اختتام سے قبل ہی تحلیل ہو سکتا ہے۔ ایسے میں ایوان بالا ہنگامہ حالات میں ضرورت کے مطابق اپنے اجلاس کو طلب کرتے ہوئے قانونی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے ہمہ وقت موجود رہتا ہے اس طرح دوسرا ایوان قانون سازی کے تسلسل کو باقی رکھتا ہے۔ دوسرے ایوان کی اس خصوصیت کی وجہ ہے سترھویں صدی کے وسط میں برطانیہ میں دوسرے ایوان، ایوان بالا کی تخلیق کی گئی تھی۔ اسی طرح امریکہ میں بھی 1777 سے 1787 کے درمیان ایوان بالا کا قیام عمل میں لایا گیا۔

6. چونکہ دوسرا ایوان مستقل ہوتا ہے اس لیے اس کے اراکین سیاسی مصلحت سے بالاتر ہو کر قانون سازی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ بالاتر ہو کر قانون سازی کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایوان زیریں کی رکنیت کے یہ عمر کی حد کم اور بالا کے لیے عمر کی حد زائد ہوتی ہے جیسے ہندوستان میں ایوان زیریں لوک سبھا کی رکنیت کے لیے یہ عمر کی حد 25 سال ہے تو ایوان بالا راجیہ سبھا کے لیے یہ عمر کی حد 30 سال ہے اسی طرح ایوان زیریں کی معیاد 5 سال ہے تو ایوان بالا مستقل ایوان ہے جس کے اراکین چھ سال کی معیاد (Tenure) کے بعد سبکدوش ہوتے ہیں۔

دو ایوان مقننہ کی خامیاں (Demerits of Bicameral Legislature)

ایک ایوانی مقننہ کے حامی دو ایوانی مقننہ کی حسب ذیل خامیاں بتاتے ہیں:

1. دو ایوانی مقننہ کے مخالفین کے مطابق دو ایوانی مقننہ چھٹی انگلی کی طرح ہے جو کسی کام کی نہیں ہوتی اس لیے یہ دوسرا ایوان غیر ضروری اور بے کار ہوتا ہے چونکہ اسے حقیقی اختیارات ہی نہیں ہوتے جہاں دو ایوان ہوتے ہیں وہاں پر حقیقی اختیارات ایوان زیریں کو ہی ہوتے ہیں جس ایوان بالا کو نہ تو مالی اختیارات ہوتے ہیں اور وہ حکومت کو اقتدار سے بے دخل نہیں کر سکتا ۔ دونوں

ایوانوں میں طاقتور ایوان، ایوانِ زیریں ہوتا ہے چونکہ ایوان زیریں عوام سے راست منتخب ہوتا ہے۔

2. دوسرے یہ کہ ایوان بالا قانون سازی میں ایک رکاوٹ ہوتا ہے اکثر یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایوان بالا زیریں ایوان کی قانون سازی کو ہی رد کر دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایوان زیریں کہ ساری محنت رائیگاں جاتی ہے۔

3. چونکہ ایوان بالا کو مالی اختیارات اور حکومت کو بے دخلی کا اختیار ہی نہیں ہوتا ہے تو ایسے ایوان کی ضرورت ہی کیا ہے۔

4. دوسرے ایوان کو غیر ضروری اور فضول سمجھا تا ہے بلکہ یہ ایوان حکومت کے خزانہ پر ایک بھاری بوجھ ہوتا ہے اکثر ماہرین اس کو سفید ہاتھی کی طرح قرار دیتے ہیں جس کی رکھ رکھاو پر بھاری خرچ آتا ہے۔

5. چونکہ ایوان بالا کی کوئی نمائندہ حیثیت ہی نہیں ہوتی، اس کے فیصلہ نہ تو رائے عامہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بلکہ اس ایوان کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ ایوان عوام کے مسترد سے استدانوں کے لیے فراہمی روزگار کا ذریعہ بنتا ہے جس سے حکومت کے خزانہ پر بھاری بوجھ عائید ہوتا ہے۔ اس میں نامزد اراکین بھی ہوتے ہیں جو حکومت کے پسندیدہ افراد ہوتے ہیں۔

6. ایوان بالا کی تشکیل کی نوعیت ہر جگہ یکساں نہیں ہے، جب کے ایوان زیریں ہر جگہ یکساں طور پر عوامی منتخبہ ایوان ہوتا ہے۔ برطانیہ میں ایوان بالا دارلامرا کی بنیاد وراثتی ہے۔ کنیڈا میں ایوان بالا کے تمام اراکین گورنر جنرل کے نامزدہ ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں راجیہ سبھا کے اراکین بالراست منتخبہ اور کچھ صدر کے نامزدہ ہوتے ہیں۔ امریکی سینیٹ میں ہر ریاست سے دو اراکین راست منتخبہ ہو کر آتے ہیں۔ آسٹریلیا میں بھی ایوان بالا (سینیٹ) کے اراکین راست انتخاب میں چنے جاتے ہیں۔

شکل مقننہ کی ساخت

ایک ایوانی دو ایوانی

نشان سلسلہ	نام ملک	نام پارلیمنٹ	ایوان زیریں	ایوان بالا
1۔	برطانیہ	پارلیمنٹ	دارلعلاوم	دارلامراء
2۔	ہندوستان	سنسد	لوک سبھا	راجیہ سبھا
3۔	ریاس برائے امریکہ	کانگریس	ایوان نمائندگان	سینیٹ
4۔	پاکستان	قومی اسمبلی	وفاقی اسمبلی	سینیٹ
5۔	سوئیزلینڈ	فیڈرل اسمبلی	فیڈرل اسبلی	کونسل آف اسٹیٹ
6۔	فرانس	پارلیمان	قومی اسمبلی	سینیٹ
7۔	جاپان	ڈائیٹ	ایوان نمائندگان	ایوان کونسلران
8۔	روس	ڈیوما	وفاقی اسمبلی	وفاقی کونسل
9۔	نیدرلینڈ	اسٹیٹس جنرل	ایوان نمائندگان	سینیٹ
10۔	بلجیم	وفاقی پارلیمنٹ	ایوان نمائندگان	سینیٹ

10.3 مقننہ کے فرائض (Functions of the Legislature)

مقننہ کے فرائض ہر ملک میں یکساں نہیں ہوتے بلکہ اس کا تعلق ملک کے طرز حکومت اور دستوری نظام وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے۔ عموماً پارلیمانی طرز حکومت میں مقننہ عاملہ پر نگرانی اور قابو رکھتی ہے۔ لیکن یہی بات صدارتی حکومت میں نہیں پائی جاتی۔ مقننہ کے مجموعی فرائض واختیارات کو ہم ذیل کی سرخیوں میں دیکھتے ہیں۔

10.3.1 قانون سازی کے فرائض (Legislative Functions)

مقننہ کا پہلا اور بنیادی فرض قانون سازی ہے۔ قانون سازی کے عمل میں صرف قانون بنانا ہی نہیں ہوتا ہے بلکہ پرانے قوانین کو ختم کرنا یا ان میں ترمیم یا تبدیلیاں لانا بھی شامل ہے۔ آج دنیا کے زیادہ تر مقننہ کے عوامی منتخبہ نوعیت کی حامل ہیں۔ مقننہ کے اجلاس ایک مقررہ وقت اور ایک مقررہ معیاد کے لیے وقفہ وقفہ سے منعقد ہوتے ہیں۔ ان اجلاسوں میں ملک کے تقاضوں کے مطابق قانون سازی کا عمل ہوتا ہے۔ پارلیمانی جمہوریت میں عاملہ کا ہی ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس لیے زیادہ تر مسودہ قوانین مقننہ میں عاملہ کی جانب سے ہی پیش کیے جاتے ہیں۔ جب کہ صدارتی جمہوریت میں گویا کہ عاملہ مقننہ سے علاحدہ ہوتی ہے چونکہ اس جمہوری نظام میں نظریہ تفریق اختیارات ہوتا ہے۔ اس کے باوجود مقننہ میں زیادہ تر مسودہ قوانین عاملہ کی جانب سے ہی پیش کیے جاتے ہیں اس طرح مقننہ روز مرہ قانون سازی کا کام کرتی ہے۔

دوایوانی مقننہ میں ایک ایوان عموماً ایوان زیریں میں قانون کی منظوری کے بعد سے دوسرے ایوان، ایوان بالا کو روانہ کیا جاتا ہے۔ اگر کسی قانون پر دونوں ایوانوں میں عدم اتفاق ہوتا ہے تو ہندوستان اور آسٹریلیا میں دونوں ایوانوں کا مشترکہ اجلاس طلب کیا جاتا ہے اور اکثریتی رائے سے اس قانون کو منظور کیا جاتا ہے۔

10.3.2 مالی فرائض (Financial Functions)

ساری دنیا میں مقننہ کا اہم فریضہ ملک کے مالیاتی کو چلانا اور اس پر کنٹرول رکھنا ہوتا ہے۔ عاملہ سال میں ایک مرتبہ ملک کا بجٹ ایوان زیریں میں پیش کرتی ہے۔ درحقیقت برطانیہ کی پارلیمنٹ کا آغاز ہی عوام سے مالیہ کے لیے محصول کی وصولی سے ہی ہوا تھا جو بعد میں قانون سازی کے فرائض انجام دینے لگی۔ اس طرح آج ساری دنیاں میں مقننہ کی منظوری یا اجازت کے بغیر کوئی عاملہ نہ تو عوام سے محصول ٹیکس وصول کرسکتی ہے اور نہ تو خرچ کر سکتی ہے۔ چنانچہ عاملہ کے لیے مقننہ ہی مالیہ کا اہم ذریعہ ہے۔ مقننہ صرف ملک کے سالانہ بجٹ کی منظوری دیتی ہے بلکہ سالانہ آمدنی وخرچ کا حساب کتاب بھی مقننہ ہی دیکھتی ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں Public Accounts Committes (PAC) تخمینہ کمیٹی (Estimate Committiee) عاملہ کی آمدنی اور خرچ کا حساب کتاب یہ کمیٹیاں دیکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ کمپٹرولر واڈیٹر جنرل (Comptroller and Auditor General) کا محکمہ ہے جو حکومت کے سالانہ حساب کتاب کی جانچ کرتا ہے بھی اور اپنی رپورٹ پارلیمنٹ میں پیش کرتا ہے۔ اس طرح آج مقننہ مالیات پر مکمل نگرانی اور قابو رکھتی ہے۔ امریکہ میں صدر

اندرون وبیرون ملک فوجی سرگرمیوں پر ہونے والے اخراجات کی منظوری کا کانگریس سے قبل از وقت حاصل کر لیتا ہے۔

10.3.3 عاملانہ فرائض (Executive Functions)

مقننہ کے اہم فرائض میں ایک اہم فرض عاملہ پر نگرانی رکھنا ہے۔ پارلیمانی جمہوریت میں تو عاملہ مقننہ ہی کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ اس لیے مقننہ عاملہ پر مسلسل نگرانی رکھتی ہے۔ پارلیمانی نظام حکومت میں اگر مقننہ ایوان زیریں میں تحریک عدم اعتماد منظور کر لیتی ہے تو عاملہ خود بخود ختم ہو جاتی ہے۔ بجٹ میں کٹوتی تحریک (Cut Motion) پیشی یا کسی بھی موضوع پر عوامی مسودہ قانون (Public Bill) کے خلاف مقننہ ووٹ دیتی ہے تو عاملہ گر جاتی ہے۔ اسی طرح مقننہ اجلاسوں کے دوران روزانہ ایک گھنٹہ مقرر ہوتا ہے جسے وقفہ سوالات کہا جاتا ہے۔ عموماً حکومت اس ایک گھنٹہ کو 'تھیو ہتوڑا کا گھنٹہ' سمجھا جاتا ہے' اس دوران اراکین مقننہ وزراء سے ان کے محکموں کی کارکردگی کے متعلق سوالات کے ذریعے ان کی کارکردگی پر نظر رکھتے ہیں۔ اگر متعلقہ وزن پر جواب نہ دے سکے تو کوئی بھی کابینی وزیر جواب دے سکتا ہے۔ ورنہ پھر وزیر آعظم کو جواب دینا پڑتا ہے، ورنہ پھر وزیر اعظم کو مستصنیٰ ہونا پڑتا ہے۔ وزیر آعظم کا استعفیٰ پوری حکومت کا استعفیٰ ہوتا ہے۔ صدارتی حکومت میں بھی عاملہ پر مقننہ کی مکمل نگرانی ہوتی ہے۔ صدر مقننہ کو اپنے کام وکارکردگی کے لیے جوابدہ وہوتا ہے۔ امریکی کانگریس صدر کو ہٹانے کے لیے مواخذہ کی کارروائی کرتی ہے۔ اگرچہ کہ صدر دوسرے ممالک سے کسی بھی معاہدہ کے لیے آزاد ہوتا ہے۔ اس کی منظوری کانگریس سے لینا ضروری ہے۔ کانگریس صدر کی جانب سے پیش کیے جانے والے تجاویز قانون کو مسترد کر سکتی ہے کانگریس اپنی مختلف کمیٹیوں میں وزرا کو طلب کرتے ہوئے ان کی کارکردگی سے متعلق سوالات بھی کر سکتی ہے۔

10.3.4 عدالتی فرائض (Judicial Functions)

آج کل مقننہ عدالتی فرائض انجام دیتی ہے جو کہ دستور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔ چنانچہ مقننہ کا ہر ایوان اپنے اپنے صدر نشین یا اسپیکر کو ہٹانے کی کارروائی اپنے اپنے ایوان میں انجام دیتا ہے۔ ہندوستان میں صدر ہندوستان سپریم کورٹ وہائی کورٹ کے ججس وچیف جسٹس چیف الیکشن کمشنر ودیگر کمشنر اور کنٹرولر وآڈیٹر جنرل کو ہٹانے کی کارروائی کا اختیار پارلیمنٹ کو ہے۔ برطانیہ کے ایوان بالا (دارالامرائ) ہائی کورٹ وسپریم کورٹ کے فیصلوں کے خلاف مرافعہ کی عدالت ہے۔ امریکہ کی کانگریس کو صدر کو ہٹانے کا اختیار ہے۔ سویزرلینڈ کی وفاقی مقننہ دستور کی تشریح کرتی ہے۔

10.3.5 انتخابی فرائض (Electoral Functions)

دنیا کی ہر مقننہ کو اپنے صدر نشین نائب صدر نشین کے انتخاب کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ ہندوستان کے پارلیمنٹ اور ریاستی مقننہ مل کر صدر کا انتخاب کرتے ہیں نائب صدر کا انتخاب پارلیمنٹ کے دونوں ایوان مل کر کرتے ہیں۔ امریکہ کا ایوان زیریں صدر کے انتخاب میں اگر کسی بھی امیدوار کو اکثریت حاصل نہ ہو تو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کو صدر اور دوسرے کو نائب صدر منتخب قرار دیتا ہے۔

10.3.6 دستوری فرائض (Constitutional Functions)

جن ممالک میں تحریری دستور ہوتا ہے ان ممالک کی مقننہ دستور میں تبدیلی و ترمیم کی مجاز ہوتی ہے۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ کو دستوری طریقہ کار کے مطابق دستور میں ترمیم کا اختیار ہے جب کہ ریاستی مقننہ کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہے۔ البتہ دستور کے تیسرے حصے اور دفعہ 368 میں کی جانے والی ترمیم کو مکمل ہونے کے لیے 50٪ ریاستی مقننہ کی منظوری ضروری ہوتی ہے۔

10.3.7 اراکین کے مراعات کی محافظ (Protector of the Privileges of the Members)

ساری دنیا میں مقننہ کے اراکین کو چند ایک مراعات حاصل ہوتے ہیں اسی لیے اراکین مقننہ کو سماج میں حقوق نمائندہ موقف ہوتا ہے۔ اراکین مقننہ کو اظہار خیال کہ آزادی ہوتی ہے' اور اس پر کوئی پابندی عدلیہ بھی عائید نہیں کرسکتی۔ اس طرح اراکین مقننہ کو متعلقہ مقننہ کے صدر نشین کی اجازت کے بغیر گرفتار نہیں کرسکتی۔ کوئی فرد یا عہدیدار کسی بھی رکن مقننہ کی توہین نہیں کرسکتا۔ اگر کوئی ایسا کرتا ہے تو اس پر مقننہ قانونی کاروائی کرتے ہوئے اس کو سزا دے سکتی ہے۔

10.3.8 رائے عامہ کی تشکیل (Formation of Public Opinion)

جمہوریت میں مقننہ عوام کی منتخب اور نمائندہ جماعت ہوتی ہے مقننہ کے مباحث عوامی رائے اور رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ مقننہ میں منظور ہونے والا ہر قانون عوامی رائے کی عکاسی کرتا ہے۔ دوسری طرف اراکین مقننہ کے خیالات رائے اور قول عوام الناس کی ذہن سازی کرتے اور جب مقننہ کے مباحث ہوتے ہیں تو وہ عوامی رائے کا اظہار کرتے ہوئے عوام رائے کو جواز عطا کرتے ہیں۔

10.3.9 شکایتوں کی شنوائی (Addressing of Complain)

مقننہ میں ایک شکایت کمیٹی ہوتی ہے عوام اپنی شکایتوں کو مقننہ کے سامنے رکھ سکتے ہیں اور عوام سے وصول ہونے والی شکایتوں کو شکایات کمیٹی سے رجوع کیا جاتا ہے کمیٹی شکایتوں کی جانچ کرتے ہوئے اپنی سفارشات مقننہ کو پیش کرتی ہے کوئی وزیر اس کمیٹی کا رکن نہیں ہوسکتا۔

10.3.10 مقننہ کئی متفرق فرائض انجام دیتی ہے (Legislature Perform Various Different Roles)

مقننہ کسی مسلہ پر تحقیقی کمیٹی بنا سکتی ہے اور یہ کمیٹی مسلہ کا گہرائی سے مطالعہ کرتی ہے اور کمیٹی اپنی سفارشات کے ساتھ اس مسلہ پر اپنی رپورٹ پیش کرتی ہے۔ مقننہ حکمران جماعت کی جانب سے اختیار کے بے جا استعمال کو روکتی ہے۔ اس کے علاوہ مقننہ انتخابی حلقوں کی از سر نو حد بندی کرتی ہے۔

10.3.11 بحث و مباحثہ (Debates)

کسی بھی ملک میں مقننہ جمہوریت کی علامت ہوتا ہے۔ عوام ایک ملک میں کتنے بااختیار ہیں اس بات کی گواہی اس ملک کا مقننہ دیتا

ہے۔ مقننہ عوام کی امیدوں وخواہشوں کی عکاسی کرتا ہے۔ چونکہ دنیا کے بیشتر ممالک کے مقننہ سینکڑوں اور ہزاروں ممبران پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس لیے ان کے درمیان ملک کے درپیش کسی مسئلے کا گفتگو اس ملک کی قسمت کا تعین کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں مقننہ کے ہاتھوں میں ملک کی عظمت وقسمت کی باگ ڈور ہوتی ہے۔ ممبران مقننہ کے اندر بحث ومباحثہ کرتے ہیں اور کسی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ماہرین سے بھرے مقننہ ملک کی ترقی کی ضمانت ہوتا ہے۔

10.4 مقننہ کا انتخاب (Election of Legislature)

تمام جمہوری ممالک میں مقننہ کا انتخاب بالغ رائے دہی کے ذریعے ہوتا ہے۔ اراکین مقننہ کے انتخاب کے لیے متعینہ وقفہ وقفہ سے انتخابات منعقد کرتے ہیں۔ وہ تمام عوام بلالحاظ جنس، مذہب، ذات جو ووٹ دینے کی بالغ عمر کو پہنچتے ہیں کو رائے دہندگان (Electorate) کہا جاتا ہے۔ ہندوستان میں رائے دہی کی عمر 18 سال ہے عوام کے منتخبہ نمائندوں کو اراکین مقننہ کہا جاتا ہے اور اراکین مقننہ کی جماعت کو مقننہ کہا جاتا ہے۔ مقننہ کے لیے رائے دہی راست یا بلراست ہوتی ہے۔ ہندوستان میں لوک سبھا اور ریاستی اسمبلیوں کے لیے انتخابات راست ہوتے ہیں۔ یعنی رائے دہندے اپنی پسند کے امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں اور سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کو منتخب قرار دیا جاتا ہے۔ جب کہ بلراست انتخاب میں رائے دہندوں کے منتخب اراکین ایوان بالا کے اراکین کو ووٹ دیکر منتخب کرتے ہیں ہندوستان میں راجیہ سبھا کے اراکین کو ریاستی اسمبلیوں کے منتخبہ اراکین منتخب کرتے ہیں۔

10.4.1 مقننہ کا زوال (Decline of the Legislature)

گزشتہ نصف صدی کے دوران ساری دُنیا میں مقننہ کی کارکردگی زوال پذیر ہوئی ہے۔ گزشتہ پچاس برس کے دوران ہندوستانی پارلیمنٹ کی کارکردگی میں بھی فرق آیا ہے۔ اور یہ دیکھا جارہا ہے کہ قانون سازی میں اراکین کی دلچسپی اور مباحث کے معیار میں کمی آئی ہے اور یہی حال دُنیا کے دیگر مقننہ کا ہے۔ عاملہ کی سرگرمیوں میں اضافہ کے نتیجے میں مقننہ کی کارکردگی کو زوال آیا ہے۔ ذیل میں ہم ان وجوہات کا جائیزہ لیں گے۔

1۔ تصور فلاحی مملکت (Welfare State Ideology)

بیسویں صدی میں فلاحی مملکت کے نظریہ نے مملکت اور عاملہ کی سرگرمیوں میں بے حد اضافہ کر دیا جس کے نتیجے میں عاملہ آگے بڑھ کر فرد کی تمام ضرورتوں کی تکمیل کرنے لگی۔ عاملہ کے فلاحی وترقیاتی سرگرمیوں، میں عاملہ کے زیادہ خود مختارانہ موقوف کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ عاملہ مقننہ سے بے نیاز ہونے لگی۔ دوسری طرف مقننہ بھی عاملہ کو زیادہ اختیارات عطا کرنے کے لیے مجبور ہو گئی۔ اب مقننہ زیادہ تر عاملانہ سرگرمیوں اور اقدامات کو محض قانونی جواز عطا کرنے کے لیے منظوری دینے کا کام کرتی ہے۔ منصوبہ بند معیشت کے فروغ نے بھی عاملہ کے سرگرمیوں میں اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے مقننہ کے رول کو زوال آیا ہے۔

2۔ تفویض کردہ قانون سازی (Delegated Legislation)

چوں کے مقننہ کے پاس تفصیلی قانون سازی کے لیے نہ تو درکار وقت ہوتا ہے اور نہ ہی مہارت، ایسی صورت میں مقننہ قانون کے کلیات اور خاکہ کا ہی تعین کرتی ہے۔ تفصیلی جزئیات کی تیاری کا اختیار عاملہ کے متعلقہ محکمہ کے سپُرد کیا جاتا ہے جسے تفویض کردہ قانون سازی کہا جاتا ہے۔ تفویض کردہ قانون سازی کی وجہ سے عاملہ کے اختیارات میں اضافہ اور مقننہ کی طاقت اور رول میں کمی آئی ہے۔

3۔ سیاسی جماعتیں (Political Parties)

مقننہ کے زوال کے لیے سیاسی جماعتوں کو بھی ذمہ دار سمجھا جاتا ہے۔ چوں کہ سیاسی جماعتیں انتخابات میں اپنی کامیابی کو یقینی بنانے کے لیے عوام سے ممکن وناممکن ہر طرح کے وعدے کرتے ہیں۔ انتخابات کے بعد برسر اقتدار جماعت اپنے وعدوں کو قانونی شکل دینے کی کوشش کرتی ہے تو حزب مخالف کی جماعت ایسی قانون سازی کے خلاف کام کرتی ہے۔ چنانچہ مقننہ سیاسی جماعتوں کی سرکشی کے لیے اکھاڑا بن جاتی ہے۔ جس سے عوام کا مقننہ پر سے اعتماد ختم ہوتا ہے اور مقننہ بھی موثر قانون سازی کے قابل نہیں رہتی ہے۔

10.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد

- مقننہ کی ساخت کو جانا۔
- مقننہ کی مختلف قسموں کا مطالعہ کیا۔
- مقننہ کے فرائض کو سمجھا۔
- مقننہ کے انتخاب کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔

10.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

- مقننہ : قانون ساز ادارہ جماعت۔
- وفاقی مملکت : جہاں مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے درمیان اختیارات تقسیم ہوتے ہیں۔
- تحلیل : ختم کرنا۔
- بجٹ : حکومت کی آمدنی وخرچ کا بیان۔
- عوامی مسودہ قانون : ایسا قانون جسے مقننہ میں وزیر پیش کرتا ہے۔
- معاون : مددگار
- براہ راست قانون سازی : براہ راست قانون سازی کا مطلب ہے ملک کے قوانین کی تشکیل میں لوگوں کا حصہ لینا

10.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

10.7.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی پارلیامنٹ کس پر مشتمل ہے؟

(a) لوک سبھا پر (b) راجیہ سبھا پر (c) لوک سبھا اور راجیہ سبھا پر (d) لوک سبھا، راجیہ سبھا و صدر پر

2۔ کس حکومتی نظام میں عاملہ مقننہ کا حصّہ ہوتا ہے اور اسی کو جوابدہ ہوتا ہے؟

(a) صدارتی نظام میں (b) پارلیمانی نظام میں (c) وحدانی نظام میں (d) وفاقی نظام میں

3۔ آئین کے مطابق لوک سبھا کی زیادہ سے زیادہ کتنی نشستیں ہوسکتی ہیں؟

(a) 550 (b) 551 (c) 552 (d) 553

4۔ ہندوستانی پارلیمان کے ایوانوں کے دو اجلاس کے درمیان زیادہ سے زیادہ کتنے مدّت کا وقفہ ہوسکتا ہے؟

(a) دوماہ (b) چارماہ (c) چھ ماہ (d) آٹھ ماہ

5۔ ایوان میں بل پاس ہونے کے لیے اس کو کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

(a) تین (b) پانچ (c) سات (d) نو

6۔ آئین کے کس دفعہ کے تحت کسی بل کو مالی بل قرار دیا جاتا ہے؟

(a) 110 (b) 111 (c) 112 (d) 113

7۔ کس بل کو صدر کی پیشگی کی اجازت کے ساتھ صرف اور صرف ایوانِ عام میں ہی پیش کیا جاسکتا ہے؟

(a) معاشی بل (b) مالیاتی بل (c) آئینی ترمیمی بل (d) عام بل

8۔ اگر کمیٹی کو ایوان کے ذریعے مقرر یا منتخب کیا جاتا ہے یا اسپیکر یا چیئرمین کے ذریعے نامزد کیا جاتا ہے تو اس کمیٹی کو کہتے ہیں۔

(a) منتخب کمیٹی (b) عارضی کمیٹی (c) دائمی کمیٹی (d) پارلیمانی کمیٹی

9۔ ریاستی حکومت کو کس فہرست کی موضوع پر قانون بنانے کا جُزوی حق حاصل ہے؟

(a) مرکزی فہرست (b) متفقہ فہرست (c) ذیلی فہرست (d) ریاستی فہرست

10۔ کس اختیار کے تحت سپریم کورٹ بنیادی طور پر یونین کی مختلف ریاستوں کے اعلیٰ عدالتوں اور دیگر عدالتوں اور ٹریبونلز کے فیصلوں کے خلاف عرضی کی سنوائی کرتا ہے؟

(a) اصلی اختیار (b) مرافعتی اختیار (c) مشاوراتی اختیار (d) کامل اختیار

10.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1. مقننہ کے متعلق آپ کیا جانتے ہیں؟
2. ایک ایوانی مقننہ پر نوٹ لکھیے۔
3. دو ایوانی مقننہ کی خوبیوں کو بتائیے۔
4. مقننہ کے فرائض کو مختصراً بیان کیجئے۔
5. مقننہ کی ساخت کی وضاحت کیجیے۔

10.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1. ایک ایوانی مقننہ سے کیا مراد ہے ایک ایوانی مقننہ کی خوبیاں اور خامیاں کو بیان کیجیے۔
2. دو ایوانی مقننہ سے کیا مراد ہے ایک ایوانی مقننہ کی خوبیاں اور خامیاں کو بیان کیجیے۔
3. بالغ رائے دہی سے کیا مراد ہے اس پر ایک تفصیلی بحث کیجیے۔

10.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. B. Chakravarty and R.k Pandey (2021), Indian Government and Politics, Sage Publications, India, New Delhi

2. Piyu Ghosh, Indian Government and Politics, (2021) PHI Learning Private Limited, New Delhi

3. B.L Fadia, Kuldip Fadia, Indian Constitution and Polity, Sahitya Bhawan, Agra, (U.P)

4. M.V Pylee, Introduction to the Indian Constitution, Vikas Publishing House, New Delhi

5. D.D Basu,(2019) Introduction to the Indian Constitution, Lex Nexi, New Delhi

اکائی 11۔ عاملہ

(The Executive)

اکائی کے اجزا

11.0	تمہید
11.1	مقاصد
11.2	تعریف
11.3	عاملہ کی قسمیں
11.4	انتخاب کا طریقہ اور معیاد
11.5	عاملہ کے فرائض
11.6	عاملہ کے رول میں اضافہ کی وجوہات
11.7	اکتسابی نتائج
11.8	کلیدی الفاظ
11.9	نمونہ امتحانی سوالات
11.10	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

11.0 تمہید (Introduction)

جدید مملکتوں میں عاملہ حکومت کا وہ شعبہ ہوتا ہے جس کا کام روز مرہ مملکت کے امور کو چلانا' سماج اور عوام کو تمام سہولتیں بہم پہنچانا مملکت اور سماج کی حفاظت کرنا ہوتا ہے مقننہ کے بنائے گئے قوانین کے نفاذ کو سماج میں نافذ کرنا اور اسی طرح عدلیہ کے فیصلوں کو روبعمل لانے کے بھی ہی ذمہ دار ہوتی ہے۔ چنانچہ پروفیسر گارنر کے مطابق وسیع اور اجتماعی معنوں میں عاملہ ان مجموعی وتمام کاموں کو انجام دیتی ہے جن کا تعلق مملکت کی مرضی سے ہوتا۔ چونکہ اس کی مرضی کی تشکیل اور اظہار قوانین کے ذریعے سے ہوتا ہے گویا عاملہ حکومت کی انتظامی شاخ کا نام ہے۔ اس لیے امریکہ میں عاملہ کو نظم ونسق کہا جاتا ہے جب کہ اسی عاملہ کو ہندوستان میں حکومت یا سرکار کہتے ہیں۔

11.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے بعد آپ اس قابل ہوں گے کہ:

- عاملہ کے معنی اور مقصد کو جان سکیں۔
- عاملہ کی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- مختلف قسم کی عاملہ میں امتیاز کر سکیں۔
- انتخاب کے طریقے سے واقف ہو سکیں۔
- عاملہ کے فرائض کو جان سکیں۔
- عاملہ کے رول میں اضافہ کی وجوہات کو سمجھ سکیں۔

11.2 عاملہ کی تعریف (Introduction to Executive)

عاملہ کی کوئی ایک واضح تعریف ممکن نہیں اس سے مراد انتظامی چوٹی پر فائیز فرد یا افراد کی جماعت جب کہ حکومت کی شاخ کی حیثیت عاملہ سے مراد وہ اختیار جو مملکت کو چلانے کے لیے ذمہ دار ہوتا ہے یہ عموماً ایک فرد کی سربراہی میں افراد کی ایک جماعت ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک میں حکومت کی عاملہ شاخ بہت ہی اہم ہوتی ہے۔ اس کو مختلف تناظر میں مختلف معنی دیے جاتے ہیں۔ سیاسی معنوں میں اس سے مراد

صدر مملکت وزیر اور وزرائی ہوتے ہیں جو سیاسی عاملہ کہلاتے ہیں۔ جب کہ تمام سرکاری ملازمین جن کو دفتر شاہی کہا جاتا ہے کو انتظامی عاملہ کہا جاتا ہے وسیع معنوں میں اس سے مراد مملکت کی مرضی کو روبعمل لانے کے لیے ذمہ دار افراد کا مجموعہ ہے ایک اور معنی میں عاملہ سے مراد کسی بھی معاشی وافلاحی سرگرمی کی ذمہ دار ایجنسی کے سربراہ کو بھی عاملہ کہتے ہیں جو اپنی ٹیم کے ساتھ فرائض انجام دیتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں عاملہ سے مراد وہ ہوتا ہے جو کسی بھی تنظیم میں پروگراموں کے نفاذ کے ذمہ دار ہوتا ہے تاہم علم سیاسیات میں

عاملہ سے مراد حکومت کی تین شاخوں میں سے ایک شاخ ہے۔

11.3 عاملہ کی قسمیں (Types of Executive)

اگر چہ کہ ہر مملکت میں عاملہ بہت ہی اہم ہے تاہم اس کی نوعیت اور شکل میں نمایا فرق پایا جاتا ہے عاملہ اور مختلف قسموں کو ہم ذیل میں دیکھیں۔

عاملہ کی کئی قسمیں دُنیا میں دیکھی گئی ہیں جو اس طرح ہیں۔

1۔جمہوری یا غیر جمہوری (وراثتی یا شاہی) یا آمریت (ڈکٹیٹر سپ)

2۔واحد اور تکثیری (Single and Plural)

3 ۔منتخب یا نامزد

4 ۔سیاسی اور مستقل

5 ۔صدارتی اور پارلیمانی

6 ۔جمہوری و غیر جمہوری عاملہ

11.3.1 جمہوری و غیر جمہوری عاملہ (Democratic and Undemocratic Executive)

دنیا میں پائے جانے والے عاملہ میں جمہوری و غیر جمہوری یا وراثتی عاملہ ' عاملہ کی اولین شکل ہے۔اگر عاملہ کا وجود انتخابی عمل سے ہوتا ہے اور وہ ایک متعینہ مدت کے لیے منتخب ہوتا ہے تو اسے جمہوری عاملہ کہتے ہیں۔ یہ انتخاب راست یا بلراست ہو سکتا ہے تمام پارلیمانی جمہوری مملکتوں میں سر براہ مملکت صدر عاملہ جس کو صدر کہتے ہیں کا انتخاب بلراست اور ایک متعینہ معیاد کے لیے ہوتا ہے۔ جب کہ صدارتی جمہوریتوں کا انتخاب عوام راست طور پر کرتے ہیں چنانچہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ (U.S.A) سری لنکا، ترکی 'فرانس وغیرہ میں صدر کا انتخاب راست ہوتا ہے ایک مقررہ معیاد کے لیے راست منتخب عاملہ بہت طاقتور ہوتا ہے جب کہ بلراست منتخبہ صدر کے اختیارات اور محدود ہوتے ہیں۔

غیر جمہوری یا وراثتی عاملہ (Undemocratic or Herediatry Executive)

اگر عاملہ خاندانی وراثت کے ذریعے یا جانشینی کے ذریعے بنتا ہو تو اسے غیر جمہوری وراثتی عاملہ کہتے ہیں چنانچہ برطانیہ کی ملکہ الزبیتھ 'جاپان' بھوٹان، سعودی عرب 'کویت 'قطر 'بحرین' عمان وغیرہ میں وراثتی حکمرانی ہے جس میں حکمران حیات یا جب تک وہ چاہے اقتدار پر رہتا ہے اور اس کی حیات میں ہی وہ اپنے جانشین کا بھی تعین کر دیتا ہے۔یعنی حکمران کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا' بھائی یا اس کے افراد خاندان میں سے جسے وہ نامزد کرے صدر عاملہ خود بخود بن جاتا ہے۔ اس لیے اسے غیر جمہوری عاملہ سمجھا جاتا ہے۔وراثتی عاملہ قدیم روایتی سماجوں اور

حکمرانی میں ہوتا ہے۔ جہاں عوام کو اپنے حکمران سے عقیدت ہوتی ہے۔ وراثتی عاملہ بھی اپنے عوام کے لیے اپنے آپ کو وقف کرتے ہوئے، عوام کی خدمت کو اپناتا ہے۔

11.3.2 واحد اور تکثیری عاملہ (Single and Multi-Executive)

اراکین عاملہ کی تعداد کی بنیاد پر عاملہ کو واحد اور تکثیری عاملہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ اگر عاملہ فرد واحد پر مشتمل ہو تو اسے واحد عاملہ کہتے ہیں اور اگر عاملہ کے ارکین کی تعداد ایک سے زیادہ ہوتی ہو تو اسے تکثیری عاملہ کہا جاتا ہے۔ واحد عاملہ میں تمام حکومتی اختیارات فرد واحد میں جمع ہوتے ہیں۔ چنانچہ آج کے زمانہ میں منتخبہ واحد عاملہ کی مثال امریکہ روس اور ترک صدور کی ہے جو اپنی مملکتوں میں سب سے زیادہ اختیار اور آخری فیصلہ ساز شخصیت ہوتے ہیں۔ واحد عاملہ کی بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ فیصلے لینے میں دیری نہیں ہوتی چونکہ وزرائ کی حیثیت ماتحتیں کی ہوتی ہے۔ لیکن واحد عاملہ کے مطلق العنان ہونے سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چونکہ ان کے اختیار لا محدود ہوتے ہیں۔

تکثیری عاملہ واحد عاملہ کے مقابلہ دو یا زائید افراد پر مشتمل ہوتی ہے۔ قدیم یونان کی شہری ریاست میں دو بادشاہ ہوا کرتے تھے اور یہی بات روم کی بھی تھی۔ انقلاب فرانس کے بعد فرانس کا اقتدار پانچ افراد میں منقسم تھا۔ آج سوئے زرلینڈ میں اقتدار وفاقی کونسل کو حاصل ہوتا ہے۔ جس کا انتخاب وفاقی کونسل کرتی ہے۔ وفاقی کونسل کو Bundesrat کہا جاتا ہے تکثیری اقتدار اعلیٰ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ اس میں ایک فرد کی من مانی نہیں چلتی البتہ اس کی وجہ سے باہمی اختلاف کے نتیجے میں فیصلوں میں دیری ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ صدارتی حکومت میں صدر عاملہ واحد ہوتا ہے اور پارلیمانی نظام میں عاملہ کی نوعیت تکثیری (اجتاعی) ہوتی ہے۔ جس میں وزیر آعظم کی قیادت میں مزید ساز رول ہوتا ہے۔

11.3.3 سیاسی اور مستقل عاملہ (Political and Permanent Executive)

عوام کی جانب سے منتخبہ عاملہ کو سیاسی عاملہ کہا جاتا ہے۔ جسے عوام رائے دہی کے ذریعے لیے ایک متعینہ معیاد کے لیے چنتے ہیں۔ امریکہ میں صدر کا انتخاب جہاں چار سال کے لیے ہوتا ہے وہیں پارلیمانی جمہوریتوں میں منتخبہ سیاسی عاملہ کی عمر عموماً پانچ سال ہوتی ہے۔ تاہم سیاسی عاملہ کو اس کی معیاد کی تکمیل سے قبل بھی عدم اعتماد کی تحریک کے ذریعے ہٹایا جاسکتا ہے۔ سیاسی عاملہ فیصلے کرتی ہے اور مجموعی طور پر یہ حکومت کی نمائندگی کرتی ہے۔ امریکہ اور فرانس میں اسے صدر کے نام سے اور برطانیہ ہندوستان و پاکستان میں وزیر آعظم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ سیاسی عاملہ کو 'De facto' کہا جاتا ہے۔

مستقل عاملہ انتظامی عہدیداروں کی وہ جماعت ہوتی ہے جو اپنے وظیفہ پر سبکدوشی تک اپنے عہدے پر قائم و دائم رہتی ہے۔ اس دوران ترقی کے مختلف مدراج طے کرتے ہوئے وظیفہ کی عمر کو پہنچے پر سبکدوش ہوتی اور تاحیات وظیفہ پاتی ہے۔ مستقل عاملہ پر کی نمائندگی ہندوستان میں انڈین ایڈ منسٹریٹیو سروس (IAS) ہے و دیگر 33 سرویسیس کرتی ہے جن کی ماتحت میں بقیہ عاملہ کام کرتا ہے۔ جو دفتر شاہی

کہلاتی ہیں یہ عاملہ سیاسی عاملہ کی جانب سے طے کردہ فیصلوں کو نافذ کرنے کے لیے ذمہ دار ہوتی ہے۔اس کے علاوہ یہ عاملہ سیاسی عاملہ کو کسی مسئلہ پر تکنیکی مشورہ کے علاوہ طریقہ کار سے واقف کرواتی ہے یہ مستقل عاملہ اس لیے کہلاتی ہے کہ یہ سیاسی عاملہ کی طرح مختصر مدت کے لیے نہیں ہوتی اور نہ یہ عاملہ ہوتی ہے جو نظم و نسق کا پورا بوجھ اٹھاتی ہے۔ تاہم نہ تو مستقل عاملہ کی پوری جماعت کو برطرف کیا جاسکتا ہے یہ نظم و نسق اور حکمرانی میں تسلسل کو باقی و برقرار رکھتی ہے بلکہ یہی وہ جماعت ہوتی ہے جو حکومت چلانے کے لیے ذمہ دار ہوتی ہے جیسے IAS, IPS, IRS وغیرہ۔

11.3.4 حقیقی اور برائے نام عاملہ (Real and Nominal Executive)

اختیارات کی نوعیت کے اعتبار سے عاملہ کو حقیقی اور برائے نام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ایسی عاملہ جو اقتدار اور اختیارات کو حقیقی معنوں میں استعمال کرتی ہے حقیقی عاملہ کہا جاتا ہے۔جب کہ ایسی عاملہ جس کے اختیارات برائے نام ہوتے ہیں' وہ اپنے اختیار کو عملاً استعمال نہیں کرسکتا کو برائے نام عاملہ کہا جاتا ہے۔یہ صرف اعلیٰ ترین عہد کا حامل ہوتا ہے عملی اختیارات کا نہیں۔اسے اختیارات صرف دستوری و قانونی طور پر حاصل ہوتے ہیں اسی لیے اسے De Jure عاملہ کہتے یعنی بہ اعتبار قانون۔ہندوستان کا صدر اور برطانیہ کی ملکہ اس کی بہترین مثالیں ہیں۔

حقیقی اور برائے نام عاملہ کی تخصیص صرف پارلیمانی حکومت میں ہوتی ہے۔ حقیقی عاملہ کو De facto عاملہ کہتے ہیں یعنی اصل اختیارات کا حامل جاپان' برطانیہ اور ہندوستان میں جہاں پارلیمانی حکومت ہے میں حقیقی عاملہ کی مثال وزیر اعظم اور اس کی قیادت میں مجلس وزرائ کی ہے جب کہ برائے نام عاملہ کی مثال جاپان میں شاہ برطانیہ میں ملکہ اور ہندوستان میں صدر جمہوریہ کی ہے یہ صرف اختیار صوابدیدی کو ہی استعمال کرسکتے ہیں۔تاہم صدارتی حکومتوں میں حقیقی اور برائے نام عاملہ کی تخصیص نہیں ہوتی ہے۔

11.3.5 صدارتی اور پارلیمانی عاملہ (Presidential and Parliamentary Executive)

عاملہ کی ایک تقسیم عاملہ اور مقننہ کے درمیان باہمی تعلق کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔اگر عاملہ اور مقننہ کے درمیان کوئی تعلق نہ ہو اور عاملہ مقننہ کا حصہ نہ ہو کر مقننہ سے آزاد ہو تو اسے صدارتی عاملہ کہتے ہیں۔صدارتی عاملہ کی بنیاد نظریہ تفریق اختیارات پر ہوتی ہے۔جس میں عوام مقننہ کو علاحدہ رائے دہی اور عاملہ کو علاحدہ رائے دہی کے ذریعے چنتے ہیں دوسرا نظریہ نگرانی اور توازن ہے۔اس کے تحت مقننہ عاملہ پر نگرانی رکھتی ہے تو عاملہ بھی مقننہ پر نگرانی رکھتی ہے۔اور ان دونوں کے درمیان توازن رکھنے کا کام عدلیہ کرتی ہے۔صدارتی عاملہ کی واضح مثال امریکہ ہے جہاں عوام علاحدہ ووٹ کے ذریعے صدر اور مقننہ (کانگریس) کو چنتے ہیں اس لئے وہ مقننہ کو جوابدہ نہیں ہوتا تاہم مقننہ صدر کو ہٹانے کی کارروائی کرسکتی ہے اور اگر یہ کارروائی کامیاب ہوتا ہے تو صدر عہدہ سے برطرف ہوتا ہے دوسری طرف' عدلیہ صدر اور مقننہ کو توازن میں رکھنے کا کام کرتی ہے۔چنانچہ صدر کا کوئی حکم یا مقننہ کی کوئی قانون سازی خلاف دستور ہو تو اسے عدلیہ کا صدر قرار دے سکتی ہے۔اسے ہم ذیل کی شکل سے سمجھ سکتے ہیں صدر سپریم کورٹ کے ججس کا تقرر تو کرتا ہے لیکن وہ انہیں عہدے سے برطرف

نہیں کر سکتا۔ صدارتی عاملہ کی خوبی یہ ہے کہ یہ عاملہ مستحکم ہوتی ہے چونکہ اسے مقررہ معیاد سے قبل ہٹایا نہیں جاسکتا۔ صدر کا عہدہ خالی ہونے پر بھی اس کا مقرر کردہ نائب صدر' صدارتی ذمہ داری کو سمبھالتے ہوئے پالیسی تبدیل کو جاری رکھتا ہے۔ بڑی خاص یہ ہے کہ اس میں صدارتی آمریت چلتی ہے وزراعہ عوام کے منتخب نہیں ہوتے بلکہ وہ صدر کے مقررہ ماتحت سکریٹری ہوتے ہیں جس کی وجہ سے صدر کے سامنے اس عاملہ کی ایک نہیں چلتی اس طرح صدارتی عاملہ آمریت کی بہترین شکل ہے۔

پارلیمانی عاملہ میں عاملہ مقننہ سے نکلتی ہے۔ اور مقننہ کا انتخاب ملک کے بالغ رائے دہندے کرتے ہیں۔ چنانچہ مقننہ میں اکثریت حاصل کرنے والی جماعت یا گروہ کا قائید وزیر آعظم ہوتا ہے جو اپنے منتخبہ ساتھیوں کو بحیثیت وزیر مقرر کرتا ہے۔ اس طرح وزیر آعظم کی حیثیت مجلس وزراعہ میں اول درجہ کی وزیر ہوتی ہے۔ پارلیمانی عامہ میں وزیر آعظم وزراپارلیمنٹ کے اجلاسوں میں شرکت کرتے اور حکومت کی کارکردگی سے پارلیمنٹ کے توسط سے اپنے ملک کے عوام کو واقف کرواتے ہیں۔ اس لئیے پارلیمانی عاملہ کی جوابدہ عاملہ کہا جاتا ہے اور یہ عاملہ اس وقت تک اقتدار میں رہتی ہے جب تک کہ اس کو پارلیمنٹ کا اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اگر پارلیمنٹ وزیر آعظم اور اس کی مجلس وزراعہ کے خلاف تحریک عدم اعتماد منظور کرتی ہے تو وزیر آعظم کے ساتھ پوری مجلس وزراعہ مستعفی ہوتی ہے۔ پارلیمانی عاملہ کی ایک بڑی خاصیت یہ ہوتی ہے کہ یہ صدارتی عاملہ کی طرح استحکام نہیں رکھتا بلکہ یہ ہمیشہ جماعتی سیاست کا شکار ہو کر عدم استحکام سے دوچار ہو کر ختم ہو جاتی ہے۔ جس کی وجہ سے پالیسی تسلسل نہیں رہتا۔ ہندوستان میں 1996 سے 1999 کے تین برسوں کے دوران دو انتخابات اور چار حکومتوں سے گزرا ہے۔ تاہم پارلیمانی عاملہ کو جوابدہ اور ذمہ دار کے ساتھ ساتھ زیادہ جمہوری عاملہ سمجھا جاتا ہے۔

11.4 انتخاب کا طریقہ اور میعاد (Methods of Election and Tenure)

تمام جمہوریتوں میں عاملہ کے انتخاب کے مختلف طریقے ہیں جن کو ہم مختصراً ذیل میں دیکھیں گے۔

(1) اصول وراثت : یہ طریقہ شاہی حکمرانی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب دنیا کے علاوہ بھوٹان' جاپان' برطانیہ 'سویڈن' اسپین اور بلجیم وغیرہ ممالک میں جہاں برائے نام شاہی ہے وہاں پر ایک بادشاہ کے انتقال کے بعد اس کا بڑا بیٹا یا مقررہ فرد جانشین بنتا ہے۔ یہ طریقہ بہت ہی آسان سیدھا سادہ اور کم خرچیلا ہوتا ہے اس طریقے میں اقتدار کی منتقلی بڑی آسان ہوتی ہے۔

(2) راست انتخاب : (Direct Election) یہ طریقہ جانشین کے اصول کے بالکل برعکس ہے یہ جمہوریت اور رائے دہی کے اصول کی دین ہے۔ چنانچہ فرانس 'جنوبی افریقہ' میکسیکو اور سری لنکا وغیرہ ممالک میں صدر عاملہ کا انتخاب اس ملک کے بالغ رائے دہندے کرتے ہیں۔ عوام کا منتخب ہونے کی وجہ سے صدر عاملہ اپنی پالیسیوں کے لیے اپنے ملک کی عوام کو جوابدہ پارلیمنٹ کے ذریعے ہوتا ہے۔

(3) بلراست انتخاب :(Indirect election) صدر عاملہ کے بلراست انتخاب کی بہترین مثال امریکہ کے صدر کی ہے جسے عوام راست طور پر نہیں بلکہ بلراست طور پر منتخب کرتے ہیں۔ پہلے عوام کے ذریعے ایک انتخابی کالج (Electoral College) کا انتخاب عمل میں آتا ہے جسے ابتدائی (Primaries) کہا جاتا ہے اور یہ انتخابی کالج صدر عاملہ کو منتخب کرتا ہے چونکہ امریکہ کا رقبہ بہت بڑا ہے اور رائے

دہندوں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہوتی ہے اس لیے اس بلراست طریقے کو اپنایا گیا ہے۔ کسی ریاست کے امریکی کانگریس کے دونوں ایوانوں میں جتنے اراکین ہوتے ہیں اتنے ابتدائی اراکین کو چن لیا جاتا ہے اور یہی ابتدائی اراکین صدر عاملہ کا انتخاب کرتے ہیں۔ لیکن اس طریقے کی پہلے خاص یہ ہے کہ اس انتخابی عمل کے لیے طویل مدت درکار ہوتی ہے۔

(4) مقننہ کے ذریعے انتخاب (Election by Legislature): بعض ممالک میں عاملہ کا انتخاب مقننہ کے ذریعے بھی عمل میں لایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں صدر کا انتخاب ایک الکٹورل کالج کرتا ہے جو لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے اراکین اور ریاستی اسمبلی کے اراکین پر مشتمل ہوتا ہے اور یہی انتخابی کالج صدر کو منتخب کرتا ہے سوئیرلینڈ میں وفاقی عاملہ کا انتخاب وفاقی مقننہ کرتی ہے اسی طرح فرانس کے تیسرے اور چوتھے دستور کے تحت صدر کا انتخاب مقننہ کیا کرتی تھی۔

اس طریقے کا سب سے بڑا فائیدہ یہ ہوتا ہے کہ مقننہ اور عاملہ کے درمیان گہرا باہمی تعلق ہوتا ہے اور اراکین مقننہ سب سے زیادہ ہی بہتر کو منتخب کرتے ہیں لیکن اس طریقے سے عاملہ کی آزادی متاثر ہوتی ہے اور وہ مقننہ کے دباؤ میں کام کرتی ہے۔

(5) نامزدگی کا طریقہ (Methods of Nomination) آج بھی کینیڈا اور آسٹریلیا میں گورنر جنرل کے مماثل صدر کا تقرر برطانیہ کی ملکہ کرتی ہے۔ اسی طرح صدر ہندوستان کی تمام ریاستوں کے گورنر کا تقرر ہندوستان صدر جمہوریہ کرتا ہے۔ مرکزی علاقوں کے لفٹنٹ گورنر کا تقرر بھی صدر ہی کرتا ہے یہاں پر یہ وضاحت بھی ضروری ہے کہ نامزدگی کے ذریعے تقرر کا یہ طریقہ برائے نام عاملہ کے لیے ہوتا ہے۔

11.5 عاملہ کے فرائض (Functions of Executive)

عاملہ حکومت کی وہ شاخ ہے جو سماج میں قانون کو نافذ کرتی ہے۔ تاکہ سماج میں نظم وضبط برقرار رہے۔ چنانچہ آج کا نظم ونسق بچہ پیدا ہونے سے پہلے ماں کے پیٹ میں ماں اور بچے کی دیکھ بھال کرتا ہے اور بچے کی صحت مند پیدائش کے انتظامات کے لیے دواخانے کا بندوبست کرتا ہے ولادت کے بعد صداقت نامہ پیدائش جاری کرتا ہے پانچ سال کی عمر تک بچے کی مناسب ٹیکہ اندازی کے ذریعہ دیکھ بھال کرتا ہے۔ بچپن سے جوانی تک تعلیم کا انتظام کرتا ہے ملازمت فراہم کرنے کے معنی کرتا ہے اور ملازمت فراہم کرتا ہے۔

صداقت نامہ شادی کی اجرائی کرتا ہے۔ وظیفہ پر سبکدوشی پر وظیفہ پیرانہ سالی اور مردے قبر یا شمشان گھاٹ کے ساتھ ساتھ صداقت نامہ موت جاری کرتا ہے اس طرح آج کا نظم ونسق کا ساتھ مہد جھولے سے لحد قبر تک ہے اسی لیے ایک ماہر نظم ونسق عامہ کا کہنا ہے کہ آج کے نظم ونسق کے بغیر مہذب سماج کا شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔ نظم ونسق ہی عاملہ ہے۔ چنانچہ آج عاملہ عوامی فلاح کی پالیسیاں پروگرام بناتی ونافذ کرتی ہے۔ ملک کے مالیہ کا انتظام اور دوسرے ممالک سے تعلقات استوار کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں حکومت سے مراد عاملہ ہی ہوتی ہے۔ بہرکیف مجموعی طور پر عاملہ کے حسب ذیل فرائض گنوائے جاسکتے ہیں (1) انتظامی فرائض (2) سفارتی فرائض (3) فوجی فرائض (4) مالی فرائض (5) قانون سازی کے فرائض (6) عدالتی فرائض۔ ذیل میں ہم مختصراً ان پر نظر ڈالیں گے۔

11.5.1 انتظامی فرائض (Administrative Functions)

عاملہ کا سب سے اہم کام ملک میں قانون وامن عامہ کی بر قراری ہے۔ اس کے علاوہ امن وعامہ کا قیام روز مرہ عوامی ضرورتوں کی تکمیل، صحت و صفائی اسپتالوں کا تعین اور ان کی نگرانی' کمزوروں' یتیموں' بیواوں کے مفادات کا تحفظ' امن عامہ کے لیے پولس اسٹیشنوں' تدریس کے لیے مدرسوں وجامعات کا قیام' محکمہ مالگزاری' بجلی' پانی کی فراہمی وغیرہ سب عاملہ کی اہم انتظامی ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ ان تمام امور کی انجام دہی کے لیے عاملہ افرادی قوت کو منظم کرتی' بھرتی کرتی' تربیت کرتی اور انہیں ترقی بھی دیتی ہے۔ عاملہ عاملہ کو مختلف شعبوں' محکموں اور دفاتر میں منظم کرتی ہے جیسے محکمہ پولس' محکہ تعلیم' محکمہ زراعت و آبپاشی' محکمہ صنعت' محکمہ محنت' محکمہ صحت' حکومت مقاصد کے ادارے' محکمہ انصاف وغیرہ کے ذریعے عوامی زندگی کی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔ عاملہ بنیادی طور پر نفاذ امن کی ایجنسی کے طور پر کام کرتے ہوئے مملکت کو چلاتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں عاملہ بے سہاروں کے لیے سہارا اور حاجت مندوں کے لیے حاجت روائی کا کام کرتی ہے۔ جدید شہری زندگی کا کوئی تصور عاملہ کی بہتر کارکردگی کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ عاملہ کی عدم کارکردگی کی صورت میں سماج میں نزاض اور بدامنی پیدا ہوگی۔

11.5.2 سفارتی فرائض (Diplomatic Function)

قدیم زمانے سے ہی ممالک اور ان کی حکومتوں کے درمیان باہمی تعلقات ہوتے ہیں' اس کو ہم سفارتی فرائض کہتے ہیں۔ پڑوسی ممالک کے علاوہ دور دراز کے ممالک کے ساتھ آپسی تعلقات کے ذریعے ایک دوسرے کی ضرورتوں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس کے لیے ممالک ایک دوسرے کے لیے آپسی لین دین کے تعلقات کے لیے معاہدات کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے ملک میں نمائندوں کو بھیجتے ہیں جنہیں سفیر کہا جاتا ہے۔ جو دوسرے ملک میں اپنے ملک کی نمائندگی کے علاوہ اپنے ملک کے مفادات کی حفاظت بھی کرتے ہیں۔ سسفیر کسی بھی دو ممالک کے درمیان رابطہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ ان کا تقرر عاملہ کرتی ہے۔ ان میں سفیر ہائی کمیشن اور قونصل جنرل سبھی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ عاملہ بیرون ملک سے آنے والے سفرائ کے کاغذات نامزدگی کو قبولیت عطا کرتے ہوئے انہیں خوش آمدید کہتی ہے۔ وزیر خارجہ عاملہ کے رکن کے طور پر عالمی کانفرنسوں اور معاہدات میں شرکت کرتا اور ان پر ملک کی جانب سے دستخط مثبت کرتا ہے۔

11.5.3 فوجی فرائض (Military Functions)

عاملہ کے فوجی فرائض بھی ہوتے۔ ہیں صدر عاملہ مسلح افواج کا سربراہ ہوتا ہے۔ اس حیثیت میں صدر فوجی جنرلوں اور کمانڈروں کا تقرر کرتا ہے۔ صدر عاملہ جنگ کے شروع یا ختم ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ مارشل لاء کے نفاذ کے اعلان کا اختیار بھی عاملہ کو ہے۔ اس دوران عاملہ شہریوں کے بنیادی حقوق کو معطل کر سکتا ہے عاملہ کو فوجی فرائض کی ادائیگی کے لیے مقننہ کی منظوری لینی پڑتی ہے۔

11.5.4 مالی فرائض (Financial Functions)

ملک کا مالیہ مکمل طور پر عاملہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ عاملہ ملک کی سالانہ آمدنی و خرچ کا حساب کتاب جس کو بجٹ کہا جاتا ہے مقننہ میں پیش کرتی ہے اور اس کی منظوری سے عوام سے محصول ٹیکس وصول کرتی اور خرچ کرتی ہے۔ اس کے بغیر حکومت چل نہیں سکتی۔ مقننہ سے منظورہ بجٹ میں عاملہ مختلف محکمہ جات کو دیے جانے والے پیسوں کو منظور کرتی اور انہیں مختص کرتی ہے۔ عاملہ عوام کے لیے فلاحی اور ترقیاتی منصوبوں کو قطعیت دے کر انہیں نافذ اور ان کی نگرانی کرتی ہے۔ ملک کے معاشی اعداد و شمار کو اکٹھا کرتے ہوئے ملک کی معاشی صورت حال کو بہتر بنانے کے اقدامات کرتی ہے اور معشیت کے کمزور پہلوؤں پر خصوصی توجہ دیتی ہے۔ اس سلسلہ میں عاملہ معاشی منصوبہ بندی کے ذریعہ ملک کے تمام طبقات کی ترقی کو یقینی بناتی ہے۔ صدر عاملہ تنقیح حسابات کے لیے اعلیٰ ترین عہدے دار کنٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل CAG کا تقرر کرتی ہے۔ جو حکومت کے حسابات کی جانچ کے بعد اپنی رپورٹ مقننہ کو پیش کرتی ہے۔ پائی جانے والی خامیوں کے متعلق مقننہ عاملہ سے بازپرس کرتی ہے۔

11.5.5 قانون سازی کے فرائض (Legislative Functions)

عاملہ کو قانون سازی کے اختیارات بھی حاصل ہوتے ہیں۔ خصوصاً پارلیمانی حکومت میں عاملہ اور مقننہ کی تخصیص نہیں ہوتی اراکین مقننہ ہی اراکین عاملہ ہوتے ہیں۔ اس عاملہ کے اراکین مقننہ کے اجلاسوں میں نہ صرف پابندی سے شرکت کرتے ہیں۔ بلکہ مسودہ قانون کو بھی مقننہ میں پیش کرتے ہیں جسے عوامی مسودہ قانون (Public Bill) کہا جاتا ہے۔ عاملہ ہی مقننہ کے اجلاس کی طلب' ملتوی یا اختتام اور معطلی کے لیے ذمہ دار ہوتی ہے۔ اراکین عاملہ مقننہ کے تمام مباحث میں پوری تندہی سے حصہ لیتے ہیں۔ صدارتی عاملہ جیسے امریکہ میں صدر، مقننہ (کانگریس) کے منظورہ قوانین کو ویٹو کر سکتا ہے۔ دوسری طرف مقننہ کی جانب سے کی جانے والی قانون سازی کو عاملہ ہی منظوری دیتی ہے۔ چنانچہ صدر جمہوریہ ہند کی دستخط اور مہر کے بغیر کوئی مسودہ قانون، (Bill)، قانون (Act) نہیں بن سکتا۔ اُسی طرح عاملہ تفویض کردہ قانون سازی (Delegated Legislation) کے اپنے اختیار کے ذریعے قانون سازی کا کام کرتی ہے۔

11.5.6 عدالتی فرائض (Judicial Functions)

دنیا کے تمام ممالک میں عاملہ کو کئی ایک عدالتی اختیارات حاصل ہیں۔ یہ عدالتوں کو قائم کرتی اور ان میں کارکرد ججس کا تقرر کرتی ہے۔ ججس کا تبادلہ کرتی اور انہیں ترقی بھی عطا کرتی ہے۔ عاملہ کو عدالتی فیصلوں پر نظر ثانی کرنے، سزا کو معاف کرنے' تبدیل کرنے' یا اس میں کمی کرنے کا اختیار بھی ہے۔ عدالتوں کی جانب سے دی جانے والی سزا کے نفاذ کے جیلوں کا انتظام اور دیگر ضروری اقدامات کا اختیار عاملہ کو ہی حاصل ہوتا ہے۔ ضلع کلکٹر سے تحصیلدار تک کو ہندوستان میں عدالتی اختیارات حاصل ہیں۔ یہ عہدیدار مالگزاری (Revenue) سے متعلق مقدمات کی شنوائی کرتے ہیں۔

11.5.7 دوہری ذمہ دار(Double Responsibility)

پارلیمانی نظام میں عاملہ کے ارکان مقننہ کے بھی حصے ہوتے ہیں۔ مجلس وزراء کے سبھی ممبران پارلیامنٹ کے ممبر ہوا کرتے ہیں۔ اس طرح بیک وقت وہ دو اہم فرائض نبھاتے ہیں۔ قوانین وضع کرنا اور پھر ان قوانین کا نفاذ کرنا، مقننہ کے اجلاس کے طلب، ملطبی یا پھر تحلیل میں کہیں نہ کہیں عاملہ کا بھی رول ہوتا ہے۔

11.6 عاملہ کے رول میں اضافہ کی وجوہات (Reason to Increase the role of Executive)

آج عاملہ کے رول میں باصد فیصد اضافہ ہوا ہے آج اٹھارویں صدی کا نظریہ انفرادیت اپنی افادیت کھو چکا ہے، جس کے مطابق مملکت کو ایک لازمی برائی سمجھا جاتا تھا اس کی جگہ آج مملکت ہر فرد کی زندگی کا لازمہ بن چکی ہے اس کی کئی وجوہات ہیں جیسے انسانی ضروریات زندگی میں ہر روز اضافہ ہونا، خود آبادی میں ہونے والا تیز اضافہ جس کے نتیجے میں عاملہ کی اہمیت اور رول میں اضافہ ہوتا ہی جارہا ہے۔ اس کی مزید کچھ وجوہات کو ذیل کی سرخیوں میں دیکھا جاسکتا ہے۔

1۔ فلاحی مملکت کا تصور (Concepts of Welfare State)

بیسویں صدی کے نصف کے بعد کے دور میں ایک طرف نو آبادیات کے خاتمہ کا آغاز ہوا اور کمیونسٹ کی تحریک زور پکڑنے لگی تو اس کے جواب میں فلاح مملکت کا تصور پیدا ہوا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ مملکت کو انسانی زندگی کے ہر پہلو اور ہر موضوع پر مداخلت کرنی چاہیے۔ چنانچہ مملکت کو نہ صرف متاثر ترقی کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنا چاہیے۔ بلکہ ہر فرد' فرقہ' طبقہ اور پورے سماج کی مادی اخلاق اور روحانی فلاح و بہبود کے لیے ذمہ دار ہے۔ اس کے نتیجے میں عاملہ کے اختیارات میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ چنانچہ عاملہ آج معاشی ترقی کے علاوہ ہمہ جہتی ترقی کے ہر میدان جیسے سڑک' بجلی' پانی مواصلات' صحت' تعلیم' کھیل کود' انسانی فلاح' سائنسی وٹکنالوجی' دیہی اور شہری زندگی' کمزور اور پسماندہ طبقات' متوسط طبقات غرض کہ زندگی کے ہر پہلو پر توجہ دینا آج کی عاملہ کی ذمہ داری ہے۔

2۔ مفوضہ قانون سازی (Delegated Legislation)

آج کی زندگی کی تمام پیچیدگیوں کی وجہ سے مقننہ کی قانون سازی تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کرسکتی۔ اس کے علاوہ آج کی مقننہ کے اراکین نہ تو کسی قانون کے معاملے میں تمام جانکاری رکھتے ہیں اور نہ ہی قانونی مہارت کے حامل ہوتے ہیں۔ ایسے میں تفصیل اور تکنیکل مہارت کے ساتھ قانون سازی کا اختیار عاملہ کو دیا جاتا ہے۔ چنانچہ مفوضہ قانون سازی سے مراد پارلیمنٹ کے منظوری قونین پر عاملہ کی جانب سے قواعد وضوابط بنانے کا اختیار ہے ان قواعد وضوابط کی حیثیت میں قوانین کی ہی ہوتی ہے۔ اس وجہ سے بھی عاملہ کی اہمیت اور رول میں اضافہ ہوا ہے۔ تیز سماجی و معاشی منصوبہ بندی کا تقاضہ ہے کہ یہ کام غیر ماہر سیاسی عاملہ کے بجائے ماہر اور قابل مستقل عاملہ کے ذمہ کیا جائے۔ چنانچہ انتظامی مہارتوں والا انتظامیہ سیاسی عاملہ پر حاوی ہوتا جارہا ہے۔

سیول خدمات (Civil Service)

سیول سروس عاملہ کی مستقل شکل ہے جو حکومت اور انتظامیہ کا بوجھ اُٹھاتی ہے۔ اب تمام ممالک میں سیول سروس کو ایک قطعی شکل وہیت دی گئی ہے جسے عام طور پر نوکر شاہی یا دفتر شاہی(Bureaucracy) کہا جاتا ہے۔ منتخب سیاسی عاملہ پالیسی کو سوچتی ہے اور انتظامی عاملہ اسے ایک قطعی اور عملی شکل دیکر انجام تک پہنچاتی ہے، اس طرح اراکین سیول سروس تجاویز میں رنگ بھرنے ان کے نفاذ اور ان کے تعین قدر کے ذریعہ سیاسی عاملہ کی پالیسی تجاویز کو کامیاب یاناکامی سے ہمکنار کرتے ہیں۔ سیاسی عاملہ کے مقابلے مین انتظامی عاملہ (سیول سروس) کو ملازمت کی ضمانت ہوتی ہے اور وہ وظیفہ پر سبکدوشی تک تسلسل کے ساتھ مختلف عہدوں، محکموں اور ذمہ داریوں پر خدمات کو انجام دیتے ہیں۔

یہ سیاسی عاملہ کو مشورہ مد اور اطلاعات پہچاتے ہوئے حکومت کی کارکردگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے لاسکی Herold) (Laski کے الفاظ میں ہر مملکت اپنے عوامی عہدیداروں کے معیار پر بہت زیادہ انحصار کرتی ہے۔ ہندوستان میں کابینی سکریٹیریٹ اور برطانیہ میں وہائٹ ہال کے علاوہ مرکز سے ضلع کی سطح تک کے سیول ملازمین میں جیسے IAS اور IPS عہدیدار حکومت کو چلانے میں اہم رول انجام دیتے ہیں۔

سیول سروس کے ملازمین کی بھرتی ایک مرکزی قانونی ایجینسی کرتی ہے۔ ہندوستان میں یہ کام مرکزی پبلک سروس کمیشن (UPSC) کرتا ہے۔ یہ کمیشن ہر سال تحریری امتحان اور انٹرویز کے ذریعے اعلیٰ ذہین قابل نوجوان کا انتخاب کرتے ہوئے انہیں تربیت کے لیے حکومت کے حوالے کرتا ہے جنہیں دو سال کی تربیت کے بعد ملک کی مختلف ریاستوں میں خدمات کی انجام دہی کے لیے مقرر کیا جاتا ہے۔ اس وجہ سے انہیں کل ہند خدمات کہا جاتا ہے۔ یہ عہدیداری ہی مرکزی اور ریاستی حکومت دونوں کے لیے خدمات انجام دیتے ہیں۔ لیکن ان کے شرائط ملازمت اور تنخواہ وغیرہ کا تعین مرکزی حکومت کی جانب سے کیا جاتا ہے۔ آزادی سے قبل ہندوستان میں ICS اور IPS دو کل ہند خدمات تھیں لیکن آزادی کے بعد ICS کو بدل کر IAS کر دیا گیا اور ایک نئی کل ہند خدمات(Indian Forest Swervice) IFS کا قیام1966 عمل میں لایا گیا۔ نئی کل ہند خدمات کی تخلیق راجیہ سبھا کی سفارش پر کی جاتی ہے۔

3۔سیاسی جماعتیں(Political Parties)

کی تعداد میں ہر روز اضافہ کے نتیجے میں بھی عاملہ کے اختیارات میں اضافہ ہوا ہے۔ چونکہ سیاسی جماعتیں نئے عوامی مسائل کو حکومت اور مقننہ کے سامنے پیش کرتی ہیں ایسے میں عاملہ کو ان ابھرتے مسائل سے نمٹنے کے اقدامات کرنے پڑتے ہیں۔ چونکہ اراکین حکومت اور اراکین مقننہ کے پاس نفاذ کے اختیارات نہیں ہوتے ہیں چنانچہ لامحالہ یہ بات بھی عاملہ کے اختیار میں اضافہ کا باعث بنتی ہے۔

11.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کے مطالعہ کے بعد ہم نے

- عاملہ کی تعریف کو سمجھا۔
- عاملہ کی مختلف قسمیں کا مطالعہ کرنے کے قابل ہوئے۔
- انتخاب کے طریقہ اور معیاد کو سیکھا۔
- عاملہ کے فرائض کو سمجھا۔
- عاملہ کے رول میں ہوئے اضافہ کو جانا۔

11.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

- تکثیری : اجتماعی
- تنسیخ : رد کرنا
- معیاد : مدت
- تخصص : خصوصی
- وراثتی : خاندان
- عاملہ : اس سے مراد زمین کی وہ جماعت ہوتی ہے جو روز مرہ کے سماجی امور اور مسائل کو دیکھتی ہے۔
- سیول سروس : عاملہ کی مستقل شکل ہے جو حکومت اور انتظامیہ کا بوجھ اُٹھاتی ہے

11.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

11.9.1 معروضی سوالات کے لیے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1۔ مختلف میں سے کس عاملہ کو ’De facto‘ عاملہ بھی کہتے ہیں؟

(a) حقیقی عاملہ (b) سیاسی عاملی (c) وراثتی عاملی (d) برائے نام عاملہ

2۔ ’کمپٹولر اینڈ آڈیٹر جنرل‘ کا تقرر کون کرتا ہے؟

(a) وزیر اعظم (b) صدر جمہوریہ (c) چیف جسٹس (d) ان میں سے کوئی نہیں

3 مارشل لاء کے نفاذ کا اعلان کا اختیار کس کو حاصل ہے؟

(a) مقننہ (b) عاملہ (c) عدلیہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

4۔ کس نظریہ کے مطابق مملکت کو ایک لازمی بُرائی تصور کیا جاتا ہے؟

(a) استعماریت (b) انفرادیت (c) جمہوریت (d) ان میں سے کوئی نہیں

5۔ امریکی صدر کا انتخاب کتنے سال کے لیے ہوتا ہے؟

(a) چار سال (b) پانچ سال (c) چھ سال (d) سات سال

6۔ ملکہ برطانیہ کس عاملہ کی مثال ہے؟

(a) حقیقی عاملہ (b) سیاسی عاملی (c) وراشتی عاملی (d) برائے نام عاملہ

7۔ ان میں سے کون وراشتی عاملہ کی مثال ہے؟

(a) ہندوستان کا وزیر اعظم (b) ملکہ برطانیہ (c) امریکہ کا صدر (d) ان میں سے کوئی نہیں

8۔ 'De jure' عاملہ کو کس اور نام سے جانا جاتا ہے؟

(a) حقیقی عاملہ (b) سیاسی عاملی (c) وراشتی عاملی (d) برائے نام عاملہ

9۔ صدر عاملہ کا بلراست انتخاب کا بہترین مثال ملک ہے۔

(a) ہندوستان (b) امریکہ (c) بھوٹان (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ عاملہ حکومت کی وہ شاخ ہے جو۔۔۔۔۔۔۔ہے

(a) قانون بناتی ہے (b) قانون نافذ کرتی ہے (c) قانون کی تجزیہ کرتی ہے (d) ان میں سے کوئی نہیں

11.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ عاملہ کے شفارتی اور مالی فرائض کو بتائیے۔

2۔ عاملہ کی کوئی دو قسموں کو بیان کیجیے ۔

3۔ پارلیمانی عاملہ پر ایک نوٹ لکھیے۔

4۔ عاملہ کے انتظامی فرائض کو بیان کیجیے ۔

5۔ عاملہ کے رول پر ایک نوٹ لکھیے۔

11.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ عاملہ کی تعریف کیجیے اور اس کی اہمیت کو بتائیے۔

2۔ بلراست انتخاب کے طریقے کو سمجھائیے۔

3۔ عاملہ کے رول میں اضافہ کے وضوہات پا روشنی ڈالیے۔

11.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Book for Further Readings)

1. Dr. Abdul Qayyum, Political Science Theories, and institutions, Nisab Publishers, Hyderabad

A. C Kapoor, Principle of Political Science, S. Chand, Publishing, New Delhi

2. O.P Gauba, (2017), Introduction to Political Science, Mayur Paperback, New Delhi
3. R. N Gilchrist, (2019) Principles of Political Science, Longman, Green Co. New Delhi
4. Sarmah, Durga Kant, (2004) Political Science, New Age International publishers, New Delhi, 2004
5. Mamta Pareek, (2020) Introduction to Organs of Government, Poddar International College, Jaipur
6. Michael G. Roskin and others, (2019) Political Science: An Introduction, 14th Edition, Pearson , New Delhi

اکائی 12۔ عدلیہ

(Judiciary)

اکائی کے اجزا

12.0	تمہید
12.1	مقاصد
12.2	عدلیہ کے معنی اور تعریف
12.3	عدلیہ کی تنظیم
12.4	عدلیہ کے فرائض
12.5	عدلیہ کی آزادی
12.6	ہندوستانی عدلیہ
12.7	برطانیہ کا عدالتی نظام
12.8	امریکہ کا عدالتی نظام
12.9	فرانس کا عدالتی نظام
12.10	ترکی کا عدالتی نظام
12.11	سوئیزرلینڈ کا عدالتی نظام
12.12	پاکستان کا عدالتی نظام
12.13	چین کا عدالتی نظام
12.14	اکتسابی نتائج
12.15	کلیدی الفاظ
12.16	نمونہ امتحانی سوالات
12.17	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

12.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم عدلیہ کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔

شہری آزادیوں اور حقوق کو سیاسی اقتدار کی من مانی سے بچانے کے لیے تمام جمہوری ممالک میں آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کا نظام بنایا گیا ہے۔ یہ حکومت کا وہ حصہ ہے جو مقننہ اور عاملہ کو اپنے دائرہ اختیار میں تجاوزات سے روکتا ہے۔ عدلیہ کسی بھی مہذب معاشرے کی اساس ہوتی ہے۔ ایک مہذب معاشرے میں، ہر شہری اور معاشرے کو امید ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہو اور اس کی زندگی آسانی سے گزرے۔ اس کے لیے وہ ایک آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کی خواہش کرتا ہے۔ یہ غیر جانبدار عدلیہ قانون کی حکمرانی قائم کرکے شہری آزادیوں اور حقوق کا تحفظ کرتی ہے اور پوری معاشرتی اور سیاسی زندگی کو بھی کنٹرول کرتی ہے۔ حکومت کا تیسرا حصہ ہونے کے ناطے، یہ حکمرانی کی استعداد کار بڑھانے کا ایک ذریعہ بھی ہے۔

12.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد، طلبا اس قابل ہو جائیں گے کہ

- عدلیہ کا معنی و مفہوم سمجھ سکیں گے
- عدلیہ کی ضرورت واہمیت اور اس کے فرائض سے واقف ہو سکیں گے۔
- ہندوستانی عدلیہ کے نظام اور اس کی ساخت کو جان سکیں گے۔
- دنیا کے دیگر نظام عدلیہ سے واقف ہو سکیں گے۔

12.2 عدلیہ کے معنی اور تعریفیں (Meaning and Definitions of Judiciary)

عام الفاظ میں عدلیہ حکومت کا وہ حصہ ہے جس کا بنیادی کام آئین کی ترجمانی اور قوانین کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینا ہے۔ اس طرح قوانین کی ترجمانی اور ان کی خلاف ورزی کرنے والوں کو سزا دینے کا ادارہ جاتی نظام عدلیہ کہلاتا ہے۔ یہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جس کو فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ یہ سیاسی عمل کا بھی ایک حصہ ہے جو حکومت کے ہاتھوں میں سیاسی طاقت کے ضرورت سے زیادہ مرکزیت کو روکتا ہے اور جمہوریت کی دھاندلی یا اکثریت کی خود مختار حکمرانی سے شہریوں کی آزادی اور حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ برائس نے اسے نہ صرف ریاست کی ضرورت سمجھا، بلکہ اس کی صلاحیت سے زیادہ حکومت کی برتری کا امتحان تصور کیا۔ کچھ اسکالرز نے عدلیہ کی وضاحت اس طرح بھی کی ہے:

1. والٹن ایچ. ہیملٹن کے مطابق- "مقدمات کے فیصلہ کے لیے یہ ایک عدالتی اور ذہنی عمل ہے"۔
2. لاسکی (Herold Laski) کے مطابق - "عدلیہ عہدیداروں کا ایک گروہ ہے جن کا کام ریاست کے کسی خاص قانون کی خلاف

ورزی کی شکایات کو حل کرنا اور ان کا فیصلہ کرنا ہے، جو مختلف شہریوں اور ریاست کے مابین ایک دوسرے کے خلاف ہوتے ہیں۔

3. راولی کے مطابق - "عدلیہ حکومت کا وہ جز ہے جس کا کام حقوق کو یقینی بنانا اور ان پر فیصلہ دینا، مجرموں کو سزا دینا اور کمزوروں کو ظلم سے محفوظ رکھنا ہے"۔ عدلیہ کو گارنر نے اسے مہذب معاشرے کی ریڑھ کی ہڈی قرار دیا ہے۔

12.3 عدلیہ کی تنظیم (Institutions of Judiciary)

ہر ملک میں ایک سپریم کورٹ اور اس کے ماتحت متعدد ریاستی اور ضلعی عدالتیں ہوتی ہیں۔ اس سہ رخی نظام کے بعد بھی، ملک کا پورا نظام انصاف یکسانیت ظاہر کرتا ہے۔ عدلیہ آئین کو اپنا آئیڈیل مانتی ہے اور شہریوں و حکومت کو اپنی اقدار کو برقرار رکھنے اور ان کے حصول میں مکمل تعاون کرتی ہے۔ سول اور فوجداری مقدمات چلانے کے لیے الگ الگ عدالتیں ہوتی ہیں۔ عدلیہ کا ڈھانچہ ایک اہرام کی طرح ہوتا ہے جو اوپر سے نیچے کی طرف کھل جاتا ہے۔ جیسے جیسے علاقائی سطح سے مرکزی سطح کی طرف جاتے ہیں، تعداد کم ہوتی جاتی ہے۔ سیاسی نظام کی نوعیت میں فرق ہونے پر عدلیہ کی نوعیت بھی تبدیل ہوتی ہے۔ ہر ملک میں، عدالتی تنظیم تقریباً ایک جیسی ہوتی ہے، لیکن سیاسی نظام کی نوعیت کے مطابق ان کے کام میں تفریق ہو جاتی ہے۔ ہندوستان میں صرف عام عدالتیں ہیں، لیکن فرانس میں انتظامی اور عام دونوں طرح کی عدالتیں ہیں۔ ہندوستان میں عوامی عدالتوں کی ایک نئی شکل سامنے آئی ہے۔ ہندوستان اور امریکہ کے سپریم کورٹ نظر ثانی کی قوت رکھتے ہیں، جب کہ دوسرے ممالک میں ایسا نہیں ہے۔ ہر ملک میں فوجی عدالتیں بھی ہیں جن کا دائرہ اختیار آزاد ہے۔ آج کل ہندوستان میں فاسٹ عدالتوں کا بھی اہتمام کیا جا رہا ہے تاکہ شہریوں کو جلد انصاف مل سکے۔ ہندوستان میں مرکز کی سطح پر ایک سپریم کورٹ ہے، جو پورے ہندوستان کے لیے ہے۔ صوبوں کی اپنی الگ عدالتیں ہیں۔ صوبوں کے اندر بھی ضلعی سطح پر ضلعی عدالتوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ سول اور فوجداری مقدمات کے لیے الگ الگ عدالتیں ہیں۔

12.4 عدلیہ کے فرائض (Functions of Judiciary)

عدلیہ کسی بھی حکومت کی روشنی ہے۔ سیاسی نظام کی نوعیت اس کے فرائض کا نظم وضبط ہے۔ یہ وفاقی حکمرانی کے نظام میں متوازن کے طور پر کام کرتا ہے۔ قانون اور دستور کا ترجمان ہونے کی وجہ سے، اسے شہری آزادیوں اور حقوق کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ لارڈ برائس نے اسے گڈ گورننس کی آزمائش قرار دیا۔ گارنر نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر محکمہ میں انصاف موجود نہیں ہے تو سول سوسائٹی نہیں بن سکتی۔ عدلیہ کے مندرجہ ذیل فرائض ہیں۔

1۔ فیصلہ کرنا:

عدلیہ کا بنیادی کام انصاف کرنا ہے۔ جو شخص قوانین کی خلاف ورزی کرتا ہے اسے عاملہ اسے پکڑ کر عدالتوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ عدلیہ فوجداری اور دیوانی دونوں طرح کے مقدمات میں جج کرتی ہے۔ شہریوں کے مابین اکثر شہری لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں جب کہ فوجداری معاملات میں ایک طرف حکومت اور دوسری طرف شہری شامل ہوتے ہیں۔

2۔ قانون کی ترجمانی کرنا:

عدلیہ عاملہ اور مقننہ کے ذریعے بنائے گئے قوانین کی ترجمانی کرتی ہے۔ کئی بار قوانین غیر واضح اور آئین کے منافی ہوتے ہیں۔ ان کی وضاحت کیے بغیر ان پر عملدرآمد کا مطلب انسانی حقوق اور آزادیوں کو سلب کرنے جیسا ہوگا۔ عدلیہ ہی اعلیٰ طاقت ہونے کے سبب اس طرح کے قوانین کی حتمی ترجمان ہوتی ہے۔ اگر کوئی قانون واضح نہیں ہے تو ہندوستان اور امریکہ میں عدلیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذہانت، صوابدید اور اخلاقیات کی بنا پر فیصلہ کرے۔

3 ۔ آئین کی حفاظت کرنا:

عدلیہ بھی آئین کی اصل محافظ ہے۔ آئین کے وقار اور تقدس کو برقرار رکھنے کے لیے، وہ مقننہ اور عاملہ کے ذریعے آئین کے خلاف بنائے گئے قوانین کو غیر آئینی قرار دے سکتی ہے۔ عدلیہ کو ہندوستان اور امریکہ میں عدالتی فیصلوں کے جائزے کا حق حاصل ہے

4۔ شہری حقوق اور آزادیوں کا تحفظ: ہر ملک میں عدلیہ کو شہری آزادیوں اور حقوق کا محافظ سمجھا جاتا ہے۔ ان کے تحفظ کے لیے، عدلیہ حکومت کو خود مختاری سے روکتی ہے اور بنیادی حقوق کو نقصان پہنچانے کی کوشش میں کسی بھی شہری یا ادارے کو سزا دیتی ہے۔ ان کی حفاظت کے لیے، وہ فیصلے بھی جاری کر سکتی ہے۔ اگر کسی شخص کے حقوق اور آزادیوں کو کوئی نقصان پہنچا ہے تو وہ عدلیہ میں پناہ لے سکتا ہے۔ بنیادی حقوق کی آزادی کے تحفظ کے لیے، عدلیہ کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ عاملہ اور مقننہ کے ذریعے بنائے گئے قوانین کو غیر قانونی قرار دے۔ لہذا، عدلیہ شہری آزادیوں اور حقوق کی محافظ ہے۔

5۔ مشاورتی کام:

بہت سے ممالک میں، عدلیہ حکومت کو مشورہ بھی دیتی ہے۔ لیکن عدلیہ کے مشورے کو قبول کرنا ہے یا نہیں اس کا انحصار حکومت کی مرضی پر ہے۔ عدلیہ اس کے لیے حکومت کو مجبور نہیں کر سکتی۔ ہندوستان میں بھی صدر نے کئی معاملات میں سپریم کورٹ سے مشاورت کی ہے۔ کینیڈا، آسٹریلیا، سویڈن، پاناما وغیرہ میں بھی عدلیہ سے مشورہ کیا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا بحث کے بعد یہ کہا جاسکتا ہے کہ عدلیہ شہری حقوق اور آزادی کا محافظ ہے۔ آئین کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے، یہ حکومت کے دیگر دو اعضاء کو کنٹرول کرنے کا ایک موثر ذریعہ بھی ہے

12.5 عدلیہ کی آزادی (Freedom of Judiciary)

عدلیہ سیاسی عمل کا ایک حصہ ہے جو شہری آزادیوں اور حقوق کو حکومت یا سیاسی طاقت کے غلط استعمال سے بچاتا ہے۔ اس وجہ سے، خود عدلیہ کا غیر جانبدار اور خود مختار ہونا ضروری ہے تاکہ اس سے عوام کو کوئی پریشانی نہ ہو اور وہ شہری آزادیوں اور حقوق کے تحفظ کے کام میں رکاوٹ نہ بنے۔ عدلیہ کی آزادی جمہوریت کی کامیابی کی اساس ہے۔ وفاقی اور صدارتی حکمرانی والے ممالک کے ساتھ ساتھ آمرانہ حکومتوں والی ریاستوں میں بھی عدلیہ کی آزادی بہت اہم ہے۔ ہیملٹن نے لکھا کہ "کسی بھی ملک کا قانون کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو، یہ آزاد اور

غیر جانبدار محکمہ انصاف کے بغیر بے جان ہے۔" وفاقی حکومت کے نظاموں میں، عدلیہ کی آزادی اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ صرف منصفانہ اور آزاد عدلیہ ہی مرکز اور ریاستوں کے مابین تنازعات کو صحیح طریقے سے حل کر سکتی ہے۔ گارنر نے عدلیہ کی آزادی کو لازمی قرار دیتے ہوئے لکھا ہے - "اگر ججوں میں صلاحیت، سچائی اور فیصلے دینے کی آزادی نہیں ہے تو اس کے بعد عاملہ کا پورا ڈھانچہ کھوکھلا دکھائی دے گا اور اس بلند مقصد کو حاصل نہیں کر سکے گا جس کے لیے وہ بنایا گیا ہے۔"

عدلیہ کی آزادی کا مطلب (Meaning of Judiciary Freedom)

عدلیہ کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ جج اپنا فیصلہ دیتے وقت اپنی صوابدید پر عمل کریں اور بیرونی دباؤ سے آزاد رہیں، یعنی عاملہ اور مقننہ کے مداخلت سے۔ عدلیہ کی آزادی کی تعریف کرتے ہوئے سی ایف اسٹر انگ نے لکھا، "عدلیہ کی آزادی کا مطلب یہ ہے کہ ججوں میں بدعنوانی نہیں ہونی چاہیے اور انہیں مقننہ اور عاملہ کے ذریعے کنٹرول نہیں کیا جانا چاہیے۔" عدلیہ کی آزادی عدالتی غیر جانبداری کی بنیاد ہے۔

12.6 ہندوستانی عدلیہ (Indian Judiciary)

ہندوستانی عدلیہ دنیا کے سب سے زیادہ تخلیقی اور با اثر اداروں میں سے ایک ہے۔ اسے شاہی برطانوی حکمرانی نے 2 صدی طویل نوآبادیاتی حکمرانی کے بعد تعمیر کیا تھا۔ یہ یہاں کی حکومت کا ایک اہم حصہ ہے۔ 1950 کے بعد سے عدلیہ نے آئین کی ترجمانی اور اس کے تحفظ میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ عدلیہ بنیادی حقوق کے تحفظ کے ذریعے ہندوستان میں جمہوریت کو مستحکم کرتی ہے۔

حکومت ہند کی تین بڑی شاخیں ہیں- مقننہ، عدلیہ اور عاملہ۔ عدلیہ حکومت ہند کی ایک اہم شاخ ہے۔ یہ ایک آزاد ادارہ ہے اور یہ ایگزیکٹو اور مقننہ سے الگ ہے۔ عدلیہ اس انداز سے چلتی ہے کہ وہ ایگزیکٹو اور مقننہ دونوں کو اپنے لازمی کردار میں رکھتی ہے۔ اس کا اصل کام لوگوں کو انصاف فراہم کرنا ہے۔ ہندوستانی عدلیہ کو قانونی نظام برطانوی نوآبادیاتی حکمرانی سے وراثت میں ملا۔ عدالتوں کا نظام حکومت ہند ایکٹ 1935 کے ذریعے اپنایا گیا ہے، یہ مرکزی قوانین کے ساتھ ساتھ ریاستی قوانین کو بھی نافذ کرتا ہے۔

ہندوستانی عدلیہ مالی لحاظ سے مقننہ یا انتظامیہ پر منحصر نہیں ہے۔ آئین کے مطابق، قانون سازوں کو ججوں کی تنخواہوں اور الاؤنسز کی ادائیگی کی اجازت نہیں ہوگی۔ ججوں کے اقدامات اور فیصلوں پر ذاتی طور پر تنقید نہیں کی جا سکتی ہے۔ اگر کسی پر توہین عدالت کا الزام ثابت ہوا تو عدلیہ کو اسے سزا دینے کا حق حاصل ہے۔ پارلیمنٹ ججوں کے طرز عمل پر صرف اس وقت بحث کر سکتی ہے جب وہ ان کو ہٹانے کی تجویز پر غور کر رہی ہو۔ ہندوستان میں عدلیہ کا نظام انصاف منفرد ہے۔ دنیا کے دیگر ممالک کے برعکس، ہندوستان کے پاس صوبائی سطح پر علاحدہ عدلیہ کا ڈھانچہ موجود نہیں ہے۔ ہندوستان میں عدلیہ کا ڈھانچہ ایک اہرام کی طرح ہے۔ اس کے اوپری حصے میں سپریم کورٹ پھر ہائی کورٹ اور بعد میں ضلعی عدالت موجود ہے۔

12.6.1 سپریم کورٹ (Supreme Court)

28 جنوری 1950 کو ہندوستان کی سپریم کورٹ کا افتتاح گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ 1935 کے تحت ہوا۔ سپریم کورٹ نے برٹش

پرائیو کونسل کی جگہ لی۔ مزید برآں، ہندوستانی آئین کے آرٹیکل 124 سے 147 میں سپریم کورٹ کے ڈھانچے، تقرری، اختیارات، طریقہ کار وغیرہ سے متعلق مندرج ہے۔ یہ دستور کا ترجمان اور محافظ اور شہریوں کے بنیادی حقوق کا ضامن ہے۔ سپریم کورٹ دہلی میں واقع ہے اور اس کی نوعیت فیڈرل کورٹ کی ہے۔ سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد چیف جسٹس سمیت 34 ہے۔ اصل میں سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد 31 تھی (چیف جسٹس سمیت) بعد میں زیادہ کام کے سبب ستمبر 2019 کو ان کی تعداد میں اضافہ کیا گیا۔ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس صدر کے ذریعے مقرر ہوتے ہیں۔ کابینہ کے گورنر، وزیر اعلی اور چیف جسٹس آف انڈیا سب عدالتی تقرریوں کے عمل کو متاثر کرتے ہیں۔

ہندوستان کی عدلیہ میں چیف جسٹس کی تقرری کے معاملے میں، یہ رواں برسوں سے ایک روایت بن چکی ہے کہ اس عہدے پر سپریم کورٹ کا سینئر ترین جج مقرر ہوتا ہے۔ لیکن اس میں دو مستثنیات ہیں یعنی 1973 اور 1975 میں سینئر ججوں کے باوجود ایک جونیئر جج کو چیف جسٹس بنایا گیا۔ عدلیہ میں تقرریوں کے سلسلے میں وزرا کی کونسل کو حقیقی اختیار حاصل ہے۔ وزرا کی کونسل جج کی تقرری کر سکتی ہے لیکن اسے عہدے سے نہیں ہٹا سکتی۔ سپریم کورٹ کے جج 65 سال کی عمر تک منصب پر فائز رہ سکتے ہیں۔ بدعنوانی کی صورت میں ہی جج کو ہٹایا جا سکتا ہے۔ جج کی برطرفی کی تجویز پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں خصوصی اکثریت سے منظوری کے بعد صدر مملکت فیصلہ کرتا ہے۔

12.6.2 ہائی کورٹ (High Court)

ہندوستان کا ہائی کورٹ سپریم کورٹ کے نیچے کام کرتا ہے۔ ریاست کی عدالتی انتظامیہ میں یہ اول پوزیشن پر فائز ہے۔ 1866 میں کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں اعلی عدالتیں قائم کی گئیں۔ آئین میں ہر ریاست کے لیے ایک ہائی کورٹ کا آپشن موجود ہے، لیکن 1956 کے 7 ویں ترمیمی ایکٹ کے ذریعے، ایک یا زیادہ ریاستوں میں ایک ہی ہائی کورٹ ہو سکتا ہے۔ اس وقت ہندوستان میں 25 اعلی عدالتیں ہیں، جن میں تین ایک سے زیادہ ریاستوں کے لیے کام کرتی ہیں۔ مرکزی خطوں میں دہلی کا اپنا ایک ہائی کورٹ ہے۔ بیشتر ہائی کورٹوں کا بنیادی کام نچلی عدالتوں کی اپیلوں اور دستور ہند کے آرٹیکل 226 کے تحت رٹ درخواستوں پر مشتمل ہے۔ رٹ جیوریڈکشن بھی ہائی کورٹ کا اصل دائرہ اختیار ہے۔ ہر ہائی کورٹ کے علاقائی دائرہ اختیار صوبے کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ ان عدالتوں میں ججوں کا تقرر ہندوستان کے صدر، چیف جسٹس، ہائی کورٹ کے چیف جسٹس، اور ریاست کے گورنر سے مشاورت کے بعد کرتے ہیں۔ ہائی کورٹ کے تحت متعدد اقسام کی عدالتیں ہیں، انہیں آئین میں ماتحت عدالتیں کہا جاتا ہے۔ یہ اسٹیٹ ایکٹ کی بنیاد پر تشکیل دی گئی ہیں۔ مختلف ریاستوں میں ان کے مختلف نام اور مختلف حیثیت ہے۔ لیکن وسیع تر تناظر میں ان کے تنظیمی ڈھانچے ایک جیسے ہیں۔ ہر ریاست کو اضلاع میں تقسیم کیا گیا ہے اور ہر ضلع میں ضلعی عدالت ہے۔ ان ضلعی عدالتوں کے تحت متعدد نچلی عدالتیں ہیں۔

ماتحت عدالتوں میں ایک ضلعی جج کی عدالت اور ایک اور منسیف جج کی عدالت ہوتی ہے۔ ضلعی سطح پر ماتحت عدالت ڈسٹرکٹ جج یا کورٹ آف سیشن جج کے نام سے مشہور ہے۔ عدالت کی یہ سطح ایڈیشنل جج، جوائنٹ جج، اور اسسٹنٹ جج کی عدالتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔

12.6.3 فیملی کورٹ (Family Court)

فیملی عدالتیں ایکٹ 1984 کے ذریعے قائم کی گئیں، جن کا بنیادی مقصد شادی اور خاندانی مسائل سے نمٹنا ہے۔ ریاستی حکومت ان علاقوں میں فیملی کورٹ قائم کر سکتی ہے جہاں آبادی 10 لاکھ سے زیادہ ہے یا جہاں ضروری سمجھا جائے۔ مجموعی طور پر، ان عدالتوں کے قیام کا مطلب خاندانی ماحول کو پر امن بنانا ہے۔ نیز، اگر کوئی خاندانی مسئلہ ہے تو، اسے جلد از جلد حل کیا جائے۔

12.6.4 فاسٹ ٹریک کورٹ (Fast Track Court)

یہ ایڈیشنل سیشن کورٹ ہے، ان کو طویل التواء میں پائے جانے والے جرائم اور زیر سماعت وعدوں کے فوری تصرف کے لیے تشکیل دیا گیا ہے۔ یہ ایڈیشنل سیشن کورٹ ہے، جو طویل التواء میں پائے جانے والے جرائم کو جلد از جلد نمٹانے اور زیر سماعت وعدوں کے تحت تشکیل دیا گیا ہے۔ اس کے پیچھے وجہ یہ تھی کہ طویل قانونی چارہ جوئی کی وجہ سے انصاف کا نقصان ہوتا تھا اور انصاف کی قابو پانے کی طاقت کم ہو جاتی تھی اور جیل میں قیدیوں کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا تھا۔ سنہ 2000 میں گیارہواں فائینانس کمیشن تشکیل دیا گیا جس کے چیئرمین پروفیسر سید علی محمد خسرو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سابق وی سی تھے۔ کمیشن نے عدالتوں میں زیر التواء مقدمات نمٹانے کے لیے 1734 فاسٹ ٹریک عدالتیں بنانے کی سفارش کی۔ ججوں کا انتخاب متعلقہ ریاستوں کی ہائی کورٹ کرتے ہیں۔ فاسٹ ٹریک کورٹ کے ججوں کو ایڈہاک بنیاد پر مقرر کیا جاتا ہے۔ بنیادی طور پر بھرتی کے تین ذرائع ہیں۔ پہلے اہل عدالتی افسران کی ترقی؛ دوسرا، ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ ججوں کی تقرری اور تیسرا متعلقہ ریاست کے بار کے ممبر۔ ابتدائی طور پر فاسٹ ٹریک عدالتیں پانچ سال (2000–2005) کی مدت کے لیے قائم کی گئیں۔ تاہم، 2005 میں، عدالت عظمیٰ نے مرکزی حکومت کو یہ اسکیم جاری رکھنے کی ہدایت کی۔

12.7 برطانیہ کا عدالتی نظام (British Judicial System)

برطانیہ کی عدلیہ کی تاریخ نہایت طویل اور قدیم ہے۔ اس کے عدالتی نظام کو پوری دنیا میں ایک معیار تسلیم کر کے اپنانے کی کوشش کی گئی ہے اور اس کے کئی بنیادی اصول جیسے حصولِ انصاف پر ہر کسی کا حق، غیر قانونی حراست سے تحفظ، استغاثہ اور دفاع پر مشتمل مقدمے کا نظام اور یہ مفروضہ کہ جرم ثابت ہونے سے پہلے ہر کوئی بے گناہ ہے، کئی ملکوں کے عدالتی نظام کا حصہ ہیں۔

برطانیہ کی عدلیہ کی ابتدا اینگلو سیکسن دور (چھٹی صدی عیسوی تا گیارہویں صدی عیسوی) میں اس وقت ہوئی جب بادشاہ نے اپنی رعایا کو انصاف فراہم کرنے کے لیے مقامی عدالتیں قائم کیں اور مقدموں کی سماعت کرنے کا اختیار شاہی ججوں کو دیا۔ موجودہ برطانوی عدالتی نظام کی بنیاد عمومی قوانین پر رکھی گئی ہے جو اپنی نئی روایات اور گزشتہ قانونی مقدمات کے فیصلوں سے بنی ہے۔ عمومی قوانین کی بنیاد بارہویں صدی عیسوی میں ان روایات وضوابط کی بدولت پڑی جو عام لوگوں نے بتدریج خود ہی وضع کر لیے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ ان کی شمولیت سے اس کے ارتقاء کا عمل جاری رہا، اور وقتاً فوقتاً ہونے والی قانون سازی سے قطع نظر، برطانوی قانون کی عمارت اسی پر استوار ہوئی۔ پورے برطانیہ میں ایک قانون کا نفاذ نہیں ہے۔ اسکاٹ لینڈ کا اپنا مخصوص نظام اور عدالتیں ہیں۔ شمالی آئرلینڈ میں، قانون کے کچھ

شعبے انگلینڈ اور ویلز کے شعبوں سے مختلف ہیں۔ برطانیہ کے تمام قانونی نظاموں میں ایک عام خصوصیت ایک مکمل ضابطہ کی عدم موجودگی ہے، کیونکہ قانون سازی اور غیر تحریری یا عام قانون سبھی "آئین" کا حصہ ہیں۔

انگلینڈ اور ویلز میں چھوٹے چھوٹے مقدمات کے لیے 160 کاؤنٹی سول عدالتیں ہیں اور زیادہ اہم مقدمات کے لیے ہائی کورٹ، جو کنٹری کنویژن، فیملی ڈویژن، اور کوئینز بنچ ڈویژن (سمندری اور تجارتی عدالتوں سمیت) میں منقسم ہے۔ کاؤنٹی عدالتوں سے اپیلوں کی سماعت ہائیکورٹ میں بھی ہو سکتی ہے، حالانکہ کبھی کبھی کورٹ آف اپیل کے روبرو بھی آجاتی ہے۔ ہاؤس آف لارڈز کے سامنے بھی چند اپیلیں سنی گئیں، جو پورے برطانیہ میں دیوانی مقدمات کی اپیل کی آخری عدالت ہے۔ اسکاٹ لینڈ میں، شہری مقدمات کی سماعت شیرف عدالتوں میں اور کورٹ آف سیشن کے آؤٹ ہاؤس میں کی جاتی ہے، جو اسکاٹ لینڈ کی ایک اعلیٰ سول عدالت ہے۔ اپیلوں کی سماعت کورٹ آف سیشن کے اندرونی ہاؤس کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اسکاٹ لینڈ میں سول کیسز میں جیوری کے ذریعے مقدمے کی سماعت ایک عام بات ہے لیکن باقی برطانیہ میں شاذونادر ہی ہے۔

انگلینڈ اور ویلز میں فوجداری عدالتوں میں مجسٹریٹ کی عدالتیں شامل ہیں، جو کم سنگین جرائم کے معاملات دیکھتی ہیں اور عام طور پر تین غیر تنخواہ دار مجسٹریٹس پر مشتمل ہوتی ہیں جنہیں امن کے جج کے نام سے جانا جاتا ہے، اور کرؤان کورٹ کے 78 مراکز، جن کی سربراہی ججوں کی ایک بینچ کرتی ہے اور انتہائی سنگین معاملات کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ تمام مقدمات میں جیوری ٹرائل ملتا ہے۔ 17 سال سے کم عمر افراد سے متعلق مقدمات کی سماعت خصوصی عدالتوں میں امن کے ججوں کے ذریعے کی جاتی ہے۔ اپیلوں پر سماعت ترتیب وار کراؤن کورٹ ،ہائی کورٹ، کورٹ آف کریمینل اپیل، اور کچھ معاملات میں ہاؤس آف لارڈز کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

12.8 امریکہ کا عدالتی نظام (Judicial System of America)

آئین کے تحت تمام وفاقی عدالتوں کے جج سینیٹ کی منظوری کے ساتھ، ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کی طرف سے تاحیات مقرر کیے جاتے ہیں۔ انہیں کانگریس کے ذریعے مواخذہ اور سزا کے ذریعے ہی عہدے سے ہٹایا جاسکتا ہے۔ امریکی آئین کے مطابق وفاقی ججوں کی تنخواہوں میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یہاں کے آئین کے مطابق امید کی جاتی ہے کہ عدلیہ عاملہ اور قانون ساز شاخوں سے آزاد رہیں۔ وفاقی عدالت کے نظام میں تین اہم سطحیں ہیں: ضلعی عدالتیں (ٹرائل کورٹ)، سرکٹ عدالتیں جو اپیل کی پہلی سطح ہیں، اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ، وفاقی نظام میں اپیل کی آخری سطح۔ ملک بھر میں 94 ضلعی عدالتیں، 13 سرکٹ عدالتیں، اور ایک سپریم کورٹ ہے۔

ضلعی عدالتیں(District Courts)

ضلعی عدالتیں وفاقی عدالتی نظام کی عام آزمائشی عدالتیں ہیں۔ ہر ضلعی عدالت میں کم از کم ایک ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا ضلعی جج ہوتا ہے، جو صدر کے ذریعے مقرر ہوتا ہے اور سینیٹ کے ذریعے تاحیات مدت کے لیے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ضلعی عدالتیں فیڈرل

عدالتی نظام کے تحت مقدمات چلاتی ہیں۔یہ عدالتیں سول اور مجرم دونوں دونوں طرح کے مقدمات سنتی ہیں۔

سرکٹ عدالتیں (Circuit Courts)

جب فیڈرل ڈسٹرکٹ عدالت کسی کیس کا فیصلہ کرلیتی ہے، پھر اس کے خلاف اپیل سرکٹ عدالتوں میں کی جاسکتی ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں بارہ وفاقی سرکٹس ہیں۔ ہر سرکٹ کورٹ میں متعدد جج ہوتے ہیں۔ کورٹ کے جج صدر کے ذریعے تاحیات مقرر ہوتے ہیں اور سینیٹ کے ذریعے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ سرکٹ عدالتوں میں اپیل کی سماعت پہلے ایک پینل کے ذریعے کی جاتی ہے، جس میں تین سرکٹ کورٹ کے جج شامل ہوتے ہیں۔

سپریم کورٹ (Supreme Court)

سرکٹ کورٹ یا ریاستی ہائی کورٹ نے کسی کیس کے فیصلے کے بعد، کوئی بھی فریق سپریم کورٹ میں اپیل کرنے کا انتخاب کر سکتا ہے۔ سرکٹ کورٹ کی اپیلوں کے برعکس، عام طور پر، سپریم کورٹ کو اپیل سننے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ فریقین اس معاملے پر سماعت کرنے کا مطالبہ کرتے ہوئے عدالت میں "تصدیق نامہ کی رٹ" دائر کرسکتی ہیں۔ اگر رٹ دے دی گئی تو، سپریم کورٹ بریفنگ لے گی اور زبانی دلیل پیش کرے گی۔ اگر رٹ نہیں دی جاتی ہے تو، نچلی عدالت کی رائے قائم رہتی ہے۔ دراصل سپریم کورٹ میں اپیلوں کے ایک فیصد سے بھی کم معاملات سنے جاتے ہیں۔ عدالت خاص طور پر ایسے معاملات کی سماعت کرتی ہے جب کسی خاص معاملے پر ملک بھر میں متضاد فیصلے ہوتے ہیں یا جب کسی معاملے میں کوئی خاص غلطی ہوتی ہے۔ سپریم کورٹ ریاست ہائے متحدہ کے چیف جسٹس اور ایسوسی ایٹ جسٹسوں پر مشتمل ہے جن کو نگریس طے کرتی ہے اور ان کی تعداد فی الحال 8 ہے۔ چیف جسٹس کو نامزد کرنے کا اختیار ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے صدر کے پاس ہے، اور تقرری سینیٹ کے مشورے اور رضامندی سے کی جاتی ہے۔

12.9 فرانس کا عدالتی نظام (Judicial System of France)

فرانس میں عدالتیں دو حصوں میں منقسم ہیں۔ جیوڈیشیل کورٹ (جو مجرمانہ اور سول قوانین سے نمٹتے ہیں)، اور انتظامی عدالتیں۔ انتظامی عدالتوں میں عوامی قانون نافذ ہوتا ہے۔ اعلیٰ عدلیہ سپریم کورٹ آف اپیل ہے۔ فرانس میں عدلیہ کا ایک تیسرا انوکھا پہلو ہے۔ آئینی کونسل (کونسل آئین ساز)۔ یہ برانچ قوانین کے نفاذ سے پہلے ان پر نظر ثانی کی نگرانی کرتی ہے، ساتھ ہی قومی انتخابات کی نگرانی اور قوانین کے آئینی ہونے کے بارے میں شہریوں کے سوالوں کے جوابات دیتی ہے۔ کونسل 9 اراکین پر مشتمل ہوتی ہے۔ تین اراکین صدر کے ذریعے، تین قومی اسمبلی کے سربراہ، اور تین سینیٹ کے سربراہ کے ذریعے مقرر ہوتے ہیں۔

فرانس کی عدلیہ کی خصوصیات (Characteristics French Judiciary)

عدالتی نظام کا اتحاد(Integration of Judicial System)

عدلیہ کا اتحاد فرانسیسی عدالتی نظام کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ یہ نظام پوری دنیا میں قائم ہے اور یہ نہایت واضح ہے۔

تحریری قانون (Written Constitution)

فرانس کے عدالتی نظام کے تمام قواعد وضوابط تحریری شکل میں ہیں۔ فرانس میں غیر تحریری قانون نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ تمام قوانین تحریری اور کوڈ فیڈ ہیں۔ مختلف ضابطوں کی دفعات عدالتی فیصلوں کی بنیاد ثابت کرتی ہیں۔

جیوڈیشل اور انتظامی عدالتیں (Judicial and Administrative Courts)

فرانس کے عدالتی نظام میں دو طرح کی عدالتیں ہیں۔ فرانسیسی عدالتی نظام دونوں عدالتوں کے فرق پر زور دیتا ہے۔ جیوڈیشل عدالتیں عام لوگوں سے متعلق مقدمات حل کرتی ہیں۔ دوسری طرف انتظامی ٹریبونل اانتظامیہ کے متعلق لوگوں کے مسائل کو حل کرتا ہے۔ انتظامی ٹریبونل عام لوگوں کے ساتھ مرکزی اور انتظامی اختیار کے مابین تنازعہ بھی حل کرتا ہے۔

مجرمانہ اور سول عدالتیں الگ نہیں ہیں (No Sepration between Crimial amd civil court)

امریکہ اور برطانیہ کے برخلاف فرانس میں سول اور فوجداری عدالت کی سرگرمیاں ایک دوسرے سے الگ نہیں ہیں۔

مشترکہ عدالتی نظام کی پالیسی (Policy for Joint Jdicial system)

فرانس مشترکہ عدالتی نظام کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔ عدالتوں کے اثر ورسوخ کے معاملات کا فیصلہ کم از کم تین ججوں کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

دستوری قوانین (Constitutional Laws) فرانس میں تمام قوانین دستوری اور منظم ہیں۔ اس وجہ سے فرانس کے جج دستوری قوانین پر عمل کر کے کسی بھی معاملے میں ثالثی کرتے ہیں۔ کوئی بھی معاملہ جزوی مقدمات کے قانون یا جج کے بنائے قانون سے متاثر نہیں ہوتا ہے۔

وکلاء کو ججوں کے عہدے پر مقرر نہیں کیا جاتا ہے:

برطانیہ، امریکہ، ہندوستان اور بنگلہ دیش میں ججوں کو طویل عرصہ تک کا تجربہ ہونا چاہیے۔ لیکن فرانس میں ایک نیا وکیل جج کی حیثیت سے اپنے کیریئر کی امید کر سکتا ہے۔ مگر وکیل کو بطور جج مقرر نہیں کیا جاتا ہے اور جج وزارت انصاف کے ماتحت کام کرتے ہیں۔

عدلیہ کی آزادی:

فرانس میں عدلیہ کی آزادی پر بہت توجہ دی جاتی ہے، کیونکہ عدلیہ کی آزادی کے ساتھ ہی انصاف کو یقینی بنانا ممکن ہے۔ آئین میں عدلیہ کو کسی بھی اثر سے بچانے کے لیے اقدامات کیے گئے ہیں۔ آرٹیکل 68 میں کہا گیا ہے کہ مجسٹریٹ کو عہدے سے نہیں ہٹایا جاسکتا۔

12.10 ترکی کا عدالتی نظام (Turkish Judicial System)

مصطفی کمال پاشااتاترک نے 1926 میں اسلامی نظام عدلیہ کو برخواست کرتے ہوئے سیکولر نظام عدلیہ کی بنیاد رکھی۔ دستور نے عدلیہ کی آزادی کو یقینی بنایاہے اور عدالتی امور میں کسی بھی طرح کی مداخلت کو ممنوع قرار دیاہے۔ انصاف کا معیاراعلی نوعیت کا ہے۔ ترکی

میں تمام عدالتیں کھلی سنوائی کرتی ہیں۔ اگر کسی بناپر مقدمہ کی سنوائی عوام کے لیے ممنوع کر دی جائے تو اس کی وجہ بتائی جاتی ہے۔ ججوں کی کارد گی پر نظر رکھنے کے لیے یہاں ایک سپریم بورڈ آف ججس ہے جو عدالتی ایمانداری کو بر قرار رکھنے میں معاون ہے۔ ہندوستان کی طرح یہاں ایک سپریم کورٹ نہیں ہے بلکہ مختلف موضوعات کے لیے مختلف سپریم کورٹ ہیں۔ ترکی میں عدالتوں کی چار شاخیں ہیں: عام قانونی عدالتیں، فوجی عدالتیں، ریاستی سلامتی کی عدالتیں اور ایک آئینی عدالت۔

عام قانونی عدالتوں میں سول، انتظامی اور فوجداری عدالتیں شامل ہیں۔ ابتدائی اختیار سماعت کے ساتھ سول عدالتوں کے فیصلے انقرہ میں اپیلوں کی ایک اعلی عدالت کے سامنے پیش ہوتے ہیں۔ اپیل کی اعلی عدالت کابینہ کے ممبروں اور دیگر اعلی عہدیداروں کے خلاف الزامات سے متعلق مقدمات کی سماعت بھی کرتی ہے۔ اس میں فوجداری مقدمات کی اپیلیں بھی سنی جاتی ہیں، جن میں ریاستی سیکیورٹی عدالتوں کی اپیلیں بھی شامل ہیں۔ ریاست کی کونسل انتظامی معاملات سے اپیلوں کی سماعت کرتی ہے۔ فوجی عدالتوں کا فوجی اہل کاروں پر دائرہ اختیار ہے اور اس میں ابتدائی عدالتوں کے ساتھ ساتھ اپیل کی ایک فوجی عدالت بھی ہے۔ آئین عاملہ سے عدلیہ کی آزادی کی ضمانت دیتا ہے اور ججوں کے لیے تاعمر خدمات کی سہولت فراہم کرتا ہے۔ اس میں ریاستی حکام کو عدالتی کاموں میں مداخلت پر بھی واضح طور پر پابندی ہے۔ ججوں اور پراسیکیوٹرز کی ایک اعلی کونسل اعلی عدالتوں کے لیے ججوں اور پراسیکیوٹرز کا انتخاب کرتی ہے اور نچلی عدالتوں میں ان کی نگرانی کرتی ہے۔

12.11 سوئیزرلینڈ کا عدالتی نظام (Judicial System of Switzerland)

سوئیزرلینڈ میں فیڈرل کورٹ آف جسٹس 6 مستقل ممبروں پر مشتمل ہے جنہیں 6 سال کی مدت کے لیے وفاقی اسمبلی مقرر کرتی ہے۔ 2000 تک عدالت کو اکثر معاملات میں اصل اور حتمی دائرہ اختیار حاصل تھا جہاں وفاقی حکومت براہ راست ملوث ہوا کرتی تھی، اور متعدد اقسام کے مقدمات کی اعلی ترین اپیل عدالت تھی۔ لیکن 2000 کی عدالتی اصلاحات نے وفاقی عدالت کے مقدمات کا بوجھ کم کر دیا، جس سے عدالتی قابلیت کے ساتھ وفاقی فوجداری عدالتیں اور وفاقی انتظامی ادارے تشکیل پائے۔ اب فیڈرل کورٹ صرف عدالت مرافعہ ہے۔ ہر کنٹون کی اپنی اپنی کنٹونل عدالتیں ہوتی ہیں۔ ضلعی عدالتوں میں تین سے پانچ ممبر ہوتے ہیں اور جن کی توجہ مجرمانہ اور دیوانی مقدمات پر کم ہوتی ہے۔ ہر کنٹون میں عدالت مرافعہ یا اپیل کی عدالت ہوتی ہے، جن کا دائرہ اختیار عدالتی طریقہ کار پر نظر ثانی کرنے تک محدود ہوتا ہے۔ سوئیزرلینڈ میں 1942 میں سزائے موت ختم کر دی گئی۔ معمولی مقدمات ایک ہی جج کے ذریعے چلائے جاتے ہیں، ججوں کے پینل کے ذریعے مشکل مقدمات، قتل عام اور دیگر سنگین جرائم کو عوامی عدالت کے ذریعے چلایا جاتا ہے۔

عدلیہ حکومت کی دوسری شاخوں کی مداخلت سے آزاد ہے۔ مقدمات منصفانہ ہوتے ہیں اور عدالتی عمل ایک موثر عمل ہے۔ عدالتی نظام روایتی قانون سے متاثر سول قانون پر مبنی ہے۔ سوئٹزرلینڈ نے بین الاقوامی عدالت انصاف کے لازمی دائرہ اختیار کو قبول کیا۔

12.12 پاکستان کا عدالتی نظام (Judicial System of Pakistan)

پاکستانی عدلیہ میں ایک درجہ بندی کا نظام ہے جس میں دو طبقے کی عدالتیں ہیں: اعلی عدلیہ اور ماتحت عدلیہ۔ اعلی عدلیہ سپریم کورٹ آف پاکستان ہے۔ ماتحت عدالتوں میں ہائی کورٹ ہیں جو چاروں صوبوں میں ہیں اور اسلام آباد کیپیٹل ٹیریٹری کے لیے ایک الگ ہائی کورٹ ہے۔ ضلعی سطح پر ضلعی، سیشن عدالتیں اور فیملی کورٹ ہیں۔ سپریم کورٹ اور اعلی عدلیہ کی آئین کے تحفظ کی ذمہ داری ہے۔ پھر بھی خصوصی کیس کے علاوہ کوئی بھی ہائی کورٹ اور نہ ہی سپریم کورٹ قبائلی علاقوں کے دائرہ اختیار پر عمل پیرا ہو سکتی ہے۔ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان کے متنازعہ علاقوں میں عدالتوں کا الگ نظام موجود ہے۔ پاکستان کا قانونی و عدالتی نظام انگریزی اور اسلامی مشترکہ قانون اور اسلامی قانون پر مبنی ہے۔ 1947 سے 1978 کے درمیان، اسلامی قانون زیادہ تر ذاتی حیثیت کے معاملات جیسے شادی، وراثت اور طلاق تک محدود تھے۔ قانونی نظام کی اسلامائزیشن کا آغاز جنرل ضیاء الحق کے دور میں ہوا تھا۔ انہوں نے پاکستان کے فوجداری انصاف کے نظام میں دور رس تبدیلیوں کو متعارف کرایا، ساتھ ہی متوازی عدالتی نظام بھی تشکیل دیا جس میں شریعت عدالتوں پر مشتمل ہے۔

وفاقی شرعی عدالت: وفاقی شرعی عدالت پاکستان کا سربراہ منصف اعظم کہلاتا ہے۔ وفاقی شرعی کورٹ پاکستان میں اسلامی اور شرعی احکامات کے تناظر میں فیصلہ کرتی ہے۔ اس عدالت میں ملک سے سودی نظام کے خاتمے سمیت دیگر اہم مقدمات کی سماعت کی جا چکی ہے۔ وفاقی شرعی عدالت پاکستان 8 (آٹھ) مسلمان ججوں پر مشتمل ہے، جن میں چیف جسٹس کے ساتھ ساتھ تین ایسے جج ہوتے ہیں جو علوم اسلامیہ کے جانکار اور شریعت کے عالم ہوتے ہیں۔ یہ تمام جج صدر پاکستان کی منظوری سے منتخب کیے جاتے ہیں جو سپریم کورٹ یا کسی بھی صوبائی ہائی کورٹ کے ریٹائرڈ یا حاضر سروس ججز میں سے ہوتے ہیں۔ اس کورٹ کے فیصلوں کے خلاف درخواست پاکستان کی سپریم کورٹ کے اپلیٹ بینچ کے دفتر میں دائر کی جا سکتی ہے۔

12.13 چین کا عدالتی نظام (Judicial System of China)

چین کا عدالتی نظام بہت سے ذیلی نظاموں پر مشتمل ہے۔ لیکن سب سے زیادہ ذکر ہونے والے حصے سپریم پیپلس کورٹ، اعلی عوامی عدالت اور بنیادی عوامی عدالتیں ہیں۔

سپریم پیپلس کورٹ: ریاست کے اعلی ترین عدالت کی حیثیت سے اس کے چار بنیادی کام ہیں:

1۔ قانون کی تشریح	3۔ فیصلہ
3۔ قانون سازی	4۔ عدلیہ کی انتظامیہ۔

اعلی عوامی عدالت: عوامی جمہوریہ چین کی اعلی ترین مقامی عدالت ہے۔ ہر صوبے میں، یہ "پیپلز کانگریس" کے تابع ہے۔ عوامی جمہوریہ چین کی عوامی عدالتوں کے قانون کے مطابق یہ عدالتیں صوبائی سطح پر معاملات کی ذمہ دار ہیں۔ قومی معاملات سپریم پیپلز کورٹ کے ذریعے سنبھالے جاتے ہیں۔ ہر عوامی عدالت کے صدر کا انتخاب پیپلز کانگریس کرتی ہے۔ اور ججوں کا تقرر پیپلز کانگریس کی "اسٹینڈنگ

کمیٹی" کرتی ہے۔

انٹر میڈیٹ عوامی کی عدالتیں: یہ عدالتیں چین میں مقامی لوگوں کی دوسری نچلے درجہ کی عدالتیں ہیں۔ یہ عوامی عدالتیں مقامی معاملات سنبھالتی ہیں اور بنیادی عوامی عدالتوں سے اپیل کے مقدمات سنتی ہیں۔

بنیادی عوامی عدالتیں: یہ عدالتیں دیہی کاؤنٹیوں یا میونسپل اضلاع میں واقع ہیں، کچھ شہری، معاشی، انتظامی اور فوجداری مقدمات میں اصل دائرہ اختیار رکھتی ہیں۔ معمولی سول اور مجرمانہ معاملات سے نمٹنے کے لیے کچھ بنیادی سطح کی عدالتوں نے لوگوں کے ٹریبونلز قائم کیے ہیں۔

12.14 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی کا مطالعہ کرنے کے بعد طلبہ اب دنیا کے مختلف ملکوں کی عدلیہ کا معنی اور اس کا مفہوم سمجھ پائیں گے۔

- عدلیہ کی ضرورت و اہمیت اور اس کے فرائض کیا کیا ہیں اس کو بھی سمجھنے کے قابل ہونگے۔
- ہندوستانی عدلیہ کے نظام اور اس کی ساخت کیا ہے اس کا بھی اچھی طرح معلومات حاصل کریں گے۔
- دنیا کے دیگر نظام عدلیہ جیسے چین امریکہ، برطانیہ، سویجر لینڈ، ترکی، اور فرانس میں عدلیہ کی نظام اس کی ساخت اور اس کے فرائض کو بھی مکمل طریقے سے واقف ہونگے۔

12.15 کلیدی الفاظ (Keywords)

- لوک عدالت : عوامی عدالت
- ہاؤس آف لارڈز : برطانوی پارلیمنٹ کا ایوان بالا۔
- کاؤنٹی: برطانیہ : آئرلینڈ اور ریاست متحدہ میں مقامی حکومت کے علاقے۔
- جیوری سسٹم : عدالت میں عوام کے ممبروں کا ایک گروپ جو کسی جرم کے معاملے کی سماعت کرتے اور فیصلہ سناتے ہیں۔

12.16 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

12.16.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ہندوستان کے سپریم کورٹ کا افتتاح کس ایکٹ کے تحت ہوا؟

(a) گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ، 1935 (b) حکومت ہند ایکٹ 1919

(c) پٹس انڈیا ایکٹ 1773 (d) ان میں سے کوئی نہیں

2. ہندوستان کے سپریم کورٹ کا افتتاح کب ہوا؟

(a) 28 جنورتی 1950 (b) 18 جنوری 1950

(c) 28 جنوری 1952 (d) 21 جنوری 1955

3. ہندوستان کے سپریم کورٹ کے ججوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a)30 (b)31 (c) 32 (d) 34

4. سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا تقرر کون کرتا ہے؟

(a)صدر ہندوستان (b)وزیر اعظم (c)پارلیمینٹ (d)وزارت انصاف

5. کون سپریم کورٹ کے جج کو ہٹا سکتا ہے؟

(a)چیف جسٹس (b)صرف صدر ہندوستان (c)صرف پارلیمینٹ (d)صدر، پارلیمینٹ دونوں

6. مندرجہ ذیل میں سے کون سا آرٹیکل سپریم کورٹ کے قیام کے بارے میں بات کرتا ہے؟

(a)آرٹیکل 176 (b)آرٹیکل 153 (c)آرٹیکل 124 (d)آرٹیکل 324

7. اس وقت ہندوستان میں ہائی کوٹوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a)آرٹیکل 25 (b)آرٹیکل 28 (c)آرٹیکل 29 (d)آرٹیکل 21

8. ہندوستان کی فیملی عدالتیں کس ایکٹ کے ذریعے قائم کی گئیں؟

(a)ایکٹ 1984 (b)ایکٹ 1985 (c)ایکٹ 1986 (d)ایکٹ 1988

9. ہمارے آئین کا آخری ترجمان کون ہے؟

(a)عدلیہ (b)حکومت (c) عاملہ (d)وزارت انصاف

10. موجودہ برطانوی عدالتی نظام کی بنیاد کن قوانین پر رکھی گئی ہے؟

(a)عمومی قوانین (b)خصوصی قوانین (c)لیگل قوانین (d)ان میں سے کچھ نہیں

12.16.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی سپریم کورٹ کی ساخت پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ ہندوستان میں فیملی کورٹ کے مقاصد اور اس کے فرائض کے متعلق وضاحت کیجیے۔

3۔ فاسٹ ٹریک کورٹ کی ہندوستان میں کیوں ضرورت پیش ہوئی؟

4۔ نظام عدل کی ضرورت کیوں درکار ہے؟ واضح کیجیے۔

5۔ تمام جمہوری ممالک میں آزاد اور غیر جانبدار عدلیہ کے نظام کی اہمیت پر روشنی ڈالیں۔

12.16.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی عدلیہ پر تفصیلی روشنی ڈالیے۔

2۔ ترکی کے عدالتی نظام کو قلم بند کیجیے۔

3۔ پاکستان کی وفاقی شرعی عدالت پر ایک نوٹ لکھیے۔

12.17 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Baxi, Upendra, (1986), Towards A Sociology of Indian Law, Satvahan, New Delhi
2. Basu, D.D. (1972), Limited Government and Judicial Review.
3. Lingat, Robert (1973), The Classical Law of India, Thomson Press, New Delhi.
4. Stokes, Eric, (1959), The English Utilitarian & India, Cambridge, London.
5. Dr. S.R. Myneni (2021) Legal System in the World (Comparative Law)

اکائی 13 ۔ سیاسی جماعتیں: معنی اور نوعیت

(Political Parties: Meaning and Nature)

اکائی کی اجزا

13.0 تمہید

13.1 مقاصد

13.2 سیاسی جماعتیں کا پس منظر

13.3 سیاسی جماعتیں کے معنیٰ اور تعریف

13.4 سیاسی جماعت کی فرائض

13.5 مختلف سیاسی نظام

13.6 اکتسابی نتائج

13.7 کلیدی الفاظ

13.8 نمونہ امتحانی سوالات

13.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

13.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم سیاسی جماعتیں معنی اور نوعیت کا مطالعہ کریں گے

ایک سیاسی جماعت کے رکن ہمیشہ منظم رہتے ہیں۔ وہ کچھ اصولوں پر مشترکہ عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہیں آئینی ذرائع پر مشترکہ یقین ہے آئینی ذرائع کے ذریعے سرکاری مشینری پر قبضہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان کا بنیادی مقصد اپنے مفادات کے بجائے قومی مفاد کو فروغ دیناہے۔ سیاسی جماعتیں اور اس کے معنی، نوعیت اور اس میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، جاپان، کناڈا، نیوزیلینڈ، شمالی کوریا، چین، بھارت کے اہم جماعتوں کی ایک پارٹی نظام، دو پارٹی نظام اور کثیر پارٹی نظام کے بارے میں اور مختلف پارٹیوں کے نام وغیرہ متعلق بھی تفصیل سے تذکرہ کیا جائے گا، اور سبھی دیگر پہلویوں کے بارے میں جاننے کی کوشش کریں گے تاکہ طالب علم اسے اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد سارے مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن جائے۔

13.1 مقاصد(Objective)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ "سیاسی جماعتیں: معنی اور نوعیت" جس میں اس تعلق سے سارے پہلو کو اس طرح بیان اور واضع کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد "سیاسی جماعتوں: معنی اور نوعیت" کے بارے میں جان سکیں گے۔ اور اس میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، جاپان، کناڈا، نیوزیلینڈ، شمالی کوریا، چین، بھارت کے اہم جماعتوں کے ایک پارٹی نظام، دو پارٹی نظام اور کثیر پارٹی نظام کے بارے میں اور مختلف پارٹیوں کے نام وغیرہ سے متعلق بھی تفصیل سے تذکرہ کیا جاسکے گا۔ تاکہ اس حوالہ سے تمام طرح کے سوالات و شکوک و شبہات کو نہ صرف یہ کہ خود اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ سکیں بلکہ "سیاسی جماعتیں: معنی اور نوعیت" کے مختلف پہلوؤں مثلاً سیاسی جماعتیں کا پس منظر، اس کے معنی اور تعریف، اہمیت، نوعیت، درجہ بندی، فرائض، خوبیاں اور خامیاں، خامیاں کو دور کرنے کے ذرائع، ایک جماعتی، دو جماعتی اور کثیر جماعتی نظام پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں، انکا جواب دینے کے قابل ہو جائیں۔

13.2 سیاسی جماعتیں کا پس منظر (Historical Background of Political Parties)

عام بول چال کی زبان میں افراد کے اس گروہ کو جماعت کہتے ہیں جو کسی خاص مقصد کے تحت منظم اور متحد ہو جاتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ سیاسی جماعتیں کے بارے میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ دور جمہوریت کا دور ہے۔ تمام شہریوں کو اپنے خیالات کا اظہار کرنے اور حکومت کے کام کرنے پر تنقید کرنے کا حق ہے۔ لوگوں کو انتظامیہ چلانے کا حق مل گیا ہے۔ فرد خود لوگوں کو ان حقوق کا استعمال نہیں کر سکتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ سیاسی جماعتیں معرض وجود میں آئیں۔ سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی میں آج ہماری سیاسی زندگی نامکمل ہو جائے گی۔ حالانکہ سابق امریکی صدر **جارج واشنگٹن** نے اپنی الوداعی تقریب میں امریکی عوام سے خطاب کرتے

ہوئے انہیں سیاسی پارٹی یا جماعت کے قیام سے منع کیا تھا لیکن ایک سیاسی جماعت کی اہمیت کیا ہوتی ہے یہ ان لوگوں سے پوچھا جائے جنہیں اب تک رائے دہی کا حق نہیں ملا ہے۔ جمہوری نظام کے لیے سیاسی جماعتیں نہایت ضروری ہے۔ جمہوری نظام میں سیاسی جماعت کے بغیر حکومت کی تشکیل بے معنی ہے۔ سماج میں ایسی بہت سی جماعتوں کا وجود ممکن ہے مثال کے طور پر مذہبی، معاشی، ثقافتی وغیرہ جماعتیں اپنے اپنے مقاصد کے اصول کے لیے جدوجہد کرسکتی ہیں جو ایک خاص سیاسی نظریہ کے تحت متحد ہو کر اپنے خیالات کی تشہیر کے ذریعہ عوام کو اپنا ہمنوا بنا کر دستوری ذرائع سے حکومت کے اختیارات حاصل کرنا چاہتی ہیں اور اپنے نظریہ کے مطابق ملک کے نظم ونسق کو چلانا چاہتی ہیں۔ اس طرح کسی بھی ملک میں بہت سی سیاسی جماعتیں وجود میں آسکتی ہیں جو مختلف نظریوں اور مختلف پروگرام کی حامی ہوں لیکن قومی فلاح وبہبود کا جذبہ ہی ان کی کارکردگی کا مرکزی نقطہ ہونا چاہیے۔ سیاسی جماعتیں جمہوریت کی ستون اور عوام کی ترجمان ہوا کرتی ہیں جب کہ دباؤ بنانے والی جماعتیں سیاسی جماعت تو نہیں مگر سیاسی نظام میں ان کے اثر کو نظر انداز بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ پریشر گروپ حکومت تو نہیں بناتی مگر حکومت بنوانے میں اہم رول ادا کرتی ہے۔ اپنی مقاصد کے حصول کے لیے یہ حکومت کے سر پر ہمہ وقت منڈراتی رہتی ہے۔

سیاسی جماعتیں اور رائے دہندگان حکومت کے مابین کھڑے رہتے ہیں۔ **بارکر** نے بجا طور پر ان کو ان نقادوں کے کھڑا کیا جو معاشرے کے رضاکارانہ علاقے سے معاشرتی فکر کے عمل کو حکومت کے علاقے میں لے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں جماعتیں بڑی ہو کر معاشرتی سوچ کو سیاسی عمل میں لانے لگی ہیں۔ اب عام طور پر، اس بات پر اتفاق کیا گیا ہے کہ نمائندہ حکومت سیاسی جماعتوں کے بغیر کام نہیں کرسکتی۔ پھر بھی، حیرت انگیز طور پر، پارٹی نظام کا رجحان سو سال پہلے تقریباً نامعلوم تھا۔ ریاست برائے متحدہ امریکہ کے بانی اجداد کے لیے جماعتوں کا اثر ورسوخ خراب تھا۔ وہ پورے لوگوں کو ایک اکائی سمجھتے تھے۔ **بلنشلی** کے جامع نظریہ میں بھی جماعت، حکومت کا کوئی حوالہ نہیں ہے، جیسا کہ **میکاورنے** بتایا ہے،"پارلیمنٹ کی حکومت کے دلائل سے یہ بات سامنے آئی کہ وزارت اور نمائندوں کے مابین تنازعہ کا فیصلہ کسی ایک نے کیا تھا۔ ملک سے اپیل کریں، اگر وزارت شکست ہوئی تو یا جب غیر مقبول حکومت کو استعفیٰ دینا مناسب سمجھا، کہ فریقین کی اہمیت میں اضافہ ہوا، اور انہوں نے ایک نیا فرض یا حیثیت شروع کیا۔

صرف ایک باضابطہ جمہوری جماعتیں ہی اہمیت حاصل کرتی ہیں۔ جمہوریت میں سرکاری اہل کاروں اور پالیسی سے متعلق فیصلے کرنے کی ذمہ داری بالآخر شہریوں پر عائد ہوتی ہے۔ اس نے معاشرتی علاقے کو اب تک نامعلوم سیاسی طاقت کے وسیع ذخائر میں بدل دیا ہے۔ معاشرتی علاقے میں تنازعات تناؤ کا باعث بنتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ سیاسی مسائل کو جنم دیتے ہیں، یہ ہے کہ فریقین ان امور کو "مہم گولہ بارود" کے بطور استعمال کریں۔ آزادانہ تقریر اور اسمبلی کے حقوق کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر بالغ افراد کی رائے دہندگی کے استعمال سے ووٹ ڈالنے کی طاقت کو متحرکہ کرنا اور حکومت کے کنٹرول کے لیے انتخابات جیتنا لازمی قرار دیا جاتا ہے۔ مختصراً شہریوں کے بڑے پیمانے پر فرنچائز کی توسیع کے ساتھ، سیاسی پارٹیوں کے آپریشن میں سیاسی طاقت کے لیے جدوجہد کو ادارہ بنایا ہو ہے۔ **سیت** نے بجا طور پر مشاہدہ کیا ہے کہ " آفاقی استحکام کی حکومت کے تحت، وہ سمندر کے لہروں کی طرح ناگزیر ہیں۔"

یہ سیاسی جماعتوں کا دور ہے۔ کسی بھی ملک کی انتظامیہ کو سیاسی پارٹیوں کی بالادستی کے بغیر چلانا ممکن نہیں ہے۔ انتخابات پارٹی کی

بنیادوں پر ہوتے ہیں اور پارلیامنٹ کے ذریعے قانون سازی کا کام بھی ہوتا ہے۔ انتظامیہ بھی سیاسی پارٹی کے پروگرام کے مطابق چلتی ہے جس کی مقننہ میں اکثریت ہے۔ **لارڈ برائس** کی رائے ہے کہ سیاسی جماعتوں کا وجود سب سے زیادہ ضروری ہے اور کوئی عظیم ملک ان کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتا۔

13.3 سیاسی جماعتیں کے معنیٰ اور تعریف (Meaning and Definitions of Political Parties)

سیاسی جماعت کے تعریف کرتے ہوئے الگ الگ ماہرین نے الگ الگ اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن چند باتیں ان میں حد درجہ مشترکہ ہیں۔ سیاسی جماعتیں جمہوری حکومت کے میکانزم کا لازمی حصہ بنتی ہیں۔ وہ حیات کی طاقت ہے جو حکومت کے پہیے کو متحرک رکھتی ہے۔ سیاسی جماعتیں متحرکہ سیاسی عمل مہیا کرتی ہیں۔ اس کا بنیادی مقصد پارٹی کی اپنی اپنی رائے اور پالیسی پر حاوی ہونا ہے۔ ایسا کرنے کے لیے ریاست میں مقننہ کو کنٹرول کرنا ضروری ہے۔

سیاسی جماعت کی تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے **ایڈمنڈ برک** کہتے ہیں: "سیاسی جماعت ان لوگوں کا گروہ ہے جو اپنی متحد کوشش سے قومی مفاد کو ان خاص اصولوں کے مطابق ترقی دینا چاہتے ہیں جن سے وہ لوگ متفق ہوتے ہیں۔"

پروفیسر گل کرائسٹ کے لفظوں میں، "سیاسی جماعت افراد کے اس گروہ کو کہتے ہیں جس کے افراد ایک سیاسی نظریہ پر متفق ہوں اور جو ایک اکائی کی طرح کام انجام دے کر حکومت پر کنٹرول رکھنے کی کوشش کرتے ہوں۔"

اس سلسلے میں **مونرو** کے الفاظ یہ ہیں۔ "سیاسی جماعت ان اشخاص کا گروہ ہے جو عوامی مسائل پر متفق ہوں۔"

پروفیسر گیٹل نے اس کی تعریف اس طرح کی ہے۔ "سیاسی جماعت کم و بیش منظم شہریوں کی ایسی جماعت ہے جو ایک سیاسی اکائی کی شکل میں کام کرتی ہے اور اپنی رائے دہی کی قوت کا استعمال کر کے حکومت کو کنٹرول کرنا اور اپنے کو عملی جامہ پہنانا چاہتی ہے۔"

برائس نے کچھ اس طرح کہا ہے کہ پارٹیاں ناگریز ہیں، کوئی مفت نہیں، بڑا ملک ان کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے۔

ہرمین فائنر کے مطابق، "سیاسی جماعتیں رضاکارانہ رکنیت کے ساتھ منظم تنظیمیں ہیں، جس کے متعلق توانائی کو سیاسی طاقت کے حصول میں ملازمت کی جارہی ہے۔"

مجموعی طور پر سیاسی پارٹی لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک مشترکہ مقاصد کے حصول کے لیے متحد ہوتے ہیں۔ ان کی پالیسی، خیالات، نظریات اور کام کرنے کے طریقے میں یکسانیت پائی جاتی ہے۔ حکومت سازی ان کا اصل مقصد ہوتا ہے۔

13.3.1 سیاسی جماعت کی خصوصیات (Characteristics of Political Parties)

مندرجہ بالا تعریفوں کے تجزیہ سے سیاسی جماعتوں کی چند **خصوصیات** کا پتہ چلتا ہے جو حسب ذیل ہیں:

(1) ایک اصول اور نظریہ پر اتفاق: کسی بھی سیاسی جماعت کے افراد کا اس جماعت کی بنیادی پالیسی سے اتفاق ضروری ہے۔ فردعی معاملات میں جماعت کے افراد میں کچھ اختلافات ہو سکتے ہیں، لیکن اگر ان کے اندر بنیادی نظریہ پر اختلاف ہو تو وہ جماعت متحد ہو کر جدوجہد

نہیں کر سکتی اور نتیجے کے طور پر وہ اپنے مقصد کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

(2) اسے منظم ہونا چاہیے: سیاسی جماعت کے نظریہ سے متفق افراد کا منظم ہونا ضروری ہے۔ منظم ہونے سے مراد یہ ہے کہ اس جماعت کے کچھ طے شدہ تحریری یا غیر تحریری قواعد اور ضوابط ہوں جس کی پابندی اس کے ہر رکن پر لازمی ہو اس طرح کی تنظیم کی عدم موجودگی میں جماعت ایک ہجوم کہلائے گی۔ تنظیم کا مطلب یہ بھی ہے کہ اس جماعت کے عہدہ دار ہوں جو طے شدہ ضوابط کے تحت منتخب ہوتے ہوں۔

(3) دستوری ذرائع کا استعمال: سیاسی جماعتیں اپنے مقاصد کے حصول کے لیے دستوری ذرائع کے استعمال پر یقین رکھتی ہیں۔ وہ جماعت سیاسی جماعت کہلانے کا حقدار نہیں ہے جو تشدد پر یقین رکھتی ہو۔

(4) عوامی فلاح و بہبود کے لیے کوشش: سیاسی جماعت کا نصب العین قومی فلاح و بہبود ہے۔ اگر کوئی جماعت کسی خاص فرقہ یا گروہ کے مفاد کو سامنے رکھتی ہے تو اسے سیاسی جماعت نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ ایسی جماعتیں خود غرضی اور مفاد پرستی کی ترغیب دیتی ہیں۔

13.3.2 سیاسی جماعت کے متعلق مارکسی نظریہ (Marxist Theory of Political Parties)

کارل مارکس اور اشتراکی نظریہ کے دوسرے مبلغین سیاسی جماعتوں سے متعلق ایک الگ انداز، فکر اور نظریہ رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ملک کے اندر مختلف جماعتوں کا وجود اس حقیقت کی غمازی نہیں کرتا کہ سماج میں موجود افراد کے خیالات و تصورات میں اختلافات ہیں بلکہ سماج کے اندر ان کا وجود معاشی عدم مساوات کا مظہر ہے۔ بالفاظ دیگر چونکہ سماج معاشی طور پر بہت سے طبقات میں منقسم ہے، اس لیے مختلف سیاسی جماعتیں کسی نہ کسی طبقہ کے معاشی مفاد کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان سیاسی جماعتوں میں کسی قسم کی مفاہمت ممکن ہی نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، سرمایہ داروں کی جماعت جن کے کنٹرول میں ملکی پیداوار کے ذرائع ہیں ان مزدوروں کی جماعت سے کبھی بھی مفاہمت قائم نہیں کر سکتی جن کے افراد اپنی جسمانی محنت کے ذریعے اپنی روز مرہ کی ضرورتوں کو پوری کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک جماعت سرمایہ داروں کی نمائندگی کرتی ہے، دوسری کسانوں اور تیسری مزدوروں کی وغیرہ وغیرہ۔ ایک سیاسی جماعت متضاد مفاد رکھنے والے مختلف طبقات کی نمائندگی کرنے سے قاصر ہے۔

کارل مارکس اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ سیاسی جماعتیں دستوری طور پر اس حربوں کا سہارا لے کر سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہیں اور اس کا خیال ہے کہ جو سیاسی جماعت سرمایہ داروں کی نمائندگی کرتی ہے اس کے کنٹرول میں پیداوار کے تمام تر ذرائع ہیں۔ ریاست کے قانون، اس کی پولس اور فوج یہاں تک کے ریاست کا عدلیہ اور دستور اساسی بھی انہیں سرمایہ داروں کی تخلیق ہیں اور انہیں کے مفاد کے محافظ ہیں۔ اس لیے کبھی بھی وہ دوسری جماعت کو دستوری طور پر سیاسی اقتدار حاصل کرنے کا موقع نہیں دیں گے۔ ایسی صورت میں واحد راستہ انقلاب کا راستہ ہے۔ اس لیے مارکسی اور اشتراکی نظریہ کے دوسرے مبلغین کا عقیدہ ہے کہ مزدوروں کی جماعت صرف انقلاب کے ذریعے ہی سیاسی اقتدار کو حاصل کر سکتی ہے۔

13.3.3 سیاسی جماعت کی اہمیت (Importance of Political Parties)

پارلیمانی، صدارتی یا پھر مجموعی طور پر جمہوری نظام میں سیاسی جماعتیں کی اہمیت کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ سیاسی جماعتیں عوام کی ترجمان اور ملک کی قسمت کا آئینہ ہوا کرتی ہیں۔ ان کے وجود کے بغیر ہم جمہوریت کی کامیابی کا تصور نہیں کر سکتے۔ یہ لوگوں کے ذہن کو سیاسی، سماجی، اقتصادی، داخلی اور خارجی مسائل کے طرف مبزول کراتی ہیں، ساتھ ہی ساتھ اپنی پالیسی اور نظریات کو بھی عوام کے سامنے رکھتی ہیں۔ انتخاب کے وقت اپنی سرگرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سیاسی تقریریں کرتی ہیں اور کتابچے شائع کرواتی ہیں، جنہیں ہم انتخابی منشور کہتے ہیں اور اس منشور میں اس کی نظریات اور مسائل کے روبروان کے مقام کو واضح کیا جاتا ہے۔

حکومت سازی سیاسی جماعتوں کی معراج ہوتی ہے۔ انتخاب میں اکثریت پانے والی سیاسی جماعت حکومت کی تشکیل کرتی ہے۔ اکثریت نا پانے والی سیاسی جماعت بطور حزب اختلاف ایک تعمیری رول ادا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ حزب اختلاف، حزب اقتدار کے ہر قدم کو اپنی تنقید کا نشانہ بناتی ہے اور عوام کو حکومت کے خلاف رائے قائم کرنے کے لیے باور کرتی ہے۔ حالانکہ سیاسی جماعتوں میں ہزار خامیاں ہوا کرتی ہیں، لیکن اس کے باوجود بھی جمہوریت کی ترقی، تقویت کے لیے ان کا وجود لازمی ہے۔ پارلیمانی ہو یا صدراتی دونوں ہی طرز حکومت میں سیاسی جماعتوں کی زبردست اہمیت ہے۔ مقننہ میں اکثریت حاصل کرنے والی سیاسی جماعت حکومت بناتی ہے جب کہ اکثریت نہ پانے والی جماعتیں، مخالف جماعت کا رول ادا کرتی ہیں۔ یہ اپوزیشن پارٹیاں حکومتی پالیسیوں پر تنقید کرتی ہیں اور حکومت کو جابر ہونے سے روکے رکھتی ہیں۔

سیاسی جماعتوں کی عدم موجودگی میں حکومت کا تصور بے معنی لگتا ہے۔ اس ضمن میں برائس کہتے ہیں، یعنی کہ ایک آزاد ملک کے لیے سیاسی جماتیں ناگزیر ہیں کیونکہ ان کے بغیر ہم پارلیمانی طرز حکومت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ وہ سماج میں نظم وضبط لانے کا کام کرتی ہیں، رائے دہندوں کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتی ہیں اور اگر وہ ایک برائی کو جنم دیتی ہیں تو دوسری برائی کو ختم یا کم بھی کرتی ہیں۔

13.3.4 سیاسی جماعتوں یا پارٹیوں کی درجہ بندی (Classification of Political Parties)

تبدیلیوں کی طرف رویہ کے بنیاد پر، سیاسی جماعت کی درجہ بندی کو "لبرل" یا" آزاد خیال" کا نام دیا جا سکتا ہے، جب سیاسی جماعت تبدیلی اور ترقی کی تائید کرتی ہے اور اسے "قدامت پسند" یا" کنزرویٹو" کہا جا سکتا ہے جب یہ قائم کردہ آرڈر یا حکم کی حمایت کرتی ہے اور تبدیلیوں کی حمایت سے انکار کرتی ہے۔ پارٹیوں کو بھی حق کی جماعتوں کے طور پر درجہ بندی کیا گیا ہے جیسے "دائیں" (رائٹ)، "بائیں" (لیفٹ)، اور "مرکز" (سینٹر)۔ دائیں چیمپین کی جماعتیں حکم یا آڈر کو قائم کرتی ہے، اور بائیں بازو کی جماعتیں آزادی اور ترقی کو دفاع کرتی ہیں، مرکز کی جماعتیں کسی حد تک دونوں کی خصوصیات کو یکجا کرتی ہیں۔ **لویل** نے ایک نئی درجہ بندی کو "مطمئن" اور "ناپسندیدہ" پارٹیوں کے طور پر دیا ہے۔ پارٹیاں تبدیلی یا رجعت پسند جماعتوں سے پر امید ہیں۔ "ریڈیکلس" وہی لوگ ہیں جو موجودہ حکم سے ناامید ہیں لیکن مستقبل میں بہتری کی امید ہیں۔ "لبرلس" وہ لوگ ہیں جو موجودہ سے مطمئن ہیں اور امید کرتے ہیں کہ مستقبل میں اس کی بہتری آئے گی۔ "قدامت پسند" حال سے مطمئن ہیں۔ جب کہ وہ مستقبل میں بہتری کی امید نہیں رکھتے ہیں۔ "رد عمل" وہ لوگ ہیں جو موجودہ حالت سے

مایوس ہیں اور پھر بھی بہتری کی امید نہیں رکھتے ہیں۔

ڈوورجر کے مطالعہ سے کچھ دلچسپ پہلو درج ذیل ہوسکتے ہیں:

(3) ڈوورجر کے تجزیہ میں پارٹی کی سب سے زیادہ دلچسپ پارٹی ڈھانچے کی درجہ بندی ہے۔اس کی چار قسم کی ساخت کا مشورہ دیا گیا ہے: (1) کاکس، (2) شاخ، (3) سیل اور (4) ملیشیا۔

(1) کاکس: کاکس مقدار کے بجائے معیار پر زور دینے کے ساتھ چھوٹی رکنیت پر انحصار کرتا ہے۔ یہ انتخابات کے درمیان عملی طور پر غیر فعال رہتا ہے اور انتخابی سرگرمیوں میں شامل ہونا بنیادی مقصد سمجھتا ہے۔ ایک براہ راست کاکس ہے جس کے ممبر مقامی بااثر اور قابل ذکر ہیں۔

(2) شاخ : شاخ یا برانچ پارٹی حق رائے دہی میں توسیع کے ساتھ تاریخ میں پیدا ہوئی۔ ایک عوامی یا ماس پارٹی ہونے کے ناطے، زیادہ سے زیادہ ممبروں کو اندراج کرنے میں دلچسپی لیتی ہے۔ اس کی سرگرمیاں ایک وسیع رینج کا احاطہ کرتی ہے اور صرف انتخاب کے درمیان تک ہی محدود نہیں ہیں۔ شاخ پارٹی ایک مرکزی پارٹی ڈھانچہ بنائے گی جس میں اس کی بنیادی اکائیوں کو خلا میں جغرافیائی طور پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

(3) سیل: تیسری قسم کا ڈھانچہ 'سیل' ایک کمیونسٹ ایجاد ہے۔ سیل ایک پیشہ ورانہ بنیاد رکھتا ہے۔ یہ پارٹی کے تمام ممبروں کو متحد کرتا ہے جو ایک ہی جگہ پر کام کرتے ہیں جیسے فیکٹری، دکان، دفتر وغیرہ وغیرہ۔ مقامی علاقوں کی بنیاد پر بھی علاقے کے خلیات ہوسکتے ہیں۔ لیکن اصل سیل کام کی جگہ کا سیل ہے۔ سیل شاخ سے بہت چھوٹا گروپ ہے۔ سیل کی رکنیت عام طور پر بہت کم ہوتی ہے۔ اس سے اس کے ممبروں پر کافی زیادہ گرفت ہوتی ہے۔ ایک سیل تشکیل دینے والا گروپ مستقل طور پر ہوتا ہے کیونکہ پارٹی کے ممبران روزانہ کام کی جگہ پر چکر لگاتے ہیں

(4) ملیشیا: چوتھی قسم کی پارٹی ڈھانچہ ملیشیا ہے۔ یہ ایک نجی فوج کی ایک قسم ہے جس کے ممبروں کو فوجی خطوط پر بھرتی کیا جاتا ہے۔ انہیں فوجوں کی طرح ایک ہی نظم وضبط اور تربیت کا نشانہ بنایا جاتا ہے، ایک بینڈ اور جھنڈے سے پہلے قدموں پر مارچ کرنے اور دشمن سے جسمانی لڑائی میں ہتھیاروں سے ملنے کے لیے بیج اور یونیفارم پہن کر تیار ہوتے ہیں۔ پارٹی کے ارکان عام شہری ہوتے ہیں جن کو تنظیم کے ذریعے مستقل طور پر متحرک یا برقرار نہیں رکھا جاتا ہے۔ لیکن ان کو ہمیشہ قائدین کے اختیار میں خود کو روکنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ **ہٹلر** کے طوفان برداروں اور **مسولینی** کی فاشسٹ ملیشیا اس نوعیت کے ڈھانچے کی قابل ذکر مثال ہیں۔

13.3.5 سیاسی جماعتوں کی نوعیت یا فطرت (Nature of Political Parties)

ایک سیاسی جماعت ایک گروپ ہے جو ایک حکومت کو کنٹرول کرکے اسے محفوظ بنانے کے لیے کام کرتی ہے۔ ظاہر ہے، سیاسی جماعتوں کے بارے میں پہلا اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ کچھ حد تک تنظیم اور مستقل مزاج کے گروپ ہیں۔ یہاں، ان کا عارضی سیاسی تنظیموں اور کھانے کی قیمتوں میں اضافہ اور قحط مزاحمت کمیٹی کی حیثیت سے متصادم ہوسکتا ہے، جو کسی خاص عارضی مسئلے کی حمایت یا مخالفت کرنے کے واحد مقصد کے لیے سابقہ ہے۔ دوسری طرف، سیاسی جماعتوں کے پاس اپنی مستقل مزاجی یادگری ہے جو اپنی تنظیموں کی طاقت سے بسر

کرتے ہیں، جس کے بغیر ان کے نظریات کا پھیلاؤ ممکن نہیں ہے۔ دوم، فریقین کے یقینی مقاصد لازمی ہے۔ مقاصد اکثر حتمی اور فوری مقاصد کا مرکب ہوتے ہیں۔ پارٹی کے پروگراموں میں قانون اور حکومت کے بارے میں آئیڈیاز ہوتے ہیں، جو آئندہ آنے والی سیاسی چیزوں کی شکل کے بارے میں پہچانتے ہیں اور اپنے اپنے برانڈ کے سیاسی نظریات پر فوکس کرنے کے لیے پارٹی جرابوں کی گرفت کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ، مادی فوائد کو تسلیم کرنا جو حکومت کی طاقت کے حصول کے ساتھ ہوتے ہیں، پارٹی پروگرام کا ایک حصہ بناتے ہیں۔

کچھ معاملات میں، جیسا کہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں، مادی مفادات کے لیے تشویش بھوک لگی ہے۔ کیونکہ ان کے بہت سارے مشتہر مثالی اصولوں پر دعویدار جماعتیں پکڑے ہوئے دکھائی دیتی ہیں۔ آخری تجزیہ میں، تقریباً شناختی خیالات بھی پائے گئے۔ کارل جے فریڈرک کے بطور، "مزید کیا ہے "کارل جے فریڈرک نے پھر کہا، "حکومت کے اصل کام کا مشاہدہ اس نتیجے کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ مثالی مقاصد جماعتوں پر حکومت کا کنٹرول حاصل کرنے کے لیے جدوجہد کرتے ہیں۔ یہ عملی سیاست کا ایک طغیانی ہے کہ ان کے باطن میں ہمیشہ زیادہ مضبوطی ہوتی ہے، ان لوگوں کے مقابلے میں جو اصولوں کی وکالت کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں، انگریزی پارٹی کی ترقی کے سلسلے میں **جولیس ہیٹ شیکہ** کے قانون کا حوالہ دیا جاسکتا ہے جس کی وسیع اہمیت ہے۔ جولیس ہیٹ شیکہ کے مطابق، ایک یقینی پروگرام والی جماعت، پہلے تو اقتدار میں آتی ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ، اس کے پروگرام کے کچھ کارنامے ناممکن نظر آتے ہیں اور اس کے حصوں کو پارٹی ممبروں کے ایک حصے نے مخالفت کیا ہے۔ اس طرح کی مایوس کن قوتیں کسی اور پارٹی کی تشکیل کا باعث بنتی ہیں، چاہے اس نے اپنا ہی کوئی یقینی پروگرام تیار کیا ہو یا نہیں۔ ایک بار پھر، نئی بنی پارٹی بھی، وقت کے ساتھ ساتھ، انضمام کے اس عمل سے مشروط ہے۔ لہٰذا، ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی جماعتوں کی نشوونما اور ترقی کے ساتھ۔ پروگرام اور اصول تقریباً ایک طرف ہو جاتے ہیں اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ مادی مفادات کی حقیقت پسندی کو تسلیم کرنا بھی ہے۔

باضابطہ جمہوریت میں پارٹیاں آئینی پیغامات کے اردگرد منظم ہوتی ہیں۔ آئین کے کام کا عمل کو ایک حصے کے طور پر کام کرتی ہیں، وہ مؤثر پابندیوں پر بطور نظام کی طرح کام کرتی ہیں۔ آئینی ذرائع کے مقاصد کے ذریعے سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے لیے کام کرتی ہیں۔ بعض اوقات ایسی تنظیمیں جن کا مقصد تشدد پر قبضہ کرنا یا دوسرے اپوزیشن گروپوں کو دبانا ہے اور غلط طور پر ایسی جماعتیں ہیں۔ جمہوریت میں شامل جماعتوں نے "اسلحے کے تصادم" کے لیے "نظریات کے تصادم" کے نتیجے میں حکومت کی مستقل تبدیلی کی سہولت فراہم کی۔ یہاں، وہ روس میں کمیونسٹ پارٹی جیسی حرکات سے وابستہ ہیں۔ بعد میں وہ مونو-خیال گروپوں کی تشکیل کرتی ہیں جن کی سیاسی اقتدار کی اجارہ داری متبادل پینوں کی تشکیل کی اجازت نہیں دیتی ہے۔ ان نام نہاد جماعتوں کے ساتھ، کس طرح چلنے والا، ہمیں کوئی سروکار نہیں ہے۔ اس موقع پر **میکس ویبر** کی طرف سے جماعتوں کو آمرانہ گروہوں اور دھڑوں سے ممتاز کرنے کی گنجائش کو نوٹ کرنا اہم ہے۔ اس کے مطابق، حقیقی جماعتوں "باضابطہ طور پر مفت بھرتی" پر آرام کرتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، ان کے دروازے ہر ایک کے لیے کھلے ہوتے ہیں جو رکن بننے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس، مفت داخلے کا یہ معیار روس میں کمیونسٹ پارٹی جیسے گروپوں پر لاگو نہیں ہوتا ہے جو کھلی جماعتوں کے برخلاف بند ہیں۔

پارٹیوں کی نوعیت کے بارے میں ہماری بحث نے یہ واضح کر دیا ہے کہ ان کے پاس ایک اچھی طرح سے بنا ہوا ادارہ اور فلسفہ ہونا چاہیے، یا مثالی اور مادی اشیاء کا بھی امتزاج ہونا چاہیے، ان کا مقصد آئینی ذرائع کے ذریعے حکومت کے قیام اور ان کو کنٹرول کرنا ہونا چاہیے۔ جماعت کی تنظیم میں خلوت پسندی یا انقلابی قیادت موروثی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ گھبراہٹ اپنی ذات کے لیے نہیں، اپنے قائدین کے لیے طاقت کو کچلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رہنماؤں کی تیاری پارٹی کا ایک لازمی حصہ نہیں ہے۔ پارٹیاں لڑنے والی گروہ ہیں۔

پارٹیاں لڑنے والے گروہ ہیں۔ وہ مستقل طور پر حکومتی اقتدار کو برقرار رکھنے یا ان پر قبضہ کرنے میں مصروف رہتی ہیں۔ لہٰذا، وہ حالات سے مجبور ہیں کہ وہ کامیاب جنگ کے اصولوں کو مانیں۔ مقتدرانہ یا کم سے کم درجہ بندی کی قیادت قدرتی طور پر حالات کے دباؤ سے ہوتی ہے۔ **جی سی فیلڈ** کا عمدہ نظریہ کا حوالہ اس طرح ہے، "ایک سیاسی جماعت ایک جھوپڑی یا بجائے دومکیت کی طرح ہوتی ہے، جس کے سر میں ٹھوس نیوکلئس ہوتا ہے اور لمبی چوٹی دم ہوتی ہے جو اس کی پیروی کرتی ہے۔" جس کے بعد آل پارٹی میں اعلیٰ رہنما، پارٹی کارکن، عام ممبر اور اسی طرح کے ہوتے ہیں۔ جرمنی کی سوشل ڈیموکریٹک پارٹی پر زیادہ تر توجہ مرکوز کرتے ہوئے، **رابرٹ مائیکلز** سے پتہ چلتا ہے کہ حریت پسند جماعتیں بھی درجہ بندی، بیوروکریٹک اور آمرانہ رجحانات کی نمائش کرتی ہیں۔ جمہوری پارٹیوں میں عروج یا عدم استحکام کی بنیادی وجہ ہے۔ اس کے مطابق، قیادت کی تکنیکی ناگزیریت بھی پائی جاتی ہے۔ **مائیکلز** کے حوالہ سے، ہر پارٹی کی تنظیم جمہوری کاسس پر مبنی ایک ایلیگریٹک طاقت کی نمائندگی کرتی ہے۔ ہم ہر جگہ انتخابی اور منتخب ہونے والے پائے جاتے ہیں۔ نیز ہمیں بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ منتخب عوام کی طرف سے منتخب رہنماؤں کی بے حد طاقت تقریباً لا محدود ہوتی ہیں۔

یہ مزید بھی غور کیا جا سکتا ہے کہ ان کے فرق کے باوجود بھی اس میں حصہ لیا گیا ہے۔ عام طور پر سیاسی امور کے قانونی معاملات کے بارے میں نقطہ نظر کے اتحاد کی بات کرنا آئین کے ذریعے تیار کیا گیا ہے۔ وہ جیسا کہ آئین کی پارٹیوں میں شامل سرزمین کے بنیادی قوانین جزانی احترام کو روک سکتے ہیں۔ اس بنیادی اتحاد کی عدم موجودگی میں، پارٹیاں قومی مفادات کے مقابلے میں حصہ یا اجتماعی، افادیت کے لیے جدوجہد میں مصروف دھڑوں میں شامل ہو جاتی ہیں۔ لہٰذا، **برک** نے ان مردوں کی الگ الگ گروہ کی تعریف کی جنہوں نے اس اصول پر اتفاق کیا تھا جس کے ذریعے فطری دلچسپی کو سمجھا جا سکتا ہے۔

یہاں اس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین حقوق کی باہمی شناخت کے ذریعے طبقاتی رکاوٹوں اور طبقاتی مفادات سے بالاتر ہیں۔ جیسا کہ **میکاور** نے بتایا، "پارٹی نظام خاص طور پر وہ طریقہ کار تھا جس کے ذریعے طبقاتی - ریاست کو قومی - ریاست میں تبدیل کیا گیا تھا۔" مختلف سیاسی جماعتوں کے ساتھ مختلف سماجی و معاشی طبقات وابستہ ہیں۔ درحقیقت، یہ مشترکہ مفاد اور قومی اتحاد کا خیال رکھتی ہیں جو انتخابات کے لیے آئینی اپیل کو برقرار رکھتا ہے اس طرح کی پارٹی سسٹم یا جماعتی نظام کی منطق کلاس اور طبقاتی جدوجہد کے **مارکسین** نظریے کو مسترد کرتی ہیں۔

13.4 سیاسی جماعت کی فرائض(Function of Political Parties)

چونکہ سیاسی جماعتیں جمہوریت کی مرکزی ستون ہوتی ہیں ایسے میں ان کے فرائض کافی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ خواہ وہ نظام کچھ بھی ہو، سیاسی جماعتوں کے کاموں میں کم وبیش یکسانیت پائی جاتی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے فرائض حسب ذیل ہیں:

(1) نظریات کی تشہیر کرنا:

ایک سیاسی جماعت کا سب سے اہم کام اپنی جماعت کی پالیسی و نظریات کی تشہیر کرنا ہے۔ کسی بھی ملک کا چاہے کوئی بھی سیاسی جماعت ہو کسی نہ کسی نظریئے کے بنیاد پر ہی اس کی تشکیل عمل میں آتی ہے۔ وہ جماعت ہمہ وقت ہر پلیٹ فارم سے اپنی نظریات کا پرچار کرتی ہے۔ عام لوگوں کو اپنی وجود کا سبب اور مقصد بتاتی ہے۔

(2) انتخاب میں حصہ لینا:

سیاسی جماعت کا جنم ہی انتخاب میں حصہ لینے کے لیے ہوتا ہے۔ دنیا میں ایسی کوئی بھی سیاسی جماعت نہیں جو الیکشن میں شامل نا ہونے کے لیے وجود میں آئی ہو۔ انتخاب میں حصہ لینا ان کا سب سے اہم کام اور مقصد ہے۔

(3) جماعت کی مضبوطی کرنا:

اپنی جماعت کو مضبوط سے مضبوط تر کرنا ہر سیاسی جماعتوں کا اولین فرض ہوتا ہے۔ جماعت کے کارکنان ہمیشہ اپنی جماعت کو مضبوط کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس کے لیے سب سے پہلا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ ممبرشپ کی تعداد دن بہ دن بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اپنے نظریات کو لوگوں کے سامنے بہتر انداز میں پیش کرکے انہیں اپنی جماعت کی چادر میں سمیٹنا چاہتے ہیں۔

(4) موجودگی کا احساس دلانا:

سیاسی جماعتوں کا ایک اور کام سالوں بھر اپنی موجودگی کا احساس دلانا ہوتا ہے۔ وہ ملک جہاں تکثیری جماعتی نظام ہے، چھوٹی چھوٹی پارٹیاں جو اپوزیشن میں رہتی ہیں، اپنی موجودگی کا احساس دلانے کے لیے بہت سارے اقدام لیتی ہیں۔

(5) حکومت سازی کرنا:

متذکرہ بالا تمام کاموں کا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور وہ حکومت سازی ہے۔ اس کے لیے پارٹی انتخاب میں امیدوار دیتی ہے اور بہتر امیدوار دینے کی کوشش کرتی ہے، تاکہ عوام اس کے امیدواروں کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دیں اور مقننہ میں اس پارٹی کو اکثریت حاصل ہو سکے۔

(6) سیاسی تعلیم دینا:

سیاسی جماعتیں تقریروں، اخبارات اور رسائل کے ذریعے عوامی ذہن کو قومی مسائل کی طرف مبذول کراتی ہیں۔ وہ قومی مسائل کا تجزیہ کرتی ہیں اور ان کے حل کے لیے تجویز پیش کرتی ہیں۔ عوام مختلف سیاسی جماعتوں کے خیالات کا بغور مطالعہ کرتے ہی۔ اور حقیقت کو جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس طرح عوام جمود و تعطل کا شکار نہیں ہوتے بلکہ ان کے اندر قومی مسائل سے دلچسپی پیدا ہوتی ہے

13.4.1 سیاسی جماعتوں کی خوبیاں اور خامیاں(Merits and Demerits of Political Parties)

جمہوریت کے جتنے بھی عوامل ہیں ان تمام عوامل کی اپنی خصوصیات، خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں، سیاسی جماعتیں اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ جمہوریت کی بقا کے لیے ایک سیاسی جماعت کی اہمیت بہت زیادہ ہوتی ہے، اور اسی اہمیت میں اس کی بہت ساری خوبیاں چھپی ہوئی ہوتی ہیں۔ ایک سیاسی پارٹی کی مندرجہ ذیل خوبیاں اور خامیاں ہیں۔

16.4.2 سیاسی جماعتوں کی خوبیاں (Merits of Political Parties)

سیاسی جماعتوں کی درج ذیل خوبیاں بیان کی جاتی ہیں:-

(1) جمہوریت کی ستون ہے :

سیاسی جماعتوں کی سب سے اہم خوبی یہ ہوتی ہے کہ یہ جمہوریت کی ستون ہوا کرتی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے بغیر جمہوریت کی کامیابی ممکن نہیں ہے، یہ جماعتیں عوام کی ترجمان ہوتی ہیں۔ عوام اور حکومت کے درمیان ایک مضبوط کڑی کا کام کرتی ہیں۔ عوام کی خواہشوں کو حکومتی سطح پر لیناان خواہشوں کی تکمیل کے لیے پالیسیاں مرتب کرناایک سیاسی جماعت کی اہم خوبی ہوتی ہے

(2) اصلاحات کا علم بردار ہے :

سیاسی، سماجی، اقتصادی اصلاحات کی ذمہ داری سیاسی جماعتوں کے کاندھوں پر ہوتی ہے۔ انتخاب سے قبل سیاسی جماعتیں اس ضمن میں ہزار وعدیں کرتی ہیں۔ وہ عوام سے ملک کے حالات میں سدھار لانے کی بات کرتی ہیں۔ انتخاب کے بعد مقننہ میں اکثریت پانے والی جماعت کی تشکیل کرتی ہیں۔ تب وہ حسب وعدہ تمام اصلاحات بتدریج عمل میں لاتی ہیں۔

(3) کڑی کا کام کرتی ہے:

پارلیمانی طرز حکومت میں سیاسی جماعتیں عوام اور حکومت کے بیچ میں ایک کڑی کا کام کرتی ہیں۔ عوام کے مانگوں کو حکومت تک پہنچانا اور حکومت کے ذمے داروں کو عوام تک لے جانا ان کا کام ہوتا ہے، اس زاوئے سے سیاسی جماعتیں ایک کڑی کا کام کرتی ہیں۔

(4) رائے عامہ تیار کرنے کا اہم ذریعہ:

سیاسی جماعتیں عوام کو مختلف قسم کے مسائل سے واقفیت کراتی ہیں جن کی بنیاد پر عوام یہ فیصلہ کرنے کے قابل ہوتے ہیں کہ وہ کن مسائل کو کن ذرائع سے حل کریں۔ ان جماعتوں کی غیر موجودگی میں عوام پیچیدہ مسائل کی گتھلی کو سلجھا نہیں سکتے۔

(5) ملک کی ترقی:

ملکی ترقی میں سیاسی جماعتوں کا اہم رول ہوتا ہے۔ بالواسطہ جمہوریت میں ملک کی ترقی جس پیمانے پر ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ بالواسطہ جمہوریت میں، پارلیامانی طرز حکومت میں ہوتی ہے۔ اس ضمن میں سیاسی پارٹیاں بڑا ہی منظم طریقے سے کام کرتی ہیں۔

13.4.3 سیاسی جماعتوں کی خامیاں (Demerits of Political Parties)

اگر چہ سیاسی جماعتوں کی بہت ساری خوبیاں ہیں، پھر بھی اس میں ایسی خامیاں موجود ہیں جنہیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حسب ذیل میں اس کی چند خامیوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

(1) گروہی مفاد کی حوصلہ افزائی :

سیاسی جماعتیں اصولی طور پر تو قومی مفاد کا نعرہ بلند کرتی ہیں، لیکن جماعتی وفاداری ان کے اراکین کے ذہنوں پر اس قدر غالب رہتی ہے کہ اپنے جماعت کے افراد کو ہی ہر معاملے میں اولیت دیتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قومی مفادات نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔

(2) قابلیت کا فقدان :

جماعتی نظام میں ایک تو قابل لوگ سیاست کو گندگی کا نام دے کر اس سے اپنے دامن کو محفوظ رکھتے ہیں اور اگر قابل لوگ سیاست میں دلچسپی لیتے بھی ہیں تو سیاسی جماعتیں انہیں گندی لگتی ہیں۔

(3) جماعتی نظام انفرادیت پسندی کو مجروح کرتا ہے :

ہر سیاسی جماعت اپنے ارکان سے جماعتی نظم وضبط پر سختی سے عمل پیرا ہونے کا مطالبہ کرتی ہے۔ کسی بھی سیاسی جماعت کا آدمی اپنی ضمیر کی آواز پر لبیک نہیں کہہ سکتا بلکہ اپنی جماعت کی طے شدہ پالیسی کے مطابق ہی اظہار خیال اور عمل کرتا ہے۔ اس طرح جماعت کے ممبر میں آزادانہ غور وفکر کی صلاحیت ختم ہو جاتی ہے

(4) جماعت کا مفاد:

سیاسی جماعتوں کی ایک اور خامی یہ ہے کہ یہ ہمیشہ اپنے مفاد کو ہی دیکھتی ہیں۔ اپنے مفاد کے حصول یا تحفظ کے لیے وہ کسی بھی حد تک گر سکتی ہیں۔ ایسے میں بدعنوانی کو بڑھاوا ملتا ہے۔ بعض اوقات تو ملک کے مفاد پر جماعت کے مفاد کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(5) سیاسی جماعتوں کے اندر رقابت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے:

ہر سیاسی جماعتیں سیاسی اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہیں اس لیے وہ دوسری جماعتوں کے خلاف رائے عامہ تیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ رقابت کا جذبہ ایک دوسرے کے خلاف نفرت کو جنم دیتا ہے جس سے سماج مختلف طبقات میں منقسم ہو جاتا ہے۔ انتخاب کے دوران رقابت کے جذبے کا مظاہرہ تصادم کی صورت میں نظر آتا ہے۔

(6) سماجی اتحاد کے لیے خطرہ :

بعض سیاسی جماعتیں جن کا وجود مذہبی بنیاد پر قائم ہے وہ سماج کے مختلف فرقوں کے درمیان تضاد ڈال کر اتحاد کو ضرب پہنچانے کی ناکام کوشش کرتی ہیں۔ اس معاملے میں ہمارے ہندوستان کی کئی ایک سیاسی جماعتیں ہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی، شیو سینا۔

13.5 مختلف سیاسی نظام (Different Political System)

13.5.1 ایک یا واحد جماعتی نظام (One- or Single-Party System)

دنیا میں بہت سارے ایسے ملک ہیں جہاں صرف ایک ہی سیاسی جماعت کا وجود ہے۔ دیگر سیاسی جماعتیں وہاں کام نہیں کرتی ہیں، جیسے **چین**، **سابق سوویت یونین**، **کیوبا**، **شمالی کوریا** وغیرہ میں صرف ایک ہی جماعت کام کرتی ہیں۔ **شمالی کوریا کا ورکرس پارٹی** ایک مثال ہے۔ ٹھیک اسی طرح سے دوسرے عالمی جنگ کے اختتام کے بعد مشرقی یورپ کے بہت سارے ممالک میں کمیونسٹ جماعت کی حکومت قیام عمل میں آیا۔ **رومانیہ**، **بلغاریہ**، **فن لینڈ**، **پولینڈ**، **یوگوسلاویہ اور چیکوسلاواکیہ وغیرہ** میں واحد جماعتی نظام قائم کیا گیا (کیونسٹ پارٹی کی)۔ چونکہ اشتمالیت میں حزب اختلاف کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس لیے جہاں کہیں بھی کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی ہے، وہاں دیگر جماعتوں کا وجود نہیں رہا ہے۔ کمیونسٹ حکومت کے علاوہ فوجی حکومت میں بھی صرف ایک ہی پارٹی کام کرتی ہے۔ اس کے علاوہ آمرانہ طرز میں بھی صرف ایک ہی سیاسی جماعت کام کرتی ہے۔

واحد جماعتی نظام میں چونکہ ایک ہی سیاسی پارٹی کا وجود ہوتا ہے، ایسے میں حکومت کافی مستحکم ہوتی ہے۔ آہنی ہاتھوں سے حکومت کا نظام چلایا جاتا ہے جس سے ملک تیزی کے ساتھ ترقی کرتا ہے۔ متذکرہ بالا تمام ممالک جہاں کمیونسٹ پارٹی کی حکومت رہی ہے وہ ملک دنیا کا ترقی یافتہ ملک میں شامل ہوتا ہے۔ ان ممالک میں ترقی اس وجہ سے ممکن ہو پائی ہے کہ یہاں حکومت نے منصوبہ بند طریقے سے شعبے پر دھیان دیا، لمبی مدت کے لیے منصوبہ تیار کیا گیا اور ان پر سختی سے عمل در آمد کیا گیا۔ چونکہ دیگر سیاسی پارٹیاں کا وجود نہیں ہوتا ہے اس لیے طبقاتی کشمکش کا سوال نہیں اٹھتا، نتیجتاً ملک اقتصادی ترقی کی راہ پر گامزن رہتا ہے۔ **چین، شمالی کوریا اور روس اس کی** اہم مثال ہے کہ واحد جماعتی نظام کو آمرانہ نظام کے مماثل سمجھا جاتا ہے اور آمریت اور جمہوریت دو الگ قطب ہیں۔ واحد جماعتی نظام میں جمہوری اصولوں کو روندا جاتا ہے۔ لوگوں کو بولنے اور اپنی خیالات کی اظہار کی آزادی نہیں ہوتی ہے۔ **چین میں تیانن مین اسکوئر** کا معاملہ اور **جرمنی و اٹلی میں ہٹلر** اور **مسولینی کی** کی اہم مثال ہے۔

13.5.2 دو جماعتی نظام (Two Party System)

ہر وہ ملک جہاں دو سیاسی جماعتیں سرگرم ہیں ایسے نظام کو دو جماعتی نظام کہتے ہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان ملکوں میں دیگر سیاسی پارٹیاں کا وجود نہیں ہوتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ دو جماعتی نظام کے لیے مشہور ہیں۔ امریکہ میں ریپبلکن پارٹی اور ڈیموکریٹک پارٹی سرگرم ہے جب کہ انگلینڈ میں لیبر پارٹی و کنزرویٹو پارٹی سرگرم ہے۔ لیکن ان ممالک میں دیگر سیاسی جماعتیں بھی کام کرتی ہیں جیسے دونوں ممالک میں کمیونسٹ پارٹی بھی کام کرتی ہے اس کے علاوہ انگلینڈ میں لبرل پارٹی اور گرین پارٹی سرگرم ہے۔ اس کے علاوہ کناڈا میں بھی لبرل اور کنزرویٹو پارٹی اور نیوزیلینڈ میں بھی دو جماعتی نظام کے لیے مشہور ہے، یہ الگ بات ہے کہ مرکزی مقننہ میں ان کی نہایت ہی کم سیٹ ہے۔ حکومت کی باگ دوڑ گھوم پھر کر وہی دو غالب سیاسی پارٹیوں کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔

واحد جماعتی نظام کی طرح دو جماعتی نظام کی حکومت بھی مستحکم ہوا کرتی ہیں۔ دو ہی غالب سیاسی جماعت ہونے کی وجہ سے کسی نہ کسی ایک سیاسی جماعت کی مقننہ میں اکثریت حاصل ہوتی ہے اور حکومت سازی کرتی ہے۔ حکومت بے خوف اپنی پوری معیاد پورا کرتی ہے۔ وسط مدتی انتخاب کا کوئی امید نہیں رہتا ہے۔ دوسری پارٹی جو اپوزیشن میں ہوتی ہے وہ سائے کی طرح برسر اقتدار پارٹی کے ساتھ مل کر اپنی معینہ مدت پورا کرتی ہے، یعنی کہ اس طرز نظام میں حکومت سازی آسان ہوا کرتی ہے۔ عوام جس پارٹی پر اپنی ذہن بناتے ہیں، سربراہ مملکت اس جماعت کے رہنما کو حکومت سازی کے لیے مدعو کرتا ہے۔ حکومت کی عدم اعتماد کی صورت میں الیکشن نہیں ہوتا ہے بلکہ حزب اختلاف کو حکومت سازی کے لیے دعوت دی جاتی ہے اور اکثریتی جماعت حزب اختلاف کا رول ادا کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ انگلینڈ میں شیڈو کیبنٹ ہمیشہ تیار رہتی ہے۔ حکومت کی باآسانی منتقلی کی وجہ سے لمبی مدت والی پالیسی میں کسی بھی قسم کا کوئی رخنہ نہیں پڑتا ہے بلکہ وہ پالیسی ماضی کی طرح رواں دواں رہتی ہے۔ ایسے نظام میں غلطیوں کی نشاندہی آسانی سے کی جاسکتی ہے۔ برسر اقتدار پارٹی اپنی غلطیوں سے منہہ نہیں موڑ سکتی ہے اور ناہی کسی دوسرے سیاسی جماعت کو مؤرد الزام ٹھہرا سکتی ہے۔ لیکن اس کا یہ قطعی مطلب نہیں کہ دنیا کے تمام ممالک میں دو جماعتی نظام قائم کر دی جائے۔ واحد جماعتی نظام کی طرح اس کے بھی بہت سارے عیب ہیں۔ اس نظام میں رائے دہندوں کے سامنے تیسرا کوئی متبادل یا پسند نہیں رہتی ہے۔ خواہ وہ انہیں پسند کرتے ہیں کہ نہیں۔ رائے دہندوں کو انہیں پارٹیوں میں سے کسی ایک کو منتخب کرنا ہوتا ہے۔

13.5.3 کثیر جماعتی نظام (Multi-Party System)

ہر وہ نظام جس میں دو سے زائد سیاسی جماعتیں ہوتی ہیں اور تمام کے تمام کم و بیش یکساں طور پر سرگرم ہوتی ہیں ایسے نظام کو ہم کثیر جماعتی نظام کہتے ہیں۔ ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، اٹلی، فرانس وغیرہ میں کثیر جماعتی نظام قائم ہے۔ فرانس کی رایٹ ونگ میں نیشنل ریلی، دی ریپبلک؛ لیفٹ ونگ میں سوشلیسٹ پارٹی و فرینچ کمیونسٹ پارٹی، اس کے علاوہ پیریٹ پارٹی، روئل الائنس، ڈیموکریٹک ریلی، وغیرہ ہیں۔ اب جاپان میں جاپانز کمیونسٹ پارٹی، سوشل ڈیموکریٹک پارٹی، کونسٹیٹونل ڈیموکریٹک پارٹی آف جاپان وغیرہ۔ بھارت میں کانگریس پارٹی، بھارتیہ جنتا پارٹی، سماجوادی پارٹی، بہوجن سماج پارٹی، سی۔ پی۔ آئی، سی پی۔ ایم، ترینمول کانگریس، جنتا دل، راشٹریہ جنتا دل، ڈی۔ ایم۔ کے۔ اور اے۔ آئی۔ ڈی۔ ایم۔ کے۔ اور دیگر سیاسی پارٹیاں بھی ہیں۔ جرمنی میں سوشل ڈیموکریٹک پارٹی، الٹرنیٹیو آف جرمنی اور فری ڈیموکریٹک پارٹی وغیرہ ہیں۔ کثیر جماعتی نظام میں جمہوریت سرچڑھ کر بولتی ہے۔ حکومت کی باگ دوڑ مختلف سیاسی پارٹیوں کے ہاتھوں میں گھومتی رہتی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں جہاں کثیر جماعتی جمہوری نظام قائم ہے۔ حکومت کی لگام کبھی کانگریس کے ہاتھوں میں، کبھی جنتا پارٹی کے ہاتھوں میں، کبھی بھارتیہ جنتا پارٹی کے ہاتھوں میں رہی۔ یہاں مستقل طور پر حکومت کسی ایک پارٹی کی باندی بنکر کبھی نہیں رہی ہے۔ حد تو یہ ہے کہ ہمارے ملک میں حکومت کی باگ دوڑ بیک وقت کئی ایک سیاسی جماعتوں کے ہاتھوں میں بھی رہی ہے جسے ہم مخلوط حکومت بھی کہتے ہیں۔ گویا کہ ہندوستان میں جمہوریت ہر دور میں شباب پر رہی ہے۔

کثیر جماعتی نظام میں چونکہ کئی ایک پارٹیوں کا وجود ہوتا ہے اس لیے رائے دہندوں کے سامنے بہت سارے پسند ہوا کرتے ہیں۔

عوام کو اگر ایک سیاسی پارٹی پسند نہیں ہے تو دوسرے کو، دوسرا پسند نہیں ہے تو تیسرے کو اور تیسرا اگر پسند نہیں ہے تو کسی اور کو اپنا قیمتی ووٹ دیتے ہیں۔ یعنی کہ ان کے سامنے پسند کا دائرہ کافی وسیع ہوتا ہے۔ ٹھیک یہی معاملہ ہمارے نمائندوں کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔ نااتفاقی یا ناپسند ہونے کی صورت میں وہ پارٹی بدل سکتے ہیں۔ ہمارے ہندوستان میں اس کا چلن بے مثالی ہے۔ نمائندے لباس کی طرح پارٹیاں بدلتے رہتے ہیں نتیجتاً انٹی-ڈیفکشن لا پاس کیا گیا ہے۔ لیکن یہ معاملہ تو مقننہ کے رکن کا ہے۔ پارٹی کے دیگر ارکان آسانی کے ساتھ پارٹی بدل سکتے ہیں۔ کثیر جماعتی نظام میں مقننہ کی اپنی ایک شاخت ہوتی ہے۔ مختلف سیاسی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ مقننہ کے لیے ممبر منتخب ہو کر آتے ہیں جو مقننہ کو برسر اقتدار جماعت کے لیے گپ شپ کا اڈا بننے نہیں دیتے بلکہ وزراء کی نکیل کسے ہوئے رہتے ہیں۔ یہ تمام معاملات اپنی جگہ پر ہے لیکن اس حقیقت سے ان کار بھی تو نہیں کیا جا سکتا کہ کثیر جماعتی نظام میں حکومت غیر مستحکم ہوا کرتی ہے نتیجتاً، **برطانوی نظام** کے برخلاف، وسط مدتی انتخاب کا خدشہ رہتا ہے۔

13.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس کائی میں اوپر بیان کیے گئے عنوان "سیاسی جماعتیں: معنی اور نوعیت" سارے پہلوؤں مثلاً سیاسی جماعتوں کا پس منظر، معنی اور تعریف، خصوصیات، اہمیت، نوعیت، اس کے مارکسی نظریہ، جماعتوں کی درجہ بندی، فرائض، اس کے خوبیاں اور خامیاں اور خامیاں کو دور کرنے کے ذرائع، اس کے بعد ایک جماعتی نظام، دو جماعتی نظام اور کثیر جمارتی نظام پر اور اس میں امریکہ، برطانیہ، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، جاپان، کناڈا، نیوزیلینڈ، شمالی کوریا، چین، بھارت کے اہم جماعتوں کے ایک پارٹی نظام، دو پارٹی نظام اور کثیر پارٹی نظام کے بارے میں اور مختلف پارٹیوں کے نام وغیرہ متعلق بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد تمام طرح کے سوالات و شکوک کو اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ لیں گے اور مختلف پہلوؤں پر جس طرح کے بھی سوالات پیدا ہوں گے وہ ان کے جواب دینے کے قابل ہو جائیں گے۔

13.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

- کثیر جماعتی نظام : میں چونکہ کئی ایک پارٹیوں کا وجود ہوتا ہے
- اخلاق پستی : سیاسی جماعتیں ہر قیمت پر انتخاب میں کامیاب ہونا چاہتی ہے
- سیاسی تربیعت : عوام کا سیاسی سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا

13.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

13.8.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1۔ڈوورجر کے ذریعے پارٹی ڈھانچے کو کتنے درجہ بندی میں تقسیم کیا گیا ہے؟

(a) تین (b) چار (c) پانچ (d) چھ

2۔ یہ قول کس ماہرین کا ہے: "سیاسی جماعتیں ان اشخاص کا گروہ ہے جو عوامی مسائل پر متفق ہوں۔"؟

(a) ڈوورجر (b) مونزو (c) لویل (d) میک آور

3۔ کس نے ایک نئی درجہ بندی کو "مطمئن" اور "ناپسندیدہ پارٹیوں کے طور پر دیا ہے؟

(a) گل کرائسٹ (b) لویل (c) ڈوورجر (d) **مونزر**

4۔ ایک سیاسی جماعت جو مقننہ میں اکثریت حاصل نہیں کر پاتی، کیا کہلاتی ہے؟

(a) ان میں سے کوئی نہیں (b) اپوزیشن جماعت (c) رولینگ جماعت (d) **دباو گروپ**

5۔ لیبر پارٹی کس ملک میں کام کرتی ہے؟

(a) **برطانیہ** (b) **جرمنی میں** (c) **فرانس** (d) چین میں

6۔ کثیر جماعتی نظام کی حکومت کس ملک میں نہیں پائی جاتی ہے؟

(a) **فرانس** (b) **روس** (c) **جرمنی** (d) **شمالی کوریہ**

7۔ ڈیموکریٹک پارٹی کس ملک میں کام کرتی ہے؟

(a) **امریکہ** (b) **چین** (c) **بھارت** (d) **جاپان**

8۔ کس ملک میں دو جماعتی نظام نہیں پائی جاتی ہے؟

(a) **سویزلینڈ** (b) **امریکہ** (c) **برطانیہ** (d) **کناڈا**

9۔ کس ملک میں ایک یا واحد جماعتی نظام کی حکومت ہے؟

(a) سوئٹزرلینڈ (b) پاکستان (c) روس (d) چین

10۔ کس ملک میں دو جماعتی نظام نہیں پائی جاتی ہے؟

(d) **امریکہ** (b) **برطانیہ** (c) **جاپان** (d) **کناڈا**

13.8.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ سیاسی جماعتوں کی چند خصوصیات مختصر بیان کیجیے۔

2۔ سیاسی جماعتوں کی کم سے کم تین تعریفیں بیان کریں۔

3۔ سیاسی جماعتوں کے متعلق مارکسی نظریہ پر مختصر نوٹ لکھیں۔

4۔ سیاسی جماعتوں کی نوعیت کو مختصر میں بیان کیجیے۔

5۔ کثیر جماعتی نظام کے بارے میں کم سے کم چار ملکوں کے ساتھ مختصر نوٹ لکھیں۔

13.8.2 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ سیاسی جماعتوں کے مختلف قسمیں پر روشنی ڈالیئے۔

2۔ سیاسی جماعتوں کی خوبیوں اور خامیوں پر غور فکر کیجیے ۔

3۔ سیاسی جماعتوں کے مارکسی نظریہ کی وضاحت کیجیے۔

13.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

---

1. Manoj Kumar, (2004) Comparative Politics and Political analysis, Anmol Publishers, New Delhi

2. Allen Veer, (1996) Political Parties and Party System, Oxford University Press, UK.

3. Richard Ginther, (2002) Political Parties: Old Concept and New Challenges Oxford University Press, UK

4. Richard Ginther and Larry Diamond, (2003), Spaces of Political Parties: A New Typology, Sage Publication, London

اکائی 14۔ سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی

(Classification of Political Parties)

اکائی کے اجزا

14.0 تمہید
14.1 مقاصد
14.2 سیاسی جماعتوں کا تعارف
14.3 سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی
14.4 اکتسابی نتائج
14.5 کلیدی الفاظ
14.6 نمونہ امتحانی سوالات
14.7 مزید مطالعے لیے تجویز کردہ کتابیں

14.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔

آزاد ممالک میں اداروں کا کردار اہم ہوتا ہے۔ سیاسی جماعتیں ان اداروں میں سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہیں۔ لوگ ان کے نمائندوں کو منتخب کر کے قانون ساز اداروں میں بھیجتے ہیں۔ یہ سیاسی پارٹیاں لوگوں کو سیاسی سرگرمیوں میں بھی شامل کرتی ہیں۔ ان سرگرمیوں کے ذریعہ لوگوں کی مشکلات، پریشانیوں اور ضروریات کو سامنے لاکر ان کو حل کیا جاتا ہے۔ اس طرح کسی بھی ملک کو منظم طریقہ سے چلانے کے لیے سیاسی جماعتیں ناگزیر ہیں۔ پارٹی نظام کچھ جماعتوں اور ان کے مابین تعلقات کا ایک سلسلہ ہے۔ ہر ملک کی اپنی ایک سیاسی حکومت ہوتی ہے جو طویل زمانے سے قائم ہے۔ آج پارٹی نظام کی ماہرین سیاسیات نے کئی درجہ بندیاں کی ہیں۔

پوری دنیا میں آبادی کے مختلف سماجی طبقات کے مفادات پورے کرنے کے لیے سیاسی افق پر کئی نئی سیاسی جماعتیں ابھریں۔ جن کی تعداد مختلف سماجی طبقات کے مختلف مفادات کی عکاس ہے۔ ان میں سے ہر ایک جماعت آبادی کے ایک خاص طبقے کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے۔ سیاسی نظام میں جماعتوں کی پوزیشن، ان کے باہمی رابطے کی نوعیت اور ان کی نوعیت ہر ریاست کے لیے ایک خاص تشکیل دیتی ہے۔ اس یونٹ میں سیاسی پارٹیوں کے تعارف، ان کے تصور اور پارٹی سسٹم کی مختلف درجہ بندیوں کے متعلق تفصیلی معلومات فراہم کی جائے گی۔

14.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو پڑھنے کے بعد، آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- سیاسی جماعتوں کو سمجھ سکیں۔
- جماعتوں کے مارکسی اور عصری تصورات کو جان سکیں۔
- سیاسی جماعتوں کی مختلف درجہ بندیوں سے واقف ہو سکیں۔

14.2 سیاسی جماعتوں کا تعارف (Introduction to Political Parties)

سیاسی جماعتیں سب سے اہم ایجنسیاں ہیں جو ایک جدید ریاست کے سیاسی عمل میں حصہ لیتی ہیں۔ سیاسی پارٹی کو افراد کے ایک ایسے منظم گروہ کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے جس کا نظریہ، مقاصد اور پالیسیاں واضح ہوں۔ اس جماعت کی ایک یقینی قیادت ہوتی ہے، جس کا حتمی مقصد سیاسی اقتدار حاصل کرنا اور عام طور پر جمہوری انتخابات کے ذریعے حاصل کردہ طاقت کا استعمال کر کے سیاسی عمل کو منظم کرنا ہے۔

سیاسی جماعت ایک خصوصی عوامی تنظیم ہے، جس میں اقتدار کے حصول اور استعمال کے مقصد کے لیے کسی خاص خیال کے انتہائی

فعال پیروکار شامل ہوتے ہیں۔ لفظ "پارٹی" لاطینی زبان سے لیا گیا ہے جس کے معنی گروپ یا حصہ کے ہیں۔ یہ پہلی بار زمانہ قدیم میں استعمال ہوا تھا۔ مثال کے طور پر، ارسطو نے پہاڑی علاقوں، میدانی علاقوں یا ساحل کے رہنے والوں کی جماعتوں کے بارے میں بات کی۔ مزید انہوں نے اس اصطلاح کو سیاست دانوں کا ایک گروہ کہا جو حکومت کے دائرہ کا حصہ ہیں۔

یہ تصور ان افراد کی جماعت کو بیان کرنے کے لیے بھی استعمال کیا گیا تھا جن کے ہاتھ میں حکومت تھی۔ لیکن جس شکل میں آج سیاسی جماعتیں موجود ہیں، وہ 18ویں 19ویں صدی میں پارلیمنٹریزم کی تشکیل کے دوران معرض وجود میں آئیں۔

ہیگل نے سیاسی پارٹی کی تعریف کرتے ہوئے لکھا کہ سیاسی پارٹی افراد کی ایک منظم جماعت ہوتی ہے جو سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے جدوجہد کرتی ہے۔

فنر (Finer) کے مطابق سیاسی پارٹی رضاکار ممبروں کی ایک منظم پارٹی ہوتی ہے، جو سیاسی اقتدار کے اختیارات کے حصول کے لیے اپنی پوری طاقت لگا دیتی ہے۔

سیاسی پارٹیوں کی خصوصیات مندرجہ ذیل ہیں

(1) ایک سیاسی جماعت کے ممبران ہوتے ہیں جو معاشرے کے مشترکہ بھلائی کے فروغ کے لیے کچھ پالیسیوں اور پروگراموں پر متفق ہوتے ہیں۔

(2) سیاسی پارٹی انتخابات کے ذریعے عوامی حمایت حاصل کرکے پالیسیوں پر عمل درآمد کرنا چاہتی ہے۔

(3) ایک سیاسی جماعت کے تین اجزا ہوتے ہیں: قائدین، فعال ممبران اور پیروکار۔

(4) ایک سیاسی جماعت لوگوں کا ایک گروہ ہوتا ہے جو الیکشن لڑنے اور حکومت میں اقتدار حاصل کرنے کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔

(5) سیاسی جماعت چند افراد کے مقاصد واغراض کی تکمیل کے لیے نہیں ہوتی بلکہ یہ قومی مفاد کی تقویت کے لیے جدجہد کرتی ہے۔

14.2.1. جماعتوں کا مارکسی تصور (Marxist Concept of Parties)

مارکسی نقطہ نظر کے مطابق سیاسی جماعتوں طبقات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ ان کے مطابق طبقاتی جدوجہد کے خاتمہ کے ساتھ ہی موجودہ بدتر صورت حال سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف محنت کش لوگوں کی نمائندگی کرنے والی پارٹی کو ہی وجود رکھنے کا حق حاصل ہے۔ سرمایہ دارانہ جماعتیں حقیقی جمہوری عمل کی نمائندگی نہیں کرتی ہیں۔ لہذا، ان کا خاتمہ کیا جانا چاہیے۔ لینن کے مطابق، کمیونسٹ پارٹی منتخب اشرافیہ دانشوروں اور سیاسی کارکنوں کا ایک منظم گروپ ہے۔ دانشوروں کا ایک منتخب گروہ مارکسسٹ اصولوں اور نظریہ کی پاکیزگی کو برقرار رکھتا ہے، پارٹی کو صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ اس طرح انتخابی عمل اور پارٹی تربیت انہیں پارٹی کے مکمل طور پر وفادار رہنے اور انقلاب برپا کرنے کا اہل بناتی ہے۔

سیاسی جماعتوں کے مارکسی تصور کے مطابق، سرمایہ دارانہ ممالک میں پارٹیاں طبقاتی مفادات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس طرح، وہ مختلف طبقات کے تحفظ کی آلہ کار ہو جاتی ہیں۔ وہ طبقاتی کشمکش کے ماخذ اور رہنما بن جاتی ہیں۔ سرمایہ دارانہ ممالک میں، کمیونسٹ پارٹیاں

محنت کش اور مزدور لوگوں کو سرمایہ دارانہ استحصال سے بچاتی ہیں۔ وہ انقلابی نظریات کی تشہیر کرتی ہیں، اور پرولتاریہ انقلاب کے لیے تیاری کرتے رہتے ہیں۔ ایک بار جب انقلاب کامیاب ہو جاتا ہے تو کمیونسٹ جماعتیں اس کے تحفظ کو یقینی بناتی ہیں۔ کمیونزم جماعتوں کا نظریہ انقلاب معروف زمانہ ہے۔ ان کے مطابق سرمایہ دارانہ نظام اپنی قبر آپ کھودے گا۔ جیسے جیسے یہ نظام ترقی کرے گا ویسے ویسے مزدوروں کی صورت حال ابتر ہوتی جائے گی، بڑے سرمایہ دار چھوٹے سرمایہ داروں کو ہڑپ جائیں گے اور وہ بے بس ہو جائیں گے۔ جب ان کی تعداد بہت بڑھ جائے گی تب ایک انقلابی طوفان آئے گا جو بڑے سرمایہ داروں کو اڑا کر لے جائے گا۔ ان کے سارے ذرائع چھن جائیں گے۔ مزدور اور چھوٹے سرمائے دار اس جنگ میں نہ صرف اپنی بقا بلکہ ترقی کے لیے بڑھ چڑھ کر حصہ لیں گے۔ اور پھر یہی جنگ انقلاب کی صورت اختیار کر لے گی۔ پھر سرمایہ داری نظام کا خاتمہ ہو جائے گا اور ایک غیر طبقہ واری نظام کے دور کا آغاز ہو گا، جس میں اقتدار پرولتاریہ کے ہاتھ میں ہو گا۔ پھر اس میں مملکت کی بھی ضرورت نہیں ہو گی۔ اس طرح کمیونزم جماعتیں غیر مملکت (Stateless) سماج کی حامی ہوتی ہیں۔

14.2.2 جماعتوں کے متعلق عصری تصورات (Contemporary Views about Parties)

کسی بھی ملک میں تمام افراد ایک سوچ اور ایک ذہنیت کے حامل نہیں ہو سکتے۔ ماہرین نفسیات کے مطابق انسانوں میں انفرادی اختلافات (Individual Differences) کا ہونا ایک فطری امر ہے۔ یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ سماج میں ہر سیاسی تصور کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ بعض لوگ ایک پہلو پر زیادہ زور دیتے ہیں اور بعض دوسرے پر۔ ان مسئلوں کو اپنے اپنے انداز اور مختلف طریقوں سے حل کرنے کے لیے لوگ سیاسی پارٹیاں قائم کرتے ہیں۔ اس وقت دنیا میں پارٹی نظام چند ممالک کو چھوڑ کر دو یا دو سے زیادہ پارٹیوں پر مبنی ہے۔ دو یا دو سے زیادہ پارٹیوں پر مبنی ممالک جمہوری ممالک کہلاتے ہیں۔

جمہوری نظریہ سازوں کی اکثریت کا دعوی ہے کہ جمہوریت حکومتوں کو عوام کی ترجیحات کے مطابق جوابدہ ہونے پر آمادہ کرتی ہے۔ دہل (1971) کے مطابق، "جمہوریت کی ایک اہم خصوصیت حکومت کو اپنے شہریوں کی ترجیحات کے بارے میں جواب دہی ہے،"۔ پھر بھی، جس طرح آمرانہ حکومتوں کی عوام کے تییئں جوابدہی عمومی طور پر متنازعہ ہے، اسی طرح کسی حد تک آج منتخب حکومتوں کی بھی جواب دہی متنازعہ ہے۔ حالانکہ جمہوری نظریہ کے اکثر حامی مفکرین یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سیاسی جماعتیں عوامی ترجیحات کو پالیسی میں منتقل کرتی ہیں۔

ماریس ڈوگر نے سیاسی جماعتوں کے بارے میں اپنے تجزیہ میں کہا کہ پارٹیوں کا بنیادی مقصد سیاسی اقتدار حاصل کرنا ہے، یا اس طرح کی طاقت کا استعمال کرنا ہے۔ انہوں نے مزید لکھا، "سیاسی جماعتوں کا بنیادی ہدف اقتدار کی کرسی حاصل کرنا یا اس میں شمولیت ہے۔ وہ انتخابات میں سیٹیں جیتنے، وزراء کو منتخب کرنے اور حکومت کا کنٹرول سنبھالنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے سیاسی جماعتوں کی ترقی پارلیمانی نظام اور انتخابی عمل کی ترقی کے ساتھ وابستہ ہے۔

جمہوریت میں ہر طبقہ اور گروہ کے افراد کو الیکشن یا انتخاب میں حصہ لینے اور لڑنے کا موقع ملتا ہے۔ غریبوں کی حالت زار کو سدھارنے کے لیے مقننہ میں ان کا نمائندہ بھی ہونا چاہیے۔ لیکن ایک غریب کا الیکشن لڑنا عصر حاضر میں آسان نہیں ہوتا۔ جماعتی نظام اس

خامی کو اپنے فنڈ سے غریب امیدواروں پر خرچ کر کے دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

14.3 سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی (Classification of Political Parties)

سیاسی جماعتیں گورنرز اور حکومت کے مابین ایک اہم کڑی ہیں، وہ عوامی مفادات کی ترجمان ہیں۔ ان کی مختلف بنیادوں پر درجہ بندی کی جاسکتی ہے۔ عصر حاضر میں جمہوری ممالک میں چار طرح کی سیاسی پارٹیاں ہوتی ہیں (1) قدامت پرست (Conservative Parties) یہ وہ پارٹیاں ہوتی ہیں جو پرانے سماجی نظام اور ڈھانچے کو پسند کرتی ہیں اور انہیں ہی برقرار رکھنا چاہتی ہیں۔ (2) لبرل پارٹیاں (Liberal Parties) یہ وہ پارٹیاں ہوتی ہیں جو پرانے سماجی نظام اور ڈھانچے کو یکسر بدلنا نہیں چاہتی ہیں لیکن ان کی خرابیوں کو دور کر کے اصلاح ضرور چاہتی ہیں۔ (3) انتہا پسند پارٹیاں، یہ وہ پارٹیاں ہوتی ہیں جو موجودہ سماجی نظام کو ہٹا کر نئے نظام کا نفاذ چاہتی ہیں، یہ کمیونسٹ اور سوشلسٹ پارٹیاں ہوتی ہیں۔

سیاسی جماعتوں کی ایک درجہ بندی ماریس ڈوورجر (Maurice Duverger) نے 1951 میں پیش کی تھی وہ مقبول ہو گئی، اور اب عام طور پر اسے تسلیم کیا جاتا ہے۔ انہوں نے سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی (i) اشرافیہ یا روایتی جماعتیں، اور (ii) ماس پارٹیوں میں کی تھی۔ بعد میں ایک تیسری قسم جو جماعتوں کی انٹرمیڈیٹ قسم کے نام سے جانی جاتی ہے کو شامل کیا گیا۔

14.3.1 اشرافیہ یا روایتی جماعتیں (The Elitist Parties)

جو جماعتیں تنظیم کے کلیدی افراد پر مبنی نہیں ہوتی ہیں اور ان کو عوام کی حمایت حاصل نہیں ہوتی۔ انہیں اشرافیہ یا روایتی جماعتیں قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ جماعتیں اپنے دروازے سب کے لیے کھلا نہیں رکھتی ہیں۔ وہ افراد کو ممبر شپ دینے میں بہت محتاط اور منتخب (selective) ہیں۔ اشرافیہ پارٹیوں کو عام طور پر (ا) یورپی قسم اور (ب) امریکن قسم میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

14.3.2 یورپی قسم کی جماعتیں (The European type of Parties)

انیسویں صدی میں قائم کی جانے والی بیشتر سیاسی جماعتیں فطرتاً اشرافیہ تھیں۔ بہت سی عصری جماعتیں جو ایک ہی طرز عمل کی پیروی کرتی ہیں وہ بھی اشرافیہ یا روایتی زمرے میں آتی ہیں۔ چاہے یہ جماعتیں آزاد خیال ہوں، قدامت پسند یا ترقی پسند، وہ ہر ایک کو اپنی رکنیت میں داخل کرنے کے خلاف ہیں۔ یہ جماعتیں تعداد کے بجائے معیار پر زور دیتی ہیں۔ وہ ممتاز اور بااثر افراد کی حمایت حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ان پارٹیوں میں امیر لوگوں کا نمایاں مقام ہوتا ہے۔ یورپی جماعتوں کی اساس مقامی کمیٹیوں میں ہوتی ہیں، اور مرکزی پارٹی کا ان پر کم سے کم کنٹرول ہوتا ہے۔ لیکن براعظم یوروپ میں بہت سی جماعتوں کے برخلاف، انیسویں صدی کے برطانیہ کی لبرل اور قدامت پسند جماعتوں کے پاس ایک طاقتور مرکزی تنظیم تھی۔ اب اکیسویں صدی میں، یورپی اور ایشیائی ممالک کی بہت سی جماعتوں میں بھی مرکزی کنٹرول بڑھ رہا ہے۔ اسی طرح، برطانیہ اور دیگر یورپی پارٹیوں کے کام کرنے میں بھی واضح فرق ہے۔ قانون ساز اداروں کے اندر ان

پارٹیوں میں نظم وضبط برقرار رکھنے میں مرکزی پارٹیاں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ مقننہ کے ممبر ہمیشہ پارٹی وہپ کے مطابق ووٹ دیتے ہیں، اور اکثر پارٹی قیادت کی خواہش کے مطابق بات کرتے ہیں۔ برطانیہ اور ہندوستان میں وہپ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو پارٹی سزا دے سکتی ہے، جس میں باغی ممبروں کو پارٹی سے نکالنا بھی شامل ہو سکتا ہے۔ دیگر بہت سے ممالک میں قانون ساز اپنی مرضی کے مطابق ووٹ ڈال سکتے ہیں انہیں پارٹی کے نظم وضبط کی پرواہ نہیں ہوتی۔ نظم وضبط والی جماعتوں کو 'سخت'، جب کہ دیگر کو 'لچکدار' جماعتیں کہا جا سکتا ہے۔ عموماً یہ سمجھا جاتا ہے کہ اشرافیہ جماعتیں لچکدار ہوتی ہیں جب کہ ماس جماعتیں سخت ہوتی ہیں۔ تاہم، برطانیہ کی اشرافیہ کی جماعتیں نظم و ضبط کے متعلق مستثنیٰ ہیں۔ لیکن پارٹی وہپ سے بڑے پیمانے پر انحراف کی صورت میں، مرکزی قیادت اپنے فیصلہ پر نظر ثانی کر سکتی ہے یا کسی دوسرے آپشن کے متعلق سوچ سکتی ہے لیکن کارروائی نہیں کر سکتی ہے۔ مثال کے طور پر، فروری 2003 میں، ہاؤس آف کامنز میں لیبر پارٹی کے 122 ممبران نے عراق کے خلاف طاقت کے استعمال کے مطالبے کی قرارداد کے خلاف ووٹ دیا۔ جب کہ وزیر اعظم ٹونی بلیئر امریکہ کے ساتھ مل کر عراق کے خلاف جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ پھر بھی ممبروں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ چونکہ عام طور پر برطانوی پارٹیاں دوسرے ممالک کی نسبت نظم وضبط میں کہیں زیادہ لچک دار ہیں، حالانکہ وہ اشرافیہ کی جماعتیں ہیں۔ برطانوی جماعتیں ایک لبرل جمہوری نظام کی مظہر ہیں۔ ماس جماعتوں کی نشوونما کے ساتھ، برطانوی جماعتوں نے بھی اپنی رکنیت میں توسیع کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہو سکیں۔ جب کہ جدید انتخابی مقابلوں میں، پارٹیوں کو کارکنوں کی ایک بڑی تعداد کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے انہوں نے ممبروں کی کثیر تعداد کو قبول تو کیا لیکن اپنی بنیادی خصوصیات کو تبدیل نہیں کیا۔

14.3.3 امریکن قسم کی جماعتیں (The American Type of Parties)

امریکہ میں پارٹیاں کئی معاملات میں برطانوی پارٹیوں سے مختلف ہیں۔ واضح اختلافات یہ ہیں کہ (i) وفاقی ڈھانچے میں صدارتی حکومت کی نوعیت، یہ ایک وحدانی ریاست میں برطانوی پارلیمانی جمہوریت سے مختلف ہے اور (ii) امریکی جماعتیں اشرافیہ تک ہی محدود ہیں، عوام سے دور ہیں۔

امریکی جماعتیں، بنیادی طور پر انتخابات پر مبنی ہیں۔ ایک حقیقی سیاسی جماعت کا نظام 1828 تک مکمل نہیں ہوا تھا، پارٹی کا نظام بیسویں صدی کے اوائل میں شروع کیا گیا تھا۔ امریکی جماعتوں کی قیادت پیشہ ور سیاستدان کرتے ہیں، جن میں سے بہت سے جمہوری طریقے سے منتخب نہیں ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود، امریکی پارٹیاں زیادہ تر یورپی پارٹیوں کے مقابلے میں عوام کے ساتھ بہتر رابطہ قائم کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ معاصر امریکی پارٹیوں کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان کی مقامی کمیٹیاں بہت طاقتور ہیں۔ ریاستی کمیٹیوں کو کم اختیارات حاصل ہیں۔ اور مرکزی تنظیم کو برائے نام اختیارات حاصل ہیں۔ ڈوورجر نے اپنے تبصرے میں کہا کہ، "نظم وضبط سیاسی درجہ بندی میں اوپر کی طرف نہیں بڑھتا ہے۔ اگرچہ مقامی سطح کی تنظیم میں یہ بہت سخت ہے، لیکن یہ ریاستی سطح کی تنظیم میں قدرے کمزور ہے، اور قومی سطح کی تنظیم میں عملاً ہے ہی نہیں۔ امریکی نظام کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ کانگریس کے ممبروں میں پارٹی نظم وضبط کی کمی ہے۔ وہ اپنے انفرادی فیصلوں کے مطابق بولتے اور ووٹ دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ برطانوی پارٹیوں کے بجائے کچھ کثیر جماعتی

جمہوریتوں کے قریب ہیں۔

14.3.4 عوامی پارٹیاں(Mass Parties)

عام آدمی کی حمایت پر مبنی پارٹیوں کا نظام بیسویں صدی کے اوائل میں ابھرنا شروع ہوا۔ برٹش لیبر پارٹی کی ابتدا مزدوروں کی تحریک سے ہوئی تھی۔ بعد میں، کمیونسٹوں نے بڑے پیمانے پر عوامی حمایت کا نظام اپنایا۔ تیسری دنیا کے نئے آزاد ممالک میں متعدد جماعتیں عام طور پر ماس پارٹیاں ہیں۔ کرسچن ڈیموکریٹک پارٹیز اور فرانس کی پاپولر ریپبلکن موومنٹ (P.R.M.) کی طرح یورپی ممالک کی کچھ جماعتوں کو بھی بڑی عوامی پارٹیوں کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔

1. سوشلسٹ جماعتیں (Socialist Parties)

سوشلسٹ جماعت نے اپنے دور آغاز میں، امیدواروں کے لیے عوام سے چندہ دینے کا مطالبہ کیا۔ ان امیدواروں کو ایک انقلابی شخصیت تصور کیا جاتا تھا۔ صنعت کاروں اور بڑے کاروباری افراد نے ان کے لیے کوئی مالی تعاون کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ در حقیقت یہ افراد ان امیدواروں کے مخالف تھے۔ برطانیہ میں ٹریڈ یونینوں نے ان امیدواروں کو مدد فراہم کی۔ بعد میں انہوں نے خود کو لیبر پارٹی کے طور پر منظم کیا۔ پیپلز پارٹیوں نے اپنی رکنیت بڑھانے کی کوشش کی، اور اپنے ممبروں سے تعاون کی اپیل کی۔ ان پارٹیوں نے دولت مند کاروباری گھروں کے بجائے عام مرد اور خواتین کی شراکت کو ترجیح دی۔ اس لیے یہ جماعتیں اشرافیہ میں تبدیل نہیں ہوئیں۔ برطانوی لیبر پارٹی کو پوری دنیا میں سوشلسٹ پارٹیوں کا پیش خیمہ قرار دیا گیا تھا۔ بہت سے ممالک میں جمہوری سوشلسٹ پارٹیوں نے برطانوی لیبر پارٹی کی پیروی کی۔ یہ جماعتیں پارلیمانی عمل کے پرامن جمہوری ذرائع سے لائے گئے سوشلزم پر یقین رکھتی ہیں۔ وہ تشدد یا انقلابی طریقوں کے بجائے قانون کی حکمرانی پر یقین رکھتی ہیں۔ انہوں نے قانون سازی کے اقدامات کے ذریعے سرمایہ داری کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ لیکن، 1990 کی دہائی میں تیزی سے لبرلائزیشن کے آغاز کے ساتھ ہی، سرمایہ دارانہ نظام کی تباہی کی بات نے برطانوی لیبر پارٹی سمیت تمام جمہوری جماعتوں نے بھی سرمایہ داری کے فروغ کا راستہ صاف کر دیا۔ ٹونی بلیئر کی سربراہی میں، برطانیہ نے 'نیو لیبر' کو اپنی سوشلسٹ پارٹی کے طور پر اپنایا۔

سوشلسٹ ماہرین کے نقطہ نظر سے، سوشلسٹ پارٹیوں کو اکثر جدوجہد کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ان میں دو گروپوں کے مابین عجیب قسم کا تنازعہ ہے۔ ایک، پارٹی ممبران جو پارٹی رہنماؤں کا انتخاب کرتے ہیں اور پارٹی کمیٹیاں قائم کرتے ہیں۔ اور دوسرے، عام شہری جو پارلیمنٹ کے ممبروں کا انتخاب کرتے ہیں۔ پارٹی ممبران اپنے مطالبات پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ وہ منظم ہیں، جب کہ عام ووٹر ایسا نہیں کر سکتے ہیں۔ سوشلسٹ جماعتیں پارلیمنٹ کی برتری کو قبول کرتی ہیں۔ لہذا وہ اپنے ممبران پارلیمنٹ کا احترام کرتی ہیں۔ دوسری طرف، کمیونسٹ اور فاشسٹ ممالک میں مقننہ غیر موثر ہے، کیوں کہ اصل طاقت پارٹی کے اہم ممبران پر ہی مرتکز ہوتی ہے۔ اس طرح پارٹی قیادت ممبروں پر غلبہ حاصل کرتی ہے۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں سوشلسٹ جماعتیں آزاد خیال جمہوری عمل میں ایک اہم

کردار ادا کرتی ہیں۔

2. کمیونسٹ پارٹیاں (The Communist Parties)

مارکس اور لینن کے نظریہ پر مبنی کمیونسٹ جماعتوں کی اولیں خواہش عوام کے ساتھ قریبی رابطے پیدا کرنا ہے۔ یوروپی کمیونسٹ پارٹیاں اپنے ابتدائی دور میں سوشلسٹ پارٹیوں کی طرز پر تشکیل دی گئیں، لیکن 1924 کے بعد ماسکو میں ہیڈ کوارٹر کمیونسٹ انٹرنیشنل کی ہدایت پر ان کی تنظیم نو کی گئی۔ انہوں نے سوویت کمیونسٹ پارٹی کے طرز عمل کو اپنایا۔ کمیونسٹ پارٹیاں جہاں کہیں بھی ہیں وہ دوسری پارٹیوں کے مقابلے میں بہتر اور منظم ہیں۔ یہ جماعتیں کارکنوں اور کسانوں کو اپنی طرف راغب کرتی ہیں۔ لیکن دوسری پارٹیوں کے برعکس ان کی مقامی اکائیاں کافی مستعد ہوتی ہیں۔ وہ کام کے مقامات پر منظم ہوتی ہیں،کام کی جگہوں پر ممبروں کے ساتھ قریبی رابطے برقرار رکھتی ہیں۔ جس کے سبب پارٹی کی ہدایتوں کی پہنچان اور ان پر عمل درآمد ان کے لیے آسان ہو جاتی ہے۔ وہ زیادہ سے زیادہ اتحاد کو فروغ دیتی ہیں۔

کمیونسٹ پارٹیاں 'جمہوری مرکزیت' کے اصول پر عمل کرتی ہیں، جس کا مطلب پارٹی ڈھانچے میں ممبروں کی جمہوری شرکت ہے، لیکن فیصلہ سازی اور نگرانی مرکزی قائدین کی ہی ہوتی ہے۔ پھر بھی تنقید کرنے والوں کا خیال ہے کہ ان جماعتوں میں شاید ہی کوئی جمہوریت ہو، کیوں کہ تمام فیصلے مٹھی بھر اعلی رہنما ہی کرتے ہیں، جو سختی سے اطاعت اور نظم وضبط کو یقینی بناتے ہیں۔ جماعت میں مختلف سطحوں پر تبادلہ خیال ہوتا ہے لیکن قیادت کی ہدایت کی کبھی خلاف ورزی نہیں کی جاسکتی ہے۔ ان مباحثوں میں اظہار خیالات کے بارے میں تمام معلومات پارٹی قیادت کو دی جاتی ہیں۔ سابق سوویت یونین اور مشرقی یوروپی ممالک کی جماعتوں نے بھی اسی طرز عمل کو اپنایا، جو چین، ویتنام اور دیگر کمیونسٹ ممالک میں بھی موجود ہے۔

کمیونسٹ جماعتیں اپنے نظریات پر نہایت سختی سے عمل کرتی ہیں جب کہ دنیا کی دوسری جماعتیں سوائے فاشسٹ پارٹیوں کے ایسا نہیں کرتی ہیں۔ کمیونسٹ جماعتیں مارکسی لیننسٹ نظریہ کی سختی سے پیروی کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ چینی کمیونسٹ پارٹی کی مارکسزم-لینن ازم کی اپنی تشریح ماؤنواز تھی۔ لیکن لبرلائزیشن اور معیشت کے آغاز نے حالات تبدیل کر دیے اور ماؤ کے بعد کے دور میں پارٹی ماؤ کی سختی سے دور ہو گئی۔ حالانکہ یہ اب بھی مارکسسٹ نظریہ کی حامی ہے۔ لبرل جمہوریتوں میں کمیونسٹ جماعتیں، جیسے ہندوستان میں، اب بھی مارکسزم-لینن ازم کی مطابقت پر اصرار کرتی رہیں۔

3. فاشسٹ جماعتیں (The Fascist Parties)

فاشزم، کمیونزم کے مکمل مخالف ہے۔ کمیونسٹ جماعتوں کے برخلاف، فاشسٹ جماعتیں ایک سب سے طاقتور ریاست کی حمایت کرتی ہیں۔ لیکن پھر بھی دونوں میں کسی حدتک مماثلت ہے۔ دونوں ایک جماعتی نظام پر یقین رکھتی ہیں اور پوری حزب اختلاف کو ختم کر دینا چاہتی ہیں۔ وہ دونوں اپنی پالیسیاں نافذ کرنے کے لیے طاقت کا استعمال کرتی ہیں۔ فاشسٹ جماعتیں کھلی مسابقت اور سرمایہ داری کی

حمایت کرتی ہیں، وہ آنکھیں بند کر کے کمیونسٹوں کی طرح ایک قائد کی پیروی کرتی ہیں۔ قائد کی نافرمانی کا مطلب ممبروں کو جماعت سے بے دخل کرنا ہو سکتا ہے۔ اٹلی کی فاشسٹ ڈکٹیٹر مسولینی نے خود کہا تھا کہ ان کی جماعت کمیونسٹ تکنیک پر عمل کرنا چاہتی ہے۔ فاشسٹ بڑے پیمانے پر عوام کی بات کرتے ہیں، لیکن وہ فوجی نظم وضبط پیدا کرنے اور عوام کو فوجی تربیت فراہم کرنے کے لیے مسلح افواج کا استعمال کرتے ہیں۔ فاشسٹ نوجوانوں کو نہ صرف فوجی تربیت دی جاتی ہے، بلکہ وہ فوجی وردی بھی پہنتے ہیں، روزانہ نظم وضبط کی مشق کرتے ہیں اور اکثر نافرمانی کی سزا دی جاتی ہے۔ فاشسٹ رہنما اقتدار حاصل کرنے کے لیے طاقت کا راستہ اپناتے ہیں اور اس کے لیے وہ جمہوری عمل کا دکھاوا بھی کر سکتے ہیں۔ فاشزم سرمایہ داروں اور بڑے کاروباری افراد کی حمایت سے اقتدار میں آتا ہے۔ یہ کمیونزم کی شدید مخالفت کرتا ہے، اور جمہوریت کا خاتمہ چاہتا ہے۔ تشدد اور جنگیں فاشسٹ پروگرام کا ایک اہم حصہ رہی ہیں۔

14.3.5 انٹر میڈیٹ قسم کی جماعتیں (Intermediate Type of Parties)

ماریس ڈوگر کے مطابق، سیاسی جماعتوں کی ایک تیسری قسم ہے جسے انٹر میڈیٹ کی قسم کہا جا سکتا ہے۔ یہ اشرافیہ اور ماس پارٹی دونوں سے مختلف ہیں۔ پھر بھی وہ عوامی جماعتوں کے قریب ہیں۔ یہ مندرجہ ذیل ہیں:

1. بالواسطہ جماعتیں (Indirect Parties)

بعض اوقات بہت سی بڑی یا چھوٹی کمیٹیاں سیاسی تقریبات سرانجام دیتی ہیں جن کی وجہ سے سیاسی جماعتوں کا قیام عمل میں آتا ہے۔ انہیں بالواسطہ پارٹی قرار دیا جا سکتا ہے۔ 1906 میں برٹش لیبر پارٹی کا قیام کسی حد تک اسی صورت حال میں ہوا تھا۔ اس وقت لیبر پارٹی نے پارٹی ممبروں کو براہ راست تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس نے ٹریڈ یونینوں، معاون سوسائٹیوں اور دیگر دانشورانہ اداروں کے ساتھ مل کر کام کرنا شروع کیا۔ پھر بعد میں ان اداروں نے الیکشن کے لیے امیدواروں کو منتخب کیا، فنڈز جمع کیے اور اپنی انتخابی مہم چلائی۔ پھر سوشلسٹ پارٹیوں کی ابتدا بیلجیم، ناروے اور سویڈن جیسے ممالک میں بھی ہوئی۔ ان ممالک میں یہ جماعتیں 1940 میں معرض وجود میں آئیں۔ اس سے قبل، بیلجیئم (1919) اور فرانس (1936) میں کرسچن ڈیموکریٹک جماعتوں کی تشکیل میں بھی اسی طرز پر عمل کیا گیا تھا۔ یہ تمام جماعتیں روایتی جماعتوں کی طرح وجود میں آئیں، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ان کے ممبر امیر طبقے سے نہیں بلکہ کارکنوں اور دانشوروں میں سے آئے تھے۔

2. ترقی پذیر ممالک میں جماعتیں (Parties in Developing Countries)

دوسری جنگ عظیم کے بعد، تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں بڑی تعداد میں سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں، جسے ڈوجر نے ترقی یافتہ ممالک کے طور پر بیان کرنے کو ترجیح دی۔ کچھ ترقی پذیر ممالک میں، جماعتوں نے برطانیہ یا ریاست ہائے متحدہ کے طرز پر عمل کیا، جب کہ کچھ دیگر ممالک میں سوویت یونین کے طرز پر جماعتیں قائم کی گئیں۔ کچھ افریقی ممالک میں جماعتیں اپنے منفرد انداز میں تشکیل پائیں۔ ان سب کو انٹر میڈیٹ کی قسم میں رکھا گیا کیونکہ اس وقت تک وہ مکمل طور پر منظم نہیں تھیں۔ آزادی کے بعد ہندوستان میں بہت سی جماعتیں تشکیل دی گئیں۔ ان میں سے کچھ زیادہ وقت تک نہ چل سکیں۔ سواتنترا پارٹی کانگریس کا ہی حصہ تھی، لیکن وہ غائب ہو گئی۔ چھوٹی

جماعتیں یا علاقائی جماعتیں بڑی تعداد میں وجود میں آئیں لیکن کچھ وقت کے بعد ان کے افراد دوسری پارٹی میں چلے گئے، یا اپنی الگ پارٹی تشکیل دی۔ پہلی قسم ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کانگریس سے الگ ہوئے لیکن کچھ عرصے بعد اس میں دوبارہ شامل ہوگئے۔ دوسرے زمرے میں وہ لوگ ہیں جو 1977 میں جنتا پارٹی کی طرح متحد ہوئے تھے لیکن، یہ تجربہ زیادہ عرصہ تک نہ چل سکا، اور اس کی وجہ سے بہت سارے گروپ بن گئے۔ تاہم، اس طرح کا ایک گروپ، بھارتیہ جنتا پارٹی، ایک قومی جماعت میں تبدیل ہو گیا، اور 1998، 2004 میں انہوں نے حکمرانی کی اور پھر 2014 سے اب تک قائم ہے۔ ہندوستان میں ایسی جماعتیں ہیں جو اب بھی سوویت طرز پر عمل پیرا ہیں جیسے کمیونسٹ جماعت۔

14.3.6 ہچنر اور لیون کی درجہ بندی (Hitchner and Levine's Classification)

ہیچنر اور لیون کے مطابق عام طور پر لوگ اپنے ذاتی خیالات کی بنیاد پر کسی جماعت سے وابستہ ہوتے ہیں، اور جماعت کی رکنیت کا انحصار کئی دیگر معاشرتی و اقتصادی قوتوں پر ہوتا ہے۔ لوگ اپنے طبقے، معاشی مفادات، موروثی مفادات اور کسی خاص گروہ کے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو کسی جماعت کے ساتھ منسلک کرتے ہیں۔ انہوں نے معاصر سیاسی جماعتوں کی تین قسموں میں درجہ بندی کی ہے۔ یہ عملی جماعتیں(Pragmatic Parties) ، نظریاتی جماعتیں(Doctrinal Parties) اور مفاد پرست جماعتیں (Interest Parties)ہیں.

1. عملی جماعتیں(Pragmatic Parties)

یہ جماعتیں کسی خاص نظریہ کی پابند نہیں ہوتی ہیں۔ ان کی پالیسیاں حالات کے تقاضوں کے مطابق ایڈجسٹ کی جاتی ہیں۔ یہ جماعتیں پارٹی کے نظریے سے کم اور وقت کے رہنما سے زیادہ متاثر ہوتی ہیں۔ امریکی جماعتیں، برٹش کنزرویٹو پارٹی، کینیڈا کنزرویٹوز پارٹی، کانگریس پارٹی آف انڈیا اور آسٹریلیا کی کنزرویٹو پارٹی سبھی اس زمرے میں آتی ہیں۔ یہ پارٹیاں دو پارٹی نظام میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہیں وقتاً فوقتاً مختلف سماجی و معاشی مفادات کی نمائندگی کرنا پڑتی ہے۔

2. نظریاتی جماعتیں(Doctrinal Parties)

یہ جماعتیں کسی خاص نظریہ کی پابند ہوتی ہیں اور کچھ اصولوں پر یقین رکھتی ہیں۔ قومی یا بین الاقوامی تبدیلیوں کے مطابق پالیسیاں اکثر تبدیل یا ایڈجسٹ کی جاتی ہیں، لیکن ان کے بنیادی نظریات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ سوشلسٹ جماعتیں اس زمرے میں شامل ہوسکتی ہیں۔ مثلاً: برطانوی لیبر پارٹی، بیلجیئم اور فرانس کی سوشلسٹ جماعتیں، یونائیٹڈ سوشلسٹ پارٹی آف چلی وغیرہ۔ صرف بائیں بازو کی جماعتیں ہی فطرتاً نظریاتی نہیں ہیں بلکہ لبرل جمہوریتوں میں داہنے بازو کی جماعتیں بھی نظریاتی ہوسکتی ہیں وہ اس زمرے میں آسکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہندوستان میں بھارتیہ جنتا پارٹی ایک خاص نظریہ کی حامل ہے، لیکن 1998 سے اس نے اپنے اتحادیوں کی شراکت داروں کے ساتھ ایڈجسٹ کرنے کے لیے اپنی پالیسیوں اور پروگراموں میں متعدد ایڈجسٹمنٹ کیے۔ لیکن کمیونسٹ اور فاشسٹ جماعتیں مکمل طور

پر نظریاتی ہوتی ہیں۔

3. مفاد پرست جماعتیں(Interest Parties)

ہیچنز اور لیون کے مطابق، کثیر جماعتی نظام میں متعدد جماعتیں اور یہاں تک کہ دو پارٹیوں کے نظام میں چھوٹی جماعتیں عام طور پر خصوصی مفادات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ اس طرح، انہیں 'مفاد پرست' جماعتوں کے طور پر بیان کیا جاسکتا ہے۔ جب مفاد پرست گروہ عارضی طور پر یا مستقل طور پر خود کو جماعت میں تبدیل کرتا ہے، تو وہ اس زمرے میں آتا ہے۔ مفادات کی نوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہوسکتی ہے مثلاً کسانوں کے مفادات کے لیے کام کرنے والی، ذات یا برادری کے مفادات کی متلاشی پارٹی سے مختلف ہے۔ سوئس فارمرز پارٹی، جرمن گرینز، آئرش نیشنلسٹ پارٹی آف یوکے کچھ ایسی ہی پارٹیاں ہیں۔ ہندوستان میں ایسی بہت ساری دلچسپی رکھنے والی جماعتیں ہیں۔ مثال کے طور پر، جھارکھنڈ مکتی مورچہ، مہاراشٹر کی کسان اور شامک پارٹی، بہوجن سماج پارٹی جو دلتوں کی ترقی کے لیے پرعزم ہے۔

14.3.7 سیاسی جماعتوں کی عمومی درجہ بندی (General Classification of Political Parties)

1. ایک جماعتی نظام(One party system)ایک ایسا نظام جس میں صرف ایک جماعت موجود ہو اور وہی ملک پر حکمرانی کرے۔ اس میں اپوزیشن جماعتوں کی اجازت نہیں ہوتی۔ مثال کے طور پر، چین، شمالی کوریا، ویتنام، کمبوڈیا، لاؤس، کیوبا جیسے ممالک میں یک جماعتی نظام موجود ہے۔ یہ سوشلسٹ ممالک ہیں اور ان ممالک میں واحد کمیونسٹ پارٹی ہے۔۔

یہ نظام جمہوری نظام کے بالکل منافی ہے۔ جمہوریت میں اپوزیشن میں بیٹھی جماعتوں کی دلشکنی نہیں کی جاتی بلکہ ہر طرح سے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ یہاں نہ صرف ہر پارٹی بلکہ ہر شخص اپنی آزادانہ رائے رکھ سکتا ہے۔ ایک جماعتی نظام کی خوبی یہ ہے کہ کثیر جماعتی نظام والے ممالک کی طرح کمزور حکومت نہیں ہوتی ہے بلکہ ایک مضبوط حکومت ہوتی ہے۔ کیوں کہ اس میں کوئی مخالف جماعت ہوتی ہی نہیں ہے، لہٰذا ایک پارٹی کی حکومت مضبوطی سے کسی بھی پالیسی کو اپنا سکتی ہے۔ مزید یہ کہ اس میں قومی اتحاد برقرار رہتا ہے، پالیسی میں تسلسل رہتا ہے- ایک ہی سیاسی جماعت طویل عرصے تک کسی بھی پالیسی کو اپنا سکتی ہے۔ حکومت کی پوزیشن میں بدلاؤ آتا رہتا ہے، لیکن پارٹی کی پالیسیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آتی ہے۔ لہٰذا ایسے نظام کی پالیسی میں یکسانیت ہونا فطری بات ہے۔

ایک پارٹی سسٹم کی خامیوں کی فہرست بھی کافی طویل ہے، جن میں سے اہم یہ ہیں کہ (1) اس نظام میں انتخابات(Elections) صرف ایک ڈھونگ ہوتے ہیں۔ یہاں صرف ایک ہی جماعت ہوتی ہے، الیکشن صرف جماعت ممبر ہی لڑسکتے ہیں جنہیں جماعت نامزد کرے۔ (2) میڈیا، ملٹی میڈیا اور تمام خبر رساں ایجنسیوں پر پارٹی کا کنٹرول ہوتا ہے۔ تمام خبر رساں ایجنسیوں کے ذریعے محض جماعت کے خیالات ہی پیش کیے جاسکتے ہیں۔ (3) عدالتی فیصلوں پر بھی حکومت کا کنٹرول ہوتا ہے۔

2. دوجماعتی نظام (Two Party System) ایک ایسا نظام جس میں صرف دو بڑی جماعتیں موجود ہوتی ہیں اگر ہوتی بھی ہیں تو اتنی

کمزور کہ وہ خود حکومت نہیں بناسکتیں جیسے امریکہ اور برطانیہ میں۔

3. کثیر جماعتی نظام (Multi-Party System) ایک ایسا نظام جس میں متعدد جماعتیں شامل ہوتی ہیں، مثال کے طور پر ہندوستان۔ اس نظام کے منفی پہلو معلق پارلیمنٹ، معلق اسمبلیاں، اتحادی اور غیر مستحکم حکومتیں ہیں۔

14.4 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں سیاسی جماعتوں کے درجہ بندی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اس کو جانا۔
- اس اکائی میں سیاسی جماعتوں کا تعارف کا گہرائی سے مطالعہ کیا گیا ہے اس کی بھی معلومات حاصل کی ہے۔
- اس اکائی میں سیاسی جماعتوں کی درجہ بندی کو تفصیل سے سمجھایا گیا ہے اس کو بھی جانا۔

14.5 کلیدی الفاظ (Keywords)

- اشرافیہ : اشرافیہ "کی اصطلاح لاطینی لفظ ایلگو سے نکلی ہے، جس کا مطلب ہے "منتخب"، "بہترین" کے ہیں۔ اشرافیہ طبقاتی افراد کا ایک خاص گروہ ہوتا ہے جو معاشرے میں ایک اعلی مقام رکھتے ہیں۔ جب بات سیاست کی ہو تو یہ افراد سیاسی طاقت رکھتے ہیں اور حکومت میں اعلی عہدوں پر فائز ہیں۔
- پرولتاریہ : وہ طبقہ جو محنت مشقت کر کے مصنوعات تیار کرے یا پیداوار بڑھائے اور اس کی تیار کردہ مصنوعات سے حاصل ہونے والی دولت زردار سمیٹ لے، پرولتاری کہلاتا ہے۔

14.6 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

14.6.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1. ایک سیاسی جماعت کے اجزاء کیا ہیں؟

(a) قیادت (b) فعال ممبران (c) معاونین (d) یا مذکورہ سبھی

2. جمہوریت میں.....

(a) جماعتیں متفقہ طور پر منتخب ہوتی ہیں (b) جماعتیں الیکشن لڑتی ہیں

(c) جماعتیں خود منتخب ہوتی ہیں (d) جماعتیں اشرافیہ ہوتی ہیں

3. سیاسی جماعت کام کرتی ہیں.....

(a) عوام کی مرضی سے (b) اپنی مرضی کے مطابق

(c) پالیسیوں اور پروگراموں کے مطابق (d) ان میں سے کوئی نہیں

4. کیا جماعتیں ملک کے لیے قانون بنانے میں اپنا کردار ادا کرسکتی ہیں؟

(a) ہاں (b) نا (c) معلوم نہیں (d) کچھ حالات میں

5. وہ جماعتیں جو انتخابات میں ہارتی ہیں......

(a) اب بھی حکومت چلاسکتی ہیں (b) حزب اختلاف کا کردار ادا کرتی ہیں

(c) پالیسیاں اور پروگرام بناسکتی ہیں (d) حکومت پر تنقید نہیں کرسکتیں

6. کثیر جماعتی نظام کی مثال کس ملک میں ہے؟

(a) ہندوستان (b) امریکہ (c) برطانیہ (d) چین

7. کثیر جماعتی نظام کے فوائد سے متعلق بیان منتخب کریں؟

(a) کثیر جماعتی نظام رائے دہندگان کو محدود انتخاب فراہم کرتا ہے۔ (b) کثیر جماعتی نظام میں تنازعہ کا امکان ہے۔

(c) کثیر جماعتی نظام ووٹرز کو اختیارات فراہم کرتا ہے۔ (d) کثیر جماعتی نظام میں علاقائی جماعتوں کو نمائندگی ملتی ہے۔

8. چین میں کس جماعت کو حکمرانی کی اجازت ہے؟

(a) سماجوادی پارٹی (b) کمیونسٹ پارٹی (c) لبرل پارٹی (d) ماؤنواز پارٹی

9. لفظ" جماعت " کس زبان سے لیا گیا ہے

(a) لاطینی (b) انگریزی (c) جرمنی (d) فرانسیسی

10. کون سی جماعتیں عوام کی ترجیحات کے مطابق جوابدہ ہوتی ہیں؟

(a) جمہوری (b) کمیونسٹ (c) دونوں (d) معلوم نہیں

14.6.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ سیاسی جماعتوں کی اہمیت پر مختصر نوٹ لکھیں۔

2۔ سیاسی جماعت سے کیا مراد ہے؟

3۔ سیاسی جماعتوں کی خصوصیات لکھیں۔

4۔ ایک سیاسی جماعتوں کے اہم اجزاء کیا ہیں تحریر کریں؟

5۔ نظریاتی جماعتوں سے آپ کیا سمجھتے ہیں، وضاحت کریں؟

14.6.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ سیاسی جماعتوں کے مارکسی اور عصری تصورات کو تفصیل سے لکھیے۔

2۔ سوشلسٹ پارٹی سے آپ کیا سمجھتے ہیں، اس کے بنیادی نظریات پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

3۔ ہیجز اور لیون کی سیاسی پارٹیوں کی درجہ بندی کیا ہے؟ قلم بند کریں۔

14.7 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Aldrich, J. H. (1995) Why Parties? The Origin and Transformation of Party Politics in America. Chicago: University of Chicago Press,U.S.A

2. Charles, J. (1956) The Origins of the American Party System (New York: Harper & Row. U.S.A

3. Dutta, R. (2011). Measuring Party System Change in India: An Analysis at the National and at the Level of States, 1952-2009. The Indian Journal of Political Science, 72(3), 663-678.

4. Wincławska, Maria. (2018). Political Parties and Party Systems in the Contemporary World. The Copernicus Journal of Political Studies.

اکائی 15۔ قومی جماعتوں کے فرائض

(Functions of National Political Parties)

اکائی کے اجزا

15.0 تمہید

15.1 مقاصد

15.2 انڈین نیشنل کانگریس

15.3 بھارتیہ جنتا پارٹی

15.4 جنتا دَل

15.5 کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا

15.6 اکتسابی نتائج

15.7 کلیدی الفاظ

15.8 نمونہ امتحانی سوالات

15.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

15.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم قومی جماعتوں کے فرائض کا تفصیل سے مطالعہ کریں گے۔

اس اکائی میں ہندوستان کی قومی سیاسی جماعتوں کی ابتدا و کارکردگی کے بارے میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ ہندوستان کا کثیر جماعتی نظام قومی وعلاقائی جماعتوں میں منقسم ہے۔ ایک سیاسی جماعت کو قومی حیثیت حاصل کرنے کی لیے الیکشن کمیشن کے مطابق ریاستی انتخابات میں کم از کم چار یا اس سے زائد ریاستوں میں ڈالے گئے ووٹوں میں سے کم از کم 6٪ ووٹ حاصل کرنے ہوں گے یا لوک سبھا انتخابات میں 2 فیصد نشستیں حاصل کرنی ہونگی۔ اس اکائی میں کانگریس جماعت کے وجود سے لے کر موجودہ بی جے پی جماعت کی حکومت کے بارے میں بحث کی گئی ہے اس طرح چند قومی جماعتوں کی کارکردگی و فرائض کو بیان کیا ہے۔

15.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی میں سیاسی قومی جماعتوں کے متعلق معلومات دی گئی ہیں جس سے طلبا اس واقفیت روشناس ہوں گے۔

- اس میں قومی جماعتوں کی ابتداء، کارکردگی اور نظریات کی تفصیلات دی گئی ہیں۔
- ان جماعتوں کے ذریعے حکومت وملک میں آئی تبدیلی کے بارے میں معلومات فراہم کی جائے گی۔
- ان قومی جماعتوں کا حکومت پر کس طرح غلبہ ہوا، بیان کیا ہے۔
- ان قومی جماعتوں کے حرکیاتی اشخاص کے تعلق سے معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

15.2 انڈین نیشنل کانگریس (Indian National Congress)

انڈین نیشنل کانگریس کو 28 دسمبر 1885ء کو ایک وظیفہ یاب انگریز عہدیدار A.O Hume نے قائم کیا۔ اس جماعت کی سب سے پہلی صدارت ومیش چندرا بنرجی نے کی اور اس کا پہلا اجلاس بمبئی میں ہوا۔ ابتدا میں یہ جماعت ایک تحریک کے طور پر قائم کی گئی تھی۔ ہندوستانی عوام اپنے مسائل کو برطانوی حکومت کے سامنے پیش کر سکیں۔ لیکن آزادی کے بعد یہ تحریک ایک سیاسی جماعت میں تبدیل ہو گئی۔ پروفیسر رجنی کوٹھاری نے کانگریس کو" ایک قومی تحریک"، ایک بااثر حلقہ اور سیاسی جماعت قرار دیا" کانگریس میں ہر طرح کے نظریات رکھنے والے افراد موجود تھے جس کی وجہ سے یہ جماعت اپنے ہی اندرونی اختلافات کا شکار ہوئی۔ اس کے باوجود بھی یہ اپنے مقصد پر قائم رہی اور اس نے آزادی حاصل کرنے تک اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ اس کے اہم قائدین میں جواہر لعل نہرو، گاندھی، مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ شامل تھے۔ اس جماعت میں اختلافات وگروہ بندیاں ہونے کے باوجود بھی قومی مفادات کی نمائندگی ہوتی رہی اور " آزادی کے حصول "کو حاصل کیا۔

کانگریس میں سب سے پہلا انتشار 1907ء میں سورت کے اجلاس میں ہوا جس کے نتیجے میں پہلی بار انتہاپسند اور اعتدال پسند

دو گروہ اُبھر کر سامنے آئے۔ اس کے بعد سے کانگریس جماعت گروہ بندیوں و اختلافات کا شکار ہوتی رہی۔ 1948ء میں آچاریہ نریندر دیو، اشوک مہتا، جئے پرکاش نارائن اور لوہیا نے کانگریس سے علٰحیدگی اختیار کی۔ اس کے علاوہ پرشوتم داس ٹنڈن اور آچاریہ کرپلانی نے تنظیمی مسائل کی وجہ سے کانگریس کو خیر باد کیا۔ جب کہ آچاریہ کرپلانی خود آزاد ہند تک انڈین نیشنل کانگریس کے صدر رہ چکے تھے۔ شیام پرساد مکھر جی نے بھی اپنی ایک علٰحیدہ جماعت کی بنیاد ڈالی جو جن سنگھ کے نام سے جانی جاتی تھی۔ اس طرح پارٹی میں گروہ بندیوں کا سلسلہ جاری رہا اور کانگریس ایک بار پھر سے دو گروہوں میں منقسم ہو گئی ایک مرارجی دیسائی کا گروہ جو کانگریس (او) کہلایا اور دوسرا اندرا گاندھی کا گروہ جو کانگریس (آئی) سے مشہور ہوئی۔ ہندوستان میں 1975ء میں قومی ایمرجنسی کے نفاذ نے ملک کے سیاسی حالات کو تبدیل کر دیا جس کی وجہ سے کانگریس کی شہرت ماند پڑ گئی اور جنتا پارٹی نے عوام کا بھروسہ جیت کر اقتدار حاصل کر لیا۔ یہ کانگریس کی سب سے بڑی ہار تھی۔ 1978ء کے انتخابات میں اندرا گاندھی نے ہاتھ کے نشان کے ساتھ کانگریس (آئی) کے قیام کے اعلان کیا کیونکہ اس سے قبل کانگریس کا انتخابی نشان گائے اور بچھڑا تھا۔ 1980ء میں اندرا گاندھی تمام کانگریسی ارکان کو اپنی سیاسی جماعت میں شامل کرنے میں کامیاب رہیں۔

1980ء میں اندرا گاندھی اپنے فرزند سنجے گاندھی کی موت سے مایوس ہو چکی تھیں اس لیے پارٹی کی صدارات کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو کر کسی ایماندار و وفادار فرد کو یہ ذمہ داری سونپنا چاہتی تھی لیکن ایسا نہیں ہو سکا۔ جب 1984ء میں اندرا گاندھی کا قتل ہوا تو عوام کی ساری ہمدردی کانگریس کو حاصل ہو گئی اور پھر سے راجیو گاندھی کی صدارات میں کانگریس نے اقتدار حاصل کر لیا۔ جب 1989ء میں عام انتخابات کا اعلان ہوا تو حزب مخالف جماعتوں نے انتخابی محاذ سے کچھ وقفہ طلب کیا جب راجیو گاندھی انتخابی مہم میں مصروف تھے تب ہی 21/ مئی 1991ء میں راجیو گاندھی کا قتل ہو گیا۔ اس وقت گاندھی خاندان میں پارٹی کی صدارات کی ذمہ داری لینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا اس فکر سے کانگریس کے ارکان نے اپنے تجربہ کار قائد پی۔ وی نرسمہاراؤ کو پارٹی کی صدارات سونپی لیکن 1993ء میں ہرشد مہتا اسکنڈل میں نرسمہاراؤ کی شخصیت داغدار ہو گئی جو اس جماعت کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی۔

1996ء کے لوک سبھا انتخابات میں کانگریس نے یونائیٹڈ فرنٹ حکومت کی کافی حمایت کی جب سونیا گاندھی نے کانگریس جماعت کی صدارات سنبھالنے کی ذمہ داری قبول کی تب بی جے پی نے ان کے غیر ملکی ہونے کا مسئلہ کھڑا کر دیا۔ 14 ویں لوک سبھا انتخابات میں کانگریس نے مخلوط حکومت کو کھڑا کرنے میں کامیابی حاصل کی لیکن حزب مخالف جماعت نے پھر سے غیر ملکی ہونے کی بات چھیڑ دی اس پر سونیا گاندھی نے اپنے تجربہ کار اور ایماندار قائد ڈاکٹر منموہن سنگھ کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار سونپ دیا اور منموہن سنگھ نے 1999ء سے لے کر 2013ء تک اپنی مخلوط حکومت UPA کی معیاد کو مکمل کیا۔ لیکن 2014 کے انتخابات میں کانگریس جماعت کو زبردشت شکست حاصل ہوئی اور بی جے پی اور اُس کی حلیف NDA جماعتوں نے اقتدار پر قبضہ جما لیا۔

15.2.1 انڈین نیشنل کانگریس کے فرائض (Functions of Indian National Congress)

کانگریس جماعت ہندوستان و پورے ایشیاء کی سب سے قدیم جماعت سمجھی جاتی ہے اس کے قیام کے وقت سے لے کر موجودہ دور

تک کئی مسائل و اختلافات سے دوچار ہوئی اس کے اندر گروہ بندیاں و اختلافات کی وجہ سے جماعت میں لچکداری و مطابقت کا امتزاج ہے۔ اس کے باوجود بھی یہ اپنی سرگرم کارکردگیوں اور سیکولر مزاج کی وجہ سے عوام کا اعتماد حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔ اس لیے کئی مفکرین نے ہندوستانی سیاسی جماعتی نظام کو واحد کانگریسی جماعتی نظام کہا ہے۔

نظریاتی فرائض(Ideological Functions)

نہرو نے اپنے نظریہ کے مطابق کانگریس جماعت کو ایک اشتراکی تصور کے طور پر بتایا۔ نہرو نے 1950ء میں ترقی کی راہ ہموار کرتے ہوئے معاشی منصوبہ بندی کی ابتدا کی اور عوامی شعبہ جات اور مخلوط معیشیت کی حمایت کی اس کے لیے انہوں نے 1955ء کو آوادی اجلاس میں تاریخی قرارداد کو منظور کیا جس میں "اشتراکی طرز کے سماج کے قیام" پر زور دیا تھانہرو نے یہ تصور و نظریہ روس کے جمہوری اشتراکیت سے متاثر ہو کر کہا تھا جو کہ کبھی عملی طور پر مکمل نہ ہو سکا۔ اس کے بر خلاف اندرا گاندھی نے اپنی حرکیاتی شخصیت سے مطلق العنانیت کے مزاج کو اپنایا جس میں جمہوریت کا فقدان تھا جو پارٹی میں انتشار کی وجہ بنا۔ اندرا گاندھی نے قدیم کانگریس کو قدامت پسند اور رجعت پسند کہا اور انہوں نے کانگریس (آئی) کا قیام عمل میں لایا کانگریس (آئی) ہمیشہ سے سیکولر نظریہ کو لے کر اقتدار میں قابض رہی اور عوام کا اعتماد حاصل کیا۔

راجیو گاندھی نے 1989ء میں انتخابات کے دوران "ہندو کارڈ" کو اپناتے ہوئے اُتر پردیش کے ضلع ایودھیا کی قدیم "بابری مسجد" کے مسئلہ پر وشوہندوپریشد سے جُڑ گئی اور اپنے نظریہ کو ہندو نظریہ بتایا نتیجہ تمام اقلیتیں کانگریس (آئی) سے دور ہو گئے۔

نرسمہاراؤ کے دور حکومت میں کانگریس نے آزادیانہ پالیسی کو اپناتے ہوئے اشتراکی نظریہ کا انحراف کیا اور جوڑ توڑ کی سیاست سے اپنی معیاد کو مکمل کرنے کے کوشش کی ان کی عجلانہ پالیسیوں نے کانگریس کو پھر سے اقتدار سے دور کر دیا۔ 1999ء کے انتخابات میں کانگریس نے ترقیاتی، سیاسی بھائی چارہ کے نظریہ کو اپنایا اور اکثریت ثابت نہ ہونے کی وجہ سے مخلوط حکومت کا قیام عمل میں لایا لیکن چند ناکام پالیسیوں کی وجہ سے 2014ء اور 2019ء کے انتخابات میں ناکام رہی۔

احتجاجی فرائض(Protest Function)

ہندوستان کی آزادی اور اس کی جدوجہد میں کانگریس نے بہت اہم رول ادا کیا اور کئی ایک احتجاج و تحریکات چلائی۔ ابتدا میں کانگریس اعتدال پسند تحریک تھی۔ گوپال کرشن گوکھلے، دادابھائی نوروجی، سریندر ناتھ بنرجی، فیروز شاہ مہتا، مدن موہن مالویہ وغیرہ نے انگریزی تعلیم سے روشناس کروایا۔ کانگریس نے اپنے دوسرے دور میں انتہاء پسند تحریکات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس کے اہم قائدین لالہ لجپت رائے، بال گنگادھر تلک اور بپن چندر پال اور اروبند گھوش نے ہوم رول تحریک، بنگال کی تقسیم کی مخالفت وغیرہ پر احتجاج و تحریکات چلائی۔

کانگریس نے گاندھیائی دور میں گاندھی جی کی قیادت میں کئی کامیاب تحریکات چلائی اور آزادی کی جدوجہد میں کامیابی حاصل کر کے اپنے فرائض کو باخوبی نبھایا۔ گاندھی نے کئی تحریکات جیسے شہری نافرمانی، عدم تعاون تحریک، ہندوستان چھوڑدو تحریک وغیرہ کے ذریعے برطانوی حکومت کی کمر توڑدی اور کئی کانگریسی قائدین نے اپنی قربانیاں دے کر آزادی حاصل کی یہ تمام کانگریس جماعت کی ہی

کاوشوں کا نتیجہ ہے کے آج تمام ہندوستانی برطانوی سامراجیت کی غلامی سے آزاد ہیں۔

دستوری فرائض(Constitutional Functions)

دستور ہند کی تیاری میں کئی کانگریسی قائدین نے مل کر تعاون کیا اور ملک کو ایک بہترین دستور عطا کیا دستور ہند میں کئی ممالک کے دساتیر کی خصوصیات شامل کی گئی اور ہندوستان کو ایک بہترین و مفصل دستور فراہم کیا دستور کی تدوین کے لیے اسمبلی کے باضابطہ انتخابات کروائے جس میں کانگریس کے اراکین نے جیت حاصل کی اور موتی لعل نہرو نے دستور ساز اسمبلی کا مسودہ تیار کیا اور مسودہ ساز کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے ڈاکٹر بی۔ آر۔ امبیڈکر نے دستور کی تدوین کا کارنامہ انجام دیا۔

1948ء میں مسودہ تیار ہوا جس میں 7635 ترمیمات کی تجویز پیش کی گئی تھی لیکن اسمبلی نے 2473 ترمیمات پر ہی غور کیا اس دستور ساز اسمبلی کے جملہ 11 اجلاس منعقد ہوئے اور دستور کی تیاری میں درکار وقت 2 سال 11 ماہ اور 18 دن ہوئے اور جواہر لعل نہرو نے دستور میں تمہید درج کرنے کی تجویز پیش کی جو دستور کی روح کہلاتی ہے۔اس طرح کانگریس قائدین و اسمبلی کے ارکان کی انتھک کوشش سے 26 جنوری 1950ء کو ہندوستان کے دستور کا نفاذ عمل میں آیا اور ہندوستان کے ایک بہترین دستور اور جمہوری حکومت کا نظام عطا کیا۔

انتخابی فرائض(Electrol Functions)

دستور کی تدوین کے بعد حکومت کے استحکام پر غور و فکر کی شروعات ہوئی 1952ء میں عام انتخابات کروائے گئے جس میں کانگریس نے پارلیمنٹ کی 73٪ نشستوں پر جیت حاصل کرلی۔اس طرح کانگریس 1952ء سے 1967ء تک اقتدار پر قابض رہی۔1971ء کے لوک سبھا انتخابات میں انڈین نیشنل کانگریس نے بھاری اکثریت سے پارلیمنٹ کی نشستیوں پر قبضہ کر لیا جس میں کانگریس نے 44٪ ووٹ حاصل کر لیے اور لوک سبھا کے 545 نشستیوں میں 352 نشستیں جیت لی۔ 1975ء میں ایمرجنسی کے سبب اندرا گاندھی کو 1977ء کے عام انتخابات میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور اس کا فائدہ حزب مخالف جماعت جنتا پارٹی نے اٹھایا اور اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔

1980ء میں جنتا حکومت میں پھوٹ پڑنے کی وجہ سے پارٹی ٹوٹ گئی اور پھر سے کانگریس (آئی) نے اقتدار حاصل کر لیا نومبر 1984ء میں اندرا گاندھی کے قتل کے بعد ان کے فرزند راجیو گاندھی کو عوام کی ہمدردی کے ساتھ ساتھ ووٹ بھی حاصل ہو گئے اور پھر سے مرکزی حکومت پر کانگریس کا غلبہ چھا گیا لیکن جب راجیو گاندھی کا قتل ہوا تو جماعت کی طاقت ماند پڑ گئی نرسمہاراؤ نے کانگریس کی باگ ڈور سنبھالی اس کے بعد 1999ء سے 2013 تک کانگریس جماعت نے ڈاکٹر منموہن سنگھ کی قیادت میں حکومت کی کمان سنبھالی اب اس وقت کانگریس جماعت کی ذمہ داری سونیا گاندھی کے ہاتھ میں موجود ہے۔

داخلہ پالیسی کے فرائض(Functions of Domestic Policy)

کانگریس نے اپنے دور حکومت میں کئی داخلہ پالیسی سازی کی جو ملک و عوام کی لیے کچھ سود مند اور کچھ نقصاندہ ثابت ھوئی جیسا کہ جواہر لعل نہرو کے دوران حکومت میں آوادی اجلاس میں ایک " اشتراکی طرز کے سماج کی تشکیل کی قرارداد پیش کی تھی۔اندرا گاندھی

نے 'غریبی ہٹاؤ' کی پالیسی شروع کی تھی ملک میں منصوبہ بند معشیت کے ذریعے آبپاشی اور بھاری صنعتوں کے کام مکمل کیے اقلیتوں کی فلاح وبہود کی لیے 15 نکاتی پروگرام شروع کروائے اس کے علاوہ بینکوں کو قومیانے اور شہری جائیدادوں واراضی پر پابندیاں عائد کی۔ راجیو گاندھی نے رام راجیہ کی پالیسی سے رام جنم بھومی کا مسئلہ اُٹھایا اور بابری مسجد کی شہادت کی نرسمہاراؤ نے اپنے دور ان حکومت میں آزادانہ پالیسی سے لائسنیس راج کا خاتمہ کیا۔ وہیں منموہن سنگھ کی حکومت نے تعلیم کی لیے سرواسکھشا ابھیان مدرسوں میں دوپہر کے کھانے کی اسکیم 'میڈے میل' وغیرہ شروع کروائے اس طرح کانگریس جماعت نے اپنی پالیسیوں سے عوام پر اور ہندوستانی حکومت پر اپنی پکڑ جمائے رکھی تھی۔

خارجہ پالیسی وسفارتی فرائض (Functions of Foreign Policy)

جواہر لعل نہرو سے لے کر راجیو گاندھی تک غیر جانبدارانہ پالیسی پر کاربند رہے اور عالمی امن وسلامتی اور ترک اسلحہ کی پر زوروکالت کی فلسطین کے قیام اور 1992ء میں اسرائیل مملکت کے قیام کو قبول کیا جنوبی آفریقہ کی آزادی کو تسلیم کیا۔ نرسمہاراؤ نے ہندوستانی معشیت کو عالمی مارکٹ سے جوڑتے ہوئے بیرونی سرمایہ کاری کی راہیں ہموار کی۔ اس کے علاوہ منموہن سنگھ کے دورِ حکومت میں افغانستان' امریکہ' جاپان' یوروپین' یونین کے ممالک جیسے UK فرانس اور جرمنی سے بات چیت کے ذریعے سفارتی تعلقات میں بنانے میں کامیابی حاصل کی اس کے علاوہ ایران' پاکستان' وانڈیا گیس پائپ لائن پر بات چیت کی۔ اس طرح کانگریس کے دورِ اقتدار میں ترقی یافتہ ممالک سے سفارتی تعلقات کو فروغ دیا گیا۔

15.3 بھارتیہ جنتاپارٹی (Bhartiya Janta Party)

موجودہ بھارتیہ جنتاپارٹی کی جڑیں جن سنگھ نام کی تنظیم میں پیوست ہیں جن سنگھ کو شیاماپرساد مکھرجی نے 21 اکتوبر 1951ء میں اپنی ہی صدارت میں قائم کیا تھا۔ یہ جماعت آر۔ایس۔ایس کی ساتھی تنظیم ہے اس جماعت نے 1967ء میں ہندی زبان کی بنیاد پر شمالی ہندوستان میں اپنے قدم مضبوطی سے جمائے۔ 1977ء میں مخالف کانگریس جماعت کی لیے اور مرکز میں غیر کانگریسی حکومت قائم کرنے کی لیے جن سنگھ نے جنتاپارٹی میں شمولیت اختیار کی لیکن جنتاپارٹی میں فرقہ واریت اور داخلی اختلافات وتنازعات کی وجہ سے 1979ء میں اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔ اس کے بعد جن سنگھ جماعت کی ذمہ داری اٹل بہاری واجپائی نے سبنھالی اور اگلے ہی سال 1980ء میں اٹل بہاری واجپائی' لال کرشن اڈوانی اور مرلی منوہر جوشی نے مل کر باضابطہ بھارتیہ جنتاپارٹی کا قیام عمل میں لایا۔

بی جے پی کے تعلق سے یہ مانا جاتا ہے کہ اس کے پاس ایماندار اور وفادار کیڈر موجود ہے اور اپنی ساتھی تنظیم آر۔ایس۔ایس سے اس کا تعلق ہے۔ بی جے پی کو ابتدا میں شہری علاقوں میں عوام کی تائید حاصل رہی خاص طور پر تعلیم یافتہ نوجوان طبقہ، چھوٹے تاجر، سرکاری عہدیدار وغیرہ لیکن ان کے نظریات ومقاصد کی وجہ سے پسماندہ طبقات اور اقلیتوں نے اس کی کبھی بھی حمایت نہیں کی بی جے پی ہمیشہ اپنے مقاصد کو مکمل کرنے میں مصروف رہی۔ ان کے مقاصد جیسے: (1) بی جے پی کا قومی ایجنڈہ رام مندر کی ایودھیا میں تعمیر کرنا (2)

ہندو برہمنوں کو ان کے حقوق واپس دلوانا (3) یکساں سیول کوڈ کا نفاذ عمل میں لانا (4) دفعہ 370 جو کہ جموں وکشمیر کو خاص موقف عطا کرتا تھا اُس کو ختم کرنا (5) گاؤکشی پر مکمل امتناع عائد کرنا وغیرہ

بی جے پی جماعت کا ماننا ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں خاص طور پر کانگریس جماعت اقلیتوں کی چاپلوسی کرتی ہے اور اقلیتیں کانگریس پارٹی کا صرف ایک ووٹ بینک ہے۔ بی جے پی شمالی ہند میں خاص طور پر اتر پردیش 'گجرات' ہماچل پردیش وغیرہ میں کافی مقبول ہے۔ کانگریس کے دوران حکومت میں جب بی جے پی جماعت حزب مخالف جماعت تھی تب یہ ہندوستان کی کھلی معیشت کی مذمت کرتی تھی لیکن آج یہ خود اقتدار پر قابض ہے تو اس نے خود ہی کھلی معیشت کی پالیسی کو عملی جامہ پہنایا۔ ہندوستان میں بی جے پی کا موقف فرقہ وارانہ تفرقات کو بڑھانا اور دو قطبی نظریہ پر مبنی رہا ہے یہ جماعت نے 1992ء میں بابری مسجد کی شہادت، 2002ء کے گجرات فسادات وغیرہ سے داغدار ہوگئی یہ اکیلی ہی ان تمام نقصانات کی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ اس کی ساتھی تنظیمیں آر۔ایس۔ایس، وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل اور شیو سینا بھی شامل ہیں۔ موجودہ وقت میں بی جے پی جماعت کی ذمہ داری نریندر مودی کے ہاتھ سونپ دی گئی ہے اور جماعت کی صدارت جگت پرکاش نڈا کر رہے ہیں۔ اس نے اپنی کئی پالیسیوں کے ذریعے سے ملک میں امن وامان اور قومی یکجہتی کو بھی خطرہ میں ڈال دیا ہے۔

15.3.1 بھارتیہ جنتا پارٹی کے فرائض (Functions of Bhartiya Janta Party)

بھارتیہ جنتا پارٹی نے اپنے فرائض کو اپنے دوران حکومت میں مکمل کیے ان کے فرائض ہندوتوا اصولوں پر مبنی ہیں ان کے چند ایک کارکردگیاں ملک اور عوام کی لیے کارآمد ثابت ہوئی لیکن اس سے کہیں زیادہ دستوری نظام سیکولر موقف اور جمہوریت کی دھجیاں اُڑادی۔

نظریاتی فرائض (Ideological Functions)

بی جے پی جماعت کا نظریہ جنتا دور حکومت سے ہی صاف رہا ہے کہ وہ ہندو تہذیب کی حمایت میں ہے۔ یہ جماعت طویل عرصہ سے ہی پاکستان' بنگلہ دیش' بھوٹان اور افغانستان کو ہندوستان کا حصہ سمجھتی تھی اور اکھنڈ بھارت کی تشکیل پر یقین رکھتی تھی۔ اس جماعت نے برہمن ہندوؤں کے حقوق کے مسائل کو اٹھایا۔ اس کا ہندو ومذہبی رجحان صاف صاف دکھائی دے رہا ہے۔

بی جے پی خود کو اقداری سیاست، سیکولرزم، جمہوریت، قومی یکجہتی وقوم پرستی کے نظریات رکھنے کا دعویٰ کرتی ہے لیکن ایسا بالکل بھی نہیں ہے۔ وہ ہندوتوا نظریہ کی حامی جماعت ہے اس کی جماعت میں ہندو وثقافت کو ہندوستانی ثقافت کا نام دے رکھا ہے۔ یہ کانگریس کی سیکولر پالیسیوں اور مصالحتوں کی سخت مخالف ہے۔ اس کے فرقہ وارانہ نظریات وپالیسیوں نے عوام میں خوف وڈر کا ماحول پیدا کر دیا ہے۔ عوام اس جماعت کو سیکولرزم کی بنیاد پر شکوک وشبہات سے دیکھتی ہے۔ اس ڈر وشک کو دور کرنے کے لیے بی جے پی نے انتخاب کے دوران 'رتھ یاترا' کو سیاسی مارچ کے طور پر نکالا۔ جس میں ہندو بھگوان رام کو سیاسی مارچ کی اہم علامت کے طور پر اختیار کیا گیا تھا۔ بتلایا تھا جو کے یہ کھلے طور پر مسلم مخالف جماعت بتلاتی ہے۔

دستوری فرائض(Constitutional Functions)

بی جے پی نے اٹل بہاری واجپائی کے دور حکومت میں خواتین کی لیے 33٪ تحفظات فراہم کیے اور 2017 میں انکم ٹیکس کے دائرہ کار کو وسیع کیا اور Good & Service Tax (GST) کو متعارف کروایا۔ بی جے پی، نریندر مودی کے دور ان حکومت میں دستوری قوانین میں ردوبدل کرنے کی کوشش کر رہی ہے جیسے اس جماعت نے کشمیر کے متعلق خصوصی دفعہ 370 کو معطل کر دیا ہے۔ تین طلاق کے قانون میں ترمیمات کیا اور اب قومی شہری قوانین کے ذریعے اقلیتیوں کی شہریت پر سوال کھڑا کر کے ملک میں خوف وہر اس کا ماحول پیدا کر دیا ہے۔

انتخابی فرائض(Electrol Functions)

بی جے پی کے قیام کے ابتدا کی دنوں میں جب 1984 میں آٹھویں لوک سبھا انتخابات ہوئے تب اس جماعت نے صرف 2 نشستیں اور 7.4٪ ووٹ حاصل کیے اور اس کے ہندوتوا نظریہ 'پارٹی کیڈر اور ڈسیپلن کے باوجود بھی انتخابات میں کامیابی حاصل نہیں کر سکی۔ لیکن اسمبلیوں میں اس کی کارکردگی بہتر رہی 1989ء کے نویں لوک سبھا انتخابات میں بی جے پی 88 نشستیں اور 11.4٪ ووٹ حاصل کر کے پارلیمنٹ میں بڑی جزب مخالف جماعت بن گئی اور نیشل فرنٹ حکومت کی حکومت سے تائید کی۔

1991ء کے دسویں لوک سبھا انتخابات میں 117 نشتیں اور 20.8٪ ووٹ حاصل کیے اور اتر پردیش میں کلیان سنگھ کی قیادت میں حکومت تشکیل دی۔ 1995ء میں شیوسینا کی مدد سے مہاراشٹرا میں حکومت کا استحکام کیا لیکن 1996ء میں گیارھواں لوک سبھا انتخابات میں واجپائی کی قیادت میں 161 نشستیں اور 20.29٪ ووٹ حاصل کرنے کے باوجود بھی یہ حکومت صرف 13 دن تک چلی۔ 1998ء میں بارھویں لوک سبھا انتخابات میں 182 نشستیں جیت کر ملک کی دوسری بڑی قومی جماعت بن کر ابھری اور اٹل بہاری واجپائی کی صدارت میں حکومت کو تشکیل دیا لیکن یہ حکومت بھی زیادہ دن تک نہیں ٹک سکی۔ 1999ء کے لوک سبھا انتخاب میں بی جے پی نے 184 نشستیں حاصل کی تھیں اور 28 سیاسی جماعتوں پر مشتمل NDA مخلوط حکومت کی تائید میں یہ سب سے بڑی جماعت تھی۔

2004ء کے لوک سبھا انتخاب میں بی جے پی نے اپنی اکثریت کو کھو دیا اور واجپائی نے بھی حکومت سے استعفیٰ دے دیا۔ 2009 کے پارلیمانی انتخاب میں بی جے پی کی 137 نشستیں گھٹ کر 116 ہو گئی تھیں کیونکہ کانگریس، دوسری جماعتوں کے اتحاد سے مخلوط حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئی۔ 2014 کے سبھا انتخابات میں بی جے پی نے سوشل میڈیا کے ذریعے پارٹی کی تشہیر اور انتخابی مہم بڑے زور وشور سے چلائی اور پارلیمنٹ میں 282 نشستوں پر فتح حاصل کر لی اور گجرات کے وزیر اعلی نریندر مودی کی صدارت میں حکومت کا استحکام عمل میں لایا گیا۔ بی جے پی نے 2019 کے 17 ویں پارلیمانی انتخابات میں بھی زبردست کامیابی حاصل کی اور دوبارہ سے نریندر مودی بحیثیت وزیر اعظم قائد حکومت بن کر سامنے آئے۔

داخلی پالیسی سازی کے فرائض(Functions of Making Domestic Policy)

بی جے پی نے اپنے اقتدار کے دور میں بہت سے پالیسیوں کو اپنایا جیسے کہ 1992ء میں بابری مسجد کا انہدام کیا جس سے پورے ملک میں فسادات بھڑک گئے۔ واجپائی کے دورِ اقتدار میں کیے گئے جوہری ہتھیاروں کے تجربات پر بڑے پیانے پر بین الاقوامی سطح پر مذمت ہورہی تھی۔ اس کے باوجود بھی وہ تجربات مکمل کیے گئے۔ نریند مودی کی سرکار نے 2016ء میں کالے دھن کو روکنے کی لیے 500 اور 1000 روپئے کے نوٹ کا چلن ختم کیا اور نوٹ بندی کی پالیسی نافذ کی۔ اس کے علاوہ سوچھ بھارت ابھیان، گھر گھر بیت الخلاء، بیٹی بچاؤ بیٹی پڑھاؤ اسکیم اور GST وغیرہ کی پالیسیاں۔ جس میں سب کی لیے اختیار و نافذ کی صحت، دیہاتوں تک سڑک و بجلی بھی شامل ہیں لیکن بیروز گاری کے مسائل میں مودی حکومت نے مزید اضافہ کر دیا۔

خارجہ پالیسی وسفارتی فرائض(Functions of Foreign Diplomatic Policy): بین الاقوامی اُمور پر بی جے پی دہشت گردی کی مخالفت کرتی ہے جس کے لیے اس کو امریکہ کی بھرپور تائید حاصل ہے یہ جماعت کانگریس کے دور حکومت میں بیرونی ملکوں کی وفاداریوں کے خلاف تھی لیکن آج یہ خود بیرونی سرمایہ کاری کو اختیار کرنے اور پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ مودی حکومت نے بھی کئی بیرونی و پڑوسی ممالک سے سفارتی تعلقات مضبوط کیے۔ نریندر مودی نے خلیج ممالک سے بھی کئی معاہدات کر کے سفارتی تعلقات کو فروغ دیا۔ اس طرح بی جے پی کے دور اقتدار میں بین الاقوامی وسفارتی تعلقات کو فروغ حاصل ہوا۔

15.4 جنتادَل (Janta Dal)

جنتادَل کا قیام 11/ااکتوبر 1988ء کو وشوانا تھ پرتاب سنگھ کی صدارت میں ہوا۔ یہ تین سیاسی جماعتیں جنتا پارٹی، جن مورچا اور لوک دل پر مشتمل تھیں۔ لوک دل کو چودھری چرن سنگھ نے قائم کیا تھا اور جن مورچا کو راجیو گاندھی کے مخالف وی پی سنگھ نے تشکیل دیا تھا۔

15.4.1 جنتادَل کے فرائض (Functions of Janta Dal)

جنتادَل نے مرکز میں 1989ء کے نویں لوک سبھا انتخابات میں کامیابی تو حاصل کرلی لیکن پارلیمنٹ میں اپنی اکثریت ثابت نہ کرسکی لہٰذا اس جماعت نے بی جے پی اور کمیونسٹ جماعتوں کی مدد سے وی پی سنگھ کی قیادت میں مرکز میں حکومت کا استحکام کیا لیکن جنتادَل میں انتشار تقسیم ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بی جے پی نے اپنی حمایت واپس لے لی جس کی وجہ سے اکثریت ثابت نہیں ہوسکی اور حکومت گر گئی۔ جنتادَل کے ایک گروہ نے پھر ایک بار چندر شیکھر کی صدارت میں سماج وادی جنتادَل کو قائم کیا اور کانگریس کی حمایت مرکز میں حکومت قائم کی۔ 1991ء کے انتخابات میں اس کی کوئی خاص کارکردگی نہیں تھی۔ یہ جماعت ہمیشہ سے لڑائی جھگڑے اور تقسیم کا شکار رہی لیکن کرناٹک کے اسمبلی انتخابات میں اس نے 116 نشستیں جیت کر حکومت کی تشکیل کی 1995ء میں بھی 160 نشستیں حاصل کرلی اور حکومت کا قیام عمل میں لایا۔ دسویں لوک سبھا انتخابات میں جنتادل نے بائیں بازو جماعت اور نیشنل فرنٹ کے ساتھ اتحاد قائم کیا لیکن

راجیو گاندھی کے قتل کی وجہ سے عوام کی تمام توجہہ کانگریس کی طرف مائل ہو گی اب جنتادل پوری طرح کمزور پڑ گئی تھی۔

1996ء کے لوک سبھا انتخابات میں بی جے پی اور کانگریس کی حمایت سے نیشنل فرنٹ حکومت قائم ہوئی جس کی صدارت دیو گوڈ انے کی لیکن یہ حکومت بھی زیادہ دیر تک نہیں چل سکی۔ اس کے بعد 1997ء میں آئی کے گجرال کی صدارت میں مرکز میں حکومت تو قائم ہو گئی لیکن یہ حکومت سیاسی کھیل وداؤپیچ کا شکار ہو گئی اور حکومت پھر سے گر گئی۔ 1998ء میں جنتادل بکھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی اور اس کے مشہور قائدین نے اپنی اپنی علحدہ سیاسی جماعتوں کو قائم کر لیا۔ ایچ۔ ڈی۔ دیو گوڑا نے جنتادل (سیکولر)' شرد یادو نے جنتادل (متحدہ)' لالو پرساد یادو نے بہار میں راشٹریہ جنتادل اور رام ولاس پاسوان نے جن شکتی کے نام سے اپنی اپنی جماعتیں قائم کر لیں۔

جنتادل اپنی 22 سالہ تاریخ میں کئی بار تقسیم وانتشار کا شکار ہوئی جس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ ہندوستانی سیاسی نظام میں اس جماعت کا بہت کم اثر ورسوخ رہا۔ اس جماعت کا اہم مسئلہ ان کے اپنے ارکان کی شخصیت ورتبہ کی انا کا تھا جس کی وجہ سے یہ جماعت انتشار کا شکار ہو گئی۔ جنتادل نے اپنی کارکردگیوں میں قومی آمدنی کے تعلق سے واقف ہو کر اس کے وسائل وذرائع کو فوری مختص کیا۔ زرعی میدانوں میں اختیارات کا اضافہ کیا۔ زرعی مزدوروں کی مناسب اُجرت کو مختص کیا، نیشنل واٹر گرڈ کا قیام اور پانی کے ذرائع کو نقصان ہونے سے بچانے کی کوشش کی۔ جنتادل نے کہا کہ آبپاشی کا انتظام قومی ذمہ داری ہے۔ اس نے فوری طور پر منڈل کمیشن کی رپورٹ کا نفاذ عمل میں لایا جس کے ذریعے سماجی انصاف قائم کرنے کی کوشش کی گئی۔ بڑھتی ہوئی فرقہ وارانہ طاقتوں کی مخالفت کی اور درج فہرست ذات وقبائل پر پولیس کے ذریعے ہونے والے مظالم کی مزاحمت کی۔ جنتادل نے ہر خاندان کے ایک فرد کو چاہے وہ تعلیم یافتہ ہو یا نہ ہو یا زرعی مزدور ہی کیوں نہ ہو روزگار دینے کی وکالت کی۔ جنتادل جماعت نے سماجی انصاف ومساوات، معاشی ترقی، غربت کا خاتمہ وغیرہ پر زور دیا اور ریاستوں کو زائد اختیارات دینے، از سرنو زمینی اصلاحات، پنچایت راج اداروں کا قیام اور خواتین کے لیے 33٪ تحفظات کی فراہمی کے لیے کوشش کیں۔

15.5 کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (Communist Party of India)

سویت سوشلسٹ انقلاب کے بعد ہندوستان میں کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا ایک سیکولر اور بائیں بازو کی جماعت کے طور پر 26 دسمبر 1925 کو M.N Roy کی قیادت میں تشکیل دی گئی۔ اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ مزدور طبقے کی تحریک کو شروع کرنا اور برطانوی سامراجیت سے ہندوستان کو آزاد کرنا اس مقصد کے لیے سی پی آئی نے 1926ء میں کانپور میں اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا لیکن ان کے سامنے سب سے پہلے ہندوستان کی آزادی اور آزاد ہند میں سماجیت واشتراکیت کو قائم کرنا تھی۔ سی پی آئی پر یہ الزام تھا کہ 1929ء میں اس نے برطانوی حکومت کے خلاف سازش کی اس الزام پر کئی کمیونسٹ جماعت کے قائدین کو گرفتار کیا۔ بعد میں اس جماعت کے ارکان نے کانگریس میں شمولیت اختیار کی لیکن اس جماعت کو دوہری رکنیت رکھنے کی وجہ سے کانگریس سے خارج کر دیا گیا۔ 1962ء میں جب چین نے ہندوستان پر حملہ کیا تب ایک گروہ چین کا دوسرا گروہ سویت یونین کا حمایتی بن گیا۔ اس طرح سی پی آئی میں پھوٹ پڑ گئی اور یہ دو جماعتوں میں منقسم ہو گئی ایک گروہ میں پی سی جوشی، اجئے گھوش اور ڈانگے تھے جس نے سویت یونین کی تائید کی اور دوسرے گروہ میں ایم۔ ایس۔ نمبودری پاڈ اور جیوتی

باسو تھے جو تشدد اور انقلابی سرگرمیوں کے حامی تھے۔ 1964ء میں تنالی کنونشن کے دوران کمیونسٹ پارٹی میں زبردست پھوٹ پڑ گئی اور سی پی آئی دو علاحدہ کمیونسٹ جماعتوں سی پی آئی اور سی پی آئی (ایم) میں منقسم ہو گئی۔

15.5.1 کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (مارکسٹ)(Communist Party of India [Marxist])

1964ء کے تنالی کنونشن میں سی پی آئی میں پھوٹ پڑنے کے بعد یہ دو جماعتوں میں منقسم ہو گئی سی پی آئی اور سی پی آئی (ایم)۔ ابتدا میں سی پی آئی (ایم) نے اندرا گاندھی کی حمایت کی لیکن بعد میں اس نے محسوس کیا کہ کانگریس رجعت پسند بنتی جا رہی ہے اور اس کو طاقتور قائدوافراد کی حمایت حاصل ہے۔

سی پی آئی کی دونوں جماعتوں کا اثر بہار، کیرالا، مغربی بنگال، تریپورہ، آندھرا پردیش تک محدود رہا لیکن 1968ء میں سی پی آئی (ایم) میں دوبارہ درار پڑ گئی اور پھر سے یہ دو جماعتوں میں تقسیم ہو گئی۔ ایک سی پی آئی (ایم) دوسرا سی پی آئی (ایم ایل) جو آزادانہ جمہوری اداروں اور بورژوا جمہوری انتخابات کے خلاف تھا۔ سی پی آئی (ایم ایل) پارلیمنٹ و مقننہ کے کسی بھی قسم کے انتخابات کی سخت مخالفت کرتی رہی ہے۔ اور اس کا خیال ہے کہ یہ ایک بے کار کارکردگی ہے۔ ان کے اشتراک سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں ہے۔ یہ سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کرنے کے لیے گوریلا گروپ اور انقلابی طریقوں کو اپنایا۔ سی پی آئی (ایم ایل) میں نکسلائیٹ، پیپلز وار گروپ، کانو نیاسال چارو مجمدار گروپ، ستیہ نارائنا گروپ شامل تھے۔ جو انتہا پسند و تشدد پرست اور غیر قانونی گروپ مانے جاتے تھے۔ یہ لوگ سرخ انقلاب پر یقین رکھتے ہوئے اس کی تائید کرتے رہے۔

15.5.2 سی پی آئی جماعتوں کے فرائض (Functions of Communist Party of India)

سی پی آئی ہمیشہ سے ایک بائیں بازو کی جماعت کی جیت سے ہی مشہور رہی ہے۔ شہرت اس نے اپنے فرائض مزدور طبقہ اور غریب عوام کے لیے نبھائے۔ آزادی سے قبل اس نے ایک یونین کی طرح اپنے فرائض ادا کیے لیکن آزادی کے بعد یہ جماعتیں سرمایہ دار طبقہ کے خلاف کھڑی ہو گئیں اور اس پر مسلسل قائم رہیں۔

نظریاتی فرائض(Ideological Functions)

سی پی آئی جماعت کا ماننا تھا کہ ہندوستان کو برطانوی حکمرانی سے آزاد ہونا نہیں ہے بلکہ مقامی واندرونی سرمایہ داروں سے آزاد ہونے کی ضرورت ہے۔ ان کا ماننا تھا کہ ہندوستانی اقتدار بیرونی سامراجیت سے اندرونی سرمایہ داروں میں منتقل ہو چکا ہے۔ اس جماعت کا پارلیمانی جمہوریت پر پورا یقین ہے اور وہ دستوری طریقوں سے سماجی و معاشی تبدیلی اور جمہوری مرکزیت کی تائید کرتی ہے۔ یہ مزدور طبقہ کے اتحاد سے اشتراکی سماج قائم کرنا چاہتی ہے۔

سی پی آئی کا نظریہ، اجارہ داری و سرمایہ داری کے خلاف ہے۔ یہ بیرونی تجارت، بینکوں کو قومیانے کے لیے آواز بلند کرتی رہی۔ یہ زرعی آمدنی پر ٹیکسوں اور محصول مالگزاری کے خلاف ہے اور IMF اور عالمی بینک کے ماتحت آزادیانہ، عالمیانہ اور خانگیانہ پر چلائے جانے

والے پروگراموں کو نکال پھینکنا چاہتی ہے۔اس کے برعکس سی پی آئی (ایم) کا نظریہ عوامی جمہوریہ کا قیام، مزدور طبقہ کی قیادت، ہنگامی (ایمرجنسی) اختیارات کو صدر جمہوریہ و دستور سے حذف کرنا، عوامی اقتدار اعلیٰ کے لیے دستور کی تدوین کرنا، ریاستوں سے قانون سازی کے دوسرے ایوان کا خاتمہ کرنا اور بنیادی حقوق میں کام کے حق کو شامل کرنا تھا۔

احتجاجی فرائض (Protest Functions) : سی پی آئی جماعت آزادی سے قبل ہی انگریزوں کے خلاف احتجاج کر چکی تھی جس کی وجہ سے برطانوی حکومت نے اس پر سازشوں کا الزام لگا کر اس کے کئی قائدین کو گرفتار کرنا شروع کر دیا تھا۔اس نے حقیقی آزادی اور عوامی جمہوریت کے لیے جدوجہد کی اور ریاست حیدرآباد کے علاقے میں کسانوں کی مدد کی اور کمیونسٹوں نے بغاوت کی پالیسی کو اپنایا جس سے حکومت اس جماعت کے خلاف ہوگئی۔اس جماعت کے دوسرے گروہ سی پی آئی (ایم) نے 1968ء کے بعد مزدور طبقہ کو ان کے حقوق دلوانے کے لیے تشدد وانتہا پسند طریقے اپنائے اور کئی انتہا پسند گروہ قائم کیے جیسے نکسلائیٹ، پیپلز وار گروپ، ستیہ نارائنا گروپ وغیرہ۔

دستوری فرائض (Constitutional Functions)

ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے جس میں سیکولر، عوامی جمہوریہ اور سماجی، سیاسی و معاشی انصاف و مساوات کا نظم کیا گیا ہے۔اس کے باوجود بھی ہندوستانی سماج میں عدم مساوات و ناانصافیاں ہوتی رہی ہیں جس کے لیے سی پی آئی جماعتوں نے دستور میں ترمیمات کی تجویز پیش کی اور سفارسوں و عوامی مطالبات کے زیر اثر کچھ ترمیمات اور کچھ نہیں ان تجاویزات میں داخلی جمہوریت، زمینی اصلاحات، عوامی اقتدار پر دستور کا قیام، صدر جمہوریہ کے ایمرجنسی اختیارات کو ختم کرنا، گورنر کے عہدہ کو برخواست کرنا اور ریاستی سطح پر دوسرے ایوان کی برخواستگی، ریاستوں کے اختیارات میں مزید اضافہ اور بنیادی حقوق میں کام کے حق کو شامل کرنے کی تجویز شامل ہیں۔اس کے علاوہ اس جماعت نے پسماندہ طبقات، دلتوں اور درج فہرست ذات و قبائل کو اعلیٰ تعلیمی اداروں اور روزگار میں تحفظات میں مزید اضافہ کے بارے میں حکومت کے سامنے تجاویزات پیش کی اور سیاسی میدان وانتظامی کارکردگی میں خواتین کی شراکت داری اور خواتین پر ہونے والے ظلم جیسے جہیز کی لعنت، جسمانی ہراسانی وغیرہ کی روک تھام پر زور دیا۔

انتخابی فرائض (Electrol Functions)

پہلے عام انتخابات میں سی پی آئی نے لوک سبھا انتخابات میں 26 نشستیوں پر جیت درج کی اور مختلف ریاستوں میں 193 نشستیوں پر قبضہ جمالیا۔یہاں سے اس جماعت کو قومی جماعت کی پہچان ملی۔یہ جماعت 1957ء میں نمبودری پد کی قیادت میں کیرالا میں حکومت تشکیل دینے میں کامیاب رہی۔1962ء کے لوک سبھا انتخابات میں اس جماعت نے 29 نشستوں پر کامیابی حاصل کرلی اور ریاستی سطح پر 197 نشستیں حاصل کرلی۔ 1967ء کو لوک سبھا انتخابات میں سی پی آئی نے 123 اور سی پی آئی (ایم) نے 29 نشستوں پر قبضہ جمالیا اور ریاستی سطح پر سی پی آئی 123 اور سی پی آئی (ایم) نے 126 نشستوں کو جیت لیا۔

سی پی آئی نے مغربی بنگال میں 1977ء میں اپنی حکومت تشکیل دی۔ 1984ء کے انتخابات میں ان جماعتوں کو کوئی خاص

کارکردگی نہیں دکھائی جس کی وجہ سے لوک سبھامیں اس کے ارکان کی تعداد کم ہوگی۔1996ء میں مغربی بنگال میں اس جماعت نے پھر سے اقتدار حاصل کیا۔اس کے علاوہ کیرالامیں سی پی آئی(ایم) نے جیوتی باسو کی قیادت میں حکومت تشکیل دی۔14ویں لوک سبھاانتخابات میں اس جماعت نے 61 نشستوں پر جیت حاصل کی اور مغربی بنگال میں 42اور کیرالامیں 20 میں سے 18 نشستوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔اس کے علاوہ تریپورہ، آندھراپردیش، آسام، بہار، اُڑیسہ اور تاملناڈو میں بھی جیت حاصل کی۔اس وقت یہ جماعت لوک سبھامیں 3اور راجیہ سبھاکے 5نشستوں(2020)پر قابض ہے۔اس نے کانگریس کی مخلوط حکومت کی بھی حمایت کی تھی۔

داخلہ پالیسی کے فرائض(Functions of Domestic Policy)

سی پی آئی جماعت نے مرکز وریاستوں میں کئی معاشی پروگرام وپالیسیوں کو مرتب کیااور اپنے کچھ مقاصد کو حاصل بھی کیا۔اس جماعت نے جاگیردارانہ نظام کا خاتمہ کرنے کی جدوجہد اس کا کافی حد تک بیان درج کی۔اس کے علاوہ کئی ریاستوں میں اس جماعت نے کسانوں کے قرضوں کو ختم کروادیا۔دیہی وشہری علاقوں میں غذا کی مساویانہ تقسیم کی پالیسی مشترکہ دفاعی اخراجات میں کمی کرنے پر زور دیا، لازمی اشیاء پر زمینی محصولات کو ختم کرنے کی پالیسیاں مرتب کی جو ناکام رہی۔

خارجہ پالیسی وسفارتی فرائض(Functions of Foreign and Diplomatic)

سی پی آئی اور سی پی آئی (ایم) نے چند خارجہ وسفارتی پالیسیاں مرتب کرنے کی مرکزی حکومت کے سامنے تجویز پیش کی جیسے بیرونی تجارت کی مخالفت کی، تمام بیرونی سرمایہ کاری اور صنعتوں کو قومیانے کی تائید کی اور شجر کاری، تیل ریفائنری وغیرہ کو قومیانے کی تجویز پیش کی۔سی پی آئی ابتدا سے ہی سامراجیت ونو آبادیت کی مخالفت کرتی رہی ہے۔اور آزادانہ خارجہ پالیسی کی حامی رہی ہے۔

کرشماتی شخصیت(Charismatic Personality) : سی پی آئی(ایم)جماعت کی کرشماتی ومشہور شخصیت جیوتی باسو تھے جنہوں نے مغربی بنگال میں اپنے انگنت نقوش چھوڑے ہیں۔انہوں نے 1977ء تا2000تک مغربی بنگال کے اقتدار پر مضبوطی سے اپنے قدم جمائے۔

15.6 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے سیکھاہے کہ:

- طلبا قومی جماعتوں کی ابتداء،کارکردگی اور نظریات سے بھی واقف ہو گئے۔
- ان جماعتوں کے ذریعے حکومت وملک میں آئی تبدیلی کے بارے میں معلومات سے بھی طالب علم روبروہوچکے۔
- قومی جماعتوں کا حکومت پر کس طرح غلبہ ہوااس کی بھی جانکاری طلبا کو حاصل ہوگی۔
- قومی جماعتوں کے حرکیاتی اشخاص کے تعلق سے معلومات فراہم کی گئی ہے جس سے طلباواقف ہوچکے۔

15.7 کلیدی الفاظ (Keywords)

• اشیاءاور خدمات پر محصول	:	Goods & Service Tax (GST)
• اشتراکیت پسند : کمیونسٹ	:	Communist
• مودی حکومت نے چند نوٹ کے چلن پر امتناع لگادیا تھا	:	نوٹ بندی
• دیگر پسماندہ طبقات	:	Other Backward Classes

15.8 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

15.8.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ انڈین نیشنل کانگریس کا قیام کس کے ذریعے عمل میں لایا گیا؟

(a) اے۔ایو۔ہیوم (b) بال گنگادھر تلک (c) دادابھائی نوروجی (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا کا قیام کس سال ہوا تھا؟

(a) 1920 (b) 1925 (c) 1930 (d) 1935

3۔ کانگریس میں سب سے پہلی پھوٹ کانگریس کے کس اجلاس میں ہوئی؟

(a) لکھنو اجلاس (b) مدراس اجلاس (c) سورت اجلاس (d) کلکتہ اجلاس

4۔ مندرجہ ذیل میں سے کس جماعت کا نظریہ سرمایہ داری اور اجارہ داری کے بر خلاف ہے؟

(a) کانگریس (b) بھارتیہ جنتا پارٹی (c) بہوجن سماجوادی (d) کمیونسٹ پارٹی

5۔ سی پی آئی نے کس سال میں کانپور میں اپنا پہلا اجلاس منعقد کیا تھا؟

(a) 1926 (b) 1925 (c) 1927 (d) 1928

6۔ جنتادل کا قیام 11 اکتوبر 1988ء کو وشواناتھ پرتاب سنگھ کی صدارت میں ہوا تھا اس کے تحت کتنی سیاسی پارٹیاں ضم کی گئی تھی؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

7۔ اپنی پارٹی بنانے سے پہلے لالو پرساد یادو کا تعلق کس سیاسی جماعت کے ساتھ تھا؟

(a) کانگریس (b) جنتادل (c) بہوجن سماجوادی (d) کمیونسٹ پارٹی

8۔ جن سنگھ کا قیام عمل کس لیڈر کی قیادت میں لایا گیا؟

(a) سیامہ پرساد مکھرجی (b) اٹل بہاری واجپئی (c) لال کرشن آڈوانی (d) ان میں سے کوئی نہیں

9۔ کس کی قیادت میں کمیونسٹ پارٹی نے طویل عرصے تک مغربی بنگال میں حکمرانی کی؟

(a) ڈی راجہ (b) پرکاش کرات (c) جیوتی باسو (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ کس سال جنتا دل بکھر کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی اس کے مشہور قائدین نے اپنی اپنی علاحدہ سیاسی جماعتوں کو قائم کرلیا؟

1984 (a) 1985(b) 1986 (c) 1988 (d)

15.8.2 مختصر جوبات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے انتخابی فرائض لکھیے۔

2۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کے نظریات کو بیان کیجیے۔

3۔ کانگریس کے دوران حکومت میں داخلی پالیسوں کے فرائض بتائیے۔

4۔ جنتا دل کے انتخابی تاریخ کا جائزہ لیجیے۔

5۔ کانگریس جماعت کے حرکیاتی اشخاص کے بارے میں مختصر طور پر بتائیے۔

15.8.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ نریندر مودی کے دور حکومت کی پالیسیوں پر تبصرہ کیجیے۔

2۔ کانگریس جماعت کی ابتدا وانتخابی فرائض کی وضاحت کیجیے۔

3۔ کمیونسٹ (ایم) جماعت کے نظریات کے بارے میں بیان کیجیے۔

15.9 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. Myron Weiner, India at the Poles; The Parliamentary Election, 1977
2. Myron Werner, (1962) Party Politics in India: The development of Multi-Party System, Princeton University Press

اکائی 16۔ علاقائی جماعتوں کے فرائض

(Functions of Regional Political Parties)

اکائی کے اجزا

16.0 تمہید

16.1 مقاصد

16.2 بہوجن سماج پارٹی

16.3 دراوڑا منترا کازگم (ڈی ایم کے)

16.4 شرومنی اکالی دل

16.5 نیشنل کانفرنس

16.6 شیوسینا

16.7 تلگو دیشم پارٹی

16.8 تلنگانہ راشٹریہ سمیتی

16.9 اکتسابی نتائج

16.10 کلیدی الفاظ

16.11 نمونہ امتحانی سوالات

16.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

16.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم علاقائی جماعتوں کا مطالعہ کریں گے۔

ہندوستان کے کثیر جماعتی نظام کی ساخت ہندوستانی تہذیب کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ ملک کے مختلف مذاہب، ذاتیں، زبان اور علاقہ واری رجحانات پر مبنی ہے۔ دراصل قومی جماعتیں علاقائی مفادات کو نظر انداز کرنے کے سبب علاقائی عوام نے علاقائی جماعتوں کو زیادہ ترجیح دی ہے کیونکہ قومی جماعتیں ملک کے ہر حصہ کے عوام اُن کے مفادات پر غور و فکر میں ناکام رہی جس کی وجہ سے علاقائی جماعتوں کا ظہور ہوا تاکہ علاقہ واری مفادات اور رجحانات پر غور و فکر کرتے ہوئے ان کے مسائل کی یکسوئی ہو اس کے علاوہ علاقائی عوام کو اپنی خود مختاری اور بڑھتی پسماندگی کے احساس نے علاقائی جماعتوں کے قیام کو لازمی سمجھا۔ ان علاقائی جماعتوں کے فروغ نے سیاسی جدیدیت، سیاسی شعور اور سیاسی ترقی کے لیے راہیں ہموار کی ہے۔

علاقائی جماعت بننے کے لیے ہندوستان کے انتخابی کمیشن نے مئی 2005ء میں Election Symbols order 1968 میں ترمیم کرتے ہوئے دو چیزوں کی تبدیلیاں کی ہیں 1۔ علاقائی جماعت کو ریاست کے لیے پارلیمنٹ کی ہر 25 نشست میں سے کم از کم ایک نشست حاصل کرنی ہو نگی 2۔ ریاست کے تمام پارلیمانی حلقوں کے انتخابات میں ڈالے گئے جملہ ووٹوں میں سے کم از کم 6٪ ووٹ حاصل کرنے ہوں گے اور اُس ریاست سے لوک سبھا کے لیے کم از کم ایک نشست حاصل کرنی ہو نگی۔ اس طرح علاقائی جماعت کا موقف حاصل ہو گا۔

16.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے ذریعے یہ معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی جائیگی کہ علاقائی جماعتوں کی کارکردگی نے ملک کی ریاست پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان معلومات سے آپ کو علاقائی مفادات و علاقائی رجحانات کا شعور آئے گا۔ جس سے آپ علاقائی ترقی سے ملک کی ترقی کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ علاقائی جماعتوں کی کارکردگی سے علاقائی مسائل کو سمجھنے میں مدد ملے گی اور آپ علاقائی اشخاص کی نمائندگی کو جانچنے کے قابل ہوں گے۔

16.2 بہوجن سماج پارٹی اتر پردیش (Bahujan Samaj Party Uttar Pradesh)

بہوجن سماج پارٹی کو کانشی رام نے اپریل 1984ء میں قائم کیا تھا۔ یہ علاقائی جماعت ان سرکاری عہدیداروں جو درج فہرست ذات سے تعلق رکھتے ہیں ان کی مفادات کو فروغ دینے کے لیے کانشی رام نے اس جماعت کو قائم کیا تھا کیونکہ ان کا ماننا تھا کہ ہندوستان کی 85٪ آبادی بہوجن سماج یعنی درج فہرست ذات و قبائل، پسماندہ طبقات اور اقلیتوں پر مشتمل ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے ان لوگوں کی نمائندگی ضروری ہے۔

16.2.1 بہوجن سماج پارٹی کے فرائض (Functions of Bahujan Samaj Party)

بہوجن سماج پارٹی ایک علاقائی جماعت کے طور پر قائم ہوئی لیکن قومی جماعت کا موقف حاصل کرنے کی جدوجہد بھی کی اور اس جدوجہد میں اس نے کئی فرائض کی انجام دہی کی ہے۔

1۔اس پارٹی نے سب سے پہلے 1973ء میں پونے میں پسماندہ واقلیتی عہدے داروں کے وفاق کو قائم کیا تاکہ ان کے مفادات کو فروغ دے سکے کانشی رام نے اس وفاق کو سے اسی موقف دینے کی کوشش کی۔

2۔اس پارٹی نے تمام کمزور طبقات کو متحد کیا اور یہ نعرہ دیا کہ 'جس کا ووٹ اس کا راج' اس طرح شمالی ہند ریاستوں میں علاقائی بنیاد پر قائم رہنے والی قومی جماعت بن گئی اور اس پارٹی نے ان ریاستوں میں اپنے بہترین فرائض انجام دیے۔

3۔اس نے برہمنی اقتدار کو ختم کرتے ہوئے منواد کو اپنا مقصد بنایا جو 85٪ آبادی پر 15٪ برہمن حاوی تھے ان کی طاقت کے نظام کو ختم کرنے کی کوشش کی گئی۔

4۔یہ پارٹی نے کمزور طبقات خصوصاً درج فہرست ذاتوں کے لیے زائد تحفظات کی پرزور وکالت کی۔

6۔دلت طبقہ کو ان کی نمائندگی کے لیے ایک سیاسی جماعت کی ضرورت تھی اور بہوجن سماج پارٹی نے اس ضرورت کو سمجھا کیونکہ دلتوں کے مفادات متاثر ہو رہے تھے جس کی وجہ سے دلت کانگریس پارٹی کو چھوڑ کر بہوجن سماج پارٹی میں شمولیت اختیار کر رہے تھے۔

7۔بہوجن سماج پارٹی کو OBCs کی بھی تائید حاصل ہے یہ جماعت کو ہمیشہ سے دلت طبقہ کی حمایت حاصل رہی ہے۔

16.3 دراوڑا منترا کازگم ٹامل ناڈو (DMK, Tamil Nadu)

علاقائی سیاسی جماعتوں کے ظہور کا سلسلہ آزادی سے قبل ہی دیکھنے کو ملتا ہے ریاست ٹاملناڈو میں برہمنوں کے بڑھتے ہوئے اثر ورسوخ کے خلاف انصاف پارٹی نے ایک تحریک چلائی تھی جس کو مخالف برہمن دراوڑی تحریک سے جانا جاتا تھا۔اس تحریک کو ای۔وی۔راما سوامی نائےکار E.V.Ramaswami Naicker جو پریار کے نام سے بھی جانے جاتے ہیں ان کی قیادت میں چلایا گیا تھا یہ چھوت چھات کے نظام،برہمنی اقتدار کے خلاف عزت نفس حاصل کرنے کی تحریک تھی۔یہ جماعت بھی کانگریس کی طرح ایک تحریک سے 1944ء میں سے اسی جماعت میں تبدیل ہو گئی اور اس جماعت کا نام انصاف پارٹی سے دراوڑا کازگم رکھا گیا اور اس جماعت کا مقصد ریاست میں غیر برہمنی ذاتوں کی ترقی تھا۔

پیریار نے ہندوستان کی آزادی کو دل سے قبول نہیں کیا اور یوم آزادی پر انہوں نے یوم ماتم ماننے کا فیصلہ کیا لیکن پریار کے ساتھی ان کی پالیسیوں سے متفق نہیں تھے جس کی وجہ سے پارٹی میں پھوٹ پڑ گئی اور 17 / ستمبر 1949ء کو ایک فلمی ہستی انادورائے کی قیادت میں مدراس میں دراوڑا منترا کازگم DMK جماعت کا قیام عمل میں لایا۔اس جماعت نے غیر برہمنی طبقہ کی بھرپور قیادت کی اور اس کے اہم قائد وصدر انادورائے کے فلمی موقف کی وجہ سے مدراس کی عوام ان کی طرف پوری طرح سے مائل تھی۔ 5جون 1960ء کو ڈی ایم کے نے

ہندوستان سے ریاست مدراس کی علاحدگی کی مانگ کرڈالی اور اس کے لیے انہوں نے علحٰیدہ ملک ٹمل ناڈو کے قیام کے لیے مہم شروع کردی اور ٹامل ناڈو کے نقشہ کو چھوڑ کر پورے ہندوستان کا نقشہ کو سرے عام جلایا۔ 1974ء میں جب انادورائے کا انتقال ہوا تو پارٹی پھوٹ کا شکار ہوگئی اور دو گروہوں میں منقسم ہوگی ایک گروہ ایم جی رامچندرن نے اناڈی ایم کے نام سے قائم کیا لیکن 1976ء میں اس کا نام تبدیل کرکے آل انڈیاڈی ایم کے رکھاگیااور دوسرا گروہ ڈی ایم کے کروناندھی کا تھاان دونوں جماعتوں کے نظریات ومقاصد میں کوئی فرق نہیں تھا

رامچندرن کے دور میں ہی AIADMK تقسیم کا شکار ہوئی تھی اس کے کابینی وزراء میں سے ایک وزیر ایس۔ڈی سوماسندرم نے ADMK پارٹی کی بنیادرکھی یہ رامچندرن کی وزارت میں آبکاری،مال وکمرشیل ٹیکس کے قلمدان کو سنبھالتے تھے لیکن رامچندرن نے ان سے سارے قلم دان واپس لے کر صرف انہیں غذا کا قلمدان سونپا تھا۔اس پر سوماسندرم رامچندرن کے مخالف ہوگئے اور بغاوت کرڈالی اور نئی جماعت ADMK کو تشکیل دیا کیونکہ سوماسندرم رامچندرن کو ایک ڈکٹیٹر سمجھتے تھے اور رامچندرن کے سری لنکا کے مسئلے کو حل کرنے کے طریقے سے مطمئن نہیں تھے اس کے علاوہ جئے للیتا کو زائد دستوری اختیارات عطا کرنے کی وجہ سے بھی ناخوش تھے لیکن سوماسندرم رامچندرن کی ساکھ کو ہلانہ سکے اور نہ ہی ان کی حکومت کی بنیاد زیر کرسکے 1987ء میں جب ایم۔جی۔رامچندرن کا انتقال ہوا تب AIADMK پھر سے دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک گروہ رامچندرن کی بےوی جانکی رامچندرن کا تھا اور دوسرا گروہ جئ للیتا کا تھا۔2006ء میں دوبارہ DMK نے ٹامل ناڈو میں حکومت قائم کی اور 2011ء تک اقتدار پر قابض رہی۔2011ء میں AIADMK نے پھر سے ٹامل ناڈو کے اقتدار کو اپنے ہاتھ میں واپس لے لیا۔ لیکن 2016ء جئے للیتا کے انتقال نے AIADMK جماعت کو کمزور کردیادوسرا گروہ DMK بھی کروناندھی کی موت 2018ء میں ہونے سے اس جماعت نے بھی اپنا موقف کھودیا۔ یہ دونوں جماعتیں ہمیشہ سے ایک دوسرے کے مخالف جماعتیں تھیں۔ان دونوں نے ہمیشہ ٹاملناڈو میں کانگریس اور بی جے پی کی تائید سے حکمرانی کرتی رہی۔

دراوڑامنتراکازگم کے فرائض (Functions of DMK)

اس جماعت نے نہ صرف ٹامل ناڈو بلکہ جنوبی ہند کی کئی ریاستوں کے اتحاد کے لیے اور غیر برہمنی طبقہ کے وقار کے لیے بے حد جدوجہد کی ہے۔

1۔ڈی۔ایم کے نے برہمنوں کے ذریعے دوسری ذاتوں پر ہونے والے ظلم کے خلاف شاندار تحریک چلائی۔

2۔اس جماعت نے پسماندہ طبقات کے لیے روزگار۔مقننہ میں نمائندگی اور تعلیم کے فروغ کے لیے مرکزی حکومت سے تجویز پیش کی۔

3۔اس جماعت کا ماننا تھا کہ ہندوستان کی حکومت سفید فام لوگوں کے ہاتھوں سے برہمنوں کے ہاتھوں میں منتقل ہوگئی ہے۔

4۔ڈی۔ایم کے نے آریائی لوگوں کی مخالفت میں ملک میں تناؤ کا ماحول پیدا کردیا تھا۔

5۔اس جماعت نے ہندوستان سے علحٰیدگی کی مانگ کی اور ایک آزاد جمہوریہ دراوڑناڈ ملک کے قیام کی تجویز پیش کردی تھی جس میں چند ریاستیں جیسے مدراس،آندھراپردیش،کیرالااور ریاست میسور شامل تھے۔

6۔یہ ہمیشہ دراوڑی تہذیب کو شہرت دیناچاہتی تھی اور شمالی ہند کے آریائی تہذیب کے بدلے جنوبی ہند کے دراوڑی تہذیب کے اقتدار کے

حامی تھے۔

7۔اس جماعت نے ریاستوں کے زائد اختیارات کی سفارش کی۔ اس کے لیے ڈی۔ ایم۔ کے نے راجہ منار کمیٹی بھی قائم کی تھی لیکن مرکزی حکومت نے اس تجویز پر کوئی غور وخوض نہیں کیا۔

8۔دونوں ہی جماعتیں اپنے آپ کو پسماندہ طبقات کی خیر خواہ بتاتی ہے۔

16.4 شرومنی اکالی دل پنجاب (Srimony Akali Dal Punjab)

دوسری جماعتوں کی طرح شرومنی اکالی دل بھی برطانوی حکومت کے دور میں ایک تحریک کے طور پر شروع ہوئی تھی۔ تاکہ حکومت گردواروں کے قیام وانتظام کے لیے بہتر قانون سازی کرے۔1920ء میں شرومنی اکالی دل کو قائم کیا گیا۔ یہ سکھ مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے والی علاقائی جماعت ہے۔ انہوں نے اپنے مقصد کو مکمل کرنے کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا تھا۔اس پر حکومت نے 1925ء میں سکھ گردوارہ قانون کے تحت شرومنی گردوارہ پربندھک کمیٹی SGPC کا قیام عمل میں لایا۔ یہ سکھوں کے لیے بہت مقدّس ادارہ ہے۔ اس ادارے نے سکھوں کی قیادت اور سیاست کو اپنے کنٹرول میں لے لیا تھا۔

آزادی کی جدوجہد کے درمیان سکھوں کے قائد ماسٹر تارا سنگھ نے زبان کی بنیاد پر علٰحیدہ آزاد مملکت کی مانگ کرڈالی۔اس کے لیے انہوں نے ضلع گورے گاؤں، پٹیالہ اور مشرقی پنجاب کو ملا کر ایک پنجابی صوبہ بنانے کے لیے سنگھ سبھا، تحریک شروع کی اور علاحدہ مملکت خالصتان کا مطالبہ کیا تھا۔ یہ تحریک 1966ء میں کامیاب ثابت ہوئی لیکن حکومت نے خالصتان کے مطالبہ کو رد کر دیا۔ 1967ء میں اکالی دل نے پنجاب میں جن سنگھ کی مدد سے حکومت کو تشکیل دے دی لیکن اکالی دل کے ایک گروہ نے جس کی صدارت فتح سنگھ کر رہے تھے انہوں نے دوبارہ علٰحیدہ سکھ ہوم لینڈ کی مانگ کرڈالی۔ اس پر مرکزی حکومت کے ایک سکریٹری ڈاکٹر جگجیت سنگھ نے اس مطالبہ پر سکھ رائے کو متحد کرنے کے لیے بین الاقوامی دورہ کیا لیکن یہ ناکام رہا کیونکہ اس پر سکھوں کی زیادہ تائید حاصل نہیں ہوئی۔SGPC کے صدر گروچرن سنگھ نے مرکزی حکومت سے ناراضگی دیکھاتے ہوئے کہا کہ مرکز پنجاب کے عوام کے ساتھ سوتیلا سلوک کر رہی ہے۔ 1980ء میں اکالی دل پھوٹ کا شکار ہوگئی اور یہ جماعت بھی دو گروہوں میں تقسیم ہوگئی ایک لونگوال گروپ اور دوسرا تلونڈی گروپ اس تقسیم کی وجہ سے اکالی دل حکومت کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اور پنجاب ریاست میں صدر راج نافذ ہوگیا۔ اس کے بعد پنجاب میں کئی سالوں تک دہشت وتشدد کا ماحول گرم رہا تھا۔

1984ء کے لوک سبھا انتخابات میں پنجاب نے حصہ نہیں لیا خالصتان کے مطالبہ نے سکھوں کو دہشت گردی کی راہ پر مائل کر دیا تھا۔ سنت جرنیل سنگھ بھنڈران والا نے ہندوستان میں رہکر خالصتان کی تحریک کو انتہائی پسند طریقے میں بدل دیا۔اس تحریک کو جگجیت سنگھ چوہان اور رنجیت سنگھ چیما ہندوستان سے باہر رہ کر چلا رہے تھے۔ اس تحریک کو تشدد کا رنگ دیتے ہوئے سکھوں نے امرتسر کے سنہری گردوارہ میں پناہ لی تھی۔ یہ بات مرکزی حکومت کے وزیر اعظم اندرا گاندھی کو معلوم ہوئی تو انہوں نے 1983ء میں گردوارہ پر فوج بھیج کر

تمام دہشت گردوں کو مار گرایا جس میں ان کے صدر جرنیل سنگھ بھنڈارن والا مارے گئے۔ اس کارنامے کو حکومت نے آپریشن بلواسٹار،،کا نام دیا اس واقعہ کے بعد سکھوں کے جذبات کو کافی ٹھیس پہنچی اور پنجاب میں مزید تشدد بھڑک گیا۔ اس پر سکھوں نے 1984ء کو اندرا گاندھی کا بھی قتل کرڈالا۔ اس کے بعد 24 جولائی 1985ء کو راجیو گاندھی نے امن بحال کرنے کے لیے لونگوال سے معاہدہ کیا لیکن جلد ہی لونگوال کا بھی قتل ہو گیا۔ ریاستی انتخابات میں اکالی دل کو جیت حاصل ہوئی اور سرجیت سنگھ برنالا کی صدارت میں حکومت قائم ہوئی لیکن یہ پنجاب کے امن کو بحال نہیں کرسکے جس کے نتیجے میں پھر سے ایک مرتبہ ریاست پنجاب میں صدر راج نافذ ہو گیا۔

شرومنی اکالی دل کے فرائض (Functions of Shrimony Akali Dal)

اس جماعت نے اپنی کارکردگی زیادہ تر علاقہ کی خود مختاری حاصل کرنے میں لگادی۔ لیکن پنجاب میں سکھوں کے موقف کو واپس دلانے میں اکالی دل نے بہت اہم کردار ادا کیا۔

(1) اکالی دل شروعات میں گاندھی جی کے فلسفہ عدم تشدد پر کاربند رہی لیکن بعد میں انتہائی پسند طریقے کا استعمال کیا۔(2) اس جماعت نے آزادی کے بعد سکھوں کے مسائل میں بڑی باریکی سے دلچسپی دیکھائی اور ریاست میں شہرت حاصل کی۔(3) اس جماعت نے علحٰیدہ ریاست کے مطالبہ پر تاریخی وکامیاب تحریک چلائی اور علحٰیدہ مملکت خالصتان کی مانگ کی۔(4) خالصتان کے مطالبہ پر 13 / اپریل 1973ء کو آنند پور صاحب قرار داد منظور کی جس کے اہم نکات کچھ اس طرح تھے۔(5) امرتسر کو مقدس شہر کا درجہ دیں۔ امرتسر شہر کے مقدس گردوارے کے لیے آزاد و خود مختار ریڈیو اسٹیشن کا قیام عمل میں لائیں۔

16.5 نیشنل کانفرنس جموں و کشمیر (National Conference Jammu Kashmir)

نیشنل کانفرنس کی ابتدا ہندوستان کی آزادی سے قبل ہوئی تھی۔ یہ 1927ء میں ایک تحریک کی طرح شروع ہوئی تھی جو 1939ء میں State Peoples Conference کے نام سے کشمیر میں جانی جاتی تھی۔ شیخ عبداللہ نے 1930ء میں نیشنل کانفرنس کا قیام عمل میں لایا۔ اس کانفرنس کے قیام کا مقصد کشمیر کے مہاراجہ ہری سنگھ کی مطلق العنان حکومت کی مخالفت کرنا تھا۔ شیخ عبداللہ نے 1946ء میں وادی کشمیر میں مہاراجہ کے خلاف کشمیر چھوڑو تحریک چلائی اس تحریک میں شیخ عبداللہ کو مہاراجہ نے گرفتار کرلیا اس پر نیشنل کانفرنس کے قائدین نے سخت مذمت کی۔

ہندوستان کی آزادی کے بعد ملک دو مملکتوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ محمد علی جناح وادی کشمیر کو پاکستان مملکت میں شامل کرنا چاہتے تھے تب شیخ عبداللہ نے جناح کی تجویز کی سخت مخالفت کی۔ شیخ عبداللہ شروعات سے ہی گاندھی اور نہرو کے حمایتی رہے تھے اور کانگریس نے بھی ان پر پورا اعتماد کیا تھا کہ یہ کشمیر میں سیکولر اور جمہوری نظریات کی نمائندگی کرتے تھے۔ اس کے علاوہ شیخ عبداللہ دو قومی نظریہ Two Nation Theory کے بھی خلاف تھے۔ 1948ء میں جب پاکستانی قبائل نے کشمیر پر حملہ کیا تب شیخ عبداللہ نے جموں و کشمیر کو ہندیونین میں شامل کرنے کے لیے راضی تو ہو گئے لیکن جموں و کشمیر کو ایک خاص موقف دینے کی مانگ کی۔ جب مہاراجہ نے ہندیونین میں شامل

ہونے کے معاہدے پر دستخط کیے اور اپنے اقتدار سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا تب شیخ عبداللہ نے کشمیر کے لیے علاحدہ دستور دفعہ 370 جو وادی کو خاص مقام عطا کرتا ہے۔ اس کی شرط حکومت کے سامنے پیش کردی۔ 1951ء کے اسمبلی انتخابات میں نیشنل کانفرنس نے ایوان کی تمام 75 نشستوں کو جیت لیا لیکن 1953ء میں شیخ عبداللہ کو قوم کے خلاف غیر قانونی سرگرمیوں کے الزام میں قید کر دیا گیا تھا اور مرکزی حکومت نے بخشی غلام محمد کو کشمیری ریاست کے وزیر اعظم کی حیثیت سے وادی کا اقتدار سونپا کیونکہ بخشی غلام محمد مرکزی حکومت کے احکامات سے متفق تھے اور حکومت نے بالآخر 26 / جنوری 1957ء کو جموں و کشمیر کے لیے علاحدہ دستور کو نافذ کر دیا تھا۔

نیشنل کانفرنس کے فرائض (Functions of National Conference)

نیشنل کانفرنس بھی دیگر جماعتوں کی طرح تحریک کے طور پر اُبھری اور آزادی کے بعد ایک سیاسی جماعت میں تبدیل ہوگئی بحیثیت تحریک اس نے نہ صرف آزادی ہند کی جدوجہد میں شامل رہی بلکہ مہاراجہ کی مطلق العنان حکومت کے خلاف مضبوطی سے کھڑی رہی اور متنازعہ ریاست کشمیر کے لیے مخصوص موقف حاصل کرنے میں کامیاب رہی۔

1۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اس جماعت نے جموں وکشمیر کو اعلیٰ وقار اور خاص موقف دینے کے لیے بھی کافی جدوجہد کی جس کے نتیجے میں کشمیر کا علاحدہ دستور دفعہ 370 کو نافذ کرنے میں کامیاب رہی یہ دستور کشمیر کو خودمختار موقف عطا کرتا تھا۔

2 ۔ نیشنل کانفرنس نے ہمیشہ سے کشمیریت پسند رہنے کی تاکید کی جس میں کشمیر کی تہذیب و تمدن اور رواداری شامل ہے۔

3 ۔ اس جماعت نے ریاست کے خاص موقف کو سنبھالے رکھا۔ خاص طور پر شہری آزادیوں کی حفاظت کی یہ کشمیر کے لیے مضبوط حمایتی رہی اور عظیم خودمختار موقف کو بنائے رکھا۔

4۔ 1990ء کے ابتدا سے کشمیر کے سرحد پار دہشت گردی کا ماحول شروع ہوگیا کشمیر وادی میں امن کو لے کر فوج اور شورش پسند افراد کے درمیان اختلافات ہوگئے۔ اس پر ریاست کے تمام سیاسی جماعتوں نے اس خونریزی اور امن پر اطمینان سے بات کرنے کا مطالبہ کیا اور کئی مرتبہ سرحد پار جنگ بندی کا بھی اعلان ہوا لیکن کوئی ثمر آور نتائج حاصل نہیں ہوسکے۔

16.6 شیو سینا پارٹی مہاراشٹر (Shiv Sena Party Maharashtra)

بمبئی کے ایک کارٹونیسٹ بال کیشو ٹھاکرے نے 19 / جون 1966ء کو شیو سینا پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اس جماعت کے قیام کا مقصد مہاراشٹرا میں بڑھتی غیر مراٹھا آبادی کو روکنا اور مراٹھا ورثہ، وقار اور مراٹھوں کو اعلیٰ موقف فراہم کرنا تھا۔ بال ٹھاکرے بمبئی شہر کے ایک صنعت کے مزدوروں کے لیڈر بھی رہ چکے تھے۔ ٹھاکرے نے نوجوانوں کی ایک مضبوط فوج تیار کی جو شیو سینک کے نام سے جانی جاتی ہے اور زعفران جھنڈا ان کے فوج کی علامت ہے۔ بال ٹھاکرے کا نظریہ فسطائیت پر مبنی تھا جو کھلے طور پر اپنے آپ کو ایک کٹر ہندو کہتے تھے اور بی جے پی کے ساتھ مل کر ہندوتوا پالیسی کی حمایت کی۔ یہ کٹر ہندو نظریہ پر اپنی تقاریر کیا کرتے تھے جس میں صاف صاف فرقہ واریت جھلکتی تھی۔ انہوں نے شیر اور شیواجی کو پارٹی کے علامت کے طور پر پیش کیا۔ یہ دوسرے ریاستوں سے آنے والے افراد جو مہاراشٹرا اور خاص

طور پر بمبئی میں زندگی گزارنے والوں کی مخالفت کرتے تھے ان کا نشانہ خاص طور پر جنوبی ہند کے تامل لوگوں پر تھا۔ ان کے بھتیجے راج ٹھاکرے بہار کے لوگوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ بال ٹھاکرے کو اپنے مادر زمین مہاراشٹر اسے جنون کے حد تک لگاؤ و محبت تھی۔

شیو سینا پارٹی کے فرائض (Functions of Shiv Sena Party)

شیو سینا جماعت ایک کٹر ہندو جماعت ہے جو شروعات سے فرقہ واریت کا رجحان رکھتی ہے۔ اپنے اس رجحان اور فسطائی نظریہ کو بڑھانے کے لیے ہندوستانی قانون کی کھلے عام مخالفت کرتے ہوئے اپنے اصولوں پر کاربند رہی۔

(1) شیو سینا ہمیشہ سے غیر مرہٹے افراد کی مخالفت کرتی رہی اور کمیونسٹوں کی بھی مخالفت کی اور انہیں مہاراشٹر اسے نکل جانے کے لیے کہا۔

2۔ اس جماعت کا بنیادی مقصد مہاراشٹر اریاست میں مرہٹوں کا تحفظ اور غلبہ تھا اور اس مقصد کے لیے انہوں نے دھرتی کے لعل کا نظریہ بھی پیش کیا۔

(3) شیو سینا جماعت نے مرہٹوں کو روزگار میں مواقع اور معاشی ترقی کے لیے پرزور وکالت کی۔

4۔ شیو سینا 1968ء اور 1973ء کے کارپوریشن کے انتخابات میں کامیابی کے بعد اور بھی مضبوط جماعت بن گئی۔

5۔ شیو سینا کی فوج شیو سینک ہندوستانی قوانین پر تشدد آمیز باتیں کرتے ہیں

6۔ یہ اس بات پر یقین رکھتی ہے کہ ہر ایک کو چاہیے کہ مذہب، ذات اور عقیدہ کو بازور کھتے ہوئے ایک مضبوط ہندوستان بنائے اور اس کے لیے سب زعفرانی جھنڈے کے ماتحت جمع ہو جائیں۔

7۔ شیو سینا کے اُصول کے مطابق مہاراشٹر امیں دوسری ریاستوں جیسے بہار وغیرہ کے افراد کو روزگار کی درخواست پیش کرنے کا حق نہیں ہے۔

8۔ یہ اُن کتابوں پر بھی امتناع عائد کر رہی ہے جو ان کے فلسفہ کے مخالف ہے اور ان کارکنوں اور اسکالرس کو بھی مار رہی ہے جو جماعت کی پالیسی کی مخالفت کر رہے ہیں۔

9۔ شیو سینا جماعت کے لیڈروں نے ہندوستان کی تہذیب وتمدن کی حفاظت کے لیے خود کو منتخب کرنے کے لیے عوام پر دباؤ ڈالا۔ 10۔ شیو سینا بھی پھوٹ کا شکار ہوئی بال ٹھاکرے کے بھتیجے راج ٹھاکرے نے شیو سینا سے علاحدہ ہو کر مہاراشٹر انونرمان قیام کیا۔

11۔ شیو سینا نے مراٹھا۔ کنوبی ذات اور کسان طبقہ پر آسانی سے اپنا غلبہ جمالیا ہے۔

16.7 تلگو دیشم پارٹی آندھرا پردیش (Telgudesham Party Andhra Pradesh)

جنوبی ہند کی ریاست آندھرا پردیش جو زبان کی بنیاد پر قائم ہونے والی پہلی ریاست تھی۔ اس ریاست میں 1978ء میں کانگریس جماعت کی بڑھتی بدعنوانیوں وبدنظمی اور سلسلہ وار تین وزیر اعلیٰ کی تبدیلی نے تلگو دیشم جماعت کے وجود کی راہیں ہموار کیں چنانچہ تلگو فلمی دنیا سے وابستہ ہستی نند کمار تارکا موری راماراؤ NTR نے / 29 مارچ 1982ء کو تلگو دیشم پارٹی کا قیام عمل میں لایا پارٹی کے قیام سے

قبل این ٹی آر نے مرکزی حکومت پر تلگو بولنے والے عوام کی عزت نفس و غیرت کو نیچا دیکھانے کا الزام لگایا نیتجتاً 1983ء کے اسمبلی انتخابات میں این ٹی آر کو بھاری اکثریت حاصل ہوگئی اور وہ ریاست آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ مقرر ہوگئے تلگو دیشم پارٹی بھی پھوٹ و گروہ بندیوں سے بچ نہیں پائی 1984ء میں این ٹی آر کی جماعت کے ایک وزیر بھاسکر راؤ نے اپنے عہدے سے مستعفیٰ ہو کر اسمبلی میں این ٹی آر حکومت سے اکثریت واپس لے لی اس گورنر رام لعل نے ایک ماہ کے اندر انہیں حکومت بنانے کی دعوت دی لیکن بھاسکر راؤ حکومت بنانے میں ناکام رہے۔

تلگو دیشم جماعت 1983ء سے لے کر 1989ء تک آندھرا پردیش کے اقتدار پر قبضہ جمائے رکھی پھر 1994ء کے ریاستی اسمبلی کے انتخابات میں تلگو دیشم جماعت کو بھاری اکثریت حاصل ہوئی اور پھر سے یہ جماعت اقتدار حاصل کرنے میں کامیاب رہی 1991ء میں جب این ٹی آر کی بیوی کا انتقال ہوا تب اس کے اگلے ہی سال 1992ء میں این ٹی آر کی سوانح حیات لکھنے کی غرض سے لکشمی پاروتی ان کی زندگی میں داخل ہوئی اور 1993ء کو ان کی دوسری بیوی بن بیٹھی اس کی وجہہ سے این ٹی آر کے خاندان میں تنازعات شروع ہوگئے لکشمی پاروتی کے بڑھتے اثر ورسوخ اور پارٹی کی جانشینی کے خوف نے این ٹی آر کی وزرات کے وزیر فینانس کے عہدے پر فائز ان کے داماد این چندرابابو نائیڈو نے 164 ایم ایل اے کے ساتھ این ٹی آر کے خلاف بغاوت کر دی اور گورنر کے سامنے عدم اعتماد کی درخواست پیش کر دی۔ اس کے بعد این ٹی آر نے اپنی کابینہ کے ساتھ مل کر ایک قرار داد گورنر کرشن کانت کے سامنے رکھی اور اسمبلی کو تحلیل کر کے تازہ انتخابات کروانے کی تجویز پیش کی لیکن یہ تجویز کو نامنظور کرتے ہوئے این ٹی آر کو اکثریت ثابت کرنے کے لیے ایک ہفتہ کا وقفہ دیا گیا جس پر این ٹی آر ناکام رہے اور اکثریت ثابت نہ کر سکے اور اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اس کے بعد این ٹی آر کے داماد این چندرابابو نائیڈو نے ریاست آندھرا پردیش کے وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے منتخب ہوئے۔ 1996ء میں این ٹی آر کی موت کے بعد تلگو دیشم پارٹی میں این ٹی آر کے حامی گروہ کا خاتمہ ہو گیا اور پارٹی کی پوری ذمہ داری چندرابابو نائیڈو نے اپنے ہاتھ میں لے لی۔ چندرابابو نائیڈو ایک بہتر منتظم کے علاوہ ایک شاندار وزیر اعلیٰ مانے جاتے ہیں۔ اپنے دور حکومت میں انتظامی کارکردگیوں کو بہتر سے بہتر بنایا۔ 2014ء میں ریاست آندھرا پردیش کی دو شاخہ تقسیم کے بعد چندرابابو نائیڈو موجودہ نئے آندھرا پردیش کے پہلے وزیر اعلیٰ منتخب ہوئے اور 2019ء میں ہوئے انتخابات میں یہ جماعت ناکام ثابت ہوئی۔

تلگو دیشم پارٹی کے فرائض (Functions of Telgudesham Party)

تلگو دیشم پارٹی نے اپنے دوران اقتدار میں کئی ان گنت پالیسیاں مرتب کی اور کئی اہم فرائض انجام دیئے جس کو عوام فراموش نہیں کر سکتی۔

1۔ تلگو دیشم پارٹی 1983ء کے اسمبلی انتخابات میں جب 294 نشستوں میں سے 202 نشستیوں پر جیت حاصل کی اور این ٹی آر کی صدارت میں حکومت تشکیل دی اسی وقت یہ جماعت نے دو روپئے کلو چاول مڈڈے میل اسکیم وغیرہ جیسی فلاحی اسکیمات کا سلسلہ شروع کیا اور غریب عوام کو کچھ حد تک راحت پہنچائی۔

2۔اس جماعت کے قائدین ٹی آر نے وشاکھاپٹنم کانفرنس میں مہاناڈو یعنی گورنر کے عہدے کی برخواستگی اور ریاست کو زائد اختیارات دینے کا مطالبہ کیا۔

3۔ تلگو دیشم پارٹی اپنے قیام کی اگلے ہی سال پھوٹ کا شکار ہوگی تب ہی بھاسکر راؤ نے کھلے عام این ٹی آر کی مخالفت کرتے ہوئے اکثریت کا دعویٰ پیش کیا اور این ٹی آر کی حکومت کو معطل کرنے میں کامیاب رہے۔

5۔ این ٹی آر نے اپنے اقتدار کے دور میں کئی فلاحی اسکیمات کا سلسلہ شروع کیا جو آدھی قیمت پر ساڑی دھوتی، رکشا چلانے والوں کے لیے مفت لباس، اور غریبوں کے لیے رہائش کی سہولیات، انشورنس اسکیمات، دوروپئے کیلو چاول اور مڈڈے میل وغیرہ جیسے اسکیمات کو کامیابی سے مکمل کیا۔

7۔ این ٹی آر نے جب دوبارہ آندھرا پردیش کے اقتدار کی ذمہ داری سنبھالی تب انہوں نے فوری شراب بندی کا اعلان کر دیا اس پر غریب خواتین بہت خوش ہوئی اور این ٹی آر نے پسماندہ طبقات کے لیے بہتر اسکیمات بنانے کا وعدہ بھی کیا۔

8۔ چندرابابو نائیڈو نے اقتدار سنبھالتے ہی آندھرا پردیش ریاست میں ترقیاتی سرگرمیاں شروع کر دی۔ پورے ہندوستان میں ریاست آندھرا پردیش میں انہوں نے انفارمیشن ٹکنالوجی سنٹر کا قیام تیزی سے کرنا شروع کر دیا تھا۔ پورے ہندوستان میں صرف چند ہی ریاستیں ایسی ہیں جس سے انفرا سٹکچر کی سہولتیں بہتر ہے اور ان میں سے ایک آندھرا پردیش ریاست تھی اس تیز رفتار ترقی کا سہرا صرف چندرابابو نائیڈو کو جاتا ہے۔

9۔ جب آندھرا پردیش اور تلنگانہ کا خطہٰ دو شاخہ ریاستوں میں تقسیم ہوا تب چندرابابو نائیڈو آندھرا پردیش کے پہلے وزیر اعلیٰ کے طور پر منتخب ہوئے اور انہوں نے آندھرا پردیش کے لیے امراوتی کو صدر مقام بنانے کا فیصلہ کیا۔ اس طرح 9 سال کے عرصہ میں چندرابابو نائیڈو نے کئی ترقیاتی کارکردگیاں انجام دی اور تلگو دیشم پارٹی کو اعلیٰ مقام تک پہنچانے کی کوشش کی۔

16.8 تلنگانہ راشٹریہ سمیتی (Telangana Rashtriya Samiti)

تلنگانہ راشٹریہ سمیتی TRS کو 27، اپریل 2001ء کو کے۔ چندرشیکھر راؤ نے قائم کیا۔ اس جماعت کو ہندوستان کے انتخابی کمیشن نے بحیثیت علاقائی جماعت کے طور پر منظوری دے دی۔ ٹی آر ایس جماعت کا مقصد تلنگانہ خطہ جو پسماندگی کا شکار ہو رہا ہے اس پسماندگی کو دور کرنا اور آندھرا وزرائ کے ذریعے ہونے والے استحصال کے مخالف علاقہ کو خود مختاری دلانا، علاقائی ہم آہنگی اور انفرادیت کو بحال کرنا تھا چندرشیکھر راؤ ابتدائی میں تلگو دیشم جماعت کے رکن تھے لیکن کے۔ سی۔ آر نے اس جماعت کو خیر باد کر دیا اور علیٰحدہ تلنگانہ ریاست کا مطالبہ کر ڈالا۔

تلنگانہ راشٹریہ سمیتی کے فرائض (Functions of Telangana Rashtriya Samiti)

1۔ ٹی آر ایس جماعت نے اقتدار سے قبل ہی اپنے کارکردگیوں اور فرائض کی وجہ سے عوام میں مقبولیت واعتماد حاصل کیا تھا۔

2۔ٹی آر ایس نے مقامی اداروں میں ضلع پریشد اور منڈل پریشد کے چند حلقوں میں جیت حاصل کی۔

3۔کے۔سی۔آر کا خواب تھا کہ علاحدہ تلنگانہ ریاست کی عوام کے امنگوں وامیدوں کو پورا کرے۔

4۔کانگریس کی مخلوط حکومت میں جب ٹی۔آر۔ایس حلف جماعت تھی ان کے دوران اقتدار میں ٹی۔آر۔ایس نے علاحدہ تلنگانہ ریاست کا مطالبہ کرڈالا لیکن اس پر کانگریس نے طویل تعطل کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے یہ اتحاد ٹوٹ گیا۔

5۔2012 کے ضمنی انتخابات میں ٹی آر ایس نے شاندار مظاہرہ پیش کیا اس کا اثر یہ ہوا کہ کانگریس کو ٹی آر ایس جماعت کے مطالبہ پر غور کرنا پڑا۔

6۔2013ء میں علاحدہ تلنگانہ ریاست کے مسئلہ پر دستوری جواز پر کارکردگی شروع ہوئی ادھر کے۔سی۔آر نے علاحدہ تلنگانہ تحریک کو شدّت سے آگے بڑھایا جس پر 2014 میں ریاست میں صدر راج کے نفاذ کے بارے میں پارلیمنٹ میں بحث چھڑ گئی۔

7۔بالآخر 2/جون 2014 کو کانگریس نے علاحدہ ریاست تلنگانہ کی تشکیل دے دی اور حیدرآباد ریاست کو اس کا صدر مقام بنادیا۔

8۔ٹی۔آر۔ ایس جماعت کا نظریہ علاقہ واریت، آزاد معیشیت، مقبولیت اور قدامت پسند پر مبنی ہے۔

9۔آخر میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ کے۔سی۔آر نے اپنے دوران حکومت میں بہت سے فلاحی پروگرامس وپالیسیاں رو بہ عمل میں لائی ہیں جیسے مشن کاکتیہ، کے۔سی۔آر کے ٹکی تقسیم کسانوں کو 4,000 روپئے کی سبسیڈی، کسانوں کے لیے آبپاشی کی سہولیات کی فراہمی، گراماجوتی، ای پنچایت پراجکٹ، اُمر تادھارا اروگیا لکشمی، مشن بھاگے رتا، حیدرآباد میٹرو ریل پراجکٹ، ڈیجیٹل تلنگانہ، ٹی فائبر فصلوں پر قرضوں کی اسکیم، منارونا کوراگاے لو ہریتا حرم، شادی مبارک اسکیم، آسرا پینشن، ڈبل بیڈروم اسکیم، درج فہرست ذات وقبائل کے لیے زمینوں کی تقسیم، پی ڈی ایس اصلاحات، شی ٹیم وغیرہ وغیرہ اور تلنگانہ کو ایک بنگارو تلنگانہ بنانے کا وعدہ کیا۔

16.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے علاقائی جماعتوں کا ظہور اور ان کی کارکردگی کا ذکر کیا ہے

- ہر علاقائی جماعت کسی نہ کسی مقصد سے تحریک کے طور پر اُبھری پھر ایک علاقائی جماعت کا موقف حاصل کیا کس طرح کانشی رام نے بہوجن سماج پارٹی کو پسماندہ طبقات کی نمائندگی کے لیے اُترپردیش میں قائم کیا۔
- شمالی ہند کی ریاست جموں کشمیر میں نیشنل کانفرنس نے مخصوص ریاستی موقف کی جنگی جدوجہد کی اور شرومنی اکالی دل کے مذہبی جذبات پر مبنی جماعت نے ریاست کے تاریخ اور فرائض کو جانا۔
- اس کے علاوہ بال ٹھاکرے کی قیادت میں شیو سینا، اور این ٹی راماراؤ کی قیادت میں پہلا زبان کی بنیاد پر بنا ریاست آندھراپردیش اور پھر 2014 میں کے سی آر کی قیادت میں آندھراپردیش سے تقسیم ہو کر تلنگانہ ریاست عمل میں آیا۔ اور تامل ناڈو میں پیریار کی قیادت میں چلائے گئے تحریک سے ابھری DMK کی پارٹی کی تاریخ اور اس کے فرائض سے طلبا روبرو ہوئے۔

16.10 کلیدی الفاظ(Keywords)

- ضمنی انتخابات : وہ انتخابات جو پارلیمنٹ یا اسمبلی وغیرہ کی خالی نشستوں کو پُر کرنے کے لیے متعلقہ حلقوں سے عمل میں لائے جائیں۔
- علاقائی جماعتیں : ویسی جماعتیں جو ایک خاص مقصد کے ایک ساتھ خاص خطہ پر مشتمل ہو۔ جیسے پی ڈی پی، تلنگانہ راشٹریہ سمیتی۔
- نیشنل جماعتیں : ایسی جماعت جو لوک سبھا کے انتخاب میں کُل ووٹ کا چھ فیصد چار یا اس سے زائد ریاستوں سے حاصل کیے ہوں۔
- کریشمائی لیڈر : ایسا لیڈر جو اپنے جادوئی شخصیت سے عوام کو اپنی طرف متاثر کرتا ہو، جیسے جواہر لال نہرو اور نریندر مودی۔

16.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

16.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ بہوجن سماج پارٹی کو کس نے قائم کیا

(a)مایاوتی (b)کانسی رام (c)امبیڈکر (d)ان میں سے کوئی نہیں

2۔ نیشنل کانفرنس سیاسی جماعت کا تعلق کس ریاست سے ہے؟

(a)پنجاب (b)ہماچل پردیش (c)جموکشمیر (d)اتراکھنڈ

3۔ تلنگانہ راشٹریہ سمیتی کا قیام کب عمل میں آیا؟

(a)2000 (b) 2001 (c)2002 (d) 2003

4۔ 'جس کا ووٹ اس کا راج' کا نعرہ کس سیاسی لیڈر نے دیا تھا؟

(a)مایاوتی (b)لالو پرساد یادو (c)کانسی رام (d)ان میں سے کوئی نہیں

5۔ 1949ء میں فلم ہستی انادورائی کی کوشش سے کون سی سیاسی پارٹی منظر عام پر آئی؟

(a)ڈایم کے (b)بہوجن سماج پارٹی (c)تیلگو دیشم (d)نیشنل کانفرنس

6۔ آپریشن بلواسٹار کس وزیر اعظم نے چلایا تھا؟

(a)راجیو گاندھی (b)اندرا گاندھی (c)جواہر لال نہرو (d)ان میں سے کوئی نہیں

7۔وزیراعظم اندرا گاندھی کا قتل کس سال ہوا تھا؟

1988(a) 1984 (b) 1986(c) 1983 (d)

8۔نیشنل کانفرنس کس ریاست کی پارٹی ہے؟

(a)پنجاب (b)ہریانہ (c)جموکشمیر (d)ان میں سے کوئی نہیں

9۔تیلانگانہ راشٹریہ سمیتی کس کے ذریعے قیام عمل میں لایا گیا؟

(a)چندرابابو نائڈو (b)کے ٹی آر (c)کے سی آر (d)ان میں سے کوئی نہیں

10۔زبان کی بنیاد پر قائم ہونے والی پہلی ریاست تھی۔

(a)پنجاب (b)تامل ناڈو (c)آندھرا پردیش (d)اریشہ

16.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔شرومنی اکالی دل کی ابتدائی کارکردگیوں کی وضاحت کیجیے۔

2۔نیشنل کانفرنس جماعت کی اقتدار کی جدوجہد کا تذکرہ کیجیے۔

3۔شیوسینا کی کارکردگیوں کو بیان کیجیے۔

4۔چندرابابو نائیڈو کے دوران اقتدار کا تذکرہ کیجیے۔

5۔ٹی۔آر۔ایس جماعت کے فرائض کی وضاحت کیجیے۔

16.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ڈی ایم کے جماعت کی پھوٹ اور تقسیم کا ذکر کیجیے ۔

2۔شیوسینا جماعت نے کس نظریہ کے ساتھ مہاراشٹرا میں اپنے قدم جمائیے روشنی ڈالیے؟

3۔بہوجن سماج پارٹی کی انتخابی سرگرمیوں کے بارے بتلائیے۔

16.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested books for Further Readings)

1. Myron Weiner, India at the Poles; The Parliamentary Election,1977

2. R. K Tiwari, (2018) Political Parties, Party Manifestos, and Elections in India, 1909- 2014

اکائی 17۔ انتخابی نظام

(Electoral System)

اکائی کے اجزا

17.0 تمہید

17.1 مقاصد

17.2 انتخابات، انتخابی نظام کا تاریخی ارتقاء

17.3 نظریہ حقِ رائے دہی , تعلیم اور جائیداد کی بنیاد پر

17.4 عام بالغ رائے دہی

17.5 خواتین۔ حقِ رائے دہی

17.6 مختلف سطحوں پر انتخابات

17.7 رائے دہی کا طریقہ کار

17.8 انتخاب کے نتائج

17.9 اکتسابی نتائج

17.10 کلیدی الفاظ

17.11 نمونہ امتحانی سوالات

17.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

17.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں ہم آپ کو انتخابی نظام کے معنی مفہوم کا تاریخی ارتقائی نظریہ سے تعارف کروانا چاہتے ہیں۔ عام بالغ رائے دہی، انتخابی نظام کا تاریخی پس منظر، خواتین کی حق رائے دہی کے متعلق معلومات فراہم کریں گے اور ہم یہ بھی جاننے کی کوشش کریں گے کہ حق رائے دہی کیوں ضروری ہے اور اس کی اہمیت کیا ہے ہم اس اکائی میں اس بات کا بھی تجزیہ کریں گے کہ کیسے انتخابات جمہوری، پُرامن اور منصفانہ انداز میں منعقد کیے جاسکتے ہیں۔ جمہوریت میں انتخابات کیوں ضروری ہیں۔ اس ضمن میں ہندوستانی پارلیمنٹ کی اہمیت کی وضاحت کی جائیگی مرکزی، ریاستی اور ضلعی سطح پر انتخابات کے انعقاد سے واقف کرایا جائے گا۔ اس کے علاوہ ہم ہندوستان کے عام انتخابات کا تفصیلی جائزہ بھی لے سکیں گے۔

17.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے مطالعے کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ

- انتخابی نظام، انتخابی نظام کا تاریخی ارتقائی، انتخابی اصلاحات کو سمجھ سکیں
- عام بالغ رائے دہی کے معنی مفہوم اور تعریف کی فہم حاصل کرسکیں۔
- نظریہ حق رائے دہی کو واضح طور پر جان سکیں گے۔ ساتھ ہی خواتین کے حق رائے دہی پر بحث کرسکیں گے۔
- عام بالغ رائے دہی کی ابتدائی اور ارتقائی کو واضح طور پر جان سکیں گے۔
- ہندوستان میں انتخابات کے طریقہ کار کو واضح کرسکیں گے۔
- جمہوریت کے لیے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کی اہمیت سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- انتخابات میں پارلیمنٹ کے رول کی وضاحت کریں گے۔ مختلف سطحوں پر انتخابات کا تفصیلی جائزہ بھی لیں گے۔

17.2 انتخابات، انتخابی نظام کا تاریخی ارتقاء

(Elections, Historical Developments of Electrol System)

جمہوریت اور انتخابات دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں کسی بھی ملک میں جمہوریت کی کارکردگی اور استحکام کا اندازہ وہاں پر وقفہ وقفہ سے منعقد ہونے والے انتخابات سے ہوتے ہیں۔ جمہوریت میں عوام کو اپنی پسند کے حکمرانوں کو منتخب کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ انتخابات جمہوریت میں عوامی اعتماد کو پیدا کرتے ہیں۔ عوام کو نہ صرف اپنی پسند کے امیدوار کو منتخب کرنے کا حق حاصل ہوتا ہے بلکہ وہ خود بحیثیت امیدوار انتخابات میں حصہ لے سکتے ہیں اور کسی بھی عہدے کے لیے مقابلہ کرسکتے ہیں۔ اس لیے ساری دنیا میں انتخابات کو جمہوریت کی آزمائش سمجھا جاتا ہے۔ انتخابات جمہوری عمل کو زندہ رکھتے ہیں۔ انتخابات کے لیے عوام سیاسی جماعتوں میں منظم ہوتے ہیں اور سیاسی جماعتیں عوام کو حکومتی کارکردگی سے واقف کرواتی ہیں۔ عوام سیاسی جماعتوں کے نظریات، امیدوار کی شخصیت وغیرہ جیسے عوامل کو

دیکھ کر ووٹ ڈالتے ہیں۔ اس طرح جمہورت میں حکومت عوام کی حکومت بنتی ہے۔ انتخابات، عوامی شعور کو جانچنے کا بھی پیمانہ ہے۔ سعودی عرب میں بھی اب جمہوری عمل کے آغاز کے طور پر 2005ء سے حکومت مقامی اور بلدیہ کے انتخابات منعقد کیے جانے لگے ہیں۔

جمہوریت، عوام کی حکومت کا نام ہے۔ جمہوری حکومت میں انتخابات ضروری ہوتے ہیں۔ انتخابات کا مطالعہ ایک علاحدہ علم ہے جمہوری حکومت راست ہو یا بالراست اس میں انتخابات لازمی ہے۔ اس لیے جمہوری حکومتوں میں انتخابات کو اہمیت حاصل ہے۔ تمام جمہوری ممالک میں آزادانہ انتخابات کے انعقاد کے لیے ایک دستوری و قانونی اختیار رکھنے والی ایک جماعت ہوتی ہے جو ملک میں آزادانہ انتخابات کے انعقاد کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ دستور ہند نے ملک میں آزادانہ انتخابات کے انعقاد کے لیے دفعہ 324 کے تحت ایک انتخابی کمیشن (Election Commission) کا قیام عمل میں لایا ہے۔ اس کے علاوہ دستور نے دفعہ 326 کے ذریعے تمام ہندوستانی شہریوں کو بالغ رائے دہی کا حق دیا ہے۔ انتخابات، عوام کو اپنی مرضی وپسند کی حکومت منتخب کرنے اور بدعنوان حکومت کو ہٹانے کا موقع دیتے ہیں۔ انتخابات میں بدعنوانیاں خصوصاً پولنگ بوتھ پر ناجائز قبضہ تلبیس شخصی، پیسے کا استعمال اور اس کے ذریعے ووٹوں کی خریدی، غریب لوگوں کو غذائی اجناس اور پیسوں کا لالچ دیکر ووٹوں کی خریدی، وغیرہ سے انتخابات ایک مذاق بن گیا ہے۔ اس کے علاوہ پولیس اور حکومتی عملہ کی جانبداری بھی دیکھنے میں آئی ہے۔ ہندوستان کے لیے انتخابی عمل کوئی نیا نہیں ہے۔ آبادی کے تمام طبقوں کو بلالحاظ رنگ ونسل، مذہب ذات سب کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق حاصل ہے۔ اس طرح ہندوستان میں انتخابات، دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کے انتخابات ہیں جس کو دنیا بڑی دلچسپی اور تجسس سے دیکھتی ہے۔ انتخابات اگر جمہوریت کے حقیقی جذبے کے مطابق نہ ہوں تو جمہوریت صرف طاقتور کی حکومت میں تبدیل ہو جائے گی۔ ہندوستان میں 16ویں لوک سبھا انتخابات میں 83 کروڑ رائے دہندوں نے حصہ لیا جب کہ 17ویں لوک سبھا انتخابات میں 90 کروڑ رائے دہندوں نے حصہ لیا۔ اس بات سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عوام میں سیاسی شعور بڑھتا جارہا ہے اور انتخابات میں حصہ لینا اور ووٹ کی اہمیت سے واقفیت کا اظہار ہوتا ہے۔

دستور کی دفعہ 324(6) کے مطابق انتخابی کمیشن صدر ہند اور ریاستی گورنروں کی اجازت سے مرکزی اور ریاستی ملازمین کی مدد حاصل کر سکتا ہے۔ ایسے وقت میں ان تمام سرکاری ملازمین پر کمیشن کو مکمل کنٹرول حاصل ہو جاتا ہے۔ اس دوران الیکشن کمیشن کی اجازت کے بغیر نہ تو ان ملازمین کا تبادلہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں ترقیاں دی جاسکتی ہیں۔ ہندوستان میں کثیر آبادی کے سبب الیکشن کا انعقاد عمل میں لانا دشوار عمل ہے۔ برطانوی دور میں صرف 14٪ فیصد آبادی کو ہی انتخابات میں ووٹ دینے کا حق حاصل تھا۔ 1952ء میں جب پہلے عام انتخابات ہوئے تو اس وقت ووٹروں کی تعداد 17.32 کروڑ تھی۔ فی الحال ووٹروں کی تعداد 90 کروڑ ہے ایسے وسیع اور عریض ملک کے لیے انتخابات کروانے کی ذمہ داری الیکشن کمیشن پر ہے جسے وہ مختلف ایجنسیوں کی مدد سے عمل میں لایا جاتا ہے۔

17.2.1 جمہوریت کے لیے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات ضروری ہیں

(Why Democracy Needs Free and Fair Election)

اگر کسی ملک کے عوام بہترین لوگوں کو اپنا نمائندہ منتخب کرنا چاہیں اور سیاسی پارٹیاں ایسے لوگوں کو حکومت کرنے کا موقع دینا چاہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں۔ انتخابات کے ذریعے ہی کوئی فرد یا پارٹی مقابلہ میں حصہ لیتی ہے اور کسی پارٹی کو کوئی مخصوص رعایت نہیں دی جاتی۔ کئی ملکوں جیسے چین (China)، روس (Russia)، مینمار (Mayanmar) وغیرہ میں

صرف ایک یا دو پارٹیوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے اور لوگوں کے لیے ان پارٹیوں کو ووٹ دینے کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔ دوسرے بعض ممالک میں پارٹیاں حکومتی مشنری کو استعمال کرکے لوگوں کو انہیں ووٹ دینے کے لیے راغب کرتی ہے یا مجبور کرتی ہیں اس کے علاوہ مختلف قسم کی دھاندلیوں کے ذریعے مخالفین کی درخواست امیدواری (Candidature) کو ہی مسترد کروادیتی ہیں یا مخالف پارٹیوں کے حامیوں کے نام ووٹر لسٹ فہرست رائے دہندگان سے خارج کروادیے جاتے ہیں۔ اس طرح سے انتخابات منعقد کرنا غیر مناسب ہے۔ انتخابات کا مطلب مختلف سیاسی متبادلات کے درمیان کسی ایک متبادل کو آزادی کے ساتھ چننے کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے اور عوام چاہیں تو موجودہ حکمرانوں کو تبدیل کرنے کا موقع بھی ان کو حاصل ہونا چاہیے۔ اگر ہم جمہوریت کو پرکھنا چاہتے ہیں تو انتخابات کے عمل کا مشاہدہ کرنا اہم ہوتا ہے۔ انتخابات کے ابتدائی مرحلہ میں عام سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی مخالفین کو بھی اپنی رائے کے اظہار کا مناسب موقع فراہم کرنا چاہیے۔ یہ اس وقت ممکن ہوسکتا ہے جب مملکت عوام کے شہری آزادیوں کا احترام کرے۔ اس طرح جمہوریت کا دارومدار، آزادانہ اور منصفانہ انتخابات پر ہوتا ہے جس میں موجودہ حکمران پارٹی یا افراد کو اقتدار سے ہٹانے کے کھلے امکانات موجود ہوتے ہیں۔

جمہوریتوں میں اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کی بھی ضمانت ضروری ہوتی ہے جو اکثریت کے خلاف اپنی الگ رائے رکھتی ہیں۔ انہیں اپنے نظریات پر کاربند رہنے، ان کی اشاعت کرنے اور لوگوں کو اپنی جانب راغب کرنے کے حق کا احترام کرنا ضروری ہے۔ خوہ اکثریتی طبقہ اس کے لیے رضامند ہو اور انہیں مضر سمجھتے ہوں۔

17.2.2 جمہوریت، مساوات اور شراکت داری پر مبنی ہوتی ہے

(Democracy Based on Equality and Participations)

ہم جب یہ کہتے ہیں کہ عوام کی حکومت تو اس کا مطلب تمام بالغ افراد ہوتے ہیں چاہے وہ مرد ہو یا عورتیں، امیر ہو یا غریب، کالے ہو یا گورے، عیسائی ہو یا مسلم، چاہے وہ ایک زبان کے بولنے والے ہوں یا دوسری۔ لیکن جمہوریت کو اس مقام و مرتبہ تک پہنچنے کے لیے ایک لمبا عرصہ لگا۔ مثال کے طور پر انتخابات میں ووٹ دینے کے حق کو ایک نشاندہندے کے طور پر لے کر دیکھتے ہیں۔ ابتدائی میں صرف چند صاحب جائیداد افراد کو ہی ووٹ دینے کا حق تھا۔ دھیرے دھیرے یہ حق چند ممالک میں غریبوں کو بھی دیا گیا پھر اس کے بعد عورتوں کو اور تمام نسلوں کو اور مذاہب کے لوگوں کو دیا جانے لگا۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ نے سفید فام خواتین کو ووٹ دینے کا حق 1920 میں دیا۔ سیاہ فام لوگوں کے خلاف امتیاز 1965 میں مکمل طور پر ختم کیا گیا۔ نیوزی لینڈ پہلا ملک تھا جس نے 1893 میں عوام کے تمام طبقوں کو ووٹ دینے کا حق عطا کیا۔ وہاں پر خواتین اور سیاہ فام لوگوں نے اس حق کے حصول کے لیے کافی جدوجہد کی۔ پہلا بڑا ملک جس نے عام حق رائے دہی کے حق کو اپنایا USSR تھا۔ جس نے 1917 کے روسی انقلاب کے بعد یہ قدم اٹھایا۔ آج کے دور میں بھی چند ایسے ممالک ہیں جو مختلف طبقات کے ساتھ امتیاز برتنے والے قوانین موجود ہیں۔

اٹھارویں صدی عیسوی میں جان لاک (John Locke)، جین جیکس روسیو جیسے مفکرین نے ایسے سماج کو تشکیل دینا چاہا جو سب کے لیے آزادی، مساوی قوانین اور مساوی مواقع پر مبنی ہو۔ جان لاک نے اپنی کتاب Two Treatises of Government میں اس

نظریہ کی مخالفت کی ہے جس میں بادشاہوں کو مکمل اختیارات حاصل ہوں۔ روسو نے اس تصور کو مزید فروغ دیا۔ روسیو نے خیال پیش کیا کہ حکومت، عوام اور ان کے نمائندوں کے درمیان سماجی معاہدوںSocial Contract پر مبنی ہونی چاہیے۔ مانٹیسکیو نے اپنی کتاب The Spirit of Law میں اختیارات کی تقسیم کے نظریہ کو پیش کیا۔ اس نے کہا کہ حکومتی اختیارات مقننہ قانون بنانے والی جماعت عاملہ قانون نافذ کرنے والی جماعت اور عدلیہانصاف کرنے والی جماعت کے درمیان تقسیم کی جانی چاہیئے۔

- استوانیانے شہریت کے قوانین اس طرح بنائے ہیں کہ وہاں موجود روسی اقلیتوں کو ووٹ دینا دشوار ہوتا ہے۔
- فیجی(Fiji) میں انتخابی نظام ایسا ہے جس میں مقامی باشندوں کے ووٹ کی قدر ہند نژاد فیجی باشندوں سے زیادہ ہوتی ہے۔ 2013 سے مساوی ووٹ کے حق کو نافذ کیا گیا۔
- 2012 سے سعودی عربیہ میں خواتین ووٹ دے سکتی ہیں اور انتخابات میں حصہ لے سکتی ہیں۔
- جمہوریت، سیاسی مساوات اور شمولیت یا شراکت داری کے بنیادی اصولوں پر مبنی ہوتی ہے۔ کسی بھی جمہوریت میں ہر بالغ فرد کو ووٹ کا حق ہونا چاہیے اور ہر فرد کے ووٹ کی مساوی قدر ہونی چاہیے۔
- آج بھی کئی ممالک میں ان لوگوں کو ووٹ دینے کا حق نہیں ہوتا جو کسی دوسرے ملک سے ہجرت کر کے اس ملک میں بس گئے ہوں۔ درحقیقت دنیا بھر میں لاکھوں لوگ اس طرح کے جمہوری حقوق کے بغیر اپنی زندگی گذار رہے ہیں۔ صرف اسی وجہ سے کہ وہ جس ملک میں بستے ہیں وہ ملک انہیں غیر قانونی تاریک وطن تصور کرتا ہے۔ یہ حالات ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں بسنے والے جنوبی امریکی باشندوں کے ہوں یا فرانس اور جرمنی میں بسنے والے ترکی تارکین وطن کے، ایک جیسے ہوتے ہیں۔ ایسے مہاجرین اور تارکین وطن افراد بشمول ہندوستان ساری دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ کیا انہیں جمہوری حکومت کا حصہ دار نہیں بننا چاہیے۔

17.3 نظریہ حقِ رائے دہی تعلیم اور جائیداد کی بنیاد پر

Theory of Voting rights on the basis of Education and Property)

حق رائے دہی کس کو دیا جانا چاہیے یہ ایک زیر بحث یا متنازعہ سوال ہے۔ چند لوگوں کا خیال ہے کہ ووٹ دینا ہر بالغ شخص کا فطری اور پیدائشی حق ہے اور چند لوگ سمجھتے ہے کہ حق شہریت یعنی ووٹ دینا ایک لازمی مذہبی فرض ہے اور ہر وہ شخص جو ووٹ دینے کے قابل ہے اس کا استعمال کرنا چاہیے۔ مانٹیکیو اور (Montesquieu) روسو (Rousseau) حق رائے دہی کو پیدائشی اور فطری عمل سمجھتے ہیں۔ جس وقت روسو یہ نظریہ پیش کیا کہ اقتدار عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ہر بالغ شخص کو اپنا حق رائے استعمال کرنے کا جائز حق ہے۔ Duguit کی رائے میں روسو کا اصول صرف بالغ رائے دہی کے حق میں نہیں بلکہ مساوی بالغ رائے دہی کے حق میں ہے۔

امریکہ میں بھی اس نظریہ کو انقلابی لیڈروں جیسے Orisاور Paine کی تائید حاصل رہی۔ امریکہ کے دستور میں حق رائے دہی کا واضح ذکر ہے۔ امریکہ کی ان ریاستوں New Hampshireاور Massachusetts میں حق رائے دہی کا واضح ذکر ہے۔

1975 میں ایسے لوگوں کو حق رائے دہی دیا گیا جو محصول ادا کرتے تھے کچھ مفکرین کا نظریہ تھا کہ صرف پڑھے لکھے اور قابل لوگوں کو رائے دہی کا حق دینا چاہیے ۔ جان اسٹارٹ مل (John Stuart Mill)، بلنٹ شیلی، (Buintchli)، سرہنری مین (Sir Henry Maine) وغیرہ محدود رائے دہی کے حق کے حامی تھے۔

حق رائے دہی کی اہلیت:۔ حق رائے دہی سے متعلق بہت سی قابلیتوں کے متعلق بحث کی گئی ہے۔

17.3.1 ملکیت (Property)

جو لوگ جائیداد یا ملکیت وغیرہ رکھتے ہیں انہی کو حق رائے دہی دیا جانا چاہیے کیونکہ ایسے لوگ قانون کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کی طرف سے کوئی خرابی کا ڈر نہیں رہتا۔ اس کے برخلاف ایسے لوگ جو کوئی ملکیت وغیرہ نہیں رکھتے ان کو حق رائے دہی دیا گیا تو وہ معیشت کی پرواہ نہیں کرتے۔ ایسے لوگ جو ملکیت بھی رکھتے ہیں اور ٹیکس بھی دیتے ہیں ان کو حسب ذیل وجوہات کی بنیاد پر حق رائے دہی دینی چاہیے۔

1۔ چونکہ قانون سب کے لیے ہے اسی طرح حق رائے دہی بھی اس کو دینا چاہیے نہ کہ صرف جائیداد رکھنے والوں کو۔

2۔ املاک ذہانت کو جانچنے کا کوئی معیار نہیں ہے چونکہ ایک غریب پڑھا لکھا آدمی بھی قابل ہو سکتا ہے۔

3۔ ملکیت کی بنیاد پر حق رائے دہی دینا انصاف کے خلاف ہے۔ ملکیت، دھوکہ دہی، بدکاری اور دیگر ناپسندیدہ ذرائع سے حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس طرح اسے حق رائے دہی کے استعمال کی بنیاد کے طور پر قبول کرنا سراسر غلط ہے۔

4۔ مناسب لوگ ترقی پسند قانون نہیں بناتے ہیں اور وہ صرف اپنے مفادات کا تحفظ کرتے ہیں وہ مزدوروں کی فلاح و بہبودی کی لیے کوئی قانون نہیں بناتے ہیں۔ اس طرح غریب عوام کو بھی حق رائے دہی حق دینا چاہیے تاکہ وہ اپنے حقوق کے تحفظ کی لیے بھی آواز بلند کر سکیں۔

17.3.2 تعلیمی قابلیت (Educational Qualification)

جو لوگ اس دلیل کی حمایت کرتے ہیں کہ حق رائے دہی، تعلیمی قابلیت پر مبنی ہونی چاہیے، وہ مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

1۔ اَن پڑھ افراد نہیں جانتے کہ ان کے ووٹوں کے مستحق کون ہیں۔ ایسے لوگ پرجوش بیانی، ذات پات اور دوسرے تعلقات سے متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ نااہل لوگوں کے حق میں ووٹ دیتے ہیں جو ملک کے لیے نقصاندہ ہے۔

2۔ اگر کسی ناخواندہ شخص کو حق رائے دہی کا حق دیا جاتا ہے تو ایک ناخواندہ اور تعلیم یافتہ ووٹ کا مساوی اثر پڑتا ہے۔

3 ۔ ناخواندہ رائے دہندگان کوئی غلط فیصلہ لے سکتے ہیں۔ جان اسٹورٹ مل کہتے ہیں کہ ”میں اس کو مکمل طور پر ناقابل تسخیر سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی شخص عام کاموں کو پڑھنے، لکھنے اور انجام دینے کے قابل ہوئے بغیر اس مسئلہ میں حصہ لیے آفاقی تعلیم کو عالمگیر رائے دہندگی سے پہلے ہونا ضروری ہے کسی طبقہ کا اخراج اس وقت جائز ہے جب ممکن ہے کہ اس طبقے میں ووٹ کا خطرناک حد تک غلط استعمال کیا جائے۔ جو

لوگ ان دلائل سے اتفاق نہیں کرتے ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہر شخص کو ووٹ ڈالنے کا حق ہونا چاہیے کیونکہ قوانین ہر ایک کو متاثر کرتے ہیں۔ حکومت ان افراد کی پرواہ نہیں کرتی جن کو رائے دہندگی کا کوئی حق نہیں ہے۔

17.4 عام بالغ رائے دہی (Universal Adult Suffrage)

عام حق بالغ رائے دہی ہندوستانی نظام سیاست کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ برطانوی دور میں ووٹ ڈالنے کا حق مخصوص افراد تک محدود تھا۔ ہندوستان میں پہلی مرتبہ 1884 میں مقامی مجالس کے لیے اور 1892 میں صوبائی کونسلوں کے لیے انتخابی اصولوں کو متعارف کیا گیا۔ برطانوی ہند میں 1937 کے انتخابات میں صرف 14 فیصد آبادی کو ووٹ کے استعمال کا حق حاصل تھا۔ اس وقت صرف تعلیم یافتہ اور محصول ادا کرنے والے ووٹروں کے زمرے میں شامل تھے۔ مگر دستور ہند نے تمام بالغ ہندوستانیوں کو ووٹ کے حق سے بہرہ ور کر دیا۔ اگر ہندوستان میں ووٹ کے لیے تعلیم یا ملکیت کے معیار کو رکھا جاتا تو ایسا اقدام جمہوریت کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ ہندوستان میں عوام کی اکثریت غریبی اور ناخواندگی کا شکار ہے۔ درحقیقت عام بالغ رائے دہی نے ہندوستان کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت بنا دیا ہے۔ دستور کی دفعہ 326 کے مطابق لوک سبھا اور ہر ریاست کی ودھان سبھا کے انتخابات، حقِ بالغ رائے دہی کی اساس پر منعقد ہوں گے۔

ہر وہ شخص جو ہندوستان کا شہری ہو اور جس کی عمر 18 برس سے کم نہ ہو تو اسے ووٹر کی حیثیت سے اپنا نام کو درج کرانے کا حق حاصل ہے۔ ابتدائی میں دستور ہند نے ووٹ دینے کی عمر 21 سال رکھی تھی لیکن 1988ء میں دستور کی 61ویں ترمیم کے ذریعے ووٹ دینے کی عمر 18 سال کر دی گئی۔ کسی بھی شخص کو مذہب، ذات، نسل، جنس وغیرہ کی بنیاد پر انتخابی رجسٹر میں اپنا نام درج کرانے سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ انتخابات ایک ایسا ذریعہ ہے جس کے ذریعے عوام بالآخر نسل پرستی کو ختم کرکے حکومت کو کنٹرول کرسکتے ہیں۔ اس خیال کا مرکزی خیال نمائندگی کا اصول ہے۔ آسان الفاظ میں یہ سیاستدانوں کو عوام کے خادم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ اس بات پر قابل اختلاف رائے پر غور کیا جائے کہ عملی طور پر نمائندگی کس طرح حاصل کی جاسکتی ہے۔ سیاست دانوں کو کسی طرح منتخب کیا جانا چاہیے اور یہ حقیقت میں کیا معنی رکھتے ہیں۔ اس میں جانچے جانے والے مرکزی امور مندرجہ ذیل ہیں:۔

(1) عملی طور پر نمائندگی کیسے حاصل کی جاسکتی ہے؟

(2) انتخابات کے کیا مقاصد ہیں؟

(3) مختلف انتخاب نظاموں کی خوبیاں اور خامیاں کیا ہیں؟

(4) انتخابی نتائج سے کیا مراد ہے؟ کیوں لوگ ووٹ دیتے ہیں؟

(5) انتخابی طرز عمل کی وضاحت کس طرح کی جاسکتی ہے؟

نمائندگی کے معاملے نے گہرا اور سیاسی تنازعہ پیدا کیا ہے۔ یہاں تک کہ پرانے مطلق العنان بادشاہوں سے توقع کی جاتی تھی کہ وہ بڑے زمینی مفادات، پادریوں وغیرہ کے مشورے سے حکمرانی کریں۔ اس سلسلے میں سترہویں صدی کی انگریزی خانہ جنگی، کنگ اور پارلیمنٹ

کے مابین لڑی گئ جو کلیدی گروہوں اور مفادات کی نمائندگی سے انکار کرنے کی کوشش کے نتیجے میں پھوٹ پڑی۔ اس طرح انیسویں اور بیسویں صدی میں جمہوریت فروغ کے بارے میں بحث بڑی حد تک اس سوال پر مرکوز رہی کہ کس کی نمائندگی کی جائے۔ کیا نمائندگی صرف ان لوگوں تک ہی محدود رکھنی چاہیے جو صلاحیت، تعلیم اور شاید دانشمندانہ کام کرنے کی فرصت رکھتے ہوں۔ نمائندگی تمام بالغ شہریوں تک بڑھادی جانی چاہیے۔ کم از کم آفاقی حق اور "ایک شخص ایک ووٹ" کے باضابطہ معنی ہیں۔

مثال کے طور پر 1949 میں برطانیہ میں کثیر رائے دہندگی ختم کردی گئی۔ تھی خواتین کو 1971 میں سوئزرلینڈ میں بحیثیت رائے دہندگان میں شامل کیا گیا تھا اور 1994 میں جنوبی افریقہ میں رائے دہندگی کے نسلی معیار کو ختم کر دیا گیا تھا۔ ایک ایسا نظریہ جو یقینی طور پر بنی نوع انسان کے تمام ماضی کے تجربوں کو مٹا دیتا ہے۔ عام بالغ رائے دہی ایک مقدس قومی فریضہ ہے اور اس کا غلط استعمال نہیں کیا جانا چاہیے۔ ہر بالغ کو حق رائے دہی فراہم کیا جانا چاہئے ہے۔ بہت کم ذہین افراد اس کا غلط استعمال کریں گے۔ ایک عام ووٹر پیچیدہ سوالات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس طرح غیر مناسب اور نااہل نمائندوں کا انتخاب کرتا ہے۔

17.5 خواتین حق رائے دہی (Women Suffrage)

1۔ خواتین عام طور پر قدامت پسند ہوتی ہیں اور ان میں سے بیشتر ناخواندہ ہیں۔ اس طرح حق رائے دی جائے تو وہ اس کا صحیح اور مناسب استعمال کر سکتی ہیں نااہل افراد کے حق میں اپنی رائے دے سکتی ہیں۔

2۔ اگر خواتین اپنے شوہروں کی مرضی کے خلاف ووٹ ڈالیں تو گھر اور کنبہ میں تناؤ اور تصادم پیدا ہو سکتا ہے۔

3۔ اگر خواتین کو ووٹ ڈالنے کا حق دیا جائے تو خواتین اپنی نسوانی خصوصیات اور خوبیاں کھو دیں گی۔

4۔ وہ خواتین جو حق رائے دہی کے حق میں نہیں ہے ان کا موقف ہے کہ خواتین عوامی فرائض انجام نہیں دے سکتیں ہیں کیونکہ وہ مردوں سے نسلی طور پر کمزور ہیں وہ فوجی اور پولیس اور فوج میں خدمات انجام نہیں دے سکتی ہیں۔

وہ لوگ جو خواتین کے حق رائے دہی کے حق میں ہیں، مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:۔

- سڈوک کی رائے:۔ "مجھے کسی بھی حمایت یافتہ بالغ کے حق میں حق رائے دہی سے انکار کی کوئی مناسب وجہ نظر نہیں آرہی ہے۔ بصورت دیگر صرف جنسی تعلقات کے تناسب پر اور مادی ناانصافی کا خطرہ اس وقت تک موجود ہے جب تک کہ ریاست غیر شادی شدہ خواتین اور بیوہ خواتین کو کسی خاص مراعات یا تعصب کے بغیر عمومی صنعتی مقابلے میں کسی رواں زندگی کے لیے جدوجہد کرنے کے لیے چھوڑ دیتی ہے۔
- خواتین اپنے حقوق اور مفادات کے تحفظ کی بھی منظوری دیتی ہیں لویل (Lowell) کا کہنا ہے کہ تنہا مردوں کو خواتین کے حقوق سے متعلق قانون نہیں بنانا چاہیے۔
- خواتین کو وٹ ڈالنے کا حق دلوانے سے پوری دنیا مستفید ہوگی۔ ایسے ممالک جو خواتین کو ووٹ ڈالنے کا حق دیے ہیں انہوں نے

مزدوروں، بچوں، یتیموں اور معاشرے کے دیگر کمزور طبقات کی فلاح و بہبودی کے لیے قوانین بنانے کا ایک عمدہ کام کیا۔

- خود مختاری کا ماخذ عوام ہیں اس طرح ہر بالغ افراد کو اس کا حق ادا کرنے دیا جانا چاہیے۔
- ریاست کے پالیسیوں اور قوانین سے ہر شخص یکساں طور پر متاثر ہوتا ہے لہٰذا ہر ایک کو اپنے نمائندے کا انتخاب کرنے کا حق ہونا چاہیے۔
- جو سیاست میں کوئی حصہ نہیں لیتے، حکومت کی طرف سے انکا زیادہ خیال نہیں رکھا جاتا ہے۔ اس طرح سب کے مفادات کے تحفظ کے لیے ووٹ کا حق دیا جانا چاہیے۔
- شہریوں کو غیر ملکی سے ممتاز کرنے کا سب سے اچھا طریقہ حق بالغ رائے دہی ہے۔ اس سے معاشرے میں لوگوں کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے کیونکہ ووٹ حاصل کرنے کے لیے ان سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔
- شہری حقوق کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ عوام کو سیاسی حقوق دیے جائیں تاکہ حکومت، عوام کی آزادی کو کچلنے کی کوشش نہ کرے۔ انتخابات، معاشرے میں سیاسی بیداری لاتے ہیں۔ معاشرے سے سیاسی عدم دلچسپی کو ختم کرنے کے لیے ہر شہری کو سیاسی تعلیم فراہم کی جانی چاہئے تاکہ ان کو حکومت میں دلچسپی پیدا ہو۔

آئین کی تمہید اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان ایک عوامی جمہوریہ ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام شہری جو ووٹ ڈالنے کے اہل ہیں انہیں جمہوریت اور انتخابات میں حصہ لینے کا حق ہوگا، ہمارے ملک میں پارلیمانی طرز حکومت ہے لہٰذا پارٹی شہریوں کے ووٹوں کا ایک اہم حصہ یا ایسی جماعتوں کے اتحاد کو محفوظ بنائے گی جو۔ عوامی ایوان میں لوک سبھا یا قانون ساز اسمبلی کی اکثریت کی حمایت حاصل کرنے کے لیے حکومت تشکیل دیں۔ انتخابات میں ووٹ ڈالنے کا جمہوریت میں ہر شہری کا حق حاصل ہے۔ ہندوستان دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ 2004 میں 14ویں لوک سبھا میں ہونے والے انتخابات میں 67.5 کروڑ سے زائد شہریوں کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل تھا۔ اسی طرح 2019 کے 17ویں لوک سبھا الیکشن میں 910 ملین لوگ ووٹ ڈالنے کے قابل تھے۔ 67۔ مفصل دفعات مندرجہ ذیل قوانین میں شامل ہیں:

1۔ صدارتی اور نائب صدارتی انتخابی ایکٹ 1952ء

2۔ نمائندگی عوامی ایکٹ 1950ء

3۔ نمائندگی ایکٹ 1951

4۔ حد بندی ایکٹ، 2002 کے ساتھ ساتھ مختلف قوانین و احکامات وغیرہ میں بھی مذکورہ بالا قوانین کے تحت فراہم یا جاری کیا جانا ضروری ہے۔ انتخاب یا ووٹ کو ایک قانونی حق کے طور سمجھا جاتا ہے۔ اگرچہ یہ جمہوریت کے لیے بنیادی ہے لیکن یہ بنیادی حق نہیں ہے۔

ذیل میں جن دفعات پر تبادلہ خیال کیا گیا ہے وہ عام اطلاق پر مشتمل ہیں اور پارلیمنٹ اور ریاستی مقننوں کے انتخابات پر لاگو ہیں۔

1۔ ہر علاقائی حلقہ کے لیے ایک عام انتخابی حلقہ ہوگا دفعہ 325 حکومت ہند ایکٹ 1935 کے تحت مسلمانوں، سکھوں، ہندوستانی

عیسائیوں وغیرہ کے لیے الگ الگ انتخابی فہرستیں مرتب کی گئی تھیں۔ ہمارے ملک کی نمائندگی اس فرقہ وارانہ نمائندگی اور الگ الگ رائے دہندگان کی بنیاد پر رکھی گئی لیکن آئین بنانے والوں نے اپنے تجربہ سے سبق سیکھتے ہوئے اس بدعمل کو ممنوع قرار دے دیا۔

2۔ کوئی بھی شخص مذہب، نسل، ذات، جنس یا ان میں سے کسی کی بنیاد پر انتخابی فہرست میں شامل ہونے کے لیے نااہل نہیں ہوگا۔ دوسرے لفظوں میں اگر کوئی شہری دوسری قابلیت کو پورا کرتا ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کا نام انتخابی فہرستوں میں شامل نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ کسی خاص مذہب یا ذات سے تعلق رکھتا ہے۔ امریکہ میں ابتدائی میں خواتین کو ووٹ ڈالنے کا کوئی حق نہیں تھا ہندوستان میں انہیں شروع سے ہی مساوی حق حاصل ہے۔

3۔ دفعہ 325 کوئی بھی شخص مذہب، نسل، ذات وغیرہ کی بنیاد پر خصوصی رول میں شامل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا ہے۔ دفعہ 325- (d) انتخابات کے لیے بالغ افراد کا حق رائے دہندگی ہی اصول ہوگا دوسرے لفظوں میں اگر ایک شہری مقننہ کے ذریعے مقرر کردہ تاریخ پر 18 سال کی عمر اور کسی قانون کے ذریعے نااہل نہیں ہوا تو وہ رائے دہندگان کے طور پر اندراج کرنے کا حقدار ہے۔ جرم کی سزا کسی انتخابات میں بدعنوانی وغیرہ پر مبنی ہے۔ صرف ایک حلقہ میں ایک شخص بطور ووٹر رجسٹرڈ ہو سکتا ہے۔ اسے بھی اس حلقے میں عام طور پر رہائشی ہونا چاہیے جہاں وہ اندراج کرنا چاہتا ہے۔ کچھ نشستیں پسماندہ طبقات کے لیے مختص کردی گئیں ہیں جیسے لوک سبھا میں اینگلو انڈین برادری کے 2 اور ریاستی اسمبلی میں 1 ممبر کی نامزدگی کا بندوبست ہے۔ ان کے علاوہ کسی مذہب یا برادری کے لیے کوئی ریزرویشن نہیں ہے۔

پارلیمنٹ کو انتخابات کے تمام پہلوؤں سے متعلق قوانین بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ (دفعہ 327) یہ طاقت ائین کے شقوں جسے دفعہ 325، 326 مشروط ہے۔ پارلیمنٹ صرف پارلیمنٹ کے انتخابات کے لیے نہیں بلکہ دیگر تمام مقننوں کے لیے قانون سازی کرسکتی ہے۔ ریاستی مقننہ کا ماتحت کردار ہے۔ لوک سبھا اور ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات کے لیے، تمام حلقے ایک ممبرل حلقہ ہیں، ہر ووٹر کا ایک ووٹ ہوتا ہے اور سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

- پارلیمنٹ کے انتخابات
- ریاستی مقننوں بشمول مرکزی علاقوں کے انتخابات۔ صدر اور نائب صدر کے دفتر میں انتخابات۔

وہ جو فرائض انجام دیتے ہیں وہ یہ ہیں۔ انتخابی فہرستوں کی تیاری۔ انتخابات کا انعقاد اور ووٹوں کی گنتی اور نتائج کا اعلان

اس سوال کے سلسلے میں صدر کو مشورہ دینے کے لیے کہ آیا ممبر پارلیمنٹ دفعہ 103 یا ریاستی مقننہ کسی بھی نااہلی دفعہ 192 ایسے مشروط ہو چکا ہے کہ وہ صدر کو علاقائی کمیشنر کی تقرری میں مشورہ دے۔

17.6 مختلف سطحوں پر انتخابات (Election at Different Levels)

ہندوستان میں پارلیمانی طرز حکومت ہے۔ اس نظام میں پارلیمنٹ کو برتری حاصل ہے۔ یہ قانون سازی کرتی ہے محاصل عائد کرتی ہے اور حکومت کے کام کاج پر کنٹرول کرتی ہے۔ ہندوستان میں پارلیمنٹ دوایوانوں پر مشتمل ہے۔ ایوانِ بالا راجیہ سبھا ریاستوں کا

ایوان کہاجاتاہے۔ایوانِ زیریں لوک سبھا دارالعوام کہاجاتاہے۔ان دونوں ایوانوں میں نسبتاً لوک سبھا زیادہ طاقتور ہوتی ہے کیونکہ اس کے اراکین کو عوام راست منتخب کرتے ہیں۔ریاستی سطح پر ودھان سبھا مجلس مقننہ ہوتی ہے۔ جس کے اراکین کو ریاست کے عوام راست منتخب کرتے ہیں۔

مقامی سطح پر دیہات کی پنچایتیں، منڈل پریشد ہوتی ہے۔وہ ضلع اور دیہی علاقوں کے معاملات کا انتظام کرتی ہیں۔اس طرح شہری علاقوں کے لیے میونسپل کونسل اور کارپوریشن کی مختلف شاخیں کام کرتی ہیں انہیں حکومت کے مقامی اداروں سے موسوم کیاجاتاہے۔

ریاستی سطح پر چیف الکٹورل آفیسر، الیکشن کمیشن آف انڈیا کی مدد کرتاہے۔اس کا تقرر الیکشن کمیشن آف انڈیا کی جانب سے ریاستی حکومت سے مشاورت کے بعد کیاجاتاہے۔یہ عہدہ کوئی دستوری موقف نہیں رکھتاعام طور پر انتہائی سینئر (Senior) IAS آئی اے ایس آفیسر اس عہدہ پر مامور کیاجاتاہے۔ریاست میں پارلیمانی انتخابات اور ریاستی اسمبلی کے انتخابات اسی کی نگرانی میں منعقد کیے جاتے ہیں۔ضلع کی سطح پر ضلع کلکٹر، چیف الیکشن آفیسر کی حیثیت میں کام کرتاہے۔ہر انتخابی حلقے میں انتخابی عمل کی نگرانی کے لیے جو آفیسر مقرر کیاجاتا،ہے اسے رٹرننگ آفیسر کہاجاتاہے۔جن امیدواروں کے نام ووٹر لسٹ میں درج ہوتے ہیں اور وہ انتخابات میں حصہ لینے کے خواہش مند ہوتے ہیں۔رٹرننگ آفیسر کے پاس اپنا پرچہ نامزدگی داخل کرتے ہیں۔ان نامزدگیوں کو کم از کم ایک ووٹر کی تائید حاصل ہونی چاہیے، اگر کوئی امیدوار کسی سیاسی پارٹی کی جانب سے انتخابات میں حصہ لیتاہے تو اسے پارٹی امیدوار کہاجاتاہے۔دیگر امیدواروں کو آزاد امیدوار کہاجاتاہے۔

رٹرننگ آفیسر، نامزدگیوں کی جانچ کرتاہے اور مقابلہ کرنے والے اہل امیدواروں کو یہ اختیار دیاجاتاہے کہ اگر وہ انتخابات میں حصہ نہ لیناچاہیں تو دیے گئے مقررہ وقت سے پہلے اپنی نامزدگی سے دستبردار ہوسکتے ہیں۔اس کے بعد ریٹرننگ آفیسر اس حلقے سے انتخابات میں حصہ لینے والے امیدواروں کو پارٹی کا نشان دیاجاتاہے۔جب کہ آزاد امیدواروں کو اس وقت دستیاب نشانات میں متعین کیے جاتے ہیں۔اس کے بعد امیدواروں کے نام اور نشانات کو الیکٹرانک ووٹنگ مشین (EVM) میں درج کیا جاتاہے۔پارلیمنٹ، اسمبلی اور حکومت مقامی کے اداروں کے انتخابات کے لیے مذکورہ بالا طریقہ پر ہی عمل کیاجاتاہے۔

17.7 رائے دہی کا طریقہ (Methods of Election)

اضلاع میں چیف الیکشن آفیسر رائے دہی کے وسیع تر انتظامات کرتے ہیں وہ رائے دہی کے ہر مرکز پولنگ بوتھ کے لیے انتخابی عملہ یعنی پریسائیڈنگ آفیسر اور دیگر پولنگ آفیسر کا تقرر کرتے ہیں۔رائے دہی کے عمل کی نگرانی کے لیے الیکشن کمیشن کی جانب سے رائے دہی کے دن مبصرین Observers کا تقرر کیاجاتاہے۔رائے دہی کے دن ووٹرس جن کے نام ووٹرس لسٹ یا الکٹورل لسٹ میں درج ہیں ووٹ دینے کے حقدار ہوتے ہیں۔پولنگ ایجنٹس ووٹرس رائے دہندوں کی شناخت کرتے ہیں پولنگ اسٹاف کی مدد کرتے ہیں۔ان ایجنٹس کا تقرر انتخاب میں حصہ لینے والے امیدواروں کی جانب سے کیاجاتاہے۔ووٹ دینے سے قبل ووٹر کی انگشت شہادت پر انمٹ سیاہی سے نشان

لگایا جاتا ہے۔اگر پولنگ بوتھ پر(EVM (Electronic Voting Machine نہ ہو تو بیلٹ پیپر پر مہر کا نشان لگا کر بتلائے گئے طریقے کے مطابق اسے تہہ کر کے باکس میں ڈالا جاتا ہے۔

رائے دہی کی تکمیل کے بعد EVM یا باکسوں کو مہر بند کر دیا جاتا ہے اور انہیں گنتی کے مراکز کو پہنچایا جاتا ہے۔ووٹوں کی گنتی مقرر کردہ مراکز پر مقررہ تاریخ پر ہوتی ہے جس امیدوار کو زیادہ تعداد میں ووٹ حاصل ہوں اسے منتخب قرار دیا جاتا ہے۔

17.8 انتخابات کے نتائج کا اعلان (Result of Elections)

رائے دہی کے انتخابات کے بعد ووٹوں کے ڈبوں کو بند کر دیا جاتا ہے۔ ان پر مہر لگا کر انہیں گنتی کے مراکز پر لایا جاتا ہے وہاں ووٹوں کی گنتی کی جاتی ہے وہ امیدوار جو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرتا ہے اس کی کامیابی کا اعلان کیا جاتا ہے۔

17.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں ہم انتخاب، انتخابی نظام کے تاریخی ارتقاء کو جان سکیں گے۔
- نظریہ حق رائے دہی کا مطالعہ کر سکیں گے۔
- عام بالغ رائے دہی کو جان سکیں گے۔
- خواتین حق رائے دہی کا بہتر طریقے سے مطالعہ کر سکیں گی۔
- رائے دہی کے طریقہ کار کو سمجھ سکیں گے۔
- مختلف سطحوں پر انتخاب کو سمجھ سکیں گے۔

17.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

1۔	بیالٹ پیپر	:	پرچہ رائے دہی
2۔	ضابطہ اخلاق	:	اخلاقی حدود
3۔	Competitive Dominance	:	مسابقتی غلبہ
4۔	Women Suffrage	:	خواتین حق رائے دہی

17.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

17.11.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ انتخابی کمیشن کا قیام عمل آئین ہند کے کس دفعہ کے تحت آیا؟

(a) دفعہ 324 (b) دفعہ 312 (c) دفعہ 315 (d) دفعہ 317

2۔ 2019ء کے 17ویں لوک سبھا الیکشن میں کتنے ملین لوگ ووٹ ڈالنے کے قابل تھے؟

(a) 906 ملین (b) 907 ملین (c) 909 ملین (d) 910 ملین

3۔ کس سال میں برطانیہ میں کثیر رائے دہندگی ختم کر دی گئی تھی؟

(a) 1949 (b) 1950 (c) 1951 (d) 1952

4۔ ان میں سے کس مفکرین نے حق رائے دہی کو پیدائشی اور فطری عمل سمجھتے ہیں؟

(a) مانٹیسکیو اور روسو (b) ہینری مین (c) جان اسٹاورٹ مل (d) بلنٹ شیلی

5۔ دستور کی کس ترمیم کے تحت حق رائے دہندگی کی عمر 21 سال سے کم کر 18 سال کر دی گئی؟

(a) 65ویں (b) 62ویں (c) 61ویں (d) 63ویں

6۔ 1988 سے پہلے ہندوستان میں ووٹ ڈالنے کی عمر کیا تھی؟

(a) 18 (b) 21 (c) 15 (d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ کس مفکرین کا نظریہ تھا کہ صرف پڑھے لکھے اور قابل لوگوں کو رائے دہی کا حق دینا چاہیے

(a) بلنٹ شیلی (b) سرہینری مین (c) جان اسٹارٹ مل (d) یہ سبھی

8۔ کس دفعہ کے تحت کوئی بھی شخص مذہب، نسل، ذات وغیرہ کی بنیاد پر خصوصی رول میں شامل ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا

(a) دفعہ 324 (b) دفعہ 325 (c) دفعہ 326 (d) دفعہ 327

9۔ نامزدگیوں کی جانچ ان میں سے کس کے ذریعے کیا جاتا ہے؟

(a) ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ (b) ریٹرنگ آفسر (c) پولینگ آفسر (d) الیکشن آفسر

10۔ ریاست میں پارلیمانی انتخابات اور ریاستی اسمبلی کے انتخابات کس کی نگرانی میں منعقد کیے جاتے ہیں؟

(a) چیف الیکشن کمیشنر (b) الیکشن کمیشنر (c) ریاستی الیکشن کمیشنر (d) گورنر

17.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ حق رائے دہی کی اہلیت پر نوٹ لکھیے۔

2۔عام بالغ رائے دہی کے تاریخی ارتقائی نظریہ کو واضح کیجیے۔

3۔ہندوستانی پارلیمنٹ کی اہمیت کو واضح کیجیے۔

4۔مرکزی، ریاستی و ضلعی سطح پر انتخابی طریقے کار کو واضح کیجیے۔

5۔خواتین کی حق رائے دہی پر نوٹ لکھیے۔

17.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔انتخابات، انتخابی نظام کی تعریف اور اس کے معنی و مفہوم کو بیان کیجیے۔

2۔جمہوریت کے لیے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کیوں ضروری ہیں؟ اس پر بحث کیجیے۔

3۔"جمہوریت مساوات اور شراکت داری پر مبنی ہوتی ہے" آپ کی رائے میں یہ کہاں تک صحیح ہے؟

17.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

---

1. S.N Ray, (2004) Modern Comparative Politics

2. Dr. Abdul Qayyum, Hindustan Ki Huqoomat aur Siyasat, Nisab Publication Hyderabad.

3. Andrew Heywood, (2019), Politics, Bloomsbury Publishing, London

4. Brij Kishore Sharma, (2011) Introduction of the Constitution, PHI, Learning

اکائی 18۔ نمائندگی کے طریقے

(Methods of Representation)

اکائی کے اجزا

18.0	تمہید
18.1	مقاصد
18.2	نمائندگی کی ابتدا اور ارتقا
18.3	براہ راست انتخابات کا طریقہ
18.4	بالواسطہ انتخابات
18.5	واحد ممبر حلقہ انتخابات
18.6	کثیر ممبر حلقہ انتخاب
18.7	رائے دہی کے طریقے
18.8	نمائندگی کے مختلف طریقے
18.9	دوسرے بیلٹ کا طریقہ
18.10	متبادل یا موقتی ووٹ کا طریقہ
18.11	فعلیاتی پیشہ وارانہ نمائندگی
18.12	اکتسابی نتائج
18.13	کلیدی الفاظ
18.14	نمونہ امتحانی سوالات
18.15	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

18.0 تمہید (Introduction)

جمہوری حکومتیں عوام مقتدر ہوتے ہیں۔ جمہوریت دو قسم کی ہوتی ہے۔ راست اور بالواسطہ، راست جمہوریت میں تمام شہریوں کو قانون سازی اور نظام حکومت میں حصہ لینے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس طرح کی حکومت کم آبادی والے معاشرہ، جیسے قدیم یونان کی شہری مملکتوں میں ممکن ہوتی ہے۔ جو آج کی قومی مملکتیں بڑی مملکتیں ہیں جن کا رقبہ وسیع اور آبادی زیادہ ہے۔ جدید دور میں مقررہ معیاد پر قانون ساز اسمبلیوں کے لیے اپنے نمائندے چننے کے عمل کو فروغ حاصل ہوا۔ قانون بنانے اور نظام حکومت کی نگرانی کرنے کی ذمہ داری ان قانون ساز اسمبلیوں کو دی جاتی ہے۔ اس طرح جدید دور میں بالواسطہ یا نمائندہ جمہوریت کے چلن کا آغاز کئی ممالک میں ہوا۔

18.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی میں آپ نمائندگی کے مختلف طریقوں کا مطالعہ کریں گے ۔ جس کے ذریعے رائے دہندے، ووٹر مقننہ کے لیے نمائندوں کو منتخب کرتے ہیں۔ اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

- نمائندگی کی ابتدائی اور ارتقائی کی نشان دہی کر سکیں۔
- رائے دہی کے مختلف طریقوں کی وضاحت کر سکیں۔
- جدید حکومتوں میں رائے دہی کی اہمیت کا تجزیہ کر سکیں۔
- ہندوستان میں انتخابات کے طریقہ کار کو سمجھ سکیں۔

18.2 نمائندگی کی ابتدا اور ارتقا (Origin and Development of Representations)

جدید جمہوریت بالراست یا نمائندہ جمہوریت ہے جس میں عوام حکومتی اُمور میں راست حصہ نہیں لیتے بلکہ وہ مقرر معیاد پر اپنے نمائندوں کو چنتے ہیں اور یہ نمائندے عوام کی جانب سے قانون سازی کے امور انجام دیتے اور حکومت پر ضروری نگرانی رکھتے ہیں۔ نمائندوں کے انتخاب میں حصہ لینے کا یہ حق پر رائے دہی Franchise یا Suffrage کہلاتا ہے۔

ملکی قانون کے مطابق نمائندوں کو منتخب کرنے کے اہل شہریوں کو رائے دہندے (Voters) کہا جاتا ہے۔ پروفیسر لیکاک کے مطابق یہ "سیاسی عوام" ہیں اور یہ اُن لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں جن کا راست قانونی طور پر حکومتی اُمور میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ رائے دہندے نہ صرف اپنے نمائندوں کا انتخاب کرتے ہیں بلکہ حکومت پر نظر بھی رکھتے ہیں اور اس پر اپنا فیصلہ سناتے ہیں۔ چنانچہ پروفیسر ویلوبی (Prof. W.F. Willoughby) کے مطابق "نمائندہ قسم کی عوامی حکومت میں رائے دہندوں کی شاخ وہ فوارہ ہے جس پر کہ حکومت کا پورا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔"

نمائندگی کے طریقے کا آغاز کب ہوا، یہ کہنا مشکل ہے۔ عام خیال یہ ہے کہ عہد وسطیٰ میں اس کا آغاز چند خانقاہی سلسلوں میں

ایک تدبیر کے طور پر ہوا۔ اس طرح اس کا اطلاق مالی معاملات پر مشاورت کے لیے طلب کی جانے والی بادشاہ کی مجلس پر ہوا۔ بادشاہ کے مشاورتی نمائندوں کا اختیار اور اثر بہت محدود تھا۔ اگرچہ کہ ان سے کی جانے والی مشاورت بڑی اہمیت کی حامل ہوا کرتی تھی۔ تیرہویں صدی کے اختتام اور چودھویں صدی کے شروعات سے نمائندہ ادارے جیسے برطانیہ میں پارلیمنٹ فرانس، میں Estates General، اسپین میں Cortes اور جرمنی میں Diet وغیرہ نے اپنے متعلقہ ممالک کے قومی امور میں ایک اہم رول ادا کیا۔ لیکن اس کے باوجود یہ اسمبلیاں کسی طور پر بھی مقبول نہیں تھیں۔ وہ سماج کے چند طبقات جیسے اشرافیہ، جاگیردار، نواب، مذہبی طبقہ (Clergy) کی نمائندگی کرتی تھیں۔ عہد وسطیٰ کے خاتمے کے ساتھ ہی مطلق العنان حکمرانوں کے ہاتھوں ان اسمبلیوں کو دھکا لگا۔ Cortes، Diet اور Estates General رفتہ رفتہ بے جان کمزور وجود اختیار کر گئیں۔ صرف برطانیہ کی پارلیمنٹ ہی بڑی حد تک قومی امور پر اپنا تسلط رکھ سکی۔

جمہوریت میں نمائندوں کو مختصر اور متعینہ مدت کی لیے چناجاتا ہے تاکہ رائے دہندگان اُن کی کارکردگی کا جائزہ لے سکیں۔ ایسا نمائندہ جو عوامی اُمیدوں پر پورا نہ اُترتا ہو اور جو نااہل یا ایماندار نہیں ہوتا عوام اُسے دوبارہ منتخب نہیں کرتی۔ اس طرح انتخابات نمائندوں کو ذمہ دار اور جوابدہ بناتے ہیں۔ رائے دہندوں کی جماعت کو "رائے دہندگان (Electorates) کہا جاتا ہے۔

دنیا میں سترھویں صدی اور اس کے بعد آئے جمہوری انقلابات نے رائے دہی کو جمہوری نظام کا ایک لازمی حصہ بنادیا اور عوام کے منتخبہ نمائندوں کے ذریعے قانون ساز ادارے اور حکومت وجود میں آئے۔ خصوصاً 1688ء کے شاندار انقلاب کے بعد برطانیہ میں دستوری بادشاہت قائم ہوئی اور پارلیمنٹ کا اقتدار اعلیٰ قائم ہوا۔ لیکن 1832 میں پہلا ریفارم ایکٹ منظور ہوا تو چند طبقات کو ہی ووٹ دینے کا حق حاصل ہوا۔ 1928ء میں بالغ رائے دہی کو اصول کیا گیا۔ اس سے قبل بھی چودھویں صدی میں قانون سازی کے نمائندہ ادارے موجود تھے، لیکن ان کی حقیقی نوعیت جمہوری و نمائندہ سے زیادہ نامزدگی کی۔ جمہوری انقلابات نے انہیں نمائندہ موقف عطا کیا۔ جس کے نتیجے میں نمائندگی کے مختلف طریقے اور مختلف نظریات وجود میں آئے، جن پر ہم ذیل میں روشنی ڈالیں گے۔

انیسویں صدی میں رفتہ رفتہ حق رائے دہی میں اضافہ ہوا۔ مادی حالت میں بہتری اور عوامی تعلیم میں اضافہ سے اس میں بڑی مدد ملی۔ برطانیہ میں مختلف قوانین کے ذریعے قوانین 1832،1867،1884،1918 اور 1928 پارلیمنٹ خاص کر ایوان عام، عوام کی نمائندگی کرنے لگے۔ دوسرے ممالک میں جمہوریت کی لیے یا تو نمائندہ ادارے تخلیق کیے گئے یا انتخابی اصلاحات عمل میں لائی گئیں۔ گارنر (Garner) کے مطابق "محدود، غیر مساوی اور بالواسطہ، نظام سے اب فی الواقعی عالمگیر راست اور مساوی حق رائے دہی کا مسلسل ارتقا، گزشتہ صدی میں جمہوریت کی تاریخ کا شاید سب سے نمایاں واقعہ ہے۔ جب کہ ایک بعد دیگر مذہبی، معاشی، نسلی اور جنسی رکاوٹیں جمہوریت کے فروغ پاتے ہوئے رجحان کے سامنے ہوتی گئیں۔

18.3 براہ راست انتخابات کا طریقہ (Methods of Direct Election)

براہ راست انتخابات کا مطلب نمائندوں کا انتخاب رائے دہندگان کے ذریعے خود کرنا ہے۔ ہر ووٹر پولنگ اسٹیشن جاتا ہے اور اپنی

پسند کے امیدوار کے حق میں اپنا ووٹ ڈالتا ہے۔اس مقصد کی لیے اسے بیلٹ پیپر دیا جاتا ہے۔رائے دہندگی کے حق کا خود استعمال کرتا ہے۔ اور وہ اس پر اپنی پسند کا نشان لگانے کے بعد اسے بیلٹ باکس میں رکھ دیتا ہے۔ بہت سے ممالک میں اب جدید ٹیکنالوجی کی مدد سے ووٹنگ مشین کے ذریعے حق رائے دہی کا استعمال کیا جاتا ہے جو الیکٹرونک ووٹنگ مشین (EVM) کہلاتی ہے۔زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والا امیدوار منتخب قرار دیا جاتا ہے۔ہندوستان سویت یونین، امریکہ وغیرہ جیسے ممالک میں انتخابات کا یہی طریقہ زیر عمل ہے۔

براہِ راست انتخابات کے فوائد (Advantages of Methods of Direct Election)

براہِ راست انتخابات کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) براہ راست انتخابات کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس نظام میں کسی ملک کے شہری اپنے حقوق اور فرائض کے بارے میں شعور حاصل کرتے ہیں اور ان میں احساس ذمہ داری کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔

(2) ووٹر سیاسی طور پر روشن خیال بن جاتے ہیں۔

(3) امیدوار ووٹروں کو اپنی پالیسی اور پروگراموں کے بارے میں بتاتے ہیں جس سے زیادہ شہریوں کو سیاسی اور شعور حاصل ہوتا ہے۔

(4) یہ نظام زیادہ جمہوری ہے کیونکہ رائے دہندگان کو اپنے نمائندوں کو اپنی مرضی سے منتخب کرنے کا موقع ملتا ہے۔

(5) نمائندے رائے دہندگان سے رابطہ رکھتے ہیں اور لوگ اپنے نمائندوں کے کام پر گہری نگاہ رکھ سکتے ہیں۔

براہ راست انتخابات کے نقصانات (Disadvantages of Methods of Direct Election)

براہ راست انتخابات کے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) چونکہ ووٹر کافی تعلیم یافتہ اور روشن خیال نہیں ہوتے ہیں لہٰذا وہ قائدین کی آتش گیر تقریروں سے آسانی سے متاثر ہو جاتے ہیں جس کے نتیجے میں خود غرض اور باشعور امیدوار منتخب ہوتے ہیں۔

(2) عوام جھوٹی باتوں کا شکار بن جاتے ہیں۔

(3) اس قسم کا انتخاب بہت مہنگا اور انتظامات بہت بڑے پیمانے پر کرنے ہوتے ہیں۔

(4) اس طرح انتخابات کے وقت محفل زیادہ پر جوش ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات انتشار پیدا ہو جاتا ہے۔ سمجھ دار افراد اس طرح کے انتخابات سے دور رہتے ہیں کیونکہ امیدوار ایک دوسرے کے خلاف الزامات اور جوابی الزامات پیش کرتے ہیں۔

18.4 بالواسطہ انتخابات (Indirect Election)

جب رائے دہندگان اپنے نمائندوں کا انتخاب براہ راست نہیں کرتے ہیں بلکہ انتخابی کالج کے ذریعے انتخاب کرتے ہیں اور اس کو بالواسطہ انتخاب کہا جاتا ہے۔اس طرح انتخابات کا حتمی حق اس نظام میں رائے دہندگان کے ہاتھ میں نہیں بلکہ انتخابی کالج کے ہاتھ میں رہتا ہے۔ہندوستان میں یہ نظام ریاستوں اور مرکز میں دوسرے ایوان کے انتخاب کے لیے اپنایا گیا ہے۔

18.4.1 بالواسطہ انتخابات کے فوائد (Advantages of Indirect Election)

(1) اس نظام میں نمائندوں کے انتخاب کی حتمی طاقت انتخابی کالج کے ممبروں کے ہاتھ میں ہوتی ہے جو سیاسی طور پر زیادہ باشعور ہوتے ہیں۔ بھیڑ کی حکمرانی کی برائیاں اس نظام میں مٹادی گئیں۔

(2) انتخابات کے دوران غلط پروپگنڈہ کی گنجائش کم ہوتی ہے۔

(3) سیاسی جماعت کے احساسات کم و بیش اس نظام میں کم نظر آتے ہیں۔

(4) یہ نظام بڑے کاروباری اداروں کے لیے مفید ہے۔

(5) پروپیگنڈہ کرنے پر پیسہ ضائع نہیں ہوتا کیونکہ انتخابی کالج (Electoral College) کے ممبروں کی تعداد نسبتاً کم ہوتی ہے۔

(6) اس میں گستاخی اور فسادات کا خدشہ کم ہوتا ہے۔

18.4.2 بالواسطہ انتخابات کے نقصانات (Disadvantages of Indirect Election)

(1) یہ جمہوری نہیں ہے کیونکہ ووٹر اپنا نمائندہ براہ راست منتخب نہیں کرتا ہے۔

(2) رائے دہندگان کا اپنے نمائندے سے براہ راست رابطہ نہیں ہوتا ہے۔

(3) ووٹر سیاست میں زیادہ دلچسپی نہیں لیتے ہیں اور انہیں کوئی سیاسی تعلیم نہیں ملتی ہے۔

(4) پارٹی جذبات بھی اس سسٹم میں مکمل طور پر غیر حاضر نہیں ہیں کیونکہ انتخابی کالج کے ممبران بھی پارٹی خطوط پر منتخب ہوتے ہیں اور جب اس نظام کے ذریعے صدور وغیرہ منتخب ہوتے ہیں تو ان کا انحصار کرنا ہوتا ہے۔

(5) رائے دہندگان اور نمائندوں کے مابین براہ راست رابطہ نہیں ہوتا ہے۔

(6) انتخابی کالج کے ممبروں میں بہت سی سازشیں ہوتی ہیں اور بعض اوقات رشوت لینے کا بھی امکان رہتا ہے۔

(7) اگر ووٹر ذہین اور تعلیم یافتہ ہیں تو بالواسطہ انتخابات کی ضرورت نہیں ہے۔

18.5 واحد ممبر حلقہ انتخابات (Single Member Constituency)

اس کا مطلب یہ ہے کہ پورا ملک اتنے حلقوں میں تقسیم ہوتا ہے جتنے نمائندوں کی تعداد منتخب کی جاتی ہے۔ ہر حلقہ سے ایک ممبر منتخب ہوگا جو امیدوار زیادہ سے زیادہ ووٹ حاصل کرے گا اسے منتخب سمجھا جائے گا۔ ہر شہری کو ایک ووٹ ڈالنا ہے جس کا مطلب ہے اسے صرف ایک اسمبلی اور صرف ایک حلقے سے اپنا ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے۔

18.5.1 واحد رکن حلقہ انتخاب کے فوائد (Advantages of Single Member Constituency)

واحد رکن حلقہ انتخاب کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔ نمائندہ، لوگوں کی لیے قابل تردید رہتا ہے۔
2۔ چھوٹی چھوٹی مضبوطی کی وجہ سے قابل لوگ آسانی سے انتخاب کا مقابلہ کرسکتے ہیں اور ان کی اہلیت سے ملک کو فائدہ ہوتا ہے۔
3۔ چھوٹے گروپوں کو نمائندگی دینے کا کوئی امکان نہیں ہے اس سے مستحکم اور دیرپا کابینہ تشکیل پانے میں مدد ملتی ہے۔
4۔ یہ نظام لوگوں کو نمائندہ سے رابطہ برقرار رکھنے کا موقع فراہم کرتا ہے کیونکہ عام طور پر حلقہ انتخاب چھوٹا ہوتا ہے

18.5.2 واحد رکن حلقہ انتخاب کے نقصانات (Disadvantages of Single Member Constituency)

واحد رکن حلقہ انتخاب کے نقصانات مندرجہ ذیل ہیں۔
1۔ اس نظام میں بعض اوقات اقلیتیں اطمینان بخش نمائندگی کرنے حاصل میں ناکام ہو جاتی ہیں۔
2۔ حکومت کو انتخابی حلقوں کو اپنے فائدے کے لیے استعمال کرنے کا موقع مل جاتا ہے اور یہ حزب اختلاف کی حمایت کو محدود کرنے کی کوشش کرتا ہے۔
3۔ اس نظام میں بعض اوقات امیدوار انتخابات کے دوران کم سے کم تعداد میں ووٹ حاصل کرتے ہیں کیونکہ حزب اختلافات کی جماعتوں کے ووٹ تقسیم ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اگر ایک حلقہ میں 1000 ووٹ ڈالے گئے اور ان 1000 ووٹوں میں سے A نے 300، B نے 250، C نے 175، D نے 175، E نے 100 اور F کو 50 حاصل ہوئے ۔ A کا انتخاب کیا جائے گا۔ حالانکہ اس نے 1000 میں سے صرف 300 ووٹ حاصل کیے تھے اور بقیہ امیدواروں نے ان سے زیادہ ووٹ حاصل کیے تھے۔

18.6 کثیر ممبر حلقہ انتخاب (Multi Members Constituency)

اس نظام میں پورا ملک بڑے حلقوں میں منقسم ہوتا ہے۔ ہر حلقہ سے ایک سے زیادہ نمائندے منتخب ہوتے ہیں ہر ووٹر کو ایک سے زیادہ ووٹ استعمال کرنے کا موقع ملتا ہے۔ عام ممبر اپنے تمام ووٹ ایک امیدوار کے حق میں استعمال کر سکتا۔ کسی حلقہ انتخاب کو جیتنے کی لیے امیدوار کو مقررہ تعداد میں ووٹ حاصل کرنے ہوں گے اور اکثریت سے ووٹ حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ایک حلقے سے منتخب ہونے والے نمائندوں کی تعداد کا فیصلہ علاقے یا آبادی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ اس سسٹم کو جنرل ٹکٹ سسٹم (General Ticket System) بھی کہا جاتا ہے۔

18.6.1 کثیر رکن حلقہ بندیوں کے فوائد (Advantages of Multi member Constituency)

کثیر رکن حلقہ بندیوں کے فوائد مندرجہ ذیل ہیں۔
- حکمراں جماعت اپنے مفادات کی لیے انتخابی حلقوں کو اپنے حق میں استعمال نہیں کر سکتی۔
- عام طور پر، قومی مفادات کی نمائندگی کرنے والے افراد کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

- اقلیتوں کو اس میں مناسب نمائندگی ملتی ہے۔

18.6.2 کثیر ممبر رکن حلقہ بندیوں کے نقصانات (Disadvantages of Multimember Constituencies)

(1) حلقہ بندیوں کے وسیع علاقے کی وجہ سے نمائندے اور رائے دہندگان کے مابین قریبی رابطہ برقرار نہیں رہ سکتا۔

(2) اس سے پارلیمنٹ میں الگ الگ گروہ پیدا ہوتے ہیں اور کابینہ مستحکم نہیں ہوتی۔

(3) کسی ضلع یا تحصیل کا کوئی نمائندہ اس علاقے میں رائے دہندگان کے تیں ذمہ دار نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہاں سے بہت سے نمائندے مقننہ میں موجود ہوتے ہیں۔

18.7 رائے دہی کے طریقے (Methods of Voting)

یہاں ہم رائے دہی کے مختلف طریقوں پر مختصراً نظر ڈالیں گے۔

(1) کھلی اور خفیہ رائے شماری (Open & Secret Ballot)

Open Ballot:۔ اس نظام میں رائے دہندگان اپنا ہاتھ اٹھا کر ووٹ کا استعمال کرتے ہیں (Montesquieu, Treitschke) مانٹیسکیو اور ٹریش کے کا خیال تھا کہ اس نظام میں ان پڑھ افراد اپنے ووٹوں کا صحیح استعمال کریں گے کیونکہ وہ سمجھ دار افراد کو ووٹ استعمال کرتے ہوئے دیکھیں گے۔ رائے عامہ کے خوف کے سبب، انہیں حق رائے دہندگان کے حق میں اپنا ووٹ دینا پڑے گا لیکن یہ دلائل زیادہ مناسب نہیں ہیں۔ یہ نظام بہت ہی ناقص ہے۔ اس نظام میں رائے دہندگان غیر مناسب اثر ورسوخ یا امیدواروں کے دباؤ کی وجہ سے کسی مناسب شخص کے حق میں اپنا ووٹ نہیں ڈال سکتے۔ اس طرح اس کی رائے دہی کی آزادی ختم ہو جاتی ہے۔ یہ نظام حسد اور بغض کا احساس پیدا کرتا ہے جس کے نتیجے میں باہمی تصادم ہوتا ہے۔ ان وجوہات کی بنیاد پر اس نظام کو جمہوریت کی روح کے خلاف سمجھا جاتا تھا اور اسے ان ممالک میں ختم کر دیا گیا جہاں یہ زیر عمل تھا۔ اب عام طور پر ہر ملک میں خفیہ رائے شماری کا نظام متعارف کرایا گیا ہے۔

(2) خفیہ رائے شماری (Secret Ballot)

Harrington اور ContAndreby خفیہ رائے شماری کے حامی تھے۔ ان کا موقف تھا کہ اس نظام میں ووٹر، کسی کی جان پہچان کے بغیر لفافے میں بیلٹ پیپر ڈال کر اپنا ووٹ استعمال کرتا ہے۔ اس طرح سے ووٹر اپنا ووٹ آزادانہ طور پر استعمال کر سکتا ہے اور اس پر کسی اثر و رسوخ اور دباؤ کا خدشہ نہیں ہوتا ہے۔ اس نظام میں تصادم اور دشمنی کا خدشہ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے زیادہ تر ممالک میں یہ نظام متعارف کروایا گیا ہے۔ ہندوستان میں پارلیمنٹ اور ریاستی قانون سازوں کے انتخابات اور صدر اور نائب صدور کے انتخابات بھی اسی نظام کے مطابق ہوتے ہیں۔

متفرق اور وزن دار رائے دہندگی کی لیے متنازعہ ووٹنگ

ایک فرد ایک ووٹ کا طریقہ آج کل مقبول ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ ہر فرد کو ایک ووٹ کا حق ہونا چاہیے تاہم انیسویں صدی میں جان اسٹورٹ مل نے اس نظام کی تنقید کی۔ سڈ گوگ Sidgwick نے مل کے نظریہ کی بھی حمایت کی ان کا موقوف ہے کہ جو لوگ زیادہ تعلیم یافتہ ہیں زیادہ ٹیکس دیتے ہیں اور عمر میں زیادہ ہیں ان کو زیادہ ووٹ دینا چاہیے اس کے بر خلاف کم عمر لوگوں کے جو ناخواندہ ہیں اور جو ٹیکس ادا نہیں کرتے ہیں Taine نے یہ بھی کہا کہ "ووٹوں کی گنتی نہیں کی جانی چاہیے ان کا وزن کیا جانا چاہیے " یہ مفکرین تعلیم، جائیداد اور عمر کو زیادہ ووٹ کی فراہمی کی بنیاد سمجھتے ہیں اس قول کے مطابق دو سسٹم استعمال کیے گئے ہیں۔

(A) کثرت رائے دہی:

اس نظام کے مطابق ایک ہی شخص کو ایک جگہ پر ٹیکس ادا کرنے کی، دوسرے مقام پر جائیداد رکھنے اور تیسرے مقام پر تعلیم پانے کی لیے مخصوص شرح رائے دہی کا حق دیا گیا ہے۔

(B) وزنی ووٹنگ (Weighted Voting)

اس نظام کے مطابق زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ ٹیکس دہندگان اور بزرگ افراد کو مستقل طور پر ان لوگوں کے خلاف کثرت رائے دہندگان کا حق دیا جاتا ہے جو غریب اور کم عمر ہیں۔ ترمیم شدہ آئین کے مطابق یہ نظام بلجیم میں 1833ء میں لایا گیا تھا لیکن پہلی جنگ عظیم (1914) کے بعد کمیونسٹ پارٹی نے اس کے خلاف ایک بڑا مظاہرہ کیا۔ چنانچہ 1921ء میں جب آئین میں ایک بار پھر ترمیم کی گئی تو وزن کے حق میں ووٹنگ کا نظام مکمل طور پر ختم کر دیا گیا۔

وزنی ووٹنگ کی خوبیاں (Merits of Weighted Voting)

وزنی ووٹنگ کی خوبیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

اس نظام میں عالمگیر بالغوں کے استحصال کی خوبیوں کو شامل کیا گیا ہے لیکن اس کی خرابیاں دور کر دی گئیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نظام میں ہر ایک کو ایک ووٹ دیا گیا ہے۔ ان تعلیم یافتہ افراد کو زیادہ ووٹ دینے کے علاوہ ناخواندہ، نوعمر افراد اور غیر ٹیکس ادا کرنے والے لوگوں کے خلاف جائیداد کے مالکان کو اشتہار دیا گیا ہے تا کہ حکومت صرف نااہل اور ان پڑھ بیٹھے چلائیں۔

وزنی ووٹنگ کی خامیاں (Demerits of Weighted Voting)

وزنی ووٹنگ کی خامیاں مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) یہ نظام جمہوریت کے خلاف ہے اور اس میں امیر لوگوں کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

(2) کثیر رائے دہی کا حق دینے کے لیے معیار کو درست قائم رکھنا مشکل عمل ہے۔

(3)جائیداد کی بنیاد پر امتیاز برتنا ضروری نہیں ہے۔

18.8 نمائندگی کے مختلف طریقے (Different Methods of Representation)

اقلیتی نمائندگی(Minority Representation)

اگرچہ جمہوریت کا مطلب عوام کی حکومت ہے لیکن حقیقت میں یہ اکثریت کی نمائندگی کرتی ہے۔ چنانچہ اکثریتی اثر ورسوخ کے خلاف مقننہ میں اقلیتوں کو مناسب نمائندگی دینے کی ضرورت کو سیاسی مفکرین نے تسلیم کیا جاتا ہے۔ اقلیتیں کئی طرح کی ہوتی ہیں جیسے سیاسی، قومی، نسلی، لسانی، مذہبی یا فرقہ وارانہ ہو سکتی ہیں۔ اس طرح کی اقلیتوں کو نمائندگی دینے کی لیے کئی طریقے بنائے گئے ہیں۔ تناسبی نمائندگی جس پر کہ بحث کی جاچکی ہے ان طریقوں میں سے ایک اہم طریقہ ہے۔ چنانچہ جے ایس مل(J. S Mill) اس بات کا حامی تھا کہ حقیقی جمہوریت میں سماج کے ہر طبقہ کو متناسب نمائندگی ملنی چاہیے۔

1۔متناسب نمائندگی(Proportional Representation) : تناسبی نمائندگی کے طریقے کو واحد رکنی حلقے کے طریقے کا متبادل سمجھا جاتا ہے، جہاں رائے دہندگان کے مختلف طبقات کی قطعی نمائندگی کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔ برطانوی مفکر جان اسٹورٹ مل متناسب نمائندگی کا بڑا حامی تھا۔ اس طریقے کے ذریعے مملکت میں مختلف الرائے طبقات اور مفادات کو ان کے ووٹوں کی عددی طاقت کے تناسب سے نمائندگی دے سکتے ہے۔ تناسبی نمائندگی کی دو قسمیں ہیں۔ ہیئر کا طریقہ(Hare System): یا واحد قابل انتقال ووٹ کا طریقہ فہرست کا طریقہ(List System)۔ اس طریقہ نمائندگی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ کوئی ووٹ ضائع نہ ہو اور رائے دہندوں کو ان کی تعداد کے مطابق مقننہ میں نمائندگی ملے۔ تناسبی نمائندگی کے دو قسمیں ہیں۔

ہیر کا طریقہ یا واحد قابل انتقال ووٹ کا طریقہ(Hare System or the Single Transferable Vote System)

اس طریقے کو 1851ء میں ایک انگریز تھامس ہیئر نے مرتب کیا تھا اور اپنی کتاب "Election of Representatives" نمائندوں کا انتخاب" میں اس کی وضاحت کی تھی۔ 1855ء میں ڈنمارک کے ایک وزیر آنڈرے (Andrae) نے اس طریقے کو رائج کیا تھا۔ چنانچہ اسے آنڈرے کا طریقہ (Andrae System) بھی کہتے ہیں۔ بعض اسے واحد قابل انتقال ووٹ کا طریقہ بھی کہتے ہیں بعض اسے ترجیحی نظام(Preferential System) بھی کہتے ہیں۔ اس طریقے میں کم از کم تین نشستوں پر مشتمل ہمہ رکنی حلقے ہوتے ہیں۔ رائے دہندوں کا صرف ایک ہی موثر ووٹ ہوتا ہے لیکن وہ ترتیب وار اپنی ترجیح کی نشاندہی کرتے ہیں۔ چنانچہ اگر تین نشستوں کو پُر کرنا ہو اور چھ مقابلے میں ہوں تو رائے دہندے کو تین ناموں کے مقابل اپنی ترجیح کو ظاہر کرنے کی لیے(1,2,3) کے اعداد کو بتانا ہوتا ہے۔ جب بیلٹ / ووٹوں کی پہلی گنتی ہوگی تو رائے دہندوں کی پہلی ترجیح کو ہی دیکھا جاتا ہے۔ امیدوار کو منتخب ہونے کی لیے ایک مقررہ ووٹ کا کوٹہ ضروری ہوگا۔ کوٹہ کا تعین حسب ذیل طریقے سے کیا جاتا ہے۔

ڈالے گئے ووٹوں کی جملہ تعداد

کوٹہ = ------------------------------ 1+

نشستوں کی تعداد 1 +

یہ ضابطہ ڈروپ کا ضابطہ (Droop Formula) بھی کہلاتا ہے۔ ووٹوں کی گنتی میں صرف پہلی ترجیح کو دیکھا جائے گا۔ اور ضروری کوٹہ حاصل کرنے والے امیدوار کو منتخب قرار دیا جائے گا۔ اگر پہلی ترجیح کی گنتی میں کسی کو بھی کوٹہ حاصل نہ ہو تو سب سے کم ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کو مقابلے سے خارج کیا جائے گا اور اس کے ووٹوں کو دوسری ترجیح کے باقی امیدواروں میں تقسیم کیا جائے گا۔ یہ عمل مطلوبہ اراکین کی تعداد کے منتخب ہونے تک جاری رہتا ہے۔ ووٹوں کو منتقل کرنے کا ایک اور طریقہ ہے۔ اگر کسی امیدوار کو زائد ووٹ ملے ہوں تو زائد ووٹ کو دوسرے امیدواروں میں دوسری ترجیح کے تناسب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ زائد ووٹوں کی منتقلی کا یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ مطلوبہ اراکین کی تعداد منتخب نہ ہو جائے۔

برطانیہ میں دارالعوام کے چار یونیورسٹی حلقوں کے اراکین کے انتخاب کی لیے تناسبی نمائندگی کے اس طریقے پر عمل ہوتا ہے۔ جنوبی آفریقہ میں سنیسٹ اور چند بلدیات کے انتخاب کی لیے اس طریقہ پر عمل ہوتا ہے۔ ہندوستان میں صدر جمہوریہ، نائب صدر، اراکین راجیہ سبھا اور ریاستوں کی قانون ساز کونسلوں کے اراکین کے انتخاب کی لیے یہی طریقہ اپنایا گیا ہے۔

فہرست کا طریقہ (List System)

تناسبی نمائندگی کی ایک اور شکل فہرست کا طریقہ یا (List System) ہے۔ یہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ محدود فہرست (Bound List) آزاد فہرست (Free List)۔ دونوں طریقے میں ہر سیاسی جماعت ہر حلقے کی لیے امیدواروں کی فہرست جاری کرتی ہے۔ رائے دہندہ جس فہرست کو چاہے ووٹ دے سکتا ہے۔ اس میں ہمہ رکنی حلقے ہوتے ہیں اور جتنے اراکین کو منتخب کرنا ہوتا ہے اتنے اراکین کو رائے دہندہ ووٹ دیتا ہے۔ ہر سیاسی جماعت پر کی جانے والی نشستوں کے برابر امیدواروں کی ایک فہرست تیار کرتی ہے اور رائے دہندہ فہرست کو اپنا ووٹ دیتا ہے۔ مختلف فہرستوں پر ڈالے گئے ووٹوں کی بنیاد پر مختلف سیاسی جماعتوں کو کوٹہ کی بنیاد پر نشستیں مختص کی جاتی ہیں۔

یہ طریقہ اقلیتوں کو نمائندگی کی ضمانت دیتا ہے لیکن اس میں خامی یہ ہے کہ اس میں ہمہ جماعتی نظام کی ہمت افزائی ہوتی ہے اور اس سے کابینی نظام حکومت متاثر ہوتا ہے اور اس وجہ سے مخلوط حکومتیں بنتی ہیں۔ یہ نظام پیچیدہ ہے، عام رائے دہندہ اسے سمجھ نہیں سکتا۔ اس میں انتخابی حلقے وسیع ہوتے ہیں جس کی وجہ سے عوام اور نمائندے کے درمیان راست تعلق کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

2۔ محدود ووٹ کا طریقہ (Limited Vote Plan): اس طریقے میں کم از کم تین نشستوں والے ہمہ رکنی حلقے ہوتے ہیں۔ ہر رائے دہندہ کو منتخب ہونے والی نمائندوں کی تعداد سے کم ووٹ دیے جاتے ہیں۔ اگر حلقہ سے چار امیدواروں کو منتخب کرنا ہو تو تین ووٹ دیے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں اقلیتوں کے انتخاب کو یقینی بنایا جاتا ہے۔ چونکہ کوئی بھی پارٹی تمام نشستوں کو حاصل کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔ یہ طریقہ بڑی اور بہتر منظم اقلیتوں کی نمائندگی کو ہی یقینی بناتا ہے۔ چھوٹی اقلیتوں کو اس سے فائدہ نہیں ہوتا۔

3۔ مجموعی طریقہ رائے دہی(Cumulative Voting): یہ طریقہ بھی ہمہ رکنی حلقوں میں کم از کم تین نشستوں کے ساتھ کام کرتا ہے۔ ہر رائے دہندہ کو منتخب کیے جانے والے تمام امیدواروں کو (جتنی نشستیں پر ہونی ہو) ووٹ دینے کے لیے کہا جاتا ہے۔ ووٹر تمام ووٹ کسی ایک امیدوار یا دو یا اس سے زیادہ امیدواروں کو ووٹ دے سکتا ہے۔ اس طریقے میں اقلیتیں تمام ووٹ اپنے امیدوار کو دیتے ہوئے اپنی نمائندگی کو یقینی بناتے ہیں۔

4۔ فرقہ وارانہ نمائندگی (Communal Representation) : برطانوی حکمرانی کے دوران ہندوستان میں فرقہ وارانہ نمائندگی کو رائج کیا گیا تھا۔ یہ دو طرح کی ہے:

(1) علاحدہ رائے دہندگان جہاں ہر فرقے کے رائے ہندے اپنے ہی فرقے کے امیدواروں کو ووٹ دیتے ہیں۔ مثلاً ہندو، ہندو امیدواروں کو اور مسلمان، مسلمان امیدواروں کو اور اسی طرح دیگر فرقے ووٹ دیتے ہیں۔

(2) مشترکہ رائے دہندگان میں نشستوں کے تحفظات ہوتے ہیں یعنی مشترکہ رائے دہندگان میں ذات یا مذہب کی بنیاد پر اقلیتوں کے لیے نشستیں محفوظ رکھی جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر دستور ہند کی دفعات 1033 اور 233 کے مطابق درج فہرست ذاتوں اور قبائل کے لیے لوک سبھا اور ریاستی اسمبلیوں میں نشستیں محفوظ کی گئی ہیں۔

فرقہ وارانہ نمائندگی کے حق میں دلائل کے باوجود اس میں کئی خامیاں ہیں۔ یہ طریقہ ملک کو کئی فرقہ وارانہ گروہوں میں تقسیم کرتا ہے۔ جس سے ایک دوسرے کے خلاف شبہات اور نفرت پیدا ہوتی ہے۔ لوگ قومی مفاد کو نظر انداز کرتے ہوئے فرقہ وارانہ خطوط پر سوچنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ اس طرح علاحدگی پسند رجحانات کی ہمت افزائی ہو سکتی ہے۔

18.9 دوسرے بیلیٹ کا طریقہ (The Second Ballot System)

یہ جمہوریت کا ایک اہم طریقہ انتخاب ہے جسے مکرر رائے دہی بھی کہا جاتا ہے۔ جس میں اگر انتخابی دوڑ میں دو سے زائد امیدوار ہوں اور ان میں سے کوئی بھی متعینہ اکثریت یا دو تہائی اکثریت حاصل نہ کرے تو سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے دو امیدواروں کے لیے پھر سے دوسری رائے دہی عمل میں لائی جاتی ہے اور باقی ماندہ امیدواروں کو انتخابی دوڑ سے علاحدہ کر دیا جاتا ہے اور دوسری رائے دہی میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والے امیدوار کو منتخبہ قرار دیا جاتا ہے ورنہ اس طریقے کی عدم موجودگی میں انتخابی دوڑ میں چالیس فیصد ووٹ حاصل کرنے والا امیدوار بھی منتخبہ قرار پاتا ہے۔ جب کہ ساٹھ فیصد رائے دہندے اس کے خلاف ہوتے ہیں لیکن یہ مختلف امیدواروں میں منتشر ہوتے ہیں۔ اس خامی کو دور کرنے کی لیے دوسری رائے دہی کا طریقہ بہترین ہے۔ لیکن اسے بہت زیادہ خرچیلہ اور وقت طلب سمجھ کر ترک کر دیا گیا ہے۔

18.10 متبادل یا موقتی ووٹ کا طریقہ (The Alternative or Contingent Vote System)

دوسرے بیلیٹ کے طریقے میں بھی کچھ خامیاں ہیں اور اس کو دور کرنے کی لیے متبادل رائے دہی کا طریقہ اپنایا گیا جسے ترجیحی ووٹ (Preferential) کا طریقہ کہا جاتا ہے اس میں رائے دہندہ انتخابی دوڑ میں موجود تمام امیدوار کو اپنا ترجیحی ووٹ دیتا ہے۔ رائے دہندہ

بیلیٹ پیپر پر چہ رائے دہی پر اپنی ترجیح کو بتا تا ہے۔ پہلی ترجیح میں اگر کسی بھی امیدوار کو درکار ووٹ حاصل نہ ہوں تو دوسری اور اس طرح تیسری یا چوتھی ترجیح کو گنا جاتا ہے۔ یہ عمل اس وقت تک جاری رہتا ہے تاوقتیکہ کسی امیدوار کو درکار ووٹ حاصل نہ ہو جائیں۔ ہندوستان میں صدر جمہوریہ کا انتخاب اسی طریقے سے ہوتا ہے۔

18.11 فعلیاتی پیشہ وارانہ نمائندگی نمائندگی (Functional Representation)

یہ نمائندگی کا دوسرا طریقہ ہے۔ یہ علاقائی یا جغرافیائی نمائندگی کے خلاف ایک احتجاج ہے۔ چند مفکرین علاقائی نمائندگی کے بجائے فعلیاتی نمائندگی پر زور دیتے ہیں۔ اس طریقہ میں نمائندوں کو پیشے کی بنیاد پر منتخب کیا جاتا ہے۔ ہر فرد اپنے پیشے سے متعلق امیدوار کو چنتا ہے۔ G.D.H. Cole اس کا اہم حامی تھا۔ علاقائی نمائندگی (Territorial Representation) میں مختلف پیشوں سے وابستہ افراد کو مناسب نمائندگی نہیں ملتی۔ اس لیے سماج کے مختلف طبقات جیسے کسان، تاجر، اساتذہ، پیداواری آجر وغیرہ کو بھی مقننہ میں نمائندگی کے لیے پیشہ وارانہ نمائندگی کی وکالت کی گئی۔ اگر ان طبقات کے نمائندوں کو نمائندگی دی جائے تو وہ اپنے پیشے اور طبقے کے مفادات کی بہتر نمائندگی کر سکیں گے۔

فرانسیسی انقلاب کے دوران Mirabeau نامی سیاست دان، مقننہ میں تمام طبقات کی نمائندگی کی لیے پیشہ وارانہ نمائندگی کو ضروری سمجھتا تھا۔ اسی طرح Abbe Sieyes بھی صنعتوں کی مقننہ میں نمائندگی کا حامی تھا۔ Von Mhoi نامی جرمن مفکر کے مطابق سماج کو پیشہ وارانہ خطوط پر تقسیم کیا جانا چاہیے۔ برطانوی مفکرین Sidney اور Beatricewebb تو دو طرح کی سیاسی اور سماجی پارلیمنٹ کی وکالت کرتے ہیں۔ سیاسی پارلیمنٹ میں علاقائی نمائندگی ہو اور سماجی پارلیمنٹ میں مختلف پیشہ وارانہ گروہوں کی نمائندگی ہو۔ امریکہ میں William Macdonald اور H.A. Overstreet پیشہ وارانہ نمائندگی کے زبردست حامی تھے۔

18.12 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے

- نمائندگی طریقہ کی ابتدا اور ارتقا کا مطالعہ کیا۔
- براہ راست انتخاب کا طریقہ، بالواسطہ انتخاب، واحد ممبر حلقہ انتخاب، کثیر ممبر حلقہ انتخاب کو جانا۔
- رائے دہی کے طریقے کو سمجھا۔
- نمائندگی کے مختلف طریقے کا مطالعہ کیا۔
- دوسرے بیلیٹ کے طریقے کو جانا۔
- متبادل یا موقتی ووٹ کا طریقہ کو جانا۔

18.13 کلیدی الفاظ (Keywords)

- Open Ballot : کھلی رائے شماری
- Secret Ballot : خفیہ رائے شماری
- تناسبی نمائندگی : اس طریقے کے ذریعے مملکت میں مختلف الرائے طبقات اور مفادات کو ان کے ووٹوں کی عددی طاقت کے تناسب سے نمائندگی دے سکتے ہیں
- وزنی ووٹنگ : اس نظام کے مطابق زیادہ تعلیم یافتہ، زیادہ ٹیکس دہندگان اور بزرگ افراد کو مستقل طور پر ان لوگوں کے خلاف کثرت رائے دہندگان کا حق دیا جاتا ہے جو غریب اور کم عمر ہیں

18.14 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

18.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کس پر مشتمل ہوتا ہے؟

(a)لوک سبھا پر (b)راجیہ سبھا پر (c)لوک سبھا اور راجیہ سبھا پر (d)لوک سبھا، راجیہ سبھا و صدر پر

2۔ کس حکومتی نظام میں انتظامیہ مقننہ کا حصّہ ہوتا ہے اور اسی کو جوابدہ ہوتا ہے؟

(a)صدارتی نظام میں (b)پارلیمانی نظام میں (c)وحدانی نظام میں (d) وفاقی نظام میں

3۔ آئین کے مطابق لوک سبھا کی زیادہ سے زیادہ کتنی نشستیں ہو سکتی ہیں؟

(a) 550 (b) 551 (c) 552 (d) 553

4۔ ہندوستانی پارلیمان کے ایوانوں کے دو اجلاس کے درمیان زیادہ سے زیادہ کتنے مدّت کا وقفہ ہو سکتا ہے؟

(a)دوماہ (b)چار ماہ (c) چھ ماہ (d)آٹھ ماہ

5۔ ایوان میں بل پاس ہونے کے لیے اس کو کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

(a) تین (b)پانچ (c)سات (d)نو

6۔ آئین کے کس دفعہ کے تحت کسی بل کو مالی بل قرار دیا جاتا ہے؟

(a) 110 (b) 111 (c) 112 (d) 113

7۔ کس بل کو صدر کی پیشگی اجازت کے ساتھ صرف اور صرف ایوانِ عام میں ہی پیش کیا جاسکتا ہے؟

(a)معاشی بل (b)مالیاتی بل (c)آئینی ترمیمی بل (d)عام بل

8۔اگر کمیٹی کو ایوان کے ذریعے مقرر یا منتخب کیا جاتا ہے یا اسپیکر یا چیئر مین کے ذریعے نامزد کیا جاتا ہے تو کمیٹی کو کہتے ہیں

(a)منتخب کمیٹی (b)عارضی کمیٹی (c)دائمی کمیٹی (d)پارلیمانی کمیٹی

9۔ریاستی حکومت کو کس فہرست کی موضوع پر قانون بنانے کا جُزوی حق حاصل ہے؟

(a)مرکزی فہرست (b)ریاستی فہرست (c)متفقہ فہرست (d)ذیلی فہرست

10۔کس اختیار کے تحت سپریم کورٹ بنیادی طور پر یونین کی مختلف ریاستوں کے اعلیٰ عدالتوں اور دیگر عدالتوں اور ٹریبونلز کے فیصلوں کے خلاف عرضی کی شنوائی کرتا ہے؟

(a)اصلی اختیار (b)مرافعتی اختیار (c)مشاوراتی اختیار (d)کامل اختیار

18.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ آج جمہوری حکومت کی جانب سے عام طور پر اختیار کردہ نمائندگی کے مختلف طریقوں پر ایک مضمون لکھیے۔

2۔ تناسبی نمائندگی سے کیا مراد ہے؟اس کی خوبیوں اور خامیوں کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3۔ اقلیتی نمائندگی کے مختلف طریقے کونسے ہیں؟ تفصیلی طور پر واضح کیجیے۔

4۔ ہیر سسٹم لسٹ سسٹم کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟واضح کیجیے۔

5۔ فرقہ وارانہ نمائندگی پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

18.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ براہ راست اور بالواسطہ انتخابات کے طریقے کو واضح کریں۔

2۔ پیشہ وارانہ نمائندگی کا تنقیدی جائزہ لیجیے۔

3۔ کثیر ممبر حلقہ انتخاب کے فوائد اور نقصانات بیان کیجیے۔

18.15 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. B. Chakravartyand R.K Pandey, (2008) Indian Government and Politics, Sage Publications, New Delhi

2. Peu Ghosh, (2017) Indian Government and Politics, PHI, Learning Private Limited, New Delhi

اکائی 19۔ انتخابات اور اس کے عوامل

(Elections and its Determinants)

اکائی کے اجزا

19.0	تمہید
19.1	مقاصد
19.2	رائے دہی کا رویہ
19.3	سیاسی عوامل
19.4	غیر سیاسی عوامل
19.5	دیگر عوامل
19.6	انتخابات میں لہریں
19.7	اکتسابی نتائج
19.8	کلیدی الفاظ
19.9	نمونہ امتحانی سوالات
19.10	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

19.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم انتخابات، اس کے عومل اور دیگر عوامل کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔

لوگ کیوں ووٹ دیتے ہیں؟ کیا ان کی ابتدائی شناخت اور ان کے ووٹ ڈالنے کے طریقہ کار کے مابین کسی قسم کا رشتہ ہے یا یہ صرف بیرونی عوامل ہیں جس کی وجہ سے وہ کسی خاص پارٹی یا امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں؟ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ بہت سے عوامل ایسے ہیں جو افراد کے ووٹنگ کے طرز عمل کا تعین کرتے ہیں جیسے سماجی، سیاسی، معاشی اور دیگر عوامل وغیرہ۔ بیشتر معاشروں میں جہاں روایات اور رسم ورواج کو بالادست رکھتے ہیں وہ گروہ یا قبیلہ خاندان کی شناخت کو ترجیح دیتے ہیں یا ابتدائی شناخت یہاں بنیادی شناختوں کا ایک اہم کردار ہے۔ لوگ اپنے مذہب، ذات اور نسلی گروہ کے مطابق ووٹ دیتے ہیں۔ لیکن ان معاشروں میں جہاں انفرادی شناخت برقرار ہے۔ معاشی عوامل جیسے عہدیدار کی کارکردگی سے پارٹی نظریہ میں فرق پڑتا ہے۔ متعدد عوامل کی فہرست دی گئی ہے جو رائے دہندگی کے طرز عمل کا مطالعہ کرنے میں مدد کرتے ہیں جو خود میں ایک بہت ہی پیچیدہ عمل ہے۔ ہندوستان کے ہر تازہ انتخابات ایک نئے تجربہ اور ایک نئے رجحان کو پیش کرتے ہیں۔

19.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کو مکمل کر لینے کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ

- انتخابی رجحان اور رائے دہی کے رویہ کو واضح کر سکیں۔
- پارلیمانی جمہوریت میں عوام کی دلچسپی اور ان کے سیاسی شعور کے متعلق معلومات حاصل کریں گے۔
- انتخابی طرز عمل کو متعین کرنے والے عوامل کا جائزہ لیں گے۔
- ووٹنگ کے طرز عمل کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔
- ہندوستانی سیاسی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں گے۔
- ہندوستان میں علاقائی سیاسی جماعتوں کی آمد سے جو تبدیلیاں رونما ہونگی اس کا جائزہ لیں گے۔
- سیاسی جماعتیں اب اپنے ووٹ بینکوں کے حوالے سے محفوظ نہیں ہیں اس کی وجہ سے ووٹنگ کے طرز عمل میں ابھرتے ہوئے رجحانات کا مطالعہ بہت ضروری ہے۔
- انتخابی رویہ کے مطالعہ سے سیاسی جماعتوں کی انتخابی پالیسیوں کو پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔
- انتخابی رویہ کے مطالعہ سے رائے دہندوں کے سیاسی شعور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
- سیاسی جماعتوں کی انتخابی پالیسیوں کو پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔

19.2 رائے دہی کا رویہ (Voting Behavior)

انتخابی طرز عمل کا مطالعہ علم سیاسیات میں جدید اضافہ ہے۔ ووٹنگ کے طرز عمل کے تعین کرنے والے ایسے سیاسی طرز عمل

موجود ہیں جو سیاسی سائنس کے ایک مخصوص مطالعہ کو "سیاسی طرز عمل" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ انتخابی رویہ کا مطالعہ انتخابات کے دوران عوامی ذہن اور اس پر اثرانداز ہونے والے عوامل کے مطالعہ پر مشتمل ہے۔ اس کے مطالعہ سے عوامی شعور، سیاسی جدیدیت (Political Modernization) اور سیاسی عمل سے دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ ٹکنالوجی کی ترقی نے اس مطالعہ کو آسان اور سائنٹفک بنادیاہے۔ انتخابات سے قبل سیاسی جماعتیں انتخابی اتحادات، حکمت عملی اور منصوبہ بندی کو اپناتے ہوئے رائے دہندوں پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ انتخابی مہم میں مختلف طریقے اپنائے جاتے ہیں۔ انتخابی مینی فیسٹو، سیاسی جماعتوں کے ذہن، پالیسیوں اور ان کی مستقبل کی منصوبہ بندی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ یہ سب باتیں رائے دہندے کے رویہ پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں اور امیدواروں کی جانب سے اپنائے جانے والے غیر قانونی طریقے اور دھاندلیاں بھی رائے دہی کے رویہ پر اثرانداز ہوتے ہیں۔ کئی عوامل ہیں جو رائے دہندگی کے طرز عمل کا مطالعہ کرنے میں مدد کرتے ہیں جو خود ایک بہت ہی پیچیدہ عمل ہے۔

انتخابی رویہ کا مطالعہ رائے دہی پر اثرانداز ہونے والے ان تمام طریقوں اور عوامل کا تجزیہ کرتا ہے۔ چنانچہ انتخابی رویہ کا مطالعہ پورے انتخابی عمل کا جائزہ ہے اور اس سے انتخابی نظام کو پاک وصاف بنانے میں مدد ملتی ہے۔ انتخابات سے قبل کیے جانے والے سروے بھی رائے دہندے کی رائے اور اثرانداز ہوتے ہیں۔ اسی لیے الیکشن کمیشن نے ماقبل انتخابات کیے جانے والے سروے رپورٹس کی میڈیا میں پیش کشی پر امتناع عائد کیاہے۔ الکٹرانک میڈیا Exit Poll یا سی ووٹر کے ذریعے انتخابات کے دوران ہی رائے دہندے کی رائے کو جاننے کے نئے طریقے کو استعمال کررہاہے۔ اس میں چنندہ پولنگ بوتھ پر ووٹ دے کر آنے والے رائے دہندوں سے ان کی رائے معلوم کی جاتی ہے اور اس بنیاد پر انتخابی نتیجے کے متعلق قیاس آرائی کی جاتی ہے۔

انتخابی رویہ کے مطالعہ سے سیاسی جماعتوں کے نظریات، ان کے انتخابی منشور اور ان کے پروگراموں اور عوامی رد عمل کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اس کے علاوہ سیاسی جماعتوں اور عوام کے باہمی تعلق اور قربت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ اسی طرح سیاسی جماعتوں کے نزدیک عوامی جذبات واحساسات اوران کے مسائل وتکالیف کو سمجھنے کے لیے کوئی میکانزم ہے یا نہیں، اس بات کو بھی رائے دہی کے رویہ سے جانا جاسکتاہے۔ اگر کسی سیاسی جماعت کو عوامی تائید حاصل ہو تو وہ اپنی سابقہ پالیسیوں اور پروگراموں کو جاری رکھ سکتی ہے، ورنہ اس پر نظر ثانی کرنا ضروری ہوگا۔ انتخابی رویہ کا مطالعہ حسب ذیل وجوہات کی بنیاد پر اہمیت کا حامل ہے۔

- اس سے رائے دہندوں کے سیاسی شعور کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
- اس سے عوام اور زعمائی میں جمہوری قدروں کی جانچ میں مدد ملتی ہے۔
- اس سے رائے دہی اور ووٹ کی اہمیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔
- اس سے سیاسی جماعتوں کی انتخابی پالیسیوں کو پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔
- اس سے قائم ہونے والی حکومت کے دستوری وقانونی جواز کو پرکھنے میں مدد ملتی ہے۔
- اس سے انتخابات کے بعد عوام کو اپنے رائے دہی کے عمل ورویہ میں ضروری تبدیلیاں لانے میں مدد ملتی ہے۔

اب ہم رائے دہی کے رویہ کو متعین کرنے والے مختلف عوامل کا جائزہ لیں گے۔

رائے دہی کے رویہ کو متعین کرنے والے عوامل کو ذیل کے جدول سے سمجھا جاسکتا ہے۔

19.3 سیاسی عوامل (Political Factors)

جماعتی نظریات (Party ideologies) : کوئی بھی سیاسی جماعت عوامی تائید و حمایت کے حصول کے لیے عوام کے سامنے اپنے نظریات، پالیسی اور پروگراموں کو پیش کرتے ہوئے ان سے اپنے حق میں رائے دہی کی اپیل کرتی ہے۔ تعلیم یافتہ باشعور رائے دہندے مختلف سیاسی جماعتوں کے انتخابی مینی فیسٹو انتخابی منشور کا جائزہ لیتے ہیں اور اپنی رائے کا تعین کرتے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں سیاسی جماعتیں الکٹرانک میڈیا کے ذریعے اپنی مہم چلاتے ہوئے رائے دہندوں کو متاثر کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔ ہندوستان میں بھی دوردرشن پر سیاسی جماعتوں کو اپنے انتخابی منشور، پروگراموں اور پالیسیوں کو پیش کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ لیکن ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک میں جہاں عوام کا سماجی و سیاسی شعور کم ہے نظریاتی بنیادوں پر رائے دہی کم ہی ہوتی ہے۔

(1) ابتدائی برسوں میں رائے دہندے کانگریس پارٹی کو اس کے نظریات کی بنیاد پر نہیں بلکہ شخصی و جماعتی بنیادوں پر ووٹ دیا کرتے تھے۔ بعد کے برسوں میں نہرو خاندان کا ورثہ کانگریس کو اقتدار دلاتا رہا ہے۔ صرف کمیونسٹ جماعتیں ہی ایسی جماعتیں ہیں جو نظریاتی بنیادوں پر ووٹ حاصل کرتی ہیں۔ بعد میں دیگر جماعتیں جیسے بی جے پی وغیرہ اپنے مخصوص نظریے و ذہن کو پیش کرتے ہوئے عوام سے ووٹ کی اپیل کرتی ہیں۔

(2) سیاسی جماعت (Political Parties): عوام رائے دہی کے وقت سیاسی جماعتوں کو بھی ملحوظ رکھتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے نظریے کے ساتھ ان کے کاموں، عوام میں ان کے اثر و مقبولیت اور اس سے اپنی وابستگی وغیرہ کی بنیاد پر ووٹ ڈالا جاتا ہے۔ ابتدائی برسوں میں لوک کانگریس پارٹی کو اس لیے ووٹ دیتے تھے چونکہ ان کے نزدیک یہ مہاتما گاندھی اور نہرو جیسے قائدین کی وہ جماعت تھی جس نے ملک کو آزادی دلائی تھی۔ کمیونسٹ جماعتیں اپنے دائرہ اثر کے علاقوں میں ہی کامیابیاں حاصل کرتی ہیں۔ بعض مرتبہ رائے دہندے نظریات اور امیدوار وغیرہ کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف ایک خاص جماعت کے لیے اپنا ووٹ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے بنگال میں سی پی آئی ایم، حیدرآباد میں مجلس اتحاد المسلمین، مہاراشٹرا کے چند علاقوں میں شیوسینا وغیرہ۔

(3) سیاسی جماعتیں عوام کو تازہ واقعات اور مسائل سے واقف کرواتی ہیں اور ان کی وضاحت کرتی ہیں اس طرح وہ شہریوں کو اپنی رائے بنانے میں مدد کرتی ہیں اور انہیں صحیح آگاہی کے قابل بناتی ہیں۔ انتخابات سے پہلے اپنی پالیسیوں کے لیے عوام کی تائید حاصل کرنے کے مقصد سے طوفانی مہم چلاتی اور پروپیگنڈہ کرتی ہیں۔ وہ رائے دہندگان پر اثر انداز ہونے کے لیے کئی پروپیگنڈہ حربے استعمال کرتی ہیں۔ تقاریر، لٹریچر اور عام پبلسٹی کے ذریعے وہ رائے دہندوں کو راغب کرتے ہوئے یہ بتانے کی کوشش کرتی ہیں کہ ان کی پالیسیاں ہی بہتر ہیں۔ بہر کیف سیاسی جماعتیں عوام کی رائے کی تشکیل میں ایک اہم رول ادا کرتی ہیں۔

امیدوار (Candidates) : ہندوستان کے انتخابات میں یہ بات زیادہ دیکھنے میں آئی ہے کہ رائے دہندوں پر سیاسی جماعت اور نظریات

سے زیادہ امیدوار کا اثر ہے۔ چنانچہ رائے دہندے ایک مخصوص امیدوار کو بار بار ووٹ ڈالتے دیکھے گئے ہیں، حالانکہ وہ امیدوار نئی پارٹی کے انتخابی نشان کے ساتھ عوام کے سامنے جاتا ہے۔ قومی سطح پر کئی ایک بڑے قائدین کو ہمیشہ ایک نئی جماعت کے ساتھ انتخاب جیتتے دیکھا گیا ہے، آندھرا پردیش میں جئے پال ریڈی، جنتا پارٹی، جنتادل کے ٹکٹ پر منتخب ہوتے رہے ہیں۔ لیکن وہ 1999ء کے انتخابات میں کانگریس کے ٹکٹ پر بھی لوک سبھا کے لیے منتخب ہوئے۔ اس طرح کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رائے دہندوں کے نزدیک امیدوار کی اہمیت زیادہ ہے چاہے وہ کسی جماعت کا کیوں نہ ہو، سیاسی جماعتیں بھی امیدواروں کو ٹکٹ دینے سے قبل اس کے دائرہ اثر، عوام سے اس کے تعلق اور ووٹ حاصل کرنے کی اس کی صلاحیت کو دیکھتی ہیں۔ اسی وجہ سے آزاد امیدوار بھی کثیر تعداد میں منتخب قرار ہوتے ہیں۔

رائے دہی کے رویہ میں امیدوار کی اس اہمیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ سیاسی جماعت اور نظریات کی اہمیت کم ہے۔

قیادت کا کرشمہ (Charismatic Leadership): ہندوستانی سیاسی نظام کی ایک اہم خصوصیت کرشماتی قیادت ہے۔ سیاسی جماعتیں ایک قائد کے ساتھ منسوب ہوتی ہیں اور اس کا کرشمہ اس سیاسی جماعت کو ووٹ دلاتا ہے۔ چنانچہ قائدین کی لہر کی بات انتخابات کے زمانے میں عموماً کی جاتی ہے۔ نہرو کا کرشمہ، اندرا گاندھی کی لہر عموماً سننے اور دیکھنے کو ملی ہے۔ علاقائی سیاسی جماعتوں کی بنیاد ہی کرشماتی قیادت پر ہے۔ چنانچہ آندھرا پردیش میں این ٹی راماراؤ کا کرشمہ اور جادوئی شخصیت تھی جو تلگو دیشم کو اقتدار دلائی۔ ان کے بعد ان کے داماد چندرا بابو نائیڈو کی حرکیاتی قیادت کا کرشمہ ہے کہ تلگو دیشم کو 1999ء کے انتخابات میں فتح حاصل ہوئی۔ 2009ء سے لے کر 2014ء تک چندرا شیکھر راؤ کی کرشماتی قیادت میں آندھرا پردیش ریاست سے 2 جون 2014ء کو علاحدہ تلنگانہ ریاست کا قیام عمل میں آیا۔ بہار میں لالو پرشاد یادو، ٹمل ناڈو میں ایم جی راچندرن اور جئے للیتا، مغربی بنگال میں جیوتی باسو وغیرہ کی کرشماتی قیادت رائے دہی کے رویہ پر اثر انداز ہوتی رہی ہے۔

انتخابی نشان (Election Symbol): انتخابی نشان امیدوار اور اس کی جماعت کی شناخت اور پہچان کے لیے ہوتا ہے۔ سیاسی جماعتیں اور امیدوار سبھی امتیازی قسم کے انتخابی نشان کو چنتے ہیں۔ ابتدا میں کانگریس کا انتخابی نشان گائے اور بچھڑا تھا جو ہندوستان کے کروڑوں دیہی وزرعی رائے دہندوں کے لیے جذباتی اپیل کی حیثیت رکھتا تھا۔ مسز اندرا گاندھی 1980ء میں جب اپنی علاحدہ سیاسی جماعت کانگریس آئی کا قیام عمل میں لائیں تو اپنے لیے ہاتھ کا نشان منتخب کیا۔ انہوں نے اپنی انتخابی تقاریر میں ہاتھ کے نشان کو مذہبی تقدس عطا کرتے ہوئے رائے دہندوں سے ووٹ کی اپیل بھی کی تھی۔ جنتا پارٹی نے اپنے نشان ہلدار کسان کے ذریعے زرعی عوام کو متاثر کرنے کی کوشش کی تھی۔ بی جے پی کا نشان کنول کا پھول مذہبی تقدس رکھتا ہے، جو رائے دہندوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ اس طرح انتخابی نشان بھی رائے دہی کے رویہ پر اثر انداز ہوتا ہے۔

حکمران جماعت کی کارکردگی (Performance of the Ruling Party): الیکشن ہونے سے ٹھیک پہلے سبھی سیاسی جماعتیں اپنا اپنا الیکشن مینیفسٹو (Election Manifesto) جاری کرتا ہے اور اس کے ذریعے یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کے اگر ہماری پارٹی اقتدار میں آتی ہے تو وہ اپنے manifesto میں کیے گئے واعدے کو ضرور پورا کریگی۔ خاص کر حکمران جماعت کے manifesto کو دھیان میں رکھتے

ہوئے ووٹرس اپنے ووٹوں کا استعمال کرتے ہیں۔

خیال پرستی (Ideology) بھی رائے دہی کے رویہ پر اثر ڈالتی ہے۔ سبھی جماعت کسی نہ کسی خیال پرستی سے مبنی ہوتی ہے۔ اور بیشتر یہ بھی دیکھا گیا ہے ووٹرس بھی خیال پرستی کی بنیاد پر بنٹے رہتے ہیں۔ اور جس کی جیسی خیال پرستی ہوتی ہے اسی کے مطابق وہ ووٹ ڈالتے ہیں۔ مثال کے طور پر آر-ایس-ایس (RSS, Rasthriya Swayamsevak Sangh) کے نظریہ کو ماننے والے Bhartiya Janta Party (BJP) کو ووٹ ڈالتے ہیں اسی طرح کمیونسٹ نظریہ سے پر اثر لوگ بھارتیہ کمیونسٹ پارٹی کو ووٹ ڈالتے ہیں۔ اس لیے رائے دہی رویہ میں خیال پرستی کا بھی ایک اہم رول ہوتا ہے۔

19.4 غیر سیاسی عوامل (Non-Political Factors)

غیر سیاسی عوامل میں سماجی، معاشی اور دیگر عوامل اہم ہیں۔

19.4.1 سماجی عوامل (Social Factors)

(1) خاندان (Family)

خاندان وہ بنیادی ادارہ ہے جو اپنے اراکین کے نظریات و خیالات کی تشکیل کرتا ہے۔ سیاسی شعور کے فروغ میں یہ اہم رول ادا کرتا ہے، جو بچوں میں رائے کی تشکیل پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بچے کے بنیادی رجحانات خاندان میں ہی تشکیل پاتے ہیں۔ فرد کی سیاسی شخصیت، تشکیلی برسوں کے دوران گھر پر ہی وضع ہوتی ہے۔ خصوصاً بچے والدین کی سیاسی فکر سے متاثر ہوتے ہیں۔ الکٹرانک میڈیا کے فروغ سے وہ گھر پر والدین و دیگر افراد خاندان کے ساتھ مختلف پروگرام بشمول خبریں دیکھتے اور سنتے ہیں اور ان پروگراموں پر افراد خاندان کے تبصروں کو سن کر اپنا ذہن بناتے ہیں۔ اس طرح گھر اور خاندان سیاسی بیداری کا پہلا ادارہ ہے۔ امریکہ میں ہر اسکولی بچہ اپنے آپ کو کسی نہ کسی جماعت کا حامی بتاتا ہے، جو دراصل اس کے گھر کے ذہن کی عکاسی ہے۔ ہندوستان میں عموماً رائے دہی کے رویہ پر خاندان اور خاندان کے بزرگوں کے بھاری اثر کو دیکھا گیا ہے۔ عموماً گھر کا بزرگ باپ کے یہ کسے ووٹ دیا جائے طے کرتا ہے اور گھر کے تمام افراد اسی کی ہدایت کے مطابق ووٹ دیتے ہیں۔ بیوی شوہر کی رائے اور بچے والد اور والدین کی رائے کے مطابق رائے دہی کرتے ہیں۔ اسی لیے سیاسی جماعتیں گھر گھر پہنچ کر سیاسی مہم چلانے کو اہم سمجھتی ہیں۔

(2) خونی رشتہ (Blood Relations)

عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک خونی رشتہ سے تعلق رکھنے والے لوگ عموماً ایک ہی جماعت یا امیدوار کو ووٹ دیتے ہیں۔ خصوصاً دیہاتوں میں، جہاں کنبہ اور قبیلہ کا نظام پختہ ہوتا ہے، تمام افراد ایک ہی طرز کے انتخابی رویہ کو اپناتے ہیں۔ اس لیے سیاسی جماعتیں یہ جاننے سے دلچسپی رکھتی ہیں کہ انہیں کسی پولنگ بوتھ یا کسی علاقے سے کتنے ووٹ ملے ہیں۔ اس دلچسپی کو ختم کرنے کے لیے الیکشن کمیشن نے اب ووٹوں کی گنتی سے قبل کسی حلقہ کے تمام ووٹوں کو اچھی طرح ملا لینے کے بعد گنتی کے طریقے کا آغاز کیا ہے۔

(3) ذات(Caste)

ہندوستان اور خصوصاً ہندو سماج میں ذات پات کا گہرا اثر ہے۔ ہندوستان میں تقریباً 6748 ذاتیں ہیں۔ سیاسی شعور اور بیداری میں اضافہ کے باوجود ابھی ہمارا سیاسی نظام ذات پات کے اثرات سے آزاد نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ سیاسی جماعتیں امیدوار کو اپنا انتخابی ٹکٹ دینے سے قبل اس کی ذات اور کسی حلقہ میں اس ذات کی آبادی کا تناسب دیکھتی ہیں۔

ذات لوگوں کو جوڑتی اور انہیں ایک گروہ بنا کر قوت اور طاقت عطا کرتی ہے۔ رجنی کوٹھاری نے کہا کہ ”ہندوستانی سیاست کو ذات پات کا رنگ دیا گیا ہے اور ذات کو سیاسی بنایا گیا ہے۔“ اس لیے ہندوستان میں ذات اور سیاست ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ چونکہ سماج کی ساخت خود ذات پات کی ہے۔ اس لیے رائے دہندے فطری طور پر اپنی ذات میں یقین رکھتے ہیں۔

(4) مذہب(Religion)

اگرچہ کہ مملکت ہندوستان کا کوئی مذہب نہیں ہے، لیکن ہندوستان کی آبادی مذہبی ہے جو ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی وغیرہ میں منقسم ہے۔ آزادی سے قبل انگریزوں نے بعض مذہبی طبقات کے لیے علاحدہ رائے دہی رکھی تھی۔ لیکن آزادی کے بعد ایسی تقسیم کو ختم کر دیا گیا۔ اس کے باوجود ہندوستان کی آبادی مذہبی خطوط پر منقسم ہے۔ بعض سیاسی جماعتیں ایسی ہیں جن پر مذہب کا گہرا اثر ہے اور سیکولر کہلانے والی جماعتیں بھی انتخابات کے دوران مختلف مذہبی طبقات کو لبھانے کے لیے مختلف طریقے اپناتی ہیں اور خصوصا پالیسیوں و پروگراموں کو پیش کرتی ہیں۔ اس طرح سیاسی جماعتیں ووٹ بینک کی سیاست پر گامزن ہوتی ہیں۔ دوسری طرف رائے دہندے بھی سیاسی جماعتوں کی مذہبی پالیسی اور مذہب سے ان کے تعلق کو دیکھتے ہوئے رائے دہی کرتے ہیں۔ اسی لیے ہندوستان کی سیاست کو فرقہ وارانہ سیاست کہا جاسکتا ہے۔ آج سیکولر لفظ نظر اور قوم پرستانہ تصورات کے ساتھ کوئی بھی جماعت انتخابی میدان میں نہیں اترتی۔

(5) علاقہ واریت(Regionalism)

علاقہ واریت سے مراد کل ملک کے مقابلہ میں کسی مخصوص علاقہ یا ریاست سے شدید لگاؤ یا محبت کرنا ہے۔ ہندوستان میں اس سے مراد انتام مرکز گریز رجحانات وعناصر کا اجتماع ہے جو مرکزیت اور قومیت سے دور بھاگتے ہیں۔ ہندوستان میں علاقہ واریت سیاسی انضمام کا ایک ضمنی عمل ہے۔ یہ ان ماقبل عناصر کا اظہار ہے جنہیں قومی نظام حکومت اور قومی کلچر میں کھل کر ظاہر ہونے کا موقع نہیں مل سکا اور چوں کہ یہ جدید نظام حکومت کی مرکزیت سے خارج شدہ ہیں، لہٰذا سیاسی بے چینی اور سیاسی علاحدگی میں ان کا اظہار ہوتا ہے۔ اس میں وہ قوتیں بھی شامل ہوسکتی ہیں جنہیں سماج کی مرکز گریز طاقتیں اپنے میں جذب کرنے میں ناکام رہی ہیں۔

علاقہ واریت کا جذبہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ حکمران جماعت کسی مخصوص علاقہ کی ترقی کو نظر انداز کردے یا جب کسی علاقہ کے عوام اس سے آگاہ ہوجاتے ہیں کہ ان کے ساتھ ان کی سیاسی پسماندگی کی وجہ سے امتیازی سلوک کیا جارہا ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ بے اصول قائدین کی ایک جماعت ایک مخصوص علاقہ یا عوام پر اپنی گرفت کو قائم رکھنے کے لیے علاقہ واریت کے جذبات کو بھڑکاتے ہیں۔ اس طرح ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علاقہ واریت ایک ہمہ رخی اور ملی جلی کیفیت ہے۔ جب خود کسی علاقہ کے اندر ایک مخصوص

رقبہ یا خطہ کو ترقی دی جاتی ہے اور دوسرے خطہ سے لاپرواہی برتی جاتی ہے تو اس وقت بھی علاقہ واریت کے جذبات بہت شدید ہو جاتے ہیں۔ہندوستان میں علاقہ واریت نے کئی روپ اختیار کیے ہیں جیسے انڈین یونین سے علاحدگی، چنانچہ علاحدہ تاملناڈو، خالصتان، میزورم اور ناگاہوم لینڈ کا مطالبہ کیا گیا۔ڈی ایم کے نے پہلی مرتبہ 1960ء میں ایک آزاد مقتدرِ اعلیٰ مملکت کا نعرہ بلند کیا تھا۔

ہندوستان میں عوام عام وقتوں اور حالات میں علاقائی اور ذیلی علاقائی خطوط پر سوچتے ہیں، جس کی وجہ سے علاقائی جماعتیں اور علاقائی و ذیلی علاقائی احتجاجی تحریکیں اپنا اثر رکھتی ہیں۔ گورکھا نیشنل لبریشن فرنٹ، علاحدہ تلنگانہ، علاحدہ ودربھا، علاحدہ بندیل کھنڈ وغیرہ کی آوازیں وقتاً فوقتاً اٹھتی رہتی ہیں۔ خصوصاً علاقائی جماعتیں قومی سے زیادہ علاقائی مسائل کو اہمیت دیتی ہیں اور اس بنیاد پر عوام سے ووٹ مانگتی ہیں۔ عوام علاقائی محبت میں سرشار ہو کر علاقائی جماعتوں اور تحریکوں سے وابستہ ہو کر ان کے لیے رائے دہی کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اب قومی جماعتیں بھی علاقائی جماعتوں سے تال میل اور انتخابی اتحاد کے ذریعے اپنے آپ کو کسی علاقہ میں باقی رکھنے کی فکر کر رہی ہیں۔ اس طرح رائے دہی کے رویے میں علاقائی جذبات ایک اہم عامل ہے۔

(6) زبان(Language)

1956ء میں زبان کی بنیادوں پر ریاستوں کی تشکیل اور اس کے بعد مزید چند ایک علاقوں کا زبان کی بنیاد پر علاحدہ ریاست کے قیام کا مطالبہ، ہندوستانی سماج و سیاست میں زبان کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں۔ہندوستان میں لسانی قوم پرستی ایک اہم سیاسی عمل ہے۔ آسامی زبان بولنے والے اور غیر آسامی زبان بولنے والے، اسی طرح بنگالی، مرہٹی وغیرہ بولنے والوں اور نہیں بولنے والوں کے درمیان امتیاز پرانی بات ہے۔کسی خاص زبان سے تعصب کی شکایات بھی عام ہیں۔ اگرچہ کہ دستور ہند نے 18 ہندوستانی زبانوں کو تسلیم شدہ زبانیں قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود تمام زبانوں کو یکساں موقف اور سہولتیں حاصل نہیں ہیں۔ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا مطالبہ کئی ریاستوں میں کیا جا رہا ہے اور جہاں یہ دوسری سرکاری زبان پہلے سے ہے اس کے ساتھ ناانصافی کی شکایتیں ہیں۔اس لیے مسلمان اردو زبان کے تحفظ اور ترقی کا مطالبہ کرتے ہیں۔اسی طرح کونکنی، نیپالی وغیرہ زبان بولنے والے اپنی اپنی زبان کی ترقی کا مطالبہ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ لسانی بنیاد پر ان کے لیے ایک علاحدہ ریاست بنائی جائے۔ سیاسی جماعتیں انتخابات کے وقت لسانی جذبات کا استحصال کرتی ہیں جیسے کرناٹک کے ضلع بلگام میں مرہٹی بولنے والے عوام کا استحصال کیا گیا اور زبان کی بنیاد پر ووٹ دینے کے لیے عوام سے کہا جاتا رہا ہے۔ آندھرا پردیش میں 1982ء میں تلگو دیشم پارٹی چھ کروڑ تلگو عوام کے عزتِ نفس اور تلگو تہذیب و تمدن کے بے حیائی کے نام پر انتخابی مہم چلائی تھی۔ اس طرح رائے دہندہ زبان کی وابستگی کو بعض وقت اہمیت دیتے ہوئے اپنا ووٹ استعمال کرتا ہے۔

شخصیت(Personality) : کریشمائی لیڈرسپ بھی رائے دہی کے رویہ کے کو بھی پر اثر انداز طریقے سے اثر ڈالتی ہے۔ اس کی بہترین مثال ہے پنڈت جواہر لال نہرو، اندرا گاندھی، راجیو گاندھی، اٹل بہاری واجپئی اور ابھی موجودہ دور میں شری نریندر مودی وٹرس کو ووٹ ڈالنے کے لیے اپنے کریشمائی لیڈرسپ سے لوگوں کو کافی حد تک متاثر کرتے رہتے ہیں۔

19.4.2 معاشی عوامل (Economic Factors)

ہندوستانی سماج کی معاشی ساخت، خصوصاً معاشی عدم مساوات اور آبادی کی امیر وغریب کی معاشی تقسیم رائے دہی کے رویہ میں بہ آسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ یہ دیکھا گیاہے کہ اعلیٰ آمدنی والے طبقات سیدھے بازو کا ووٹ بینک ہوتے ہیں۔ جیسے بی جے پی کا ووٹ بینک اقلیتیں اور سماج کے کمزور طبقات نہیں بلکہ دولتمند اور کاروباری طبقہ ہے۔ اسی طرح کمیونسٹ جماعتوں کو زیادہ کمزور طبقات کے ووٹ ملتے ہیں۔ چنانچہ رائے دہندے کی آمدنی اور جائیداد رائے دہی میں بڑا رول ادا کرتے ہیں۔

(1) تعلیم اور آمدنی (Education and Income):۔ ہندوستان کے زیادہ تر رائے دہندے غریب اور ناخواندہ ہیں اس بنیادی شناخت کی وجہ سے پیسے کی طاقت سے ووٹنگ کے طرز عمل میں زیادہ فرق پڑتا ہے۔ متوسط طبقہ یااعلیٰ متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے لوگ عام طور پر امیدواروں اور ان کی پارٹی کارکردگی پر یقین رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ لوگ یہ نہیں دیکھتے کہ وہ کس ذات یا مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ انتخابات میں روپیہ پیسہ بہت اہم کردار ادا کرتا ہے کیونکہ سیاسی جماعتیں، انتخابی سال کے دوران عام طور پر ووٹرس کو مالی امداد فراہم کرتے ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے لیے یہ آسان ہوجاتا ہے کہ وہ ناخواندہ ووٹروں کو حقائق تلاش کرنے کے بجائے، سیاسی جماعت کی بیان بازیوں پر یقین کرواتے ہیں۔ مغربی جمہوریتوں میں تعلیم یافتہ لوگ عام طور پر مسائل اور پارٹی موقف کو مدنظر رکھتے ہوئے ووٹ دیتے ہیں جو ہندوستان میں زیادہ نہیں دیکھا جاتا ہے۔ انتخابات کو ہندوستان میں ایک تہوار جیسا منایا جاتا ہے۔ اس تہوار میں سیاسی پارٹیاں انتخابی مہم چلاتی ہیں اور لوگوں پر ان کے جلسوں میں شرکت کرنے کے لیے بھاری رقم خرچ کرتی ہیں۔ اعلیٰ آمدنی والے گروپوں اور اعلیٰ طبقے اشرافیہ سے تعلق رکھنے والے افراد مایوسی کا شکار ہوگئے ہیں۔ جس کی وجہ سے غریب اور ناخواندہ افراد میں ووٹروں کی تعداد زیادہ ہے جو ہر طرح کے فتنوں کے لیے کھلا ہے۔

(2) عمر اور جنس (Age and Gender): عمر اور جنس یہ دو عوامل نئے ہیں۔ حالیہ تحقیق میں یہ ثابت ہوا ہے کہ مختلف عمر کے گروپ سے تعلق رکھنے والے افراد کو اقتدار میں سیاسی جماعت سے مختلف توقعات وابستہ ہیں۔ 18 سے 25 سال کی عمر کے افراد تعلیم اور روزگار کے معاملے میں سوچتے ہیں۔ نوجوان، نوعمر رائے دہندوں کا رائے دہی کا رویہ یکساں نہیں بلکہ مختلف ہوتا ہے اور وہ مختلف جماعتوں کو ووٹ دیتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی انتخابات میں اقتدار میں شامل سیاسی جماعتیں روزگار پیدا کرنے کے لیے نئی اسکیموں کے ساتھ نکلنے کی کوشش کرتی ہیں اور تعلیم کے اخراجات کو کم کردیتی ہے تاکہ تعلیم سب کے لیے عام ہوجائے۔ اسی سلسلے میں سیاسی جماعتوں نے فیسوں میں کمی کی تاکہ معاشی طور پر پسماندہ افراد بھی تعلیم حاصل کریں۔ 21 اور اس سے اوپر کے گروپ نوجوان جماعتوں سے ووٹ حاصل کرنے کے لیے سیاسی جماعتیں نوجوان امیدواروں کو وقت پر میدان میں اتارتی ہیں۔ مثال کے طور پر نوجوانوں نے 1984ء میں راجیو گاندھی کو اپنے نوجوان قائد کے ساتھ لگاؤ کی وجہ سے ووٹ دیا تھا۔ قدیم زمانے میں خواتین کو ہمیشہ اپنے گھر والے مرد ممبر کی خواہش کے مطابق ووٹ ڈالنے کی تربیت دی جاتی تھی یہ واقعہ وسیع وعریض پھیل گیا تھا۔ جس میں اس خاندان کے بڑے بزرگ پورے گھر والوں کا فیصلہ کرتے تھے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ بوڑھی عمر کے رائے دہندے یکساں نوعیت کی رائے دہی کرتے ہیں یعنی وہ اسی جماعت کو ووٹ دیتے ہیں جسے وہ سابقہ میں

دیے تھے۔ اس طرح بڑی عمر کے رائے دہندے سیدھے بازو کی جماعتوں کو ووٹ دیتے ہیں۔ رائے دہی کے رویہ میں جنس کا عنصر بھی دیکھا گیا ہے جس میں خواتین نہ صرف بڑی تعداد میں اپنا حق رائے دہی استعمال کرنے کے لیے آرہے ہیں بلکہ وہ امیدواروں کو ووٹ دینے سے پہلے اس کی جانچ کرنے میں بھی دلچسپی لے رہے ہیں۔ جیسے اکثر مسز اندرا گاندھی کے حق میں ووٹ دیا کرتی تھیں۔ خواتین آبادی کا تقریباً نصف سے زیادہ ہیں۔ اس لیے ان کی رائے بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ سیاسی جماعتیں خواتین کو اپنے سے قریب کرنے کی پالیسیاں بناتی ہیں۔ آندھرا پردیش میں تلگو دیشم پارٹی 1983ء اور 1985ء میں خواتین کی حمایت کے نتیجے میں ہی اقتدار میں آئی تھی۔ پانی کی قلت اور روزانہ کی اجرت میں کمی جیسے امور کا براہ راست اثر ہمارے ملک کی خواتین پر راست پڑتا ہے۔ چنانچہ اب ہر سیاسی جماعت ہر طرح کے عمر کے لوگوں کو دھیان میں رکھتی ہے۔ راجستھان اور گجرات کے مختلف علاقوں میں خواتین امیدواروں نے ان لوگوں کو ووٹ دیا جنھوں نے پانی کی قلت کو دور کرنے اور وافر مقدار میں پانی سربراہ کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ ان علاقوں میں خواتین، پانی حاصل کرنے کے لیے 6 تا 7 کلو میٹر کا پیدل سفر کرتی تھیں۔ خواتین کے حقوق اور مفادات سے متعلق امور بھی پارٹی منشور میں جگہ تلاش کرتی ہیں۔ خواتین کے لیے 33٪ محفوظ نشستیں ایک ایسا ہی مسئلہ ہے۔ جس نے پارٹی خطوط کو کم کیا ہے اور ہمارے ملک میں تمام خواتین اراکین پارلیمنٹ کو متحد کر دیا ہے۔

19.5 دیگر عوامل (Other Factors)

(1) دیہی یا شہری (Rural or Urban)

رائے دہی کے رویہ میں رائے دہندہ کی سکونت شہری دیہی بھی اہمیت کی حامل ہے۔ شہری رائے دہندوں کے مقابلے میں دیہی علاقوں میں رائے دہی زیادہ دیکھی گئی ہے۔ یہ دیکھا گیا ہے کہ شہری رائے دہندے اپنے برتر سیاسی شعور کے نتیجے میں غیر حکمراں اور اپوزیشن جماعتوں کو ووٹ دیتے ہیں۔ دہلی اس کی ایک مثال ہے ۔ جہاں رائے دہندوں کو حکمران جماعت کے خلاف ووٹ دیتے دیکھا گیا ہے۔ دیہی رائے دہندے عموماً حکمراں جماعت کے حق میں ووٹ دیتے ہیں۔

(2) رائے دہندوں کا بہاؤ (Floating Voters)

مضبوط پارٹی پہچان دہندگان میں کمی کے ساتھ تیرنے والے ووٹروں یا ''سوئچرز Switchers'' کے نام سے پکارتے ہوئے ان کی تعداد میں یکساں اضافہ ہوا ہے۔ ان آزاد رائے دہندگان کی پارٹی وفاداری نہیں ہے۔ ان میں زیادہ تر نوجوان مرد اور خواتین ہیں جو تعلیم یافتہ متوسط طبقے سے آتے ہیں ان کی تائید و حمایت کو ایک پارٹی سے دوسری پارٹی میں منتقل کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ اگر انہیں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پچھلے انتخابات میں جس پارٹی کو ووٹ دیا تھا وہ ان کے توقعات کے مطابق نہیں ہے تو وہ متبادل سیاسی آب و ہوا یا لہر پیدا کرتے ہیں۔ ہر پانچ سال بعد رائے دہندگان یہاں داخل ہونے والے بے حد ووٹر اور بڑی تعداد میں نوجوان ووٹر اکثر ''سوئچرس Switchers'' میں شامل ہو جاتے ہیں اور انتخابی نتائج کا فیصلہ کن عنصر ثابت ہوتے ہیں۔

(3) مقامی مسائل (Local Issues)

مقامی مسائل چاہے وہ سیاسی، سماجی، معاشی یا مذہبی ہوں۔ انتخابات کے وقت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ رائے دہندگان توقع کرتے ہیں کہ وہ اپنے امیدواروں سے مقامی مسائل حل کرائیں گے اور مختلف امور پر فریقین کے موقف کے مطابق لوگ کسی خاص امیدوار کو ووٹ دینے کا فیصلہ کرتے ہیں۔ شمال مشرق میں جن سیاسی جماعتوں نے بنگلہ دیش سے پناہ گزینوں کے لیے زمین حاصل کرنے یا قبائیلی بہبود کے معاملات حل کیا وہ بی جے پی یا کانگریس جیسی قومی جماعتوں کے بجائے انتخابات میں علاقائی جماعتوں کو جیت حاصل ہوئی کیونکہ انہوں نے یہاں کے مقامی مسائل کو حل کیا۔ مثلاً آسام میں (AsomGana Parishad) AGP آسام گناپریشد، آندھرا پردیش میں TDP (Telgu Desam Party)، پنجاب میں اکالی دل وغیرہ جیسی جماعتیں مقبول ہیں کیونکہ یہ مقامی سیاسی جماعتیں ہیں جو مقامی معاملات کو قابل حد تک حل کرنے کی بہتر کوشش کرتی ہیں بر خلاف کسی قومی سیاسی جماعت کے۔

19.6 انتخابات میں لہریں (Wave in Elections)

ہندوستانی رائے دہندگان نے آزادی کے بعد ہی اپنا حق رائے دہی کا استعمال کیا ہے۔ آزادی کے بعد پہلے عام انتخابات 52 - 1951 عیسوی میں ہوئے جس میں کانگریس کو 3 / 2 اکثریت حاصل ہوئی قومی اور ریاستی سطح پر زیادہ تر آزادی پسند وہ لوگ جنہوں نے قوم کے لیے لڑتے ہوئے اپنی جان اور اپنے قبیلے کی قربانی دی تھی۔ عوام نے انہیں اقتدار میں لانے کے لیے اپنے ووٹ کا استعمال کیا۔ جواہر لال نہرو پہلے وزیر اعظم بنے اور ان کی کابینہ (Stalwarts) اسٹالوارٹس پر مشتمل تھی جو ترقی اور خد انحصاری پر یقین رکھتے تھے۔ لوگوں نے انہیں پورے دل سے ووٹ دیا۔ کیوں کہ وہ ان لوگوں کی کارکردگی پر یقین رکھتے تھے جنہوں نے ہندوستان میں برطانوی طاقتور حکمرانی کو ختم کر دیا تھا۔ یہ رجحان دوسرے انتخابات میں بھی جاری رہا۔ اگرچہ ہندوستان کو خشک سالی اور 3 فیصد سے بھی کم اقتصادی ترقی کا سامنا کرنا پڑا۔ لوگ کانگریس اور اس کی طاقت کو عام لوگوں کے معیاری زندگی کو بہترین میں تبدیل کرنے میں یقین رکھتے تھے۔۔ یہ سلسلہ جاری رہا پہلے تین عام انتخابات میں جس میں کانگریس کو لوک سبھا میں آسانی 3 / 2 اکثریت حاصل ہوگئی ہے اور بیشتر ریاستوں میں حکومت تشکیل دی گئی۔ لیکن 1962 کی جنگ (انڈو چائینہ وار) اور ہندوستان کی شکست کے ساتھ ہی منظر نامہ بدل گیا۔ نہرو اپنی خارجہ پالیسی کو برقرار نہیں رکھ سکے اور 1964 میں ان کی موت ہوگئی۔ کانگریس نے ایک غیر متنازعہ امیدوار لال بہادر شاستری کو منتخب کیا۔ کانگریس کے پرانے اراکین نے مرارجی دیسائی کے برعکس شاستری کو آسانی سے کنٹرول کر سکتے ہیں۔ تاکہ M.P آسانی سے مقننہ کا رکن بن سکیں۔ 1965 کی جنگ اور تاشقند معاہدے سے دیکھنے میں آیا کہ شاستری کا کانگریس کی پالیسیاں کو موئثر انداز سے تبدیل کریں گے۔ لیکن افسوس وہ زیادہ دن زندہ نہ رہ سکے۔ شاستری کی موت کے ساتھ کانگریس پارٹی کے محافظ چاہتے تھے کے کوئی ایسا شخص آیئے جس پر وہ آسانی سے قابو پا سکے جو پارٹ کو کافی ووٹ حاصل کرا سکے۔ مسز اندرا گاندھی نے بل کو فٹ کیا دیگر امیدوار کے مقابلے میں وہ نئی تھی جس کی کانگریس کو ضرورت تھی وہ نہرو کی بیٹی تھی اور گاندھی خاندان سے تعلق رکھتی تھیں۔ لوگوں نے کانگریس کو ووٹ دیا کیونکہ انہیں یقین ہے کہ نہرو اوران کے چاہنے

والوں کے لیے ان کا فرض ہے۔ جس نے ہندوستان کی آزادی کے لیے سخت جدوجہد کی۔ بہت سے رائے دہندگان نہرو اور ان کے خاندان کے کسی فرد کو ووٹ ڈالنا اور اقتدار میں لانا ایک مقدس فرض کے طور پر دیکھتے تھے۔ اقتدار میں آنے کے بعد مسز اندرا گاندھی کے پرانی کانگریس اراکین سے اختلافات ہو گئے۔ 1967ء تک ہندوستان میں بھی سیاسی منظر نامہ تبدیل ہو چکا تھا۔ علاقائی پارٹیاں جیسے اکالی دل، ڈی۔ ایم۔کے طاقتور بنتی جا رہی تھی۔ جب پارٹی میں اختلاف ہوئے تو کانگریس کا ریاستی حکومتوں پر سے کنٹرول ختم ہو گیا۔ اگرچہ کانگریس کو مرکز میں اکثریت حاصل رہی۔ 1969ء میں کانگریس میں پھوٹ پڑ گئی پارٹی کو ایک بار پھر شدید دھکا لگا۔ مسز اندرا گاندھی بنگلہ دیش کی جنگ آزادی کی وجہ سے بے حد مقبول ہو گئی تھیں انہوں نے 1971ء کے عام انتخابات میں مقننہ میں اکثریت حاصل کی تھی اس کو "اندرا لہر " کے نام سے جانا جاتا تھا جو بنیادی طور پر مسز اندرا گاندھی کے ساتھ پارٹی کے پرانے عمل سے انکار اور ان کے غریبی ہٹاو کے نعرے پر ووٹروں کی شناخت پر مبنی تھا۔ لیکن مسز گاندھی نے 1975ء میں ایمرجینسی نافذ کر دی۔ 1977ء میں ایک دوسری لہر آئی "جنتا لہر" جو مسز گاندھی کے خلاف لوگوں میں بڑے پیمانے پر ناراز گی پر مبنی تھی 1980ء کی تیسری لہر پھر سے "اندرا لہر تھی یہ ان کی شخصیت کی طاقت اور جنتا پارٹی کی ناکامی سے موشر انداز لوگوں کی ناگواری کی وجہ سے ممکن ہوا۔ دسمبر 1984ء میں ملک نے اندرا گاندھی کا قتل راجیو گاندھی کے لیے "مثبت لہر" اور قومی حزب اختلاف کے خلاف "منفی لہر" لے کر آئی۔ وہ معاملہ جس نے راجیو گاندھی کے حق میں رائے دہندگان کی ساری قسمیں کھو دیں۔ 1989ء میں اپوزیشن اور نیشنل فرنٹ میں ہونے والی 'بوفورس اسکینڈل' کی وجہ سے راجیو گاندھی اپنی صاف ستھری تصویر کھو بیٹھے۔

مختلف اپوزیشن جماعتوں کا آغاز، اتحادی طبقے کے افراد اور نوجوان طلبہ غیر مطمئن ہو گئے۔ کیونکہ وی پی سنگھ تحفظات سے متعلق منڈل کمیشن کی رپورٹ کو نافذ کرنا چاہتے ہیں۔ لال کرشن آڈوانی کی گرفتاری کے ساتھ ہی بہت بڑا تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ آڈوانی (بی جے پی) بھارت بھر میں اپنی یاترا کے دوران حمایت واپس لے لیے اور حکومت گر گئی۔ انتخابات کا اعلان کیا گیا تھا اور اس نے انتخابات کے دوران تامل ناڈو میں LTTE کے ذریعے راجیو گاندھی کے قتل نے، کانگریس کے حق میں ایک بار پھر ہمدردی کی لہر دوڑا دی۔ کانگریس نے وی پی نرسمہا راؤ کے تحت اقلیتی حکومت تشکیل دی۔ 1996ء میں ہونے والے انتخاباتیں کسی ایک جماعت کو واضح اکثریت حاصل نہیں تھی۔ بی جے پی کو 13 دن کی حکمرانی کے بعد اقتدار سے بے دخل کرنے کے بعد متحدہ جماعت کے بینر کے تحت سیاسی جماعتوں کے ایک ماہر نے حکومت تشکیل دی۔ متحدہ محاذ بھی 13 جماعتوں کا مجموعہ پوری مدت تک برقرار نہیں رکھ سکا۔ وزیر اعظم میں دو تبدیلیاں اور کانگریس سے حمایت واپس لینے کی دھمکی کے نتیجے میں آخر کار حکومت گھٹنے کے بل کھڑا کر دیا۔ انتخابات کا اعلان کیا گیا 1998ء میں بی جے پی واحد سب سے بڑی پارٹی کے طور پر ابھری لیکن حکومت بنانے کے لیے دوسری جماعتوں کی حمایت کی ضرورت تھی۔ لوگ کانگریس سے عدم مطمئن نہیں تھے اور انہوں نے متبادل کے معاملے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ علاقائی پارٹی او BSP, RJD, BJD, NF, AIDMK , DMK, TDP اور SP طاقتور ہو گئیں۔ ان جماعتوں نے کئی ریاستوں میں حکومت بنائی تھی۔ مرکز میں بھی ان میں سے بہت ساری علاقائی پارٹیوں کی مدد سے بی جے پی حکومت تشکیل دی لیکن اس کے بعد AIDMK کی حمایت واپس لے لی گئی اور انتخابات کا اعلان کر دیا گیا۔ بی جے پی

واحد سب سے بڑی پارٹی بن کر ابھری لیکن اس نے قومی جمہوری اتحاد کے بینر تلے حکومت تشکیل دی 1999ء میں منعقد تیرہویں لوک سبھا انتخابات ہندوستان کی جمہوری تاریخ کے سب سے غیر واضح انتخابات تھے۔ منتشر رائے دہی کے نتیجے میں بی جے پی 184 نشستوں کے ساتھ لوک سبھا میں سب سے بڑی پارٹی بنی اور NDA نے متحدہ طور پر 298 نشستیں حاصل کیں۔ اپریل مئی 2004ء میں منعقدہ 14 ویں پارلیمنٹ کے عام انتخابات میں NDA حاصل ووٹوں کے فیصد کے مقابلے میں کانگریس اور اتحادیوں کو حاصل نشستیں زیادہ تھی اس لیے وہ حکومت کے بنانے کے موقف میں آ گئے اور حکومت تشکیل دی۔ 2009ء میں 15 ویں لوک سبھا انتخابات میں INC کو زیادہ نشستیں حاصل ہوئی۔ اس کے بر حلاف بی جے پی کو کم نشستیں حاصل ہوئیں۔ 2014ء میں 16 ویں لوک سبھا انتخابات میں کو ہار کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح بی جے پی کو اکثریت حاصل ہوئی۔ اس طرح 2019ء میں 17 ویں لوک سبھا انتخابات جملہ نشستوں (543) میں سے بی جے پی کو 303 نشستیں حاصل ہوئی۔ اس طرح ڈالے گئے ووٹوں کا فیصد ٪ 37.4 اور کانگریس کو 52 نشستیں حاصل ہوئیں اور ڈالے گئے ووٹوں کا فیصد ٪19.50 رہا۔ اگر آئندہ انتخابات میں رائے دہندوں کا یہی رجحان رہا تو مرکزی حکومت سیاسی عدم استحکام سے دوچار رہے گی۔

19.7 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں انتخابی رویہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ انتخابی رویہ پر کئی عوامل اثر انداز ہوتے ہیں
- سماجی معاشی اور سیاسی عوامل اس کے علاوہ دوسرے عوامل بھی ہیں جو انتخابی رویہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ انتخابات میں قومی اور ریاستی سیاسی جماعتوں کی بڑھتی گھٹتی اہمیت کو سمجھ سکیں۔
- ہر سیاسی جماعت اپنے ووٹ بینک کو برقرار رکھنے کے لیے خود کو تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں صرف وفاداروں کو برقرار رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ نئے آنے والوں کو بھی خاطر میں رکھتا ہے۔
- ووٹ دینے میں کسی سیاسی جماعت یا ان کی نشستوں کی تعداد کا مطالعہ نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ سب کے بارے میں بات یہ ہے کہ ووٹر کسی خاص امیدوار کو ووٹ ڈالتا ہے اور وہ امیدوار کے ووٹر کو برقرار رکھ سکتا ہے اور اپنے مسائل کو حل کرتے ہوئے اپنی ضروریات کو پوری کرواسکتا ہے۔

19.8 کلیدی الفاظ (Keywords)

- استحصال : غلط استعمال
- انتخابی مینی فیسٹو : انتخابی منشور
- Exit Poll : نکاسی ووٹ

19.9 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

19.9.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ افلاطون کے مطابق اشرافیہ کی بگڑی ہوئی شکل کیا ہے؟

(a) بالترتیب ظالمانہ حکومت (b) غائت جمہوریت (c) عدیدیہ (d) بادشاہت

2۔ کس حکومت میں اختیارات بلدیاتی اداروں کو سونپ دیے جاتے ہیں؟

(a) وفاقی حکومت (b) وحدانی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پاریمانی حکومت

3۔ کس حکومت میں یکہری شہریت حاصل ہوتی ہے؟

(a) وحدانی حکومت (b) وفاقی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

4۔ دستوری بالادستی کس حکومت کی بنیادی خاصیت ہے؟

(a) وفاقی حکومت (b) صدارتی حکومت (c) وحدانی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

5۔ کس حکومت میں اختیارات کی تقسیم کی جاتی ہے؟

(a) وفاقی حکومت (b) وحدانی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پاریمانی حکومت

6۔ پارلیمانی حکومت میں اصل حکمران کون ہوتا ہے؟

(a) راجا (b) صدر (c) عوام (d) وزیراعظم

7۔ ایک ایسے ملک کا نام بتائیں جہاں حکومت کی صدارتی شکل موجود ہے؟

(a) امریکہ (b) برطانیہ (c) پاکستان (d) سعودی عرب

8۔ حکومت کا سربراہ کس طرح صدارتی حکومت میں ہٹادیا جاتا ہے؟

(a) عوام کے ذریعے (b) مواخذہ کے ذریعے (c) پارلیامنٹ کے ذریعے (d) سبھی کے ذریعے

9۔ حکومت کی کس شکل میں وزراء پالیامنٹ کے ایوان زیریں کے لیے اجتمائی طور پر ذمہ دار ہیں؟

(a) وحدانی حکومت (b) وفاقی حکومت (c) صدارتی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

10۔ بادشاہت میں کتنے لوگ راج کرتے ہیں؟

(a) دو (b) ایک (c) تین (d) چار

19.9.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ انتخابی رویہ یا انتخابی طرز عمل کی وضاحت کیجیے۔

2۔ انتخابی رویہ پر اثر انداز ہونے والے سیاسی عوامل کا تفصیلی جائزہ لیجیے۔

3۔ سیاسی جماعت اور امیدوار ووٹنگ کے طرز عمل پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

4۔ سماجی اور معاشی عوامل پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

5۔ انتخابی رویہ میں عمر اور جنس کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

19.9.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ انتخابی رویہ پر مذہب اور ذات کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔

2۔ سیاسی شعور کی بیداری میں خاندان اور والدین کس طرح اہم رول ادا کرتے ہیں۔

3۔ انتخابی طرز عمل میں سیاسی جماعت اور ان کے نظریات کے رول کی وضاحت کیجیے۔

19.10 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books For Further Readings)

1. O.P Gauba, (2017) An Introduction to Political Theory, National Publishing House, N. Delhi.
2. Amal Rayond, Mohit Bhattacharya (2005), Political Theory: Ideas and Institution, The World Press, Private Limited, Kolkata.
3. Pokhraj Jain, N.D, Arora (2014), Political Science, SBPD Publishing house, Agra.
4. V.D. Mahajan, (2010), Political Theory, S. Chand Publishing House, New Delhi.
5. R.C. Aggarwal, (1994), Political Theory (Principle of Political Science), S. Chand Group Private Limited, New Delhi

اکائی 20۔ انتخابی کمیشن کے کردار

(Role of Election Commission)

اکائی کے اجزا

20.1	تمہید
20.2	مقاصد
20.3	عام انتخابات
20.4	انتخابی کمیشن
20.5	انتخابی کمیشن کی ساخت
20.6	تقرر اور میعاد
20.7	انتخابی کمیشن کے کردار
20.8	انتخابی کمیشن کے چیلنجز
20.9	انتخابی کمیشن کو مستحکم کرنے کے مشورات
20.10	انتخابی کمیشن کی اہمیت
20.11	جمہوریت کے لیے آزادانہ اور منصفانہ انتخاب ضروری کیوں ہے
20.12	اکتسابی نتائج
20.13	کلیدی الفاظ
20.14	نمونہ امتحانی سوالات
20.15	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

20.0 تمہید (Introduction)

اس اکائی میں طلبا انتخابی کمیشن کے کردار اور دیگر پہلوں کا بھی مطالعہ کریں گے

موجودہ وقت میں ہندوستان دنیا میں آبادی کے اعتبار سے دوسرا سب سے بڑا ملک ہے۔ جس کی آبادی تقریباً ایک عرب 46 کروڑ ہے جس میں مختلف آبادی، تمدن، علاقایت، مذہب اور مختلف زبان کے لوگ یہاں رہتے ہیں۔ سیاسی دنیاں کی موجودگی میں آزادانہ اور منصفانہ طور پر الیکشن کے کام کو انجام دینا بڑا ہی چیلنجنگ کام ہے۔ حالانکہ الیکشن کمیشن کے سامنے بہت سے چیلنجز ہیں اس کے باوجود کمیشن نے کچھ کچھ شکایتوں کو چھوڑ کر اپنا کام بخوبی انجام دیا ہے۔ حالانکہ ابھی بھی الیکشن کمیشن کو بہت سارے اقدامات اُٹھانے باقی ہیں جس سے کہ جمہوریت میں آزادانہ اور منصفانہ الیکشن کی رہنمائی ممکن ہو سکے۔

20.1 مقاصد (Objectives)

- اس اکائی کا مقصد طلبا کو ہندوستان میں الیکشن کمشن کے کردار سے واقف کروانا ہے۔
- اس کی ساخت، تقرر اور مدت کے بارے میں معلومات فراہم کروانا ہے۔
- اس کے علاوہ الیکشن کمیشن نے کتنی دشواریوں کا سامنا کر 17 ویں عام انتخابات 2019 تک کا سفر طے کی ان سارے پہلو سے طلبا کو روبرو کروانا ہے۔
- طلبا اس اکائی کے مطالعے بعد الیکشن کمیشن کے رول اور اس کے سامنے آنے والے چیلنجز سے بھی اچھی طرح واقف ہو جائیں گے۔
- اکائی کے آخری حصّے کے مطالعے بعد طلبا اس قابل ہو جائنگے کے وہ الیکشن کمیشن کو مستحکم کرنے کے لیے کیا کیا مشورات دیے گئے ہیں اور ساتھ ہی الیکشن کمیشن کی اہمیت کیا ہے اس سے بھی واقفیت حاصل کریں گے۔

20.3 عام انتخابات (General Election)

ہندوستان میں پہلا عام انتخابات 1951-52 میں ہوا تھا یہ اپنے آپ میں ایک تاریخی انتخاب تھا کیوں کہ دنیاں کی تاریخ میں یہ پہلا عظیم تجربہ تھا۔ اس طرح کا عام انتخاب شاید ہی دُنیاں میں اس سے پہلے کبھی ہوا تھا۔ اس سے ملک کے اندر اور بیرون ملک میں اس کی بہت شہرت ہوئی اور دلچسپیوں کا مرکز بن گیا۔ چاروں طرف شکوک اور بدخیالیاں تھی۔ اس کی وجہ تھی کہ ملک میں آبادی نہایت زیادہ تھی اس کا رقبہ بہت وسیع ہے مزید بُرائیاں اور یہاں ہر عوام کی اکثریت ناخواندہ تھی۔ الیکشن کمیشن نے ان شکوک اور بدخیالیاں کے چیلنجز کو کو قبول کیا اور عوام نے اس کو قومی ہم خیال کیا۔ عوام نے اپنی ذمے داریوں کا پورا حق ادا کر دیا اور انتظامیہ نے اپنی غیر جانبداری اور منصفانہ اور عادلانہ عمل کا پورا ثبوت پیش کیا۔ سیاسی جماعتوں نے پوری نرمی، خلوص قلب سے انتخاب میں حصّہ لیا۔

اس کے بعد سے اب تک ہندوستان میں 17 ویں بار عام انتخاب ہو چکا ہے۔ 1951 سے لے کر 2019 تک، پہلا عام انتخاب سے

لے کر اب تک ہر ایک عام انتخاب میں الیکشن کمیشن کو ہمیشہ نئے نئے چیلنجز پیش آتے رہے۔ حالانکہ الیکشن کمیشن نے دشواریوں کا سامنا کرتے ہوئے چیلنجز کو کافی حد تک کم کیا اور وقت وقت پر کئی سارے ایسے اقدامات اُٹھائے جس سے کہ ہندوستان جیسا بڑا ملک کے لیے آزادانہ اور منصفانہ طور پر انتخاب کے کام کو انجام دیا جاسکے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ابھی بھی ہندوستان کے انتخاب کے متعلق ایسے بہت سے مسائل ہیں جس کو ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ بھارت ایک جمہوری ملک ہے اس جمہوریت کو تب ہی مستحکم کیا جاسکتا ہے جب تک کہ بھارت میں انتخاب صاف ستھرے اور آزادانہ طریقہ سے انجام دیا جاسکے۔ امید ہے کہ آنے والے وقت میں الیکشن کمیشن سارے چیلنجز کو قابو کرنے کے لائق ہو جائے گی۔

20.4 انتخابی کمیشن (Election Commission)

ہندستان دنیاں کی سب سے بڑی جمہوریت ہے۔ آئین کے روے سے ہندوستان کے آخری لوک سبھا عام انتخاب 2019 کو مکمل ہوا۔ اس عام انتخاب کے مطابق 61 کروڑ شہری کو ووٹ دینے اور امیدوار چننے کا حق حاصل ہوا۔ انتخابات کو اچھی طرح اور صاف ستھرے منصفانہ طور پر کرانے کے لیے حکمراں جماعت اور حکومت کے افسران بیجا مداخلت یا کسی طرح کے اثرات سے محفوظ رکھنے کہ لیے اور ساتھ ہی دوسرے عیوب سے بچانے کہ لیے انتخاب کو اچھی طرح انجام دیا تھا۔ ہمارے آئین کی دفعہ 324 اور باب 15 میں انتخاب کی تفصیلات بیان کی گئی ہے۔ اس طرح کا اہتمام دنیاں کے کسی اور آئین میں نہیں ہے۔ آئین میں صاف ' ستھرے اور منصفانہ انتخابات کی پوری پوری ضمانت دی گئی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لیے الیکشن کمیشن کے قائم کرنے کی ضوابط مرتب کیے گئے ہیں۔ الیکشن کمیشن کا کام نہایت ہی اہم ہے وہ الیکشن نگرانی ہدایت جاری کرنے انتخاب کی تمام تر کارروائیوں پر پوری طرح نگاہ رکھنے کی ذمّے داری کو بھی انجام دیتا ہے۔ ووٹروں کی فہرست تیار کرنے سے لے کر امیدواروں کے درخواستوں کی کارروائی تکمیل ہونے تک یہ سبھی کام کو الیکشن کمیشن انجام دیتا ہے۔ الیکشن کمیشن کو مکمل آزادی اور خود اختیاری حاصل ہے۔

الیکشن کمیشن کے آئینی حیثیت کو جاننے کے لیے آئین میں ایک خاص دفعہ کی فراہمی کی گئی ہے۔

دفعہ 324 کیا ہے؟

ہندوستان کا آئین الیکشن کمیشن کو ہدایت، نگرانی اور پارلیمانی الیکشن اور ریاست اسمبلی کے الیکشن، آفس آف صدر جمہوریہ اور نائب صدر جمہوریہ کو کنٹرول کرنے کا اختیار دیتا ہے۔ الیکشن کمیشن ہندوستانی سطح کی تنظیم ہے جو مرکزی الیکشن کے ساتھ ریاستی الیکشن کرانے کے لیے ذمہ دار ہے۔ اس کا ریاست کے مونسپلیٹی اور پنچائت کے الیکشن سے تعلق نہیں ہے اس کے لیے آئین ہند نے ایک علاحدہ ریاستی الیکشن کمیشن کا بندوبست کیا ہے۔

20.5 انتخابی کمیشن کی ساخت (Structure of the Election Commission)

انتخابی کمیشن کو 25 جنوری 1950ء کو ہندوستان کے دستور کے تحت قائم کیا گیا ہے۔ الیکشن کمیشن میں ایک چیف الیکشن کمشنر

ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی الیکشن کمیشنر ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد ضرورت کے مطابق ہوتی ہے صدر جمہوریہ جتنے الیکشن کمشنروں کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اتنے کی تقرر کر دیتا ہے۔ صدر مملکت رجنل کمشنروں کا تقرر بھی کرتا ہے ان کے تقرر کی ضرورت اس لیے بھی پڑتی ہے کہ انتخاب کے تمام کام اور کارروائیاں بخوبی انجام دیا جا سکے۔ 1989 تک الیکشن کمیشن واحد چیف کمشنر پر مبنی تھا، لیکن 1989 کے بعد دو اور ممبر کو انتخابی کمشنر کے طور پر الیکشن کمیشن میں شامل کیا گیا لیکن جلد ہی 1990 میں دونوں ممبران کو ہٹا کر اسے پھر سے الیکشن کمیشن کو واحد چیف کمشنر والا تنظیم مین بدل دیا گیا۔

حالانکہ سال 1991 میں ہندوستان کے پارلیمنٹ نے ایک قانون پاس کر الیکشن کمیشن کو تین ممبران پر مبنی تنظیم بنا دیا گیا تب سے لے کر اب تک الیکشن کمیشن میں چیف الیکشن کمشنر کے علاوہ دو اور الیکشن کمیشنر ہوتے ہیں۔

20.6 تقرر اور مدت (Tenure and Appointments)

جیسا کے اوپر جائیزہ لیا گیا ہے کہ چیف الیکشن کمشنر اور دیگر کمشنروں کا تقرر صدر جمہوریہ کے ذریعے ہوتا ہے۔ ان کا انتخاب چھ برس کے لیے 65 برس کی عمر میں جو بھی مدت پہلے پورا ہو جائے تب تک وہ اپنے عہدہ پر فائز رہ سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ الیکشن کمشنر کبھی بھی چاہے تو صدر جمہوریہ کو اپنا استعفا لکھ کر دے سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی حال ہی میں اشوک لہاواسہ صدر جمہوریہ سری رام ناتھ کووند کو اپنا استفادیا اور صدر جمہوریہ نے ان کا استعفیٰ منظور بھی کر لیا۔ دوسرا طریقہ اگر چیف الیکشن کمشنر اور دیگر کمشنر کو ان کے مدّت سے پہلے عہدے سے برطرف کرنا ہو تو چیف الیکشن کمشنر کو ہٹانے کے لیے پارلیمنٹ میں مواخذہ لایا جاتا ہے اگر ایوان اسے خاص اکثریت جو قریب 2/3 اراکین موجود رہ کر پاس کرتا ہے یا ایوان کے 50 فیصد سے زائد اراکین ہٹانے کے حمایت میں ووٹ کرتے ہیں تب وہ اپنے عہدہ سے برطرف ہو جاتے ہیں۔ لیکن دیگر کمشنروں اور علاقائی کمشنر کی برطرفی چیف الیکشن کے سفارش کے بعد ہی ان کو عہدہ سے ہٹایا جا سکتا ہے ان کے لیے' مواخذہ لانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہندک کے آئین میں لفظ مواخذہ کا استعمال ججس، CAG اور چیف الیکشن کمیشنر کے لیے نہیں ہوا ہے۔ لفظ مواخذہ کا استعمال صرف صدر جمہوریہ کو برطرف کرنے کے لیے ہوا ہے۔

20.7 انتخابی کمیشن کے کردار (Role of Election Commission)

الیکشن کمیشن کو بھارت کی جمہوریت میں ایک اہم مقام حاصل ہے کیوں کہ الیکشن کمیشن کی ذمہ داری ہے کہ وہ صاف ستھرا اور منصفانہ طریقے سے الیکشن کرا کر ذمہ دار اور جواب دہ حکومت بنانے میں مدد کرے۔ الیکشن کمیشن کے مختلف کردار اس طرح ہیں۔

(1) سیاسی پارٹیوں کی شناخت (Recognition of Political Parties)

کمیشن کے اہم رول میں سے ایک اہم رول ہے سیاسی پارٹیوں کو قومی' علاقائی اور ریاستی سطح پر پہچان دلانا عام انتخابات میں اگر ایک خاص پارٹی کو چار ریاست میں ڈالے گئے کل ووٹ کا چار فیصد ووٹ حاصل ہو جاتا ہے تو اس پارٹی کو قومی پارٹی کا درجہ حاصل ہو جاتا

ہے۔ وہیں دوسری طرف اگر کسی سیاسی پارٹی کو ایک ریاست میں کل درست ووٹ کا چار فیصد ووٹ مل جاتا ہے تو ایسی پارٹی کو 'ریاستی یا علاقائی پارٹی' کے فہرست میں شمار کیا جاتا ہے۔ موجودہ وقت میں کل آٹھ سیاسی پارٹیاں کو قومی پارٹیاں کا درجہ ملا ہوا ہے۔ جو مختلف ہیں۔ بھا رتیہ جنتا پارٹی (BJP)' کانگریس پارٹی' قومی کانگریس پارٹی (NCP)' کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (CPI) مارکسٹ' بہوجن سماجوادی پارٹی (BSP)' آل انڈیا ترنمول کانگریس (AITC) کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا (CPI) نیشنل پیپلس پارٹی (NPP) (الیکشن کمیشن آف انڈیا 2020)

(2) سیاسی پارٹی کو نشان فراہم کرنا (Allotment of Symbol)

سبھی سیاسی پارٹی کا اپنا ایک نشان ہوتا ہے اور پارٹی نشان کی فراہمی الیکشن کمیشن کے ذریعے ہوتی ہے۔ جسے بی جے پی (BJP) کے پارٹی کا نشان کمل پھول' کانگریس کا ہاتھ چھاپ' بی ایس پی کا ہاتھی وغیرہ پارٹی نشان فراہم کرنے کے پیچھے کئی ساری وجوہات ہے۔ پہلی وجوہات یہ ہے کہ بھارت میں ابھی بھی غیر تعلیم یافتہ عوام کی آبادی قریب کئی کروڑ ہے۔ ایسے لوگ جب ووٹ کرنے جاتے ہیں تو پارٹی کے نشان کو پہچان کر ہی اپنا ووٹ ڈالتے ہیں۔ دوسرا پارٹی نشان کی اہمیت یہ ہے کہ اگر امیدوار کا نام ایک جیسا نام ہو تو اس صورت میں ووٹر پارٹی کے نشان کو پہچان کر اپنے ووٹوں کا استعمال کرتے ہیں۔

(3) شناختی کارڈ بنانا (Prepared Voter list & Identity Card)

بھارت میں ہر ایک دس سال کے بعد مردم شماری (Census) کیا جاتا ہے جس کے تحت ویسے شہری جس کی عمر 18 برس مکمل ہو جاتا ہے۔ ویسے شہری کو کمیشن ووٹر فہرست میں نام درج کرتی ہے اس کے بعد ووٹر کے اہل شہری کو ایک شناختی کارڈ فراہم کیا جاتا ہے۔ جس سے آئندہ ہونے والے انتخاب میں اپنا ووٹ ڈال سکے۔

(4) انتخابی حلقوں کے حدود کا تعین (Delimitation of Constituency)

الیکشن کمیشن انتخابی حلقوں کے حدود حد بندی کمیشن (Delimitation Commission) کے ذریعے طے کرتی ہے۔ اس حد بندی کمیشن میں پانچ موجودہ کام کازی جج یا ریٹائیرڈ سپریم کورٹ کے جج کے ساتھ چیف الیکشن کمشنر بھی حد بندی میں ہوتے ہیں اور وہ Ex-Officer کے طور پر کمیشن کا حصہ ہوتے ہیں حد بندی کمیشن کے سبھی اسٹاف چاہے وہ مقامی' ریاستی اور قومی سطح کے کیوں نہ ہو یہ سبھی الیکشن کمیشن کے ذریعے ہی حد بندی کمیشن میں شامل ہوتے ہیں حد بندی کمیشن کا تشکیل وقتاً فوقتاً کرتی رہتی ہے۔

(5) انتخاب کے تاریخ کا اعلان (Scheduling of Election Dates)

ہر ایک لوک سبھا' راجیہ سبھا اور ریاست کے اسمبلی انتخابات اور درمیانی مدت انتخابات شروع ہونے سے پہلے تاریخ اور وقت مقرر کرنا بھی الیکشن کمیشن کا ہی ایک مجید رول میں شمار کیا جاتا ہے۔

(6) نامزدگی پرچہ کی جانچ پڑتال (Scrutiny of Nomination Paper)

جب الیکشن کمیشن چناوی تاریخ کا اعلان کرتا ہے۔اس کے بعد اُمیدوار کو ایک ہفتہ کا وقت دیا جاتا ہے تاکہ اُمیدوار اپنا نامزدگی پرچہ (Nomination Papers) داخل کر سکے ریٹائیرنگ آفسر کے ذریعے نامزدگی پرچہ کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے۔اگر اُمیدوار کے نامزدگی پرچہ میں کوئی کمی پائی جاتی ہے تو اُس اُمیدوار کے نامزدگی کو خارج کردیا جاتا ہے۔اس کے بعد نامزدگی کی تاریخ ختم ہونے کہ بعد' نامزدگی واپس کے لیے دو دن کا وقت مقرر رہتا ہے۔اگر اس دوران کوئی امیدوار اپنی نامزدگی واپس لینا چاہتا ہے تو وہ واپس لے سکتا ہے ورنہ اُمیدواروں کی فائینل لسٹ نکال دیا جاتا ہے پھر بھی لوگ الیکشن کے دن کا اُمیدوار ہوتے ہیں۔

(7) مثالی ضوابط اخلاق (Model Code of Conduct)

آزادانہ اور منصفانہ طور پر الیکشن کرانے کے لیے الیکشن کمیشن کو گارجن سمجھا جاتا ہے اس لیے الیکشن کمیشن ہر ایک الیکشن کے دوران سیاسی جماعت اور اُمیدواروں کے لیے مثالی ضوابط اخلاق نافذ کرتی ہے جس سے کہ صاف ستھرا انتخاب کو انجام دیا جاسکے۔1971 کے عام انتخاب میں پہلی بار مثالی ضوابط اخلاق نافذ کیا گیا اور تب سے لے کر آج تک ماڈل کوڈ آف کنڈکٹ' میں کئی بار ترمیم کیا جاچکا ہے اور اس ضوابط کے تحت الیکشن کے دوران کوئی بھی سیاسی جماعت کی شکایت الیکشن کمیشن کو ملتی ہے اور جانچ میں یہ پایا جاتا ہے کے فلاں پارٹی کے اُمیدوار نے موڈل کوڈ آف کنڈکٹ کا پامال کیا ہے تو کمیشن اُمیدوار کے خلاف مناسب کارروائی کرتی ہے۔

(8) انتخابی خرچ پر پابندی عائید کرنا (Limits of Poll Expenses)

اکثر یہ پایا گیا ہے سیاسی جماعت انتخاب کو اپنی طرف متاثر کرنے کے لیے روپیئے پیسے کا غلط استعمال خوب کرتی ہے اس کو دھیان میں رکھتے ہوئے الیکشن کمیشن وقتاً فوقتاً امیدوار کے لیے چناؤ کے طے شدہ خرچ سے باہر تو نہیں گیا ہے اس کے لیے کمیشن منتخب کرتی ہے حالانکہ الیکشن کمیشن وقت کے حساب سے انتخاب کے امیدوار کے اخراجات نظر سانی کرتی رہتی ہے۔موجودہ وقت میں بڑے ریاست کے لوک سبھا کے الیکشن کے لیے ایک اُمیدوار کا خرچ70لاکھ چھوٹے ریاست کے لیے لوک سبھا اُمیدوار کا خرچ54لاکھ طے (Fixed) کر رکھا ہے وہی ریاست کے اسمبلی الیکشن بڑے ریاست کے اسمبلی چناؤ کے اُمیدوار کا خرچ28لاکھ وہی دوسری طرف چھوٹے ریاست کے ایک امیدوار کا خرچ20لاکھ طے کر رکھا ہے۔

(9) چناؤ کے نتیجے کا اعلان کرنا (Declared Election Results)

الیکشن کمیشن ایک اہم کام انتخابی نتیجے کا اعلان کرنا ہے وہ لوک سبھا، راجیہ سبھا اور ریاست اسمبلی میں الیکشن ختم ہونے کہ ٹھیک بعد دونوں کی گنتی شروع ہوتی ہے اور سارے انتخابی حدود کی گنتی مکمل ہونے کے بعد ہی جس اُمیدوار کو اور جس سیای پارٹی کو سب سے زیادہ نشستیں(Seats) حاصل ہوتی ہے اسی کی جیت کا الیکشن کمیشن اعلان کرتا ہے۔

(10) انتخابی تنازعہ کو دور کرنا (Settled Election Disputes)

الیکشن تنازعہ کو دور کرنے میں حالانکہ الیکشن کمیشن کا براہ راست رول نہیں ہوتا ہے پھر بھی اگر ہندوستان کے صدر جمہوریہ اور نائب صدر کے انتخابات میں کسی بھی طرح کا کوئی تنازع پیدا ہوتا ہے تو اس تنازعہ کو سپریم کورٹ کے ذریعے دور کیا جاتا ہے وہی اگر پارلیمینٹ یا اسمبلی کا رکن کے انتخابات میں بھی کسی طرح کا تنازع پیدا ہوتا ہے ایسی صورت میں ہائی کورٹ کہ پاس اختیار ہے کہ وہ اس تنازعہ کو ختم کرے۔

(11) صلاح کار کے رول (Role of Advisor)

حال کے سالوں میں الیکشن کمیشن صلاح کار کی طرح بھی کام کر رہے ہیں۔ ورون گاندھی کے Case میں موجودہ الیکشن کمیشن نے ورون گاندھی کو مشورہ دیا کہ یا تو اپنے تقرر پر قائم رہیں یا چھوڑ دیں۔ اسی طرح ابھی حال ہی دلّی الیکشن میں بھی کمیشن نے دو لوگوں کے خلاف مثالی ضوابط اخلاق کے خلاف ورزی کے عوض میں مشورہ دیا۔ اس لیے کمیشن ایک مشیر کی طرح بھی کام کرتی ہے۔

(12) امیدوار اور ووٹر محروم کرنا (Disqualifying of the Candidates and Voters)

پیپلس ریپریسنٹشن ایکٹ 1951 (People Representation Act) 10 کے تحت ہر ایک عام انتخابات کے بعد سبھی امیدوار کو الیکشن ریٹرنش (Returns) جمع کرنے کی اطلاع دی جاتی ہے اگر ایک طے وقت پر کوئی الیکشن ریٹرنش الیکیشن کمیشن کو جمع نہیں کرتے ہیں تو الیکشن کمیشن کو یہ اختیار حاصل ہے کہ ویسے امیدوار کی اُمیدواری کو خارج کر دے۔ اس کے علاوہ عوامی نمائندہ رجیسٹریشن قانون کے تحت کمیشن کو یہ بھی اختیار حاصل ہے کہ وہ چاہے تو کسی بھی ووٹر کا ووٹر لسٹ سے نام ہٹا بھی سکتا ہے۔

بلا شبہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ الیکشن کمیشن بھارت کے الیکشن کرانے میں اس کا کردار نا قابل اعتبار ہے لیکن دوسری طرف کمیشن کے سامنے کئی ساری چیلنجز (Challenges) بھی ہیں۔ جس سے ہمیشہ کمیشن کو سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور ابھی بھی صاف ستھرا اور آزادانہ انتخاب کرانے میں سکایتیں آتی رہتی ہے۔

20.8 انتخابی کمیشن کے چیلنجز (Challenges Before Election Commission)

الیکشن کمیشن کے چیلنجز مندرجہ ذیل ہیں

(1) معاشی طاقت (Money Power) الیکشن کمیشن کے سامنے ایک بڑی چیلنجز ہے۔ کیوں الیکشن میں ایک امیدوار کے لیے چاہے وہ لوک سبھا ہو یا راجیہ سبھا یہ ریاست اسمبلی کسی کا بھی انتخاب لڑنا چاہتا ہو تو اس کے انتخابی اخراجات پہلے سے ہی طے کیے گئے ہیں لیکن اس کے باوجود اکسر الیکشن میں روپیہ کا غلط استعمال کی خبریں آتی ہے بڑی پارٹیاں روپیے کا بیجا استعمال کر وٹروں کو اپنے جانب ووٹ ڈالنے کے لیے متاثر کرتی ہیں۔

(2) ای۔وی۔ایم (Electronic Voting Machine) میں بھی بد عملی کو لے کر پچھلے کچھ سالوں سے سوال اُٹھ رہے ہیں کئی

بار EVM کی بد عملی کی شکایت لوگ کرتے رہتے ہیں اور کوئی ٹھوس اقدامات نہیں لیے جانے کی وجہ سے لوگوں میں اعتماد الیکشن کو لے کر کم ہوا ہے۔اس لیے EVM کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ حلقہ انتخاب (Constituency) میں وی۔وی پیٹ (VVPAT) (Voter Verified Paper Audit Trail کو بٹھانا چاہیے جس سے کہ EVM اور VVPATS کا میلان کر الیکشن کے نتائج کو قابل اعتماد بنایا جاسکے۔

(3) سیاست کا ناجائز قرار عمل (Criminalization of Politics) الیکشن نظام میں سیاست کا ناجائز قرار عمل بھی ایک اہم ایشو ہے کیوں کہ جو لوگ کریمنل بیگگراؤنڈ (Criminal Background) کے ہوتے ایسے لوگوں کو سیاسی پارٹیاں انتخاب کا ٹکٹ دیتی ہے ویسے امیدوار اپنی مسل پاور (Muscles power) اور معاشی طاقت کا استعمال کر لوگوں کو ڈرا دھمکا کر یا پھر روپے خرچ کر ووٹروں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں اور ان کو مجبور کرتے ہیں کہ ووٹر ان کے لیے ووٹ ڈالے۔الیکشن کمیشن کے سامنے یہ ایک ہ بڑا چیلنج ہے۔

(4) عاملہ کا الیکشن میں بڑھتا مُداخلت (Increase Intervention of Executive in Election)

الیکشن کمیشن کے خود منحصر پر بھی سوالات کھڑے ہوتے رہتے ہیں اور عاملہ کا مُداخلت بھی بڑھتا جارہا ہے۔عاملہ کے مداخلت سے الیکشن کمیشن آزادانہ طور پر کام کرنے میں نااہل سابت ہورہے ہیں۔حکومت کا کمیشن پر اسر ڈالنا عام بات ہوتا جارہا ہے۔

(5) مثالی ضوابط اخلاق (Model Code of Conduct) مثالی ضوابط اخلاق بھی کو صحیح طریقے سے نافذ کرنا بھی کمیشن کے سامنے ایک بڑا چیلنج ہے کیوں کے اکسر یہ دیکھا گیا ہے کہ الیکشن کمیشن حکمران جماعت کے خلاف کارروائی کرنے میں تاخیر کرتی ہے یا نظر انداز کرتی ہے۔کیوں ان کے اوپر موجودہ حکومت کا دباؤ ہوتا ہے۔

(6) کام کرنے میں نااہلی (Lack of Capacity) حالانکہ الیکشن کمیشن کے پاس اصلی اختیار (Absolute Power) دفعہ 324 کے تحت ملا ہوا ہے لیکن اس کے باوجود کمیشن پارلیمنٹ کے ذریعے بنائے گئے قانون کے مطابق کام کرتی ہے۔اس کے علاوہ بھی پبلک ریپر جنٹنشن ایکٹ 1951 (People RepresentationAct) میں کئی ایسے اختیار دیے گئے ہے کے اگر الیکشن کمیشن چاہے تو اُسے کسی پارٹی کو ڈی۔رجسٹرڈ (Deregistered) کر سکتی ہے اگر وہ پارٹی کمیشن کے بنائے ہوئے قانون وضوابط کے خلاف ورزی کرتا ہے تو۔

20.9 انتخابی کمیشن کو مستحکم کرنے کے مشورات

(Suggestions to Strength Election Commission)

الیکشن کمیشن خوبیاں اور خامیاں پائے جانے کے باوجود کچھ اقدامات اُٹھا کر الیکشن کمیشن جیسے ایک اہم جمہوری تنظیم کو مستحکم کیا جا سکتا ہے۔

(1) تینوں الیکشن کمشنر کو آیئی تحفظ فراہم کرنا۔

(2) کمیشن کے اخراجات کی ادائیگی بھی کنسولیڈٹ فنڈ آف انڈیا (Consolidated Fund of India) سے ہونا چاہیے جیسا کہ دیگر آیئی جماعت سے U.P.S.C یونین پبلک سروس کمیشن وغیرہ کی ادائیگی ہوتا ہے۔

(3) الیکشن کمیشن کا (Department of Personal and Training) اور قانون وزرا (Law Ministry) اور وزیر داخلہ (Home Ministry) کے اوپر منحصر رہنے میں کمی لا نا اس کمیشن کے خود کا سکریٹیریٹ (Secretariat) بھی ہونا چاہئیے اور کمیشن خود کا بھرتی ضوابط بھی ہوتا چاہے جس سے وہ اپنے آفسر مقرر کر سکے۔

(4) تحفظ کی یقین دہانی۔ ایک ایسا پروسیجر ہوتا جس میں ممبر الیکشن کمشنر کو خود بخود Elevate کر اس کو چیف الیکشن کمشنر بنا دیا جاتا جس سے کہ وہ خود تحفظ محسوس کر سکے اور عاملہ کے مداخلت کے ملان کھڑا ہو سکے۔

20.10 انتخابی کمیشن کی اہمیت (Importance of Election Commission)

کئی ساری کمیٹیوں کے باوجود الیکشن کمیشن نے کئی اہم رول ادا کیے اور 1952 سے لے کر آج تک الیکشن کمیشن نے عوام کے الیکشن میں حصہ داری کے لیے کام کیے۔

(1) الیکشن کمیشن نے پارٹیوں کے درمیان Discipline لانے کا کام کیا ہے۔ کیوں کے الیکشن کمیشن کو اختیار حاصل ہے کہ اگر بطور سیاسی پارٹیاں ضوابط و قانون کے دائرہ میں رہ کر کام نہیں کرتے ہیں تو اس کو الیکشن کمیشن۔ ڈی رجسٹرڈ کر سکتا ہے۔

(2) الیکشن کمیشن انتخاب کے کام کو بہترین طریقے سے انجام دیتا ہے۔ اپنے کام کو انجام دیتے وقت برابری' منصفانہ' آزادانہ' خود مختاری اور جواب دہی کے ساتھ اپنے کاموں کو انجام دیتا ہے۔

(3) یہ سبھی سیاسی پارٹیاں اور اس میں شامل سبھی حصے دار (Stakeholders) کو سیاسی عمل میں شامل ہونے کے لیے یقین دہانی کا کام کرتا ہے۔

(4) الیکشن کمیشن دو گرہوں کے درمیان بیداری (Awareness) کا کام کرتی ہے۔

(5) دو گرہوں کے علاوہ دیگر حصے دار (Stakeholders) جسے سیاسی جماعت الیکشن کے کام کرنے والے اور انتخابی امیدوار کے درمیان بھی بیداری لانے کا کام جس سے ان کا اعتماد کو ملک کے سیاسی عمل میں بڑھایا جا سکے۔

(6) یہ سبھی ووٹ دینے کے اہل شہری کو شراکت داری کو یقن دہائی کرواتا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ شہری ووٹ دینے کے لیے پرُجوش طریقے سے حصہ لے سکیں۔

20.11 جمہوریت کے لیے آزادانہ اور منصفانہ انتخابات ضروری کیوں ہیں

(Why Democracy Needs Free and Fair Election)

اگر کسی ملک کے عوام بہترین لوگوں کو اپنا نمائندہ منتخب کرنا چاہیں اور سیاسی پارٹیاں ایسے لوگوں کو حکومت کرنے کا موقع دینا چاہیں تو اس کے لیے ضروری ہے کہ انتخابات آزادانہ اور منصفانہ ہوں۔ انتخابات کے ذریعے ہی کوئی فرد یا پارٹی مقابلہ میں حصہ لیتی ہے اور کسی پارٹی کو کوئی مخصوص رعایت نہیں دی جاتی۔ کئی ملکوں جیسے چین (China)، روس (Russia)، مینمار (Mayanmar) وغیرہ میں

صرف ایک یا دو پارٹیوں کو انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت ہوتی ہے اور لوگوں کے لیے ان پارٹیوں کو ووٹ دینے کے علاوہ دوسرا راستہ نہیں ہوتا۔ دوسرے بعض ممالک میں پارٹیاں حکومتی مشنری کو استعمال کر کے لوگوں کو انہیں ووٹ دینے کے لیے راغب کرتی ہیں یا مجبور کرتی ہیں اس کے علاوہ مختلف قسم کی دھاندلیوں کے ذریعے مخالفین کی درخواست امیدواری (Candidature) کو ہی مسترد کروادیتی ہیں یا مخالف پارٹیوں کے حامیوں کے نام ووٹر لسٹ فہرست رائے دہندگان سے خارج کروادیے جاتے ہیں۔ اس طرح سے انتخابات منعقد کرنا غیر مناسب ہے۔ انتخابات کا مطلب مختلف سیاسی متبادلات کے درمیان کسی ایک متبادل کو آزادی کے ساتھ چننے کا موقع فراہم کرنا ہوتا ہے اور عوام چاہیں تو موجودہ حکمرانوں کو تبدیل کرنے کا موقع بھی ان کو حاصل ہونا چاہیے۔ اگر ہم جمہوریت کو پرکھنا چاہتے ہیں تو انتخابات کے عمل کا مشاہدہ کرنا اہم ہوتا ہے۔ انتخابات کے ابتدائی مرحلہ میں عام سیاسی سرگرمیوں اور سیاسی مخالفین کو بھی اپنی رائے کے اظہار کا مناسب موقع فراہم کرنا چاہیے۔ یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب مملکت عوام کے شہری آزادیوں کا احترام کرے۔ اس طرح جمہوریت کا دارومدار، آزادانہ اور منصفانہ انتخابات پر ہوتا ہے جس میں موجودہ حکمراں پارٹی یا افراد کو اقتدار سے ہٹانے کی کھلی امکانات موجود ہوتی ہیں۔

جمہوریتوں میں اقلیتوں کے مفادات کے تحفظ کی بھی ضمانت ضروری ہوتی ہے جو اکثریت کے خلاف اپنی الگ رائے رکھتی ہیں۔ انہیں اپنے نظریات پر کاربند رہنے، ان کی اشاعت کرنے اور لوگوں کو اپنی جانب راغب کرنے کے حق کا احترام کرنا ضروری ہے۔ خواہ اکثریتی طبقہ اس کے لیے رضامند ہو اور انہیں مضر سمجھتے ہوں۔

20.11.1 انتخابی کمیشن کی آزادی (Independence of Election Commission)

آئین ہند کا دفعہ 324 یہ یقین دہائی کرتا ہے کے الیکشن کمیشن کی آزادی اور غیر جانب دارانہ فرائض پر کسی طرح کا کوئی دخل اندازی نہ ہو۔ جس کو مختلف دلیل سے سمجھا جا سکتا ہے۔

- متعین مدت کے لیے منتخب: چیف الیکشن کمیشنر کا انتخاب ایک متعینہ مدت کے لیے ہوتا ہے۔ اگر برطرفی ہوتی بھی ہے تو ٹھیک ویسا ہی بنیاد پر جیسا کے سپریم کورٹ کے ججس کو کیا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں الیکشن کمیشن کو اس کے غلط کام اور نا اہلی کے بنیاد پر صدر جمہوریہ کے ذریعے برطرف کیا جا سکتا ہے اگر دونوں ایوان کے اکثریت اراکین اس کے برخلاف ووٹ کرے۔
- حلانکہ سی ای سی اپنے عہدہ پر صدر جمہوریہ کے حمایت پر منحصر نہیں کرتا جب کے صدر جمہوریہ ہی سی ای سی کو منتخب کرتے ہیں۔
- کوئی بھی الیکشن کمیشنر یا علاقائی کمیشنر کو تب ہی ہٹایا جا سکتا ہے جب تک کے اس کے ہٹانے کی سفارش چیف الیکشن کمیشنر نہ کرے۔
- الیکشن کمیشن کو آئین ہند کے تعین مدت، اس کی آزادی اور غیر جانب دارانہ رتبہ عطا کرنے کے بعد بھی الیکشن کمیشن میں کچھ خامیاں نظر آتی ہیں جو حسب ذیل ہیں۔

1۔ ان سب کے باوجود آیئن ہند نے الیکشن کیمشن کے اراکین کی اہلیت (قانونی، تعلیمی، انتظامی اور عدالی) کے بارے میں کچھ بتایا نہیں ہے۔

2۔ ہندوستان کا آئین الیکشن کمیشن کے اراکین کی معیاد پر بھی روشنی نہیں ڈالتا ہے۔

3۔ یہاں تک کے آئین ہند نے کسی ریٹائیرڈ الیکشن کمیشنر کو حکومت کے ذریعے دوبارا کسی عہدہ پر منتخب ہونے کے لیے کوئی پابندی عائد نہیں کی ہے۔

آئین ہند کی حسب بالا بتائی گئی خامیوں کی وجہ سے ہندوستان کا الیکشن کمیشن کی آزادی اور اس کا منصفانہ اور غیر جانب دارانہ رویہ پر سوالیہ نشان کھڑا کرتی ہے۔

20.12 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- عام انتخابات کے بارے میں جانکاری حاصل کی۔
- انتخابی کمیشن کا مطالعہ کیا۔
- انتخابی کمیشن کی ساخت، تقررات اور میعاد پر بحث کیا۔
- انتخابی کمیشن کے چیلنجز کا مطالعہ کیا۔
- انتخابی کمیشن کے مشاورات کو جانا۔
- انتخابی کمیشن کی اہمیت کو جانا۔
- جمہوریت کے لیے آزادانہ اور منصفانہ انتخات ضروری کیوں ہے اس کا مطالعہ کیا۔

20.13 کلیدی الفاظ (Keywords)

1۔ فری اینڈ فیئر	:	صاف ستھرا اور منصفانہ
2۔ ایلکٹوریٹ	:	سبھی کو ووٹ ڈالنے کا حق
3۔ امیدوار	:	امیدوار جو الیکشن لڑنے جارہا یا جارہی / ہوں
4۔ نامزدگی	:	کسی شخص کو الیکشن لڑنے کے لیے امیدوار کے طور پر پیش کرنا
5۔ ماڈل کوڈ آف کنڈکٹ	:	الیکشن کمیشن کے ذریعے تیار کیے گئے گائیڈ لانس جس پر سبھی کو عمل کرنا لازمی ہوتا۔
6۔ ایکجٹ پول	:	الیکشن کے دن شہری کے رائے جاننا اور اس کے بعد الیکشن کے نتائج کی پیشن گوئی کرنا۔

20.14 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

20.14.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ہندوستا میں پہلا عام انتخاب کب ہوا تھا؟

(a) 1951-52 (b) 1949-50 (c) 1962-63 (d) ان میں سے کوئی نہیں

2۔ ہندوستان کے انتخابی کمیشن میں چیف الیکشن کمیشنر کے علاوہ کتنے الیکشن کمیشنر ہوتے ہیں؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

3۔ انتخابی کمیشن کے چیف الیکشن کمیشنر کا انتخاب کون کرتے ہیں؟

(a) وزیر اعظم (b) صدر جمہوریہ (c) چیف جسٹس آف انڈیا (d) لوک سبھا اسپیکر

4۔ EVM کا فل فارم کیا ہے؟

(a) Electronic Voting Machine (b) Electronic Vending Machine (c) Electronic Volt Machine

(d) Electronic Visualize Machine

5۔ کس سال سے مستقل طور پر انتخابی کمیشن کو تین ممبران والا بنا دیا گیا؟

(a) 1991 (b) 1992 (c) 1993 (d) 1994

6۔ الیکشن کمیشن کے اخراجات کی ادائگی ہوتی ہے۔

(a) Provident Fund of India (b) Consolidate Fund (c) Contingency Fund (d) ان میں سے کوئی نہیں

7۔ موجودہ وقت میں بڑے ریاست کے لوک سبھا کے الیکشن کے لیے ایک اُمیدوار کا خرچ کتنا رکھا گیا ہے؟

(a) 40 لاکھ (b) 50 لاکھ (c) 60 لاکھ (d) 70 لاکھ

8۔ الیکشن کمیشن کی تفصیلات آئین ہند کے کس دفعہ میں بیان کی گئی ہے؟

(a) دفعہ 324 (b) دفعہ 315 (c) دفعہ 312 (d) دفعہ 370

9۔ الیکشن میں امیدوار کے انتخابی خرچ پر کس کے ذریعے نگرانی رکھی جاتی ہے؟

(a) سپریم کورٹ (b) پارلیمنٹ (c) الیکشن کمیشن (d) ان میں سے کوئی نہیں

10۔ پہلا عام انتخاب سے لے کر 2019 کے عام انتخاب تک کتنی بار عام انتخاب ہو چکا ہے؟

(a) 15ویں بار (b) 16ویں بار (c) 17ویں بار (d) 18ویں بار

20.14.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ الیکشن کمیشن کے کردار (Role) پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

2۔ الیکشن کمیشن کے ساخت اور اس کے مثالی ضوابط اخلاق پر نوٹ لکھیے۔

3۔ الیکشن کمیشن کے سامنے کس طرح کے چیلنجز ہوتے ہیں؟ بیان کیجئے۔

4۔ الیکشن کمیشن کے رول کا تنقیدی جائیزہ لیجیے۔

5۔ الیکشن کمیشن کے تصورات کو بیان کیجیے۔

20.14.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ الیکشن کمیشن کو مستحکم کرنے کے دستورات پر روشنی ڈالیے۔

2۔ الیکشن کمیشن کے ساخت، تقرر اور اس کی میعاد کی وضاحت کیجیے۔

3۔ جمہوریت میں الیکشن کیوں ضروری ہے۔ الیکشن کو صاف ستھرا اور منصفانہ طریقے سے کس طرح انجام دیا جاسکتا ہے؟

20.15 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Reading)

1. Ibtadai elm Sahariyat (1984) Taraqqi Urdu Board, New Delhi.
2. D.D Basu (2019), The Constitution of India,
3. I. Blond, An Introduction of Comparative Politics.
4. Official Website of ECI.

اکائی 21۔ ہندوستانی حکومت اور سیاست

(Indian Government and Politics)

اکائی کے اجزا

21.0 تمہید

21.1 مقاصد

21.2 ہندوستان میں پارلیمانی نظام

21.3 مجلس عاملہ / انتظامیہ

21.4 عدلیہ

21.5 انتخابات اور رائے دہندگی

21.6 ریاستی حکومت

21.7 بلدیاتی / مقامی حکومت

21.8 مرکزی علاقہ جات

21.9 ہندوستان میں سیاسی جماعت کا نظام

21.10 اکتسابی نتائج

21.11 کلیدی الفاظ

21.12 نمونہ امتحانی سوالات

21.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

21.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم ہندوستانی حکومت اور سیاست سے متعلق گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔

ریاست پر حکمرانی کے لیے ویسٹ منسٹر نظام پر وضع کردہ، مرکزی حکومت بنیادی طور پر انتظامیہ / عاملہ، مقننہ، اور عدلیہ پر مشتمل ہے، جس میں تمام اختیارات، پارلیمنٹ کو حاصل ہے۔ ہندوستان کا صدر مملکت کا سربراہ اور ہندوستانی مسلح افواج کا کمانڈر ان چیف ہوتا ہے جب کہ منتخب وزیر اعظم انتظامیہ کے سربراہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے، اور مرکزی حکومت چلانے کا ذمہ دار ہے۔ پارلیمنٹ دو جہتی نوعیت کی ہے، جب کی لوک سبھا یا ایوان زیریں اور راجیہ سبھا یا ایوان بالا کہا جاتا ہے۔ عدلیہ میں منظم طور پر ایک عدالت عظمیٰ، 24 اعلیٰ عدالتیں، اور متعدد ضلعی عدالتیں شامل ہیں جو سپریم کورٹ کے زیر اختیار ہیں۔

بنیادی شہری اور فوجداری قوانین جو ہندوستان کے شہریوں پر حکومت کرتے ہیں، وہ پارلیمنٹ کی اہم قانون سازی کرتے ہیں، جیسے ضابطہ دیوانی اخلاق، تعزیراتی ضابطہ، اور ضابطہ فوجداری اخلاق۔ مرکزی حکومت کی طرح، ہر ایک انفرادی ریاستی حکومتیں انتظامی، قانون سازی پر مشتمل ہوتے ہیں۔ یونین اور انفرادی ریاستی حکومتوں پر جو قانونی نظام نافذ ہے وہ آیئن کے مطابق ہے انگریزی مشترکہ اور تشریعی قانون پر مبنی ہے۔ اس ملک کا پورا نام عوامی جمہوریہ ہند ہے۔ ہندوستان اور بھارت جمہوریہ ہند کے لیے آئین میں یکساں طور پر سرکاری نام ہیں اور دونوں نام قانونی نوٹ پر، معاہدوں میں اور قانونی معاملات میں استعمال ہوتے ہیں۔ "مرکزی حکومت"، "دولتِ مرکزی" اور "بھارت سرکار" کی اصطلاحات حکومت ہند سے رجوع کرنے کے لیے اکثر سرکاری اور غیر سرکاری طور پر استعمال ہوتی ہیں۔

21.1 مقاصد (Objectives)

- اس اکائی میں ہم ہندوستان کے مختلف آئینی اور سیاسی ادارے کا جائزہ لیں گے۔
- ساتھ ہی ہم یہ جاننے کی کوشش کریں گے کہ یہ آئینی اور سیاسی ادارے کس طرح اپنا کام کرتی ہے۔
- قانون سازی کیا ہے، مجلسِ عاملہ کی کیا اختیارات ہیں اور عدلیہ کس طرح اپنے فرض کو انجام دیتی ہے۔
- اس اکائی کے ذریعے طلبا کو ہندوستان کی عدلیہ کی جانکاری کے ساتھ حکومت کے مختلف درجات، ہندوستان میں سیاسی جماعت کے نظام کو بھی تفصیل سے معلومات حاصل کر پائینگے۔

21.2 ہندوستان میں پارلیمانی نظام (Parliamentary System in India)

حکومت کے جمہوری نظام کو عاملہ اور مقننہ کے درمیان تعلقات کی بنیاد پر پارلیمانی اور صدارتی نظام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔
پارلیمانی نظام میں، عاملہ مقننہ کا ایک حصہ ہوتا ہے، جو قانون کو نافذ کرتا ہے اور اسے تشکیل دینے میں بھی فعال کردار ادا کرتا ہے۔
پارلیمانی نظام میں، ریاست کا سربراہ بادشاہ یا صدر ہو سکتا ہے، لیکن یہ دونوں عہدے رسمی ہیں۔ حکومت کا سربراہ، جسے عام طور پر وزیر اعظم

کہا جاتا ہے، اصل سربراہ ہوتا ہے۔ اس طرح، تمام حقیقی انتظامی اختیارات وزیر اعظم کے سپرد ہیں۔ کابینہ میں تنفیذی اختیارات کے ارتکاز کی وجہ سے پارلیمانی حکومت کو کابینہ کی حکومت بھی کہا جاتا ہے۔

21.2.1 مقننہ (Legislature)

ہندوستان کی یونین کے اعلی قانون ساز اعضا کو پارلیمنٹ کہا جاتا ہے۔ ہندوستانی آئین ہمیں پارلیمانی جمہوریت فراہم کرتا ہے۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ میں لوک سبھا / ایوانِ عام، راجیہ سبھا / ریاستی کونسل اور صدر کابینہ شامل ہوتے ہیں۔

21.2.2 پارلیمنٹ کی تشکیل (Composition of Parliament)

ہندوستان کے آئین کے آرٹیکل 79 میں کہا گیا ہے کہ یونین کے لیے پارلیمنٹ ہوگی، جس میں صدر اور دو ایوانوں- راجیہ سبھا (ریاستی کونسل) اور لوک سبھا (ایوان عام) شامل ہوں گے۔

21.2.3 ہندوستان کا صدر (The President of India)

ہندوستان کا صدر، ریاست کا سربراہ، پارلیمنٹ کا ایک جزو ہوتا ہے۔ آرٹیکل 60 اور آرٹیکل 111 کے تحت، صدر کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ پارلیمنٹ کے منظور کردہ قوانین آئینی روح کے مطابق ہوں اور ان کے بلوں کی منظوری سے پہلے ہی طے شدہ طریقہ کار پر عمل کیا جائے۔

21.2.4 لوک سبھا (Lok Sabha)

لوک سبھا (ایوان عام) یا ایوان زیریں میں 543 ممبر ہوتے ہیں۔ ملک بھر میں پارلیمانی انتخابی حلقوں کی نمائندگی کرنے والے عالمی بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر 543 ممبران کو براہ راست ہندوستانی شہری منتخب کرتے ہیں۔ حلقہ انتخاب پورے ملک کو آبادی کے تناسب میں برابر حصّوں میں تقسیم کر حدبندی کی جاتی ہے۔ 1952 اور 2020 کے درمیان، اینگلو انڈین کمیونٹی کے 2 اضافی افراد کو بھی ہندوستان کے صدر نے حکومت ہند کے مشورے پر نامزد کیا تھا، جسے جنوری 2020 میں 104 ویں آئینی ترمیمی قانون، 2019 کے ذریعے ختم کر دیا گیا تھا۔ ہندوستان کا ہر شہری، جس کی عمر 18 سال سے زیادہ ہے، اس میں قطع نظر، جنس، ذات، مذہب، رنگ یا نسل سے بالاتر ہو اور اسے دیگر طریقے سے نااہل قرار نہیں دیا گیا ہو، وہ لوک سبھا میں ووٹ دینے کے اہل ہیں۔ آئین فراہم کرتا ہے کہ ایوان کی زیادہ سے زیادہ نشستیں 552 ممبران کی ہوگی۔ اس کی مدت پانچ سال ہے۔ لوک سبھا میں رکنیت کے اہل ہونے کے لیے، ایک شخص کو ہندوستان کا شہری ہونا ضروری ہے اور اس کی عمر 25 سال یا اس سے زیادہ، ذہنی طور پر مستحکم اور دیوالیہ نہیں ہونا چاہیے، اور اسے مجرمانہ طور پر سزا یافتہ نہیں ہونا چاہیے۔ کل انتخابی رکنیت ریاستوں میں اس طرح تقسیم کی جاتی ہے کہ ہر ریاست کو الاٹ کی جانے والی نشستوں کی تعداد اور ریاست کی آبادی کے درمیان تناسب، جہاں تک عملی طور پر قابل عمل ہے، تمام ریاستوں کے لیے یکساں ہے۔

21.2.5 راجیہ سبھا (Rajya Sabha)

راجیہ سبھا(ریاستی کونسل)یاایوان بالاایک مستقل ادارہ ہے جو تحلیل نہیں ہوتاہے۔ ممبروں میں سے ایک تہائی ہر دوسرے سال شبکدوس ہوجاتاہے، اور اس کی جگہ نئے منتخب ممبران لیتے ہیں۔ ہر ممبر کا انتخاب چھ سال کی مدت کے لیے کیا جاتاہے۔ اس کے ممبران بالواسطہ طور پر ریاستوں کے قانون ساز اداروں کے ممبر منتخب کرتے ہیں۔ راجیہ سبھامیں زیادہ سے زیادہ 250 ممبر ہوسکتے ہیں۔ اس کے پاس اس وقت 245 ممبروں کی منظور شدہ طاقت ہے، جن میں سے 233 ریاستوں اور مرکزی علاقوں سے منتخب ہوئے ہیں اور 12 صدر کے ذریعے نامزد ہیں۔ کسی ریاست کے ممبروں کی تعداد اس کی آبادی پر منحصر ہوتی ہے۔ کسی شخص کے لیے راجیہ سبھاکا ممبر بننے کے لیے کم سے کم عمر30سال ہے۔

21.2.6 اسپیکر وچیئرمین (Speaker and Chairmen)

ایوان بالا میں اس کے ممبروں میں سے ایک اسپیکر، اور ایک ڈپٹی اسپیکر کا انتخاب کیا جاتاہے۔ جب کہ ہندوستان کا نائب صدر بحیثیت عہدہ ریاستی کونسل کا چیئرمین ہوتاہے۔ ایوان میں سے ہی ایک بزرگ ممبر کو نائب چیئرمین منتخب کیا جاتاہے۔ اسپیکر وچیئرمین کا بنیادی کام ایوان کے اندرونی معاملات کے سلسلے میں دیگر فرائض کے علاوہ ایوان کے اجلاسوں کی صدارت کرناہے۔

21.2.7 پارلیمانی اجلاس (Parliamentary Session)

وہ مدت کا، جس کے دوران ایوان اپنے کاروبار کو چلاتاہے اسے اجلاس / سیشن کہاجاتاہے۔ آئین صدر کو اختیار دیتاہے کہ وہ ہر ایوان کو ایسے وقفوں پر طلب کرے کہ دونوں اجلاسوں کے مابین چھ ماہ سے زیادہ کا فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ لہٰذا سال میں کم سے کم دوبار پارلیمانی اجلاس ہونا چاہیے۔ ہندوستان میں پارلیمنٹ ہر سال تین اجلاس کرتی ہے:(1) بجٹ کا اجلاس: جنوری / فروری سے مئی تک (2)مون سون کا اجلاس: جولائی سے اگست / ستمبر (3) سرمائی اجلاس: نومبر سے دسمبر

21.2.8 قانون سازی کا عمل (Law making Process)

پارلیمنٹ کا سب سے اہم کام قانون سازی کرناہے جیسے قانون بنانا، اس میں ترمیم کرنایااِسے منسوخ کرناہے۔ تمام قانون سازی کی تجاویز کو بِلوں کی شکل میں پارلیمنٹ کے سامنے لایا جاتاہے۔ بل ایک قانون سازی کی تجویز کا مسودہ ہے، جو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں اور صدر کی منظوری کے بعد قانون بن جاتاہے۔

21.2.9 بلوں کی اقسام (Types of Bill)

بل کے دو قسم ہوتے ہیں: عوامی بل اور مالیاتی بل یا بجٹ۔ جو ایک ہی طریقہ کار پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں ایک ہی مراحل سے گزرتے ہیں۔ دونوں بلوں کے مابین اختلافات درج ذیل ہیں:

1۔ سرکاری بل لازمی طور پر ایک وزیر کے ذریعے پیش کیا جاتا ہے جب کہ نجی بل پارلیمنٹ کے کسی ممبر کے ذریعے وزیر کے علاوہ پیش کیا جاتا ہے۔

2۔ سرکاری بل حکومت کی پالیسیوں کی عکاسی کرتا ہے جب کہ نجی بل عوامی معاملات پر حزب اختلاف کی جماعت کے موقف کی عکاسی کرتا ہے۔

3۔ چونکہ پارلیمنٹ میں حکومت کی اکثریت ہے، عوامی بلوں کے پاس ہونے کا زیادہ موقع ہے۔ نجی ممبروں کے بلوں میں یہ فائدہ نہیں ہے۔

4۔ ایوان میں سرکاری بلوں کا تعارف کے لیے سات دن کے نوٹس کی ضرورت ہے جب کہ نجی بلوں کو متعارف کروانے کے لیے ایک ماہ کی نوٹس کی ضرورت ہے۔

5۔ حکومتی بل متعلقہ محکمہ قانون کے مشورے سے تیار کیا جاتا ہے جب کہ متعلقہ ممبر نجی بل کا مسودہ تیار کرنے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ میں پیش کیے جانے والے بلوں کی مزید درجہ بندی بھی کیا جاسکتا۔

6۔ عام بل: یہ بل مالی معاملات کے علاوہ کسی بھی معاملے سے وابستہ ہوتا ہے۔

7۔ مالیاتی بل: ان بلوں کا تعلق مالی معاملات جیسے ٹیکس، عوامی اخراجات وغیرہ سے ہے۔

8۔ معاشی بل: ان بلوں کا تعلق ان مالی معاملات سے ہے جو منی بلوں میں شامل نہیں ہیں۔ 9۔ آئینی ترمیمی بل: ان کا تعلق آئین کی دفعات میں ترمیم سے ہے۔

21.2.10 بلوں کی منظوری کا عمل (Bill Passing Process)

1۔ عام بل (Common Bill): جن پانچ مراحل سے عام بل قانون بننے کے لیے گزرتا ہے، مندرجہ ذیل ہیں:

(a) مطالعہ اوّل- اس میں پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں میں وزیر یا نجی ممبر کے ذریعے بل متعارف کرانا شامل ہے۔ اس کے بعد ہندوستان کے گزٹ میں رخصت کی گرانٹ اور اس کی اشاعت ہوتی ہے۔

(b) مطالعہ ثانی: اس مرحلے پر، اس بل کی تفصیلی جانچ پڑتال کی جاتی ہے جس میں ہر شق پر بحث شامل ہے۔ اس مرحلے کو مزید عام بحث، کمیٹی مراحل اور غور کے مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

(c) مطالعہ ثالثی: اس مرحلے پر، کسی ترمیم کی اجازت نہیں ہے۔ ایوان میں موجود اور ووٹ ڈالنے والے اراکین کی ایک سادہ اکثریت سے اس بل کو منظور کرنے کی ضرورت ہے۔ جب کسی پریذائیڈنگ آفیسر کے ذریعے بل کی توثیق ہوتی ہے تو، اسے دوسرے ایوان کو غور اور منظوری کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

(d) دوسرے ایوان میں بل: دوسرے ایوان میں بھی، ایوان میں موجود اور رائے دہندگان کی ایک سادہ اکثریت سے اس بل کو منظور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر دوسرا ایوان بغیر کسی ترمیم کے بل کو منظور کرتا ہے تو، بل کو صدر کے پاس اس کی منظوری کے لیے بھیجا جاتا ہے۔

(e) صدر کی رضامندی: اگر صدر بل پر اپنی منظوری دیتے ہیں تو، یہ بل ایکٹ بن جاتا ہے اور آئین کی کتاب میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اگر صدر

نے اس بل کی منظوری کو روک لیا تو بل ختم ہو جاتا ہے۔

2۔ مالیاتی بل(Money Bill): بل کو مالیاتی بل آئین کے آرٹیکل 110(1) کے تحت، سمجھا جاتا ہے، اگر اس میں صرف کسی بھی ٹیکس کے نفاذ، خاتمے، معافی، ردوبدل یا انضباطی معاملات، جمع شدہ فنڈ کے معاملات، جرمانے عائد کرنا وغیرہ سے متعلق معاملات شامل ہوتے ہیں۔ مالیاتی بل پر ایک بار دیے گئے اسپیکر کا سرٹیفکیٹ حتمی ہے اور اسے چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ مالیاتی بل صرف صدر کی سفارش پر لوک سبھا میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

3۔ معاشی بل(Finance Bill): معاشی بل وہ بل ہیں جو محصول اور اخراجات سے متعلق ہیں۔ معاشی بل تین طرح کے ہوتے ہیں۔ مالیاتی بل۔ آرٹیکل 110 ، معاشی بل(1) آرٹیکل 117 (2)، معاشی بل(3) آرٹیکل 117(3)۔ تمام مالیاتی بل معاشی بل ہیں، لیکن تمام معاشی بل مالیاتی بل نہیں ہیں۔ معاشی بل(1) صرف لوک سبھا میں پیش کیا جاسکتا ہے نہ کہ راجیہ سبھا میں اور صرف صدر کی سفارش پر ہی پیش کیا جاسکتا ہے۔ معاشی بل(2) پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان میں پیش کیا جاسکتا ہے اور اس کے تعارف کے لیے صدر کی سفارش ضروری نہیں ہے۔ دونوں ایوانوں میں بل مسترد یا ترمیم کرنے کا اختیار ہے۔

4۔ آئینی ترمیمی بل(Constitution Amendment Bill): آئین کی دیگر شقوں میں ترمیم کرنے کے خواہاں بلوں کو بھی دفعہ 368 (2) میں شامل کیا گیا ہے جن کو آئین ترمیمی بل کہا جاتا ہے۔ یہ بل پارلیمنٹ کے کسی بھی ایوان میں پیش کیے جاسکتے ہیں، لیکن ریاستی مقننہ میں نہیں۔ ان بلوں کے لیے صدر کی پیشگی اجازت کی ضرورت نہیں ہے اور یہ وزیر یا کسی نجی ممبر کے ذریعے پیش کیا جاسکتا ہے۔

آئینی ترمیمی بل کی تین اقسام ہیں۔ پہلا ایسے بل جنہیں پارلیمنٹ نے سادہ اکثریت سے منظور کیا ہو۔ دوسرا ایسے بل جن کو پارلیمنٹ نے خصوصی اکثریت سے منظور کیا ہو۔ اور تیسرا ایسے بل جن کو پارلیمنٹ کے ذریعے پاس کرنے کی ضرورت ہے اور کم سے کم آدھے ریاستوں کا مقننہ اس کی توثیق کریں۔

آئینی ترمیمی بلوں کی منظوری: آئینی ترمیمی بل کے لیے پارلیمنٹ کے خصوصی اکثریت کے ذریعے منظور کردہ، اور جہاں ضروری ہو، ریاستی قانون ساز مقننوں کی مطلوبہ تعداد کے ذریعے منظوری دی گئی ہو، صدر کو لازمی طور پر اس بل پر اپنی منظوری دینی ہوگی۔

21.2.11 دو ایوانوں کی مشترکہ نشست (Joint Session of both the Houses)

مشترکہ اجلاس دونوں ایوانوں کے مابین بل پر تعطل کو حل کرنے کے لیے آئین کے ذریعے فراہم کردہ ایک آئینی حل ہے۔ جب کسی بل کو لے کر ایوان عام اور ریاستی کونسل میں کوئی تعطل پیدا ہوتا ہے اور اس کے حل کے کوئی آثار نظر نہ آئے تو ایسے موقع پر صدرِ مملکت دونوں ایوانوں کی مشترکہ اجلاس طلب کرتا ہے جہاں سادہ اکثریت کی بنیاد پر بل کو منظوری دی جاتی ہے۔

21.2.12 پارلیمانی کمیٹیاں (Parliamentary Committees)

پارلیمنٹ کو پیچیدہ اور مختلف قسم کے کام انجام دینے ہوتے ہیں۔ اگر کمیٹی کو ایوان کے ذریعے مقرر یا منتخب کیا جاتا ہے یا اسپیکر یا

چیئرمین کے ذریعے نامزد کیا جاتا ہے تو کمیٹی کو پارلیمانی کمیٹی کہا جاسکتا ہے۔ اس میں لوک سبھا / راجیہ سبھا سکریٹریٹ کے ذریعے فراہم کردہ ایک سیکرٹریٹ ہے۔ پارلیمانی کمیٹی یا تو مستقل کمیٹی یا عارضی کمیٹی ہو سکتی ہے۔ قائمہ کمیٹی مستقل کمیٹیاں ہیں اور ایک مقررہ میعاد کے لیے تشکیل دی جاتی ہیں۔ عارضی کمیٹیاں ایک خاص مقصد کے لیے مقرر کی جاتی ہیں اور جب وہ رپورٹ پیش کرنے کے بعد ان کو تفویض کردہ ٹاسک ختم کرتے ہیں تو ان کا وجود ختم ہو جاتا ہے۔ ان کمیٹیوں میں مشاورتی کمیٹیاں اور تفتیشی کمیٹیاں شامل ہیں۔

پارلیمنٹ کی متعدد قائمہ کمیٹیوں کا تذکرہ ذیل میں ہے: پبلک اکاؤنٹس کمیٹی، تخمینہ کمیٹی، کمیٹی برائے عوامی منصوبے، تجارتی مشاوراتی کمیٹی، نجی اراکین کے بلوں اور قراردادوں کی کمیٹی، کمیٹی برائے، حکومتی یقین دہانی، کمیٹی برائے ماتحت قانون ساز، کمیٹی برائے بہبود وغیرہ۔

21.3 مجلس عاملہ / انتظامیہ (Executive Council/ Administrations)

حکومت کی عاملہ یا انتظامیہ ایک واحد اتھارٹی ہے جو ریاستی بیوروکریسی کی روزانہ کی انتظامیہ کی ذمہ داری ادا کرتی ہے۔ مملکت کی علاحدہ شاخوں میں اقتدار کی تقسیم، مطلب اختیارات کی علاحدگی، جمہوری خیال کے لیے مرکزی حیثیت رکھتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں، جمہوری نظام میں مقننہ، انتظامیہ اور عدلیہ کے اختیارات الگ الگ ادارے میں منقسم ہوتے ہین یہ ادارے اپنے اپنے حدود کا خیال رکھتے ہیں۔

21.3.1 صدر (The President)

انتظامیہ کا اختیار آئین کے آرٹیکل 53(1) کے مطابق بنیادی طور پر ہندوستان کے صدر پر ہے۔ صدر کے پاس تمام آئینی اختیارات ہیں اور وہ مذکورہ آرٹیکل 53 (1) کے مطابق براہ راست یا ماتحت افسران کے ذریعے ان پر عمل کرتے ہیں۔ صدر کو ہندوستان کے وزیر اعظم کی طرف سے پیش کردہ امداد اور مشوروں کے مطابق کام کرنا ہے، جو جمہوریہ ہند کی وزراء کی کونسل کی سربراہی کرتے ہیں جیسا کہ دستور ہند کے آرٹیکل 74 میں بیان کیا گیا ہے۔ وزراء کی کونسل صدر کی خوشنودی کے دوران برسر اقتدار رہتی ہے۔ تاہم، عملی طور پر، وزرا کی کونسل کو لوک سبھا کی حمایت برقرار رکھنی ہوگی۔ اگر کسی صدر نے اپنے اقدامات پر وزراء کی کونسل کو برخاست کر دیا تو اس سے آئینی بحران پیدا ہو سکتا ہے۔ اس طرح، عملی طور پر، وزراء کی کونسل کو اس وقت تک برخاست نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وہ لوک سبھا میں اکثریت کی حمایت رکھتی ہو۔ صدر ہندوستان میں بہت سے اعلی عہدیداروں کی تقرری کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ان اعلی عہدیداروں میں 28 ریاستوں کے گورنر بھی شامل ہیں۔ چیف جسٹس دیگر ججوں کے مشورے پر عدالت اعظمیٰ اور اعلی عدالتوں کے دیگر جج؛ اٹارنی جنرل؛ کمپٹرولر اور آڈیٹر جنرل؛ چیف الیکشن کمشنر اور دیگر الیکشن کمشنرز۔ یونین پبلک سروس کمیشن کے چیئرمین اور ممبران؛ گروپ 'اے' میں آل انڈیا سروسز اور سنٹرل سول سروسز کے افسران؛ اور کابینہ کی سفارشات پر دوسرے ممالک میں سفیر اور اعلی کمشنر شامل ہیں۔ صدر مملکت بحیثیت صدر، دوسرے ممالک سے بھی سفیروں کی اسناد حاصل کرتے ہیں، جب کہ وزیر اعظم، حکومت کے سربراہ کی حیثیت سے، دولت مشترکہ کے دیگر ممبروں سے تاریخی روایت کے مطابق، ہائی کمشنرز کی سندیں وصول کرتے ہیں۔

صدر ہندوستانی مسلح افواج کے سربراہ اعلیٰ ہوتے ہیں۔ ہندوستان کا صدر ایک مرتبہ سزا یافتہ شخص کی سزا کو معاف کرنے یا کم

کرنے کا حق رکھتا ہے، خاص طور پر موت کی سزا والے معاملات میں۔ صدر کا انتخاب بالواسطہ طور پر ایک انتخابی کالج کے ذریعے ہوتا ہے جس میں ہندوستان کی پارلیمنٹ (دونوں ایوانوں) اور ہندوستان کی ہر ریاست اور علاقوں کی قانون ساز اسمبلی شامل ہوتی ہے۔

21.3.2 نائب صدر (Vice- President)

نائب صدر، صدر کے بعد ہندوستان میں دوسرا اعلیٰ آئینی عہدہ ہے۔ نائب صدر، صدر کی عدم موجودگی میں قوم کی نمائندگی کرتے ہیں اور استعفی مواخذے یا صدر کی برطرفی کے واقعے میں قائم مقام صدر کے عہدے کا ذمہ داری سنبھالتے ہیں۔ نائب صدر کے پاس راجیہ سبھا کے چیئرمین کی حیثیت سے کام کرنے کا بھی ہے۔ نائب صدر کا انتخاب بالواسطہ طور پر ایک انتخابی کالج کے ممبروں کے ذریعے ہوتا ہے جو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے ممبروں پر مشتمل ہوتا ہے جس میں متناسب نمائندگی کے مطابق ایک ہی تغیر پزیر ووٹ کے ذریعے انتخاب ہوتا ہے اور ووٹنگ انتخابی کمیشن کے ذریعے ہونے والے خفیہ رائے شماری کے ذریعے ہوتی ہے۔

21.3.3 وزیر اعظم (Prime Minister)

ہندوستان کے وزیر اعظم، جیسا کہ دستور ہند میں خطاب کیا جاتا ہے، حکومت کا سربراہ، صدر کا مشیر خاص، وزراء کی کونسل کا سربراہ اور پارلیمنٹ میں اکثریتی پارٹی کا رہنما ہوتا ہے۔ وزیر اعظم ہندوستان حکومت کی انتظامیہ کی سربراہی کرتے ہیں۔ وزیر اعظم پارلیمانی نظام میں حکومت کے انتظامیہ میں کابینہ کے سینئر ممبر ہوتے ہیں۔ وزیر اعظم کابینہ کے دوسرے ممبروں کا انتخاب اور برطرف کرسکتے ہیں۔ حکومت کے اندر ممبروں کو عہدے مختص کرتے ہیں۔ وہ کابینہ کا صدارتی ممبر اور چیئرمین ہے اور وہ قانون سازی کی تجویز لانے کا ذمہ دار ہے۔ وزیر اعظم کے استعفیٰ یا انتقال سے کابینہ تحلیل ہو جاتی ہے۔ وزیر اعظم کا تقرر صدر کے ذریعے ایگزیکٹو کے امور کے انتظام میں مؤخر الذکر کی مدد کے لیے کیا جاتا ہے۔

21.3.4 ہندوستانی وزیر اعظم کا دفتر (Office of the Indian Prime Minister)

ہندوستان کے وزیر اعظم آفس (پی ایم او) وزیر اعظم کے فوری عملے کے ساتھ ساتھ متعدد سطح کے معاون عملہ پر مشتمل ہوتا ہے جو وزیر اعظم کو اطلاع دیتے ہیں۔ پی ایم او کی سربراہی پرنسپل سکریٹری کرتا ہے۔ پی ایم او کی تشکیل ایک انتظامی ایجنسی کی حیثیت کے طور پر آرٹیکل 77 (3) کی شق کے تحت تشکیل دیا گیا ہے جس کا مقصد وزیر اعظم کو سیکریٹری امداد فراہم کرنے کے لیے تھا۔ اس کی ابتدا 1947 میں وزیر اعظم کے سکریٹری کے نام سے کی گئی تھی اور بعد میں 1977 میں اس کا نام تبدیل کرکے وزیر اعظم کا دفتر رکھا گیا۔ اس کو کاروبار کے قواعد 1961 کے تحت محکمہ کا درجہ ملا ہوا ہے۔ 1961 کے کاروبار کے قواعد کی تقسیم کے مطابق وزیر اعظم کے دفتر کے بنیادی پانچ کام مندرجہ ذیل ہیں:

1. وزیر اعظم کو سیکرٹری مدد فراہم کرنا اور تھنک ٹینک کی طرح کام کرنا۔ 2. چیف ایگزیکٹو کی حیثیت سے اپنی مجموعی ذمہ داریوں کو نبھانے میں وزیر اعظم کی مدد کرنا جس میں ان تمام معاملات میں وزیر اعظم کی دلچسپی ہے۔ 3. وزیر اعظم کو منصوبہ بندی کمیشن کے چیئرمین کی

حیثیت سے اپنی ذمہ داری نبھانے میں مدد کرنا۔4. وزیر اعظم کے عوامی تعلقات کے ساتھ معاملات کرنے کے لیے، جو دانشورانہ فورم اور سول سوسائٹیوں سے متعلق ہے۔ 5.بیان کردہ اصولوں کے تحت احکامات پیش کرنے کے لیے ان کے پاس پیش کردہ مقدمات کی جانچ پڑتال میں وزیر اعظم کو معاونت فراہم کرنا تاکہ انتظامی شبہات سے متعلق فیصلوں کو حتمی شکل دینے کے لیے یہ ایک ادارہ تصفیہ کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

21.3.5 وزراء کی کونسل (Council of Ministers)

وزراء کی کونسل، وزیر اعظم کی سربراہی میں صدر کو اپنے فرائض کے استعمال میں مدد اور مشورے دیتی ہے۔ وزیر اعظم کا تقرر صدر کے ذریعے ہوتا ہے جو وزیر اعظم کے مشورے پر دوسرے وزراء کا تقرر بھی کرتا ہے۔ کونسل لوک سبھا کے لیے اجتماعی طور پر ذمہ دار ہے۔ وزراء کی کونسل میں ایسے وزراء شامل ہوتے ہیں جو کابینہ کے ممبر، وزیر مملکت (آزاد عہدہ)، وزرائے مملکت اور نائب وزراء پر مشتمل ہوتے ہیں۔

کابینہ (Cabinet) : ہندوستان کی کابینہ میں وزیر اعظم اور کابینہ کے وزرا شامل ہیں۔ ہر وزیر پارلیمنٹ کے کسی ایک ایوان کا ممبر ہونا چاہیے۔ کابینہ کی سربراہی وزیر اعظم کرتے ہیں، اور کابینہ کے سکریٹری کے ذریعے انہیں مشورہ دیا جاتا ہے۔ یہ وزراء کی کونسل کے بزرگ اور سیاسی طور پر طاقتور ممبران کی جماعت ہوتی ہے اور عملی طور پر وزیر اعظم کے خاص اور نزدیکی ہوتے ہیں۔

وزارتیں (Ministries) : دیگر وزراء یا تو مرکزی کابینہ کے وزراء کے طور پر ہوتے ہیں، جو مختلف وزارتوں کے سربراہ ہوتے ہیں۔ یا وزیر مملکت، جو جونیئر ممبر ہیں جو کابینہ کے کسی وزیر کو براہ راست رپورٹ کرتے ہیں، اکثر حکومت کے کسی خاص پہلو کی نگرانی کرتے ہیں۔ یا وزیر مملکت (آزاد عہدہ)، جو کابینہ کے وزیر کو رپورٹ نہیں کرتے ہیں۔ آئین کے آرٹیکل 88 کے مطابق، ہر وزیر کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ کسی بھی ایوان، ایوان کی مشترکہ نشست، اور پارلیمنٹ کی کسی کمیٹی کی جس میں اس کو ممبر نامزد کیا جاسکے، لیکن جس ایوان میں وہ ممبر نہیں ہے وہاں ووٹ ڈالنے کا حقدار نہیں ہوگا۔

سکریٹریز(Secretaries): حکومتِ ہند کا ایک سکریٹری، ایک سرکاری ملازم، عام طور پر ہندوستانی انتظامی خدمات (IAS) کا افسر، وزارت یا محکمہ کا انتظامی سربراہ ہوتا ہے، اور وزارت / محکمہ کے اندرونی پالیسی اور انتظامیہ کے تمام معاملات پر وزیر کا بنیادی مشیر ہوتا ہے۔۔ اعلی سطح پر سکریٹریوں کی مدد ایک یا بہت سے اضافی سکریٹریوں کے ذریعے کی جاتی ہے، جسے مزید مشترکہ سکریٹریوں کی مدد حاصل ہوتی ہے۔ بعد ازیں ان کی مدد ڈائریکٹرز / ڈپٹی سکریٹری اور نائب سیکرٹری کے ذریعے ہوتی ہے۔ نچلی سطح پر، سیکشن افسران، اسسٹنٹ سیکشن آفیسرز، اپر ڈویژن کلرک، لوئر ڈویژن کلرک اور دیگر سیکریٹریل عملہ موجود ہوتے ہیں۔

کابینہ کے سکریٹری(Cabinet Secretary) : کابینہ کے سکریٹری سب سے اعلیٰ ایگزیکٹو آفیسر اور حکومت ہند کے سینئر ترین سرکاری ملازم ہیں۔ کابینہ کا سکریٹری سول سروسز بورڈ، کابینہ سیکرٹریٹ، ہندوستانی انتظامی خدمات (آئی اے ایس) کا بحیثیت عہدہ سربراہ اور حکومت کے کاروبار کے قواعد کے تحت تمام سول خدمات کا سربراہ ہے۔ کابینہ کے سکریٹری وزیر اعظم کے براہ راست چارج کے تحت ہوتا ہے۔

21.4 عدلیہ (Judiciary)

ہندوستان کا عدالتی نظام انگریزوں کے دور میں شروع ہوا تھا، اور اس کے تصورات اور طریقہ کار اینگلو سکسن ممالک سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ہندوستان کی سپریم کورٹ چیف جسٹس اور 30 شریک ججوں پر مشتمل ہے، ان کی تقرری چیف جسٹس آف انڈیا کے مشورے پر صدر کرتے ہیں۔ جیوری ٹرائلز / جماعت منصفین بھارت میں 1940 کی دہائی کے اوائل میں، میڈیا اور عوامی دباؤ کے ساتھ ساتھ گمراہ کن ہونے کی وجوہات کی بناء پر مشہور مقدمہ ایم ناناوتی بمقابلہ ریاست مہاراشٹرا کے بعد کے ختم کر دیے گئے تھے۔ ہندوستان کا نظام عدل ریاست اور یونین دونوں سطحوں پر یک یکجہتی نظام پر مشتمل ہے۔ عدلیہ ہندوستان کی عدالت اعظمیٰ، اعلیٰ عدالتوں ریاستی سطح پر، اور ضلعی سطح پر ضلعی عدالتوں اور سیشن عدالتوں پر مشتمل ہے۔

سپریم کورٹ (Supreme Court)

ہندوستان کی سپریم کورٹ، ہندوستان کے دارالحکومت نئی دہلی کے علاقے میں واقع ہے۔ سپریم کورٹ آئینی جائزہ لینے کی طاقت کے ساتھ، سب سے اعلیٰ عدالتی فورم اور آئین ہند کے تحت اپیل کی حتمی عدالت ہے۔ چیف جسٹس آف انڈیا پر مشتمل اور 30 منظور شدہ دیگر شریک ججوں پر مشتمل، اس کے پاس اصل، اپیلٹ / مرافعہ اور مشاوراتی دائرہ اختیار کی شکل میں وسیع اختیارات ہیں۔

ملک کی مرافعت کی حتمی عدالت ہونے کے ناطے، یہ بنیادی طور پر یونین کی مختلف ریاستوں کے اعلیٰ عدالتوں اور دیگر عدالتوں اور ٹریبونلز کے فیصلوں کے خلاف عرضی کی سنوائی کرتا ہے۔ یہ شہریوں کے بنیادی حقوق کا تحفظ کے ساتھ ساتھ آئین کا نگراں بھی ہے اور ملک میں مختلف حکومتوں کے مابین تنازعات کو طے کرتا ہے۔ ایک مشاورتی عدالت کے طور پر، وہ ایسے معاملات سنتا ہے جو صدر کے ذریعے آئین کے تحت خاص طور پر اس کا حوالہ دیتے ہیں۔ بغیر کسی کی توجہ اس کی طرف مبذول کروائے یہ معاملات کو از خود (سوموٹو) پر بھی توجہ دے سکتا ہے۔ سپریم کورٹ کے ذریعے اعلان کردہ قانون ہندوستان کی تمام عدالتوں اور یونین اور ریاستی حکومتوں کے لیے بھی پابند ہو جاتا ہے۔ آرٹیکل 142 کے تحت، صدر کا فرض ہے کہ وہ سپریم کورٹ کے احکامات کو نافذ کریں۔

اس کے علاوہ، آئین کی دفعہ 32 بنیادی حقوق کے نفاذ کے سلسلے میں سپریم کورٹ کو ایک وسیع اصل دائرہ اختیار فراہم کرتا ہے۔ اس کو مختلف نوعیت کی ہدایات، احکامات یا نوشتہ / Writs جاری کرنے کا اختیار ہے بشمول، پروانہ حاضری مُلزم (Habeas corpus)، پرمادیش (Mandamus)، ممانعت (Prohibition)، جمود کا حکم / طلب سند (Quo warranto) اور تصدیق نامہ (Certiorari) تاکہ اپنے ہدایات، احکامات اور نوشتہ کو نافذ کرسکے۔ کسی بھی دیوانی یا فوجداری کیس کو براہ راست ایک ریاست کے ہائی کورٹ سے دوسری ریاست کے ہائی کورٹ میں منتقل کرنے کا اختیار، یا کسی اور ریاست ہائی کورٹ یا ماتحت عدالت سے اور سپریم کورٹ میں منتقل کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اگرچہ سپریم کورٹ میں کارروائی ماتحت عدالتوں کے فیصلے یا احکامات کی وجہ سے اٹھتی ہے، لیکن دیر سے ہی سپریم کورٹ نے ایسے معاملات پر غور کرنا شروع کر دیا ہے جس میں عوام کی دلچسپی شامل ہے۔ یہ کسی بھی فرد یا افراد کے کسی گروہ کے ذریعے یا تو رٹ پٹیشن عدالت

کے فائلنگ کاؤنٹر پر دائر کر کے، یا چیف جسٹس آف انڈیا کو خطاب کر کے ایک خط کے ذریعے، عوامی مسائل کی اہمیت کے ازالے کے بارے میں روشنی ڈالنے کے ذریعے کیا جاسکتا ہے۔ یہ عوامی مفادات کی قانونی چارہ جوئی کے نام سے جانا جاتا ہے۔

21.5 انتخابات اور رائے دہندگی (Election and Voting)

ہندوستانی حکومت، یونین، ریاست اور مقامی سطح پر منتخب عہدیداروں کے ساتھ ایک نیم وفاقی / نیم وحدانی حکومت ہے، جسے "یونین" یا "مرکزی" حکومت کہا جاتا ہے۔ قومی سطح پر، حکومت کے سربراہ، وزیر اعظم، کو ہندوستان کے صدر کی طرف سے پارٹی یا اتحاد کے رہنما ہونے کے ناطے مقرر کیا جاتا ہے جس کو لوک سبھا میں اکثریت کی نشستیں حاصل ہوتی ہیں۔ لوک سبھا کے ممبروں کو، واحد ممبر تکثیری رائے دہندگی کا انتخابی نظام (First-Past-the-Post Voting System)، کے ذریعے آفاقی بالغ رائے دہندگی کے ذریعے پانچ سال کی مدت کے لیے براہ راست منتخب کیا جاتا ہے۔ ریاستوں کی نمائندگی کرنے والے راجیہ سبھا کے ممبران متناسب نمائندگی کے ذریعے ریاستی قانون ساز اسمبلیوں کے ممبروں کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ صدر کے ذریعے نامزد کردہ 12 ممبران بھی راجیہ سبھا بھیجے جاتے ہیں۔ ہندوستان اس وقت دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت ہے، جس میں لگ بھگ 900 ملین اہل ووٹرز (2019) ہیں۔

21.6 ریاستی حکومت (State Government)

ہندوستان میں ریاستی حکومتیں ہندوستانی ریاستوں پر راج کرنے والی حکومتیں ہیں اور چیف منسٹر / وزیر اعلیٰ ریاستی حکومت کی سربراہی کرتے ہیں۔ اقتدار مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں میں تقسیم ہے۔ ہندوستان کی ریاست کو ریاستی فہرست اور متفقہ فہرست (جزوی طور پر) میں درج موضوع پر قانون بنانے کا اختیار حاصل ہے۔ ریاستی حکومت کا مقننہ چھ ریاستوں میں (بہار، اُتّر پردیش، آندھرا پردیش، مہاراشٹرہ، کرناٹک اور تیلنگانہ) دو ایوانی / جفتی ہے اور باقی میں یکسانہ ہے۔ ریاستی مقننہ جس کے دو ایوان ہیں - ریاستی قانون ساز اسمبلی (ودھان سبھا) اور ریاستی قانون ساز کونسل (ودھان پریشد) - وہ دو ایوانی / جفتی مقننہ کہلاتی ہے۔ ودھان سبھا ایوانِ زیریں ہے جب کہ ودھان پریشد ایوانِ بالا ہے۔ ایوان زیریں کا انتخاب پانچ سال کی مدت کے لیے ہوتا ہے، جب کہ ایوان بالا میں ایوان کے کل اراکین میں سے ایک تہائی رکن ہر دو سال بعد چھ سال کی مدت کے لیے منتخب ہوتا ہے۔ عدالتِ اعظمیٰ کے فیصلے کے مطابق مرکز کچھ شرائط کے تحت اگر ضروری ہو تو صدر کے حکمرانی کے حق میں ریاستی حکومت کو تحلیل کر سکتا ہے۔

21.7 بلدیاتی / مقامی حکومت (Local Government)

مقامی حکومت بنیادی سطح پر کام کرتی ہے۔ یہ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے علاوہ حکومت کا تیسرا درجہ ہے۔ یہ دیہی علاقوں میں پنچایتوں اور شہری علاقوں میں میونسپلٹیوں پر مشتمل ہے۔ اس کے رکن عوام کے ذریعے بالواسطہ یا بلاواسطہ منتخب ہوتے ہیں۔ 1992 کے آئینی ترمیم کے بعد سے، ہندوستان میں بلدیاتی حکومت دو الگ الگ شکلوں میں ہوتی ہے: شہری بلدیاتی حکومت اور دیہی بلدیاتی حکومت۔

شہری علاقوں میں ان کے اختیارات انفرادی ریاستی حکومتوں سے حاصل ہوتے ہیں۔ شہری مقامی حکومتوں کی اقسام میں شامل ہیں: 1 میونسپل کارپوریشنز / نگر نگم 2 میونسپل کونسل / نگر پالیکا 3 نگر پنچایت / قصبے کا علاقہ جب کہ دیہی علاقوں کے اختیارات کو پنچایتی راج نظام کے تحت آئین سے باضابطہ کر دیا گیا ہے۔ دیہی مقامی حکومتوں (یا پنچایتی راج اداروں) میں شامل ہیں: 1 ضلع پنچایت / پریشد 2 منڈل یا تھانہ پنچایت 3 گرام پنچایت

21.8 مرکزی علاقہ جات (Union Territory)

مرکزی علاقہ جمہوریہ ہند میں ایک قسم کا انتظامی تقسیم ہے۔ ہندوستان کی ریاستوں کے برعکس، جن کی اپنی حکومتیں ہیں، مرکزی خطے وفاقی ریاست ہیں جو ہندوستان کی مرکزی حکومت کے زیر اقتدار ہیں۔ 2020 تک آٹھ مرکزی خطے ہیں (جزائر انڈمان و نکوبار، چندی گڑھ، دادرا و نگر حویلی، دمن و دیو، لکشادیپ، پونڈیچری، دہلی اور لداخ)۔ ہندوستان کی پارلیمنٹ آئین میں ترمیم کر کے ایک قانون پاس کر سکتی ہے اور منتخب ممبروں اور ایک وزیر اعلی کے ساتھ ایک مرکزی خطے کے لیے ایک قانون ساز ایوان فراہم کر سکتی ہے، جیسا کہ اس نے دہلی اور پڈوچیری کے لیے کیا ہے۔ عام طور پر، ہندوستان کے صدر، ہر مرکزی علاقہ جات کے لیے ایک منتظم یا لیفٹیننٹ گورنر مقرر کرتے ہیں۔

21.9 ہندوستان میں سیاسی جماعت کا نظام (Political Party System in India)

دوسرے جمہوری نظاموں کے مقابلے میں، ہندوستان میں جمہوری حکمرانی کے اپنی تاریخ کے دوران ایک بڑی تعداد میں سیاسی جماعتیں تشکیل پائی ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق ۱۹۴۷ میں ہندوستان کے آزاد ہونے کے بعد 200 سے زیادہ پارٹیاں تشکیل دی گئیں۔ ہندوستان میں سیاسی جماعتوں کی قیادت عام طور پر معروف خاندانوں کے ساتھ منسلک ہوتی ہے جن کے خاندان کے رہنماؤں نے پارٹی میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ مزید برآں، پارٹی قیادت کے کردار اکثر انہی خاندانوں میں آنے والی نسلوں میں منتقل کر دیے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں دو اہم پارٹیاں بھارتیہ جنتا پارٹی ہیں، جنہیں بی جے پی بھی کہا جاتا ہے، جو کہ دائیں بازو کی سرکردہ جماعت ہے، اور انڈین نیشنل کانگریس، جسے عام طور پر (Indian National Congress) INC یا کانگریس کہا جاتا ہے۔ یہ دونوں جماعتیں اس وقت قومی سیاست پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے رشہ کشی کر رہی ہیں۔۔ دونوں اپنی پالیسیوں کو بائیں دائیں کے سیاسی سپیکٹرم پر اپنی جگہوں پر ڈھیلے ڈھالے رہے ہیں۔ اس وقت ہندوستان میں، آٹھ قومی پارٹیاں اور بہت متعدد ریاستی پارٹیاں موجود ہیں۔

اگرچہ 1984 میں انسداد انحراف (Anti-defection law) کے ایک سخت قانون کو منظور کیا گیا تھا، لیکن سیاست دانوں میں کانگریس یا بی جے پی جیسی وسیع البنیاد پارٹی میں شامل ہونے کی بجائے اپنی پارٹیوں کو چلانے کا رجحان جاری ہے۔ مثال کے طور پر، 1984 اور 1984 کے انتخابات کے درمیان، انتخابات میں حصہ لینے والی جماعتوں کی تعداد 33 سے بڑھ کر 113 ہوگئی۔ اس کے بعد سے کئی دہائیوں میں، یہ ٹوٹ پھوٹ جاری ہے۔ بیشتر ریاستوں میں علاقائی سیاسی جماعتوں کا گڑھ ہے۔ یہ جماعتیں قومی سیاسی جماعتوں کی قیمت پر مقبولیت

حاصل کر رہی ہیں۔ ان پارٹیوں میں سے بہت سے مختلف ریاستوں میں اقتدار میں ہیں۔ علاقائی سیاسی جماعتوں کے اقتدار میں اضافے نے مرکز میں اور مختلف ریاستی انتخابات میں حکومت سازی میں ان کے کردار میں نمایاں اضافہ کیا ہے۔

21.10 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں ہم نے ہندوستان کے مختلف آئینی اور سیاسی ادارے کا جائزہ لیا۔
- ساتھ ہی طلبا یہ بھی جان پائیں گے کہ آئینی اور سیاسی ادارے کس طرح اپنا کام کرتی ہیں۔
- قانون سازی کیا ہے، مجلسِ عاملہ کی کیا اختیارات ہیں اور عدلیہ کس طرح اپنے فرض کو انجام دیتی ہے۔
- اس اکائی کے ذریعے طلبا کو ہندوستان کی عدلیہ کی جانکاری کے ساتھ حکومت کے مختلف درجات، ہندوستان میں سیاسی جماعت کے نظام اور با اثر حلقہ کے بارے میں بھی تفصیل سے معلومات حاصل کی گئ۔

21.11 کلیدی لفاظ (Keywords)

- پارلیمانی نظام : ایسا نظام حکومت ہے جس میں ایک کابینہ بالواسطہ یا بلا واسطہ ایک پارلیمنٹ کے تحت کام کرتی ہے۔
- موثر اکثریت : اس سے مراد ایوان کی موثر طاقت کے 50 فیصد سے زیادہ اکثریت ہے۔
- خصوصی اکثریت : سادہ، مطلق اور موثر کے علاوہ کسی بھی اکثریت کو خصوصی اکثریت کہا جاتا ہے۔
- دولت مشترکہ : برطانوی سلطنت کے تقریباً تمام سابقہ علاقوں پر مبنی 55 ممبر ممالک کی ایک سیاسی تنظیم ہے۔

21.12 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

21.12.1 معروضی جوابات کے حامل سوالات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی پارلیمنٹ کس پر مشتمل ہوتا ہے؟

(a) لوک سبھا پر (b) راجیہ سبھا پر (c) لوک سبھا و راجیہ سبھا پر (d) لوک سبھا، راجیہ سبھا و صدر پر

2۔ کس حکومتی نظام میں انتظامیہ مقننہ کا حصّہ ہوتا ہے اور اسی کو جوابدہ ہوتا ہے؟

(a) صدارتی نظام میں (b) پارلیمانی نظام میں (c) وحدانی نظام میں (d) وفاقی نظام میں

3۔ آئین کے مطابق لوک سبھا کی زیادہ سے زیادہ کتنی نشستیں ہو سکتی ہیں؟

(a) 550 (b) 551 (c) 552 (d) 553

4۔ہندوستانی پارلیمان کے ایوانوں کے دو اجلاس کے درمیان زیادہ سے زیادہ کتنے مدّت کا وقفہ ہو سکتا ہے؟

(a) دو ماہ (b) چار ماہ (c) چھ ماہ (d) آٹھ ماہ

5۔ایوان میں بل پاس ہونے کے لیے اس کو کتنے مراحل سے گزرنا پڑتا ہے؟

(a) تین (b) پانچ (c) سات (d) نو

6۔آئین کے کس دفعہ کے تحت کسی بل کو مالی بل کہا جاتا ہے؟

(a) 110 (b) 111 (c) 112 (d) 113

7۔کس بل کو صدر کی پیشگی اجازت کے ساتھ صرف اور صرف ایوانِ عام میں ہی پیش کیا جاسکتا ہے؟

(a) معاشی بل (b) مالیاتی بل (c) آئینی ترمیمی بل (d) عام بل

8۔اگر کمیٹی کو ایوان کے ذریعے مقرر یا منتخب کیا جاتا ہے یا اسپیکر یا چیئرمین کے ذریعے نامزد کیا جاتا ہے تو کمیٹی کو کیا کہتے ہیں؟

(a) منتخب کمیٹی (b) عارضی کمیٹی (c) دائمی کمیٹی (d) پارلیمانی کمیٹی

9۔ریاستی حکومت کو کس فہرست کی موضوع پر قانون بنانے کا جُزوی حق حاصل ہے؟

(a) مرکزی فہرست (b) ریاستی فہرست (c) متفقہ فہرست (d) ذیلی فہرست

10۔کس اختیار کے تحت سپریم کورٹ بنیادی طور پر یونین کی مختلف ریاستوں کے اعلیٰ عدالتوں اور دیگر عدالتوں اور ٹریبونلز کے فیصلوں کے خلاف عرضی کی سنوائی کرتا ہے؟

(a) اصلی اختیار (b) مرافعتی اختیار (c) مشاوراتی اختیار (d) کامل اختیار

21.12.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ ہندوستانی پارلیمانی نظام سے آپ کیا سمجھتے ہیں؟ مختصر بحث کیجیے۔

2۔ ہندوستانی مرکزی ایوانِ بالا اور ایوانِ زیریں کے درمیان فرق واضح کریں۔

3۔ وزیرِ اعظم کے دفتر کی ساخت، کردار اور کارکردگی پر روشنی ڈالیے۔

4۔ وفاقی طرز حکومت کی خوبیاں بیان کیجیے۔

5۔ ہندوستانی بلدیاتی حکومت کا جائزہ لیتے ہوئے اس کی شکلوں اور اقسام پر تبصرہ کیجیے۔

21.12.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ پارلیمانی طرز حکومت کیا ہے اس کی خصوصیات بیان کیجیے؟

2۔ عام بل قانون بننے کے لیے جن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے اسے تفصیل سے بیان کیجیے۔

3۔ حکومت کی مختلف شکلوں پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

21.13 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. B. Chakarvarty and R. K Pandey (2008) Indian Government and Politics, Sage Publisher, New Delhi
2. Peu Ghosh (2017) Indian Government and Politics, PHI Learning Private Limited, New Delhi
3. B.L Fadia and Kuldip Fadia (2017) Indian Government and Politics, Sahitya Bhawan
4. D. D. Basu (2019) Introduction of the Constitution, Lexi Nexi

اکائی 22۔ برطانیہ کی حکومت اور سیاست

(British Government and Politics)

اکائی کی اجزا

22.0	تمہید
22.1	مقاصد
22.2	برطانوی تاریخ کا سیاست پر اثر
22.3	تاج بادشاہی
22.4	مجلس مقننہ
22.6	مجلسِ عاملہ
22.7	توسیع یافتہ حکومت
22.8	برطانوی عدالت
22.9	مقامی حکومت
22.10	اکتسابی نتائج
22.11	کلیدی الفاظ
22.12	نمونہ امتحانی سوالات
22.13	مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

22.0 تمہید (Introduction)

طلبا اس اکائی میں ہم برطانیہ کی حکومت اور سیاست کا گہرائی سے مطالعہ کریں گے۔

اپنے (غیر تحریری) آئین کی طرح، وقت کے ساتھ ساتھ برطانوی ریاست بھی تیار ہوئی۔ ہمیں شاید 1066 سے شروع کرنے کی ضرورت ہوگی جب نور منس Normans کے فاتح ولیم نے اس پر حملہ کیا جس کو اب ہم انگلینڈ کہتے ہیں، اینگلو سیکسن کنگ ہیرالڈ کو شکست دے کر ایک نارمن شاہی حکومت قائم کی۔ نورمن انگلینڈ کو فتح کرنے سے مطمئن نہیں ہوئے اور اگلی چند صدیوں میں آئرلینڈ، ویلز اور اسکاٹ لینڈ کو فتح کرنے کی کوشش کی۔ وہ پہلے دو کے ساتھ کامیاب ہوئے اور صدیوں سے کئی جنگوں کے باوجود آخری میں ناکام رہے۔ تاریخ کے ان ستم ظریفی میں سے ایک، جب 1603 میں انگلینڈ کی ملکہ الزبتھ کا انتقال ہو گیا، اس کے بعد اس کی اس کی کزن جیمس ششم، اسکاٹ لینڈ کے بادشاہ، ایڈنبرگ فوری طور پر انگلینڈ کے کنگ جیمس اول کی حیثیت سے لندن میں مقیم ہوا، جب کہ اسکاٹس کا اعزاز برقرار رکھا۔ اور ریموٹ کنٹرول کے ذریعے اسکاٹ لینڈ چلاتا رہا۔

ایک صدی کے بعد اسکاٹش کی معاشی اور سیاسی اشرافیہ (Darien Scheme) ڈیرین اسکیم کے ذریعے دیوالیہ ہو گئے اور انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ کے مابین یونین سے اتفاق کیا کہ وہ خود کو دوبارہ محلول بنائے۔ اس طرح 1707 میں برطانیہ ایک پارلیمنٹ کے تحت جو لندن میں مقیم تھی، وجود میں آئی۔ آئرش پارلیامنٹ 1801 میں ختم کر دیا گیا اور اس نئے سیاسی وجود کو متحد سلطنت آف عظیم برطانیہ اور آئرلینڈ کا نام دیا گیا۔ سمجھنے کی بات ہے کہ جنوبی (کیتھولک) آئرش نے کبھی اپنے آپ کو انگریزوں کے زیر اقتدار رہنے کے لیے مصالحت نہیں کی اور 1916 میں بغاوت کی اور 1922 میں آزادی حاصل کر لی۔ شمالی (پروٹسٹنٹ) آئرش آزادی نہیں چاہتا تھا اور اسی طرح متحد سلطنت آف برطانیہ اور شمالی آئرلینڈ وجود میں آیا۔

دریں اثنا، اگرچہ نورمنس (Normans) نے اس ملک پر کامیاب یلغار کرنے میں آخری کامیابی حاصل کی تھی، لیکن اس قوم کو فتح کرنے کے لیے اور بہت سارے دوسرے منصوبے تھے، خاص طور پر 1588 میں شاہ فلپ دوم کے تحت ہسپانوی، 1803-1805 میں نپولین کے ماتحت فرانسیسی، اور جرمن 1940 میں ہٹلر کے ماتحت۔ مگر کوئی کامیاب نہیں ہوا۔

مزید یہ کہ، حالیہ صدیوں میں، برطانیہ میں اس طرح کا انقلاب برپا نہیں ہوا ہے جس کا تجربہ بہت سارے دوسرے ممالک نے کیا ہے۔ کچھ لوگوں کا استدلال ہو سکتا ہے کہ انگریزی خانہ جنگی (1642-1651) قوم کا انقلاب تھا اور اگرچہ ساڑھے تین صدی پہلے تھا۔ مگر اس نے اقتدار میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لائی، لیکن اس کا بنیادی نتیجہ آئینی تھا۔ برطانوی تاریخ میں ایک وقت تھا جسے ہم "شاندار انقلاب" (1688Glorious , Revolution) کہتے ہیں لیکن یہ ایک بہت ہی منفرد انقلاب تھا، اس معنی میں کہ کسی کی موت نہیں ہوئی۔ لہٰذا انگریزوں کے پاس کبھی بھی امریکی انقلاب یا فرانسیسی انقلاب کے مترادف کچھ نہیں تھا۔

22.1 مقاصد (Objective)

کسی بھی ملک کے سیاسی نظام کو مکمل طور پر سمجھنے کے لیے، اس کی تاریخ کے بارے میں کچھ سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ خاص طور پر برطانیہ کے بارے میں سچ ہے کیونکہ اس کی تاریخ دوسری ممالک سے بہت مختلف رہی ہے اور، اس کے نتیجے میں، اس کا سیاسی نظام دیگر ممالک سے بھی بہت مختلف ہے۔ اس سبق کا مقصد برطانیہ کی حکومت اور سیاست کا تفصیلی جائزہ لینا ہے۔ برطانیہ کا تاریخی پس منظر، اس کے سیاست کے عروج وزوال کا موجودہ صورتِ حال پر اثر۔ علاوہ ازیں عہدِ حاضر میں برطانیہ کے آئینی ادارے اور سیاسی محرکات پر بھی بحث کرتا ہے۔ برطانیہ کی حکومت اور سیاست میں مختلف اداروں کا کردار اور اختیارات پر روشنی ڈالنی ہے۔

22.2 برطانوی تاریخ کا سیاست پر اثر (Impact of British History on Politics)

برطانوی سیاسی نظام کی نوعیت کو سمجھنے میں سب سے اہم حقیقت اس نظام کا بنیادی تسلسل ہے۔ تقریباً ایک ہزار سالوں سے، برطانیہ پر کسی لمبے عرصے یا کسی خاص علاقے پر حملہ یا قبضہ نہیں ہوا ہے کیونکہ انگلینڈ پر آخری کامیاب حملہ نارمنوں کے ذریعے 1066 میں ہوا تھا۔ برطانوی سیاسی تاریخ کو بہت زیادہ آسان بنانے کے لیے ہم کہ سکتے ہیں کہ یہ ایک طاقتور بادشاہ سے سیاسی طاقت اور جوابدہی کی منتقلی کی جدوجہد رہی ہے - جس نے یہ دعوی کیا تھا کہ اسے خدا سے حکمرانی کا حق ملا ہے، جو عام لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے اور اسی کو جوابدہ بھی ہے۔ اس طرح کامل جمہوریت کی اس طویل اور پریشان کن سڑک کے بہت سے سنگ میل رہے ہیں۔

اس ارتقاء کی ایک اہم تاریخ 1215 تھی جب شاہ جان (King John) کو میگنا کارٹا (Magna Carta) پر دستخط کرنے پر مجبور کیا گیا تھا جس میں اس زمیندار کے ساتھ اقتدار بانٹنا بھی شامل تھا۔ اسے دنیا میں شہریوں کے حقوق کا پہلا بیان سمجھا جاتا ہے۔

نام نہاد ماڈل پارلیمنٹ کو کنگ ایڈورڈ اوّل (King Edward I) نے 1295 میں طلب کیا تھا اور اسے پہلی نمائندہ اسمبلی سمجھا جاتا ہے۔ یوروپ کے دوسرے حصوں کے مطلق العنان بادشاہوں کے برعکس، انگلینڈ کے بادشاہ کو اپنے رعایا پر ٹیکس لگانے کے لیے پارلیمنٹ سے منظوری کی ضرورت تھی اور اسی طرح اب، طاقت کے استعمال میں مرکزی حیثیت فنڈ جمع کرنے کی صلاحیت تھی۔

برطانوی پارلیمنٹ کی دوجہتی (bicameral) نوعیت: دارالعوام اور دارالخاص (Commons and Lords) 1341 میں سامنے آئی اور مقننہ کے دوایوانی ماڈل نے بہت سارے پارلیمانی نظاموں میں سانچے کی حیثیت سے کام کیا۔ حقوق العباد 1289 (Bill of Rights)، جو تاحال عمل میں ہے، بادشاہ کے اختیارات پر پابندی عائد کرتا ہے اور پارلیامنٹ میں آزادی اظہار، پارلیمنٹ میں باقاعدگی سے انتخابات کا تقاضہ، اور اس کے حق کے لیے پارلیمنٹ کے حقوق اور قوانین کا تعین کرتا ہے۔

22.3 تاج بادشاہی (The Crown)

برطانوی بادشاہ، اس وقت ملکہ الزبتھ دوئم (Queen Elizabeth II)، برطانیہ کے صدر مملکت ہیں۔ اگرچہ وہ حکومت میں

براہ راست حصہ نہیں لیتی ہیں، مگر ولی عہد ہونے کے سبب حکومت کی حتمی عاملہ طاقت اسی میں مقیم رہتی ہے۔ ان اختیارات کو شاہی امتیاز (Royal Prerogative) کے نام سے جانا جاتا ہے اور یہ بہت ساری چیزوں کے لیے استعمال ہو سکتے ہیں، جیسے پاسپورٹ کے اجراء یا واپس لینے، وزیر اعظم کی برخاستگی تک یا جنگ کا اعلان تک۔ یہ اختیارات بادشاہ کے پاس ذاتی طور پر، ولی عہد کے نام پر دیے گئے ہیں، اور مختلف وزراء، یا ولی عہد کے دوسرے افسران کے حوالے کیے جاسکتے ہیں اور جان بوجھ کر پارلیمنٹ کی رضامندی کو نظر انداز کر سکتے ہیں۔ حکومت کے سربراہ، وزیر اعظم کے ساتھ بھی ہفتہ وار ملاقاتیں کرتی ہیں، جہاں وہ اپنے جذبات کا اظہار کر سکتی ہیں، متنبہ کر سکتی ہیں یا حکومت کے کام میں وزیر اعظم کو مشورہ دے سکتی ہیں۔ برطانیہ کے غیر مصدقہ آئین کے مطابق، بادشاہ کے پاس درج ذیل اختیارات ہیں:

22.3.1 داخلی اختیارات (Internal Authority)

- وزیر اعظم کو برخاست اور تقرری کا اختیار۔ دوسرے وزراء کو برخاست اور تقرری کا اختیار۔ پارلیمنٹ کو طلب کرنے اور ان کو توثیق کرنے کا اختیار۔ بلوں پر رائل اجازت نامے دینے یا انکار کرنے کا اختیار۔ مسلح افواج میں آفیسرز کو کمیشن کرنے کا اختیار۔ برطانیہ کی مسلح افواج کو کمانڈ کرنے کا اختیار۔ ملکہ کے مشورے پر ممبروں کی تقرری کا اختیار۔ پاسپورٹ جاری کرنے اور واپس لینے کا اختیار، اعزازات دینے کا اختیار وغیرہ۔

22.3.2 خارجی اختیارات (External Authority)

معاہدوں کی توثیق کرنے اور بنانے کا اختیار۔ جنگ اور امن کے اعلان کرنے کی اختیار۔ بیرون ملک مسلح افواج کی تعیناتی کا اختیار۔ ریاستوں کو تسلیم کرنے کی اختیار۔ سفارتکاروں کی تقرّی کرنے اور وصول کرنے کا اختیار

22.4 مجلس مقننہ (Legislature)

برطانیہ کی پارلیمنٹ برطانیہمیں ایک اعلی قانون ساز ادارہ ہے (یعنیپارلیمانی خود مختاری ہے)، اور حکومت اس کی طرف ذِمہ دار اور جوابدہ ہے۔ پارلیمنٹدو ایوانی ہے، جس میں دارالعوام / ہاؤس آف کامنز (House of Commons) اور دارالخاص / ہاؤس آف لارڈز (House of Lords) شامل ہیں۔ متعدد قانون سازی اختیارات کے ساتھ اسکاٹش اور ویلش تفویض کردہ پارلیمنٹ اور شمالی آئرلینڈ میں ایک تفویض کردہ اسمبلی موجودہیں۔

22.4.1 برطانوی پارلیمنٹ (British Parliament)

دارالعوام / ہاؤس آف کامنز (The House of Commons)

یہ ایوانِ زیریں ہے لیکن ایک ایسا جس کے پاس سب سے زیادہ اختیارات ہے۔

- دارالعوام کی صدارت اسپیکر کرتا ہے۔ امریکی ایوان نمائندگان میں اسپیکر کے برخلاف، یہ عہدہ غیر سیاسی ہے اور واقعتاً، کنونشن

کے ذریعے، سیاسی پارٹیاں اسپیکر کے زیر اقتدار پارلیمانی حلقہ میں انتخاب نہیں لڑتیں۔

- دارالعوام اس وقت 650 ممبران پر مشتمل ہے۔ بین الاقوامی معیار کے مطابق یہ ایک بہت بڑی مقننہ ہے۔
- عجیب بات یہ ہے کہ ممبر ووٹ دیتے وقت (ووٹ کو 'ڈویژن' کہتے ہیں) جسمانی طور پر ان دولابیوں میں سے کسی ایک کے طرف چلے جاتے ہیں جو کامنس چیمبر کے اطراف میں ہیں۔ یہ لابی 'مثبت' ('aye') لابی اور 'منفی' ('nay') لابی کہلاتے ہیں۔
- دارالعوام میں ہر ممبر جغرافیائی حلقے کی نمائندگی کرتا ہے۔ عام طور پر کسی حلقے میں 60 سے 80 ہزار رائے دہندگان ہوتے ہوں گے، اس بات پر انحصار ہوتا ہے کہ یہ شہری یا دیہی حلقہ ہے۔
- 18 یا اس سے زیادہ عمر کا ہر شہری اس حلقے میں ووٹ دے سکتا ہے جس میں وہ رہتا ہے۔ ہندوستان کی طرح برطانیہ میں بھی انتخاب کے طریقہ کار کو سادہ اکثریتی نظام کہا جاتا ہے۔

دارالخاص / ہاؤس آف لارڈز (House of Lords)

یہ ایوان بالا ہے لیکن ایک ایسا ایوان بالا جس کا اختیار محدود ہے۔ اس کے مرکزی کردار قانون سازی پر نظر ثانی کرنا اور ان کی سرگرمیوں کی جانچ پڑتال کر کے حکومت پر نگاہ رکھنا ہے۔ 1911 کے بعد سے، اس کے " منی بل " کو روکنے کی طاقت ایک ماہ تک محدود ہو گئی ہے اور دوسرے بلوں کو روکنے کے لیے اس کا اختیار ایک سیشن تک ہی محدود ہے۔ لہذا بالآخر یہ ہاؤس آف کامنس کی مرضی کو روک نہیں سکتا۔ مزید یہ کہ، 1948 کے بعد سے، یہاں سلیسبری قرارداد (Salisbury Convention) ہوا ہے کہ ہاؤس آف لارڈز اس اقدام کی مخالفت نہیں کریں گے جس کا خصوصی طور پر حکومت بنانے والی سیاسی پارٹی کے آخری انتخابی منشور میں ذکر کیا گیا تھا۔ ہاؤس آف لارڈس ایک بالکل ہی عجیب و غریب ادارہ ہے جس کا جمہوری دنیا میں کہیں بھی کوئی موازنہ نہیں ہے۔ لارڈز کی غیر معمولی نوعیت کی وضاحت میں ہم کہ سکتے ہیں کہ برطانوی سیاسی نظام بہت آہستہ اور پرامن طریقے سے تیار ہوا.

ہاؤس آف لارڈز میں ممبروں کی کوئی مقررہ تعداد موجود نہیں ہے اور اموات، سبکدوشی اور نئی تقرریوں کی وجہ سے تعداد میں اتار چڑھاؤ آتا ہے، لیکن فی الحال قریب 800 ممبران ہیں۔ یہ تعداد دراصل 1999 کی اصلاحات میں کم ہو کر 666 ہو گئی تھی لیکن اس کے بعد سے یکے بعد دیگرے وزرائے اعظم (خاص طور پر ڈیوڈ کیمرون) اراکین کے مرنے سے کہیں زیادہ تیزی سے نئے life peers کو شامل کیا گیا ہے۔ اور آخری (اتحاد) حکومت نے 100 سے زیادہ کا اضافہ کیا۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ ہاؤس آف لارڈز کا سائز اس وقت بڑھتا ہی جا رہا ہے جبکہ ہاؤس آف کامنس نے اپنے سائز کو کم کرنے کے لیے قانون سازی کی ہے

. تاریخی طور پر ہاؤس آف لارڈز کے بیشتر ممبر وہی رہے ہیں جسے ہم موروثی ساتھی (hereditary peers) کہتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ سالوں پہلے کسی بادشاہ یا ملکہ نے اشرافیہ کے ایک ممبر کو ایوان کا ممبر بننے کے لیے نامزد کیا تھا، اور اس کے بعد سے، ایوان میں بیٹھنے کا حق نسل در نسل منتقل ہوتا رہا ہے۔ واضح طور پر یہ سراسر غیر جمہوری ہے اور آخری لیبر حکومت نے ایوان میں بیٹھنے کے ان موروثی ساتھیوں میں سے 92 کے علاوہ سب کا حق ختم کر دیا۔

22.4.2 برطانوی پارلیمانی نظام کی خصوصیات (Characteristics of British Parliamentary System)

پارلیمنٹ کا زیادہ تر کام ایوان خانے کے بجائے کمیٹیوں میں ہوتا ہے۔ ہاؤس آف کامن کی دو طرح کی کمیٹی ہے: منتخب کمیٹی اور عمومی کمیٹی۔

- پارلیمنٹ کے منتخب ممبران کی رکنیت تک کے لیے منتخب کمیٹیاں (Select Committees) مقرر کی جاتی ہیں، یہ کسی خاص سرکاری محکمہ کے کام کو 'در کنار' کرتے ہوئے، تحقیقات کرتی ہیں، تحریری اور زبانی شواہد حاصل کرتی ہیں، اور رپورٹیں جاری کرتی ہیں۔
- عمومی کمیٹیاں (General Committees) جو پہلے اسٹینڈنگ کمیٹیوں کے نام سے مشہور تھیں یہ عارضی ادارہ ہیں، ان میں سے بیشتر پبلک بل کمیٹیاں مجوزہ قانون سازی کے کسی خاص حصے کی تفصیل جانچنے اور بل میں ترمیم پر غور کرنے کے لیے تشکیل دی جاتی ہیں۔ رکنیت میں بل کے موضوع سے متعلق حکومت اور اپوزیشن کے ترجمان شامل ہوتے ہیں۔
- ہاؤس آف لارڈز کے پاس صرف منتخب کمیٹیاں ہیں (اس کو اسٹینڈنگ کمیٹیوں کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ایوان کے فرش پر بلوں کی تفصیلات پر غور کیا جاتا ہے)۔ کچھ مشترکہ کمیٹیاں بھی ہیں جس میں دارالعوام اور دارالخاص کے اراکین ہوتے ہیں۔
- بحث و مباحثہ میں کافی حد تک خوش کن یا محاذ آرائی شامل ہے۔ یہ ایوانوں کی جسمانی شکل سے جھلکتا ہے۔ جہاں زیادہ تر مقننہ نیم دائرہ ہیں، ہاؤس آف کامنز اور ہاؤس آف لارڈز دونوں ہی آئتاکار ہیں جس میں ایک طرف حکومتی پارٹی بیٹھی ہے اور دوسری طرف حزب اختلاف کی جماعتیں بیٹھی ہیں۔ تنہا ہاؤس آف لارڈز میں آزاد اراکین کے لیے کراس بینچز رکھے گئے ہیں۔
- کامنز میں، ہر بدھ کو دوپہر 12:30 بجے وزیر اعظم سے سوال کا وقت ہوتا ہے۔ کسی بھی موضوع پر سوالات پوچھے جاسکتے ہیں۔ اپوزیشن لیڈر کا وزیر اعظم کو شرمندہ کرنے کی کوشش کرنے والا یہ اکثر گرما گرم معاملہ ہوتا ہے اور میڈیا کی دلچسپی کو راغب کرنے کی ضمانت اس کی کارروائی کا ایک حصہ ہے۔
- عام طور پر حکومت کو کسی بھی اقدام یا ووٹ کے لیے ہاؤس آف کامنز میں اکثریت کی یقین دہانی کروائی جاتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کامنز میں ایک مضبوط 'سوط' (whip) کا نظام موجود ہے جس میں سیاسی جماعتیں اپنے ممبروں کو بتاتی ہیں کہ ہفتہ وار ہدایات کے مطابق ہر اہم ڈویژن پر کس طرح ووٹ ڈالیں۔ ہدایت کردہ انداز میں ووٹ ڈالنے کے لیے دراصل موجود ہونے کی اہمیت کا انحصار اس بات پر ہے کہ آیا 'وہپ' ایک لائن، دو لائن یا انتہائی سنجیدہ تین لائن ہے۔ یہاں تک کہ جب اکثریتی پارٹی کے ممبروں کی طرف سے بغاوت ہوتی ہے تو، حکومت عام طور پر اس کی خواہش حاصل کرتی ہے کیونکہ تمام وزراء اور ان کے پارلیمانی پرائیویٹ سیکرٹریوں کو حکومت کو ووٹ دینے یا اپنے وزارتی یا پی پی ایس کے عہدے سے استعفی دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسے 'پے رول ووٹ' کہا جاتا ہے۔
- کامنز اور لارڈز کی کارروائی کا سرکاری ریکارڈ ہنسارڈ (Hansard) کہلاتا ہے۔ پریس اور براڈکاسٹر ہر وقت موجود رہتے ہیں اور براہ

راست آڈیو اور بصری نشریات کسی بھی وقت ہو سکتی ہیں۔

22.4.3 قانونی عمل (Legal Action)

برطانوی سیاسی نظام میں، حکومت کی طرف سے تقریباً تمام قانون سازی کی تجویز کی جاتی ہے اور اس کا زیادہ تر حصہ گزشتہ انتخابات میں متعلقہ سیاسی جماعت کے منشور میں کیے گئے وعدوں سے حاصل ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کے ہر سالانہ اجلاس کے آغاز میں، جن اہم بلوں پر غور کیا جاتا ہے ان کا اعلان ملکہ اس سال پارلیمنٹ کے اجلاس کے افتتاحی خطاب میں کرتی ہے۔

تمام قانون سازی کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور کیا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کے ہر ایوان میں قانون سازی کا ایک مجوزہ جسے بل کہا جاتا ہے، درج ذیل مراحل سے گزرتا ہے:

- **مطالعہ اوّل** (First Reading): پہلے مرحلے میں وزیر کے ذریعے بل کا طویل عنوان کے پڑھنے کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔
- **مطالعہ ثانی** (Second Reading): دوسرے مرحلے میں تمام اراکین کے ذریعے اس بل کے عام اصولوں پر بحث کی جاتی ہے اور باقاعدہ ووٹ لیا جاتا ہے۔
- **کمیٹی مرحلہ** (Committee Stage): بل کی ہر شق اور شیڈول کے علاوہ ان میں ترمیم اور کسی بھی نئی شق یا جدول کو خاص طور پر منتخب کردہ ایک چھوٹی سی جماعت کے ذریعے بطور عوامی بل کمیٹی (Public Bill Committee) کے طور تفصیل سے جانچ لیا جاتا ہے۔ لارڈز میں اراکین مجموعی طور پر بل پر بحث کرتے ہیں۔
- **پیشی مرحلہ** (Report Stage): کمیٹی کے ذریعے بل میں کی جانے والی تبدیلیوں کی اطلاع پورے ایوان کو دی جاتی ہے اور جس پر بحث کی جاتی ہے۔ بل پر مجموعی طور پر غور کرنے، کمیٹی کے ذریعے ہونے والی تبدیلیوں کو منظور کرنے، اور تجویز کردہ کسی اور مجوزہ تبدیلیوں پر غور کی جاتی ہے۔
- **مطالعہ سوم** (Third Reading): بل کے حتمی نسخہ کو مختصر بحث میں پورا ایوان زیر غور لاتا ہے (دارالعوام میں مزید ترمیم کی سہولت کے بغیر)۔
- **شاہی منظوری** (Royal Assent): ولی عہد اس بل کی منظوری دیتا ہے جو پھر قانون بن جاتا ہے، دفعات قانون بننے کے فوراً ایکٹ میں متعین تاریخ پر یا جس تاریخ کے نام سے مخصوص کی گئی ہوتی ہیں نافذ ہوتی ہے۔

22.4.4 قانون سازی کے عمل کے بارے میں متعدد نکات قابل غور ہیں

(Important Points about Law Making)

- عام حالات میں پارلیمنٹ کے ایک اجلاس میں یہ تمام مراحل دونوں ایوانوں میں مکمل ہونا ضروری ہے۔ بصورت دیگر یہ عمل دوبارہ شروع ہونا چاہیے۔

- زیادہ تر بلوں پر بحثیں ایک پروگرام تحریک (جب حکومت اور حزب اختلاف متفق ہو جاتی ہیں) یا وقت کی تحویل کے ذریعے مختص کی جاتی ہیں جو مقبولیت کے طور پر " گائلوٹین " (guillotine) تحریک کے نام سے مشہور ہے۔
- بالآخر، بل کے بالکل اسی متن کو پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں سے منظور کرنا ضروری ہے۔ اگر ہاؤس آف لارڈز ہاؤس آف کامنز کے کسی بل کو ترمیم کی منظوری دیتی ہے، تو یہ بل مزید غور کے لیے دارالعوام کو واپس کر دیتا ہے۔ عام طور پر لارڈز کی ترمیم کو کامنس قبول نہیں کرتا ہے، جو بالآخر، جمہوری مینڈیٹ والا منتخب ایوان ہے۔ اگر لارڈز ترمیم کو منظور کرنے پر اصرار کرتے ہیں تو دونوں ایوانوں کے مابین بل پاس کرنے کے عمل کو " پنگ پونگ (Ping-Pong) " کے نام سے جانا جاتا ہے۔
- ہاؤس آف لارڈس کے پاس ہاؤس آف کامنز سے کہیں زیادہ محدود قانون سازی کے اختیارات ہیں۔
- سیاسی جماعتیں (Political Parties) سیاسی جماعتوں کا خیال برطانیہ میں سب سے پہلے تشکیل پایا اور کنزرویٹو پارٹی (Conservative) نے دنیا کی سب سے قدیم سیاسی جماعت ہونے کا دعوی کیا ہے۔ سیاسی جماعتیں 1640 اور 1650 کی دہائی کی انگریزی خانہ جنگی کے دوران بننا شروع ہوئیں۔ پہلے ، یہاں طرفدار سلطنت (Royalists) اور نمائندگانِ مجلس (Parliamentarians) وجود میں آئے تھے۔ پھر ٹوریز (Tories) اور وِگس (Whigs)۔ جہاں وِگس بادشاہ کی طاقت کو کم کرنا چاہتے تھے، وہاں ٹوریز (آج کنزرویٹو) محب وطن پارٹی کے طور پر دیکھے جاتے تھے۔ آج برطانوی پارلیمانی نظام میں چار بڑی سیاسی جماعتیں ہیں۔ یہ (12 دسمبر 2019 کے عام انتخابات کے نتیجے میں نمائندگی کے ساتھ) مندرجہ ذیل ہیں:
- کنزرویٹو پارٹی (جس کو اکثر ٹوریز کہا جاتا ہے): مرکزی دائیں جماعت، جو فی الحال بورس جانسن کی زیر قیادت ہے، جو 2010 سے حکومت میں رہی ہے۔ اتحاد (2010-2015) میں یا اکیلے (2015 سے)۔ کنزرویٹو کو 345 نشستیں حاصل ہیں۔
- لیبر پارٹی: مرکز بائیں بازو پارٹی، (عارضی طور پر) جیریمی کوربین کی زیر قیادت، جو 1977 سے 2010 تک حکومت میں رہی تھی۔ لیبر نے 203 نشستیں حاصل کیں۔
- اسکاٹش نیشنل پارٹی: پارٹی اسکاٹ لینڈ کی آزادی کی حمایت کرتی ہے، جس کی قیادت نیکولا اسٹرجن نے کی ہے۔ ایس این پی نے 48 نشستوں پر کامیابی حاصل کی۔

22.5 مجلسِ عاملہ (The Executive)

برطانیہ میں انتظامی طاقت خود مختار، ملکہ الزبتھ دوئم کی طرف سے بذریعہ حکومتِ برطانیہ اور منتقل قومی حکام: اسکاٹش حکومت، ویلش کی اسمبلی حکومت اور شمالی آئرلینڈ ایگزیکٹو کے ذریعے استعمال کی جاتی ہے۔

22.5.1 حکومتِ برطانیہ (British Government)

تمام وزراء کو یا تو ہاؤس آف کامنس (بیشتر) یا ہاؤس آف لارڈز (بقیہ) کا ممبر ہونا چاہیے۔ اور ہر سرکاری محکمے میں لارڈز کے کم از کم

ایک وزیر ہونا چاہیے، تا کہ ضرورت کے مطابق محکمہ کسی بھی ایوان میں بات کر سکے ہے۔ وزراء کی تعداد انتظامیہ بہ انتظامیہ مختلف ہوتی ہے ،لیکن عام طور پر یہاں قریب 120 ہوتے ہیں، اور ان میں سے 20 یا اس سے زیادہ سینئر ارکان کابینہ کے وزیر ہوں گے۔ وزارتی اور دیگر تنخواہوں کا ایکٹ، 1975 میں منظور ہوا، جس میں ایوان وزیر اعظم کے ساتھ کسی بھی وقت ۱۰۹ وزارتی تنخواہوں کی ادائیگی محدود کر دی گئی جس میں ہاؤس آف کامنس سے زیادہ سے زیادہ 95 وزراء ہو سکتے ہیں۔ تمام وزراء وزارتی کوڈ کے تابع ہیں جس میں یہ طے ہوتا ہے کہ وہ اپنے فرائض کی تکمیل میں برتاؤ کرے۔ تاریخی طور پر زیادہ تر برطانوی حکومتیں ایک ہی سیاسی جماعت کے وزراء پر مشتمل ہیں جن کو ہاؤس آف کامنز کی مجموعی اکثریت کی نشستیں حاصل تھیں۔ تاہم، کبھی کبھار اقلیتی حکومتیں یا اتحادی حکومتیں ہوتی رہی ہیں، خاص طور پر حالیہ برسوں میں۔

فروری تا اکتوبر 1974 میں ایک اقلیتی مزدور حکومت تھی۔ پھر 1977ء میں لبرل لیبر (لب لیب) معاہدہ ہوا جس کے دوران لیبر حکومت اپنی اکثریت سے محروم ہو گئی لیکن لبرلز کی عمومی حمایت حاصل تھی جو حقیقت میں شامل نہیں ہوتی تھی۔ حکومت میں.

پانچ سالوں کے لیے، برطانیہ کی 65 سال میں پہلی مرتبہ مخلوط حکومت رہی جب، مئی 2010 میں، کنزرویٹوز لبرل ڈیموکریٹس کے ساتھ اتحاد میں شامل ہوئے کیونکہ عام انتخابات میں انہوں نے اکثریت کی نشستیں حاصل نہیں کیں۔ اس اتحاد میں لبرل ڈیموکریٹس کے نائب وزیر اعظم نک کلیگ کی سربراہی میں 17 وزرا تھے۔ پھر، مئی 2015 کے عام انتخابات میں، کنزرویٹو پارٹی نے مجموعی اکثریت حاصل کر لی اور ایک ہی پارٹی سے آنے والے تمام وزراء کی معمول کا انتظام دوبارہ شروع ہوا۔ تاہم، جون 2017 کے عام انتخابات میں، کنزرویٹو مجموعی اکثریت حاصل کرنے میں ناکام رہے جس کے نتیجے میں اسے ہنگ پارلیمنٹ کہا جاتا ہے اور اسی طرح یہ پارٹی شمالی آئرلینڈ کی ڈیموکریٹک کمیونسٹ پارٹی (ڈی یو پی) کی حمایت سے حکومت کر رہی ہے۔

22.5.2 وزیر اعظم (Prime Minister)

برطانیہ ایک پارلیمانی جمہوری نظام ہے۔ آئینی طور پر ریاست کا سربراہ وہ بادشاہ ہوتا ہے جو شاہی خاندان کا موروثی رکن ہوتا ہے۔ تاہم، بادشاہ کے پاس بہت کم رسمی اختیارات ہیں اور وہ پارٹی سیاست سے بالاتر ہوتا ہے۔ اسے وزیر اعظم کی طرف سے ہفتہ وار زبانی رپورٹ موصول ہوتی ہے، یہ روایت شاہ جارج اول سے 1714 میں شروع ہوئی کیونکہ جرمن نے اپنی کابینہ کے انگریزی مشوروں پر عمل کرنے کے لیے جدوجہد کی تھی۔ لہذا، عملی طور پر، برطانوی سیاسی نظام میں سب سے اہم شخص وزیر اعظم ہے۔ پہلے جدید وزیر اعظم سر رابرٹ والپول تھے جنہوں نے 1721-1742 تک خدمات انجام دیں، لہذا موجودہ وزیر اعظم بورس جانسن 55 ویں وزیر آعظم ہیں۔

22.5.3 سرکاری محکمے (Government Departments)

انتہائی اہم سیاسی محکمے مندرجہ ذیل ہیں:

1 **خزانہ داری** (The Treasury): زیادہ تر ممالک میں، اس کو وزارت خزانہ کہا جاتا ہے۔ یہ تمام ٹیکسوں میں اضافے اور تمام سرکاری

اخراجات کے علاوہ معیشت کے عمومی انتظام پر قابو پانے کے لیے ذمہ دار ہے۔

2ہوم آفس (The Home Office)۔ بیشتر ممالک میں اس کو وزارت داخلہ کہا جاتا ہے۔ یہ مجرمانہ امور، پولیسنگ اور مہاجرت کے لیے ذمہ دار ہے۔ ہوم آفس کے سربراہ کو ہوم سکریٹری کہا جاتا ہے۔

3دفتر خارجہ اور دولت مشترکہ (The Foreign and Commonwealth Office)-زیادہ تر ممالک میں، اس کو وزارت خارجہ امور کہا جاتا ہے۔ یہ تمام بین الاقوامی تعلقات خصوصاًیوروپی یونین کی رکنیت کے لیے ذمہ دار ہے۔ دفتر خارجہ کے سربراہ کو سکریٹری خارجہ کہا جاتا ہے۔

22.5.4 کابینہ کمیٹی نظام (The Cabinet Committee System)

جدید حکومت کا کاروبار پیچیدہ اور کثیر جہتی ہوتا ہے،لہذا بیشتر حکومتی فیصلے کابینہ کمیٹیوں کے سسٹم کے ذریعے کیے جاتے ہیں جو اس پالیسی کے شعبے سے وابستہ تمام محکموں سے (عام طور پر) دس وزراء کو اکٹھا کر کے بنتے ہیں (جو ہر چند ہفتوں میں ملتے ہیں)۔ صرف انتہائی اہم فیصلے مکمل کابینہ میں پیش کیے جاتے ہیں جو ہفتہ وار ہوتا ہے۔ ہنگامی صورت حال میں، وزیر اعظم یا سیکریٹری داخلہ کی زیر صدارت ایڈہاک ممبر شپ والا ایک ادارہ، (عام طور پر) کابینہ کے دفتر میں ایسے مقام پر طلب کیا جاتا ہے جو وہائٹ ہاؤس کے سیوٹیشن روم (Situation Room) کے مترادف ہوتا ہے۔

22.5.5 سول سروس (The Civil Service)

ہر سکریٹری آف اسٹیٹ کچھ سیاسی مشیروں کی تقرری کرنے کے اہل ہے۔ اسے باقاعدہ طور پر خصوصی مشیروں کے نام سے جانا جاتا ہے تاکہ وہ ان کی خدمت کر سکیں۔ لیکن خصوصی مشیر محض مشیر ہوتے ہیں۔ محکمہ کے عملے کے سلسلے میں ان کی انتظامیہ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ خصوصی مشیروں کی ان چھوٹی تعداد کے علاوہ، سرکاری محکمے سرکاری ملازمین کے ذریعے چلائے جاتے ہیں جو مکمل طور پر کھلے انداز میں بھرتی ہوتے ہیں اور کسی بھی سیاسی جماعت کی حکومتوں کی خدمت کرتے ہیں۔ برطانوی سول سروس کی آزادی اور پیشہ ورانہ مہارت برطانوی سیاسی نظام کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

22.6 توسیع یافتہ حکومت (Developed Government)

برطانیہ کا ایک وضع دار نظام حکومت ہے، لیکن یہ واضح طور پر وفاقی حکومت کا کوئی نظام نہیں ہے جیسے امریکہ یا آسٹریلیا میں، جزوی طور پر کیونکہ برطانیہ کے پانچواں سے بھی کم شہریوں کو زیر بحث تینوں اداروں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اور جزوی طور پر اس وجہ سے کہ تینوں اداروں کی خود ایک دوسرے سے مختلف یا غیر متناسب قوتیں ہیں۔ تین توسیعی انتظامیہ یہ ہیں:

22.6.1 اسکاٹش پارلیمنٹ (Scottish Parliament)

یہ ادارہ مئی 1999 میں عمل آیا تھا اور اس میں اسکاٹ لینڈ کے 5.3 ملین شہری شامل ہیں۔ اس میں متناسب نمائندگی کے نظام

کے ذریعے منتخب کردہ 29 ارکان ہیں جنہیں مخلوط ممبر سسٹم کہا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں، 73 ارکان انفرادی جغرافیہ کی نمائندگی کرتے ہیں۔ انتخابی حلقوں جو 'first past the post' کے نظام کے ذریعے منتخب ہوئے ہیں، آٹھ اضافی ممبر علاقوں سے مزید 56 ممبران آتے ہیں، جن میں سے ہر علاقے سی سات ممبر منتخب ہوتے ہیں۔ تمام ممبران کا انتخاب چار سالہ میعاد کے لیے کیا جاتا ہے۔ اسکاٹش پارلیمنٹ کا اجلاس ایڈنبرگ کے ہولیر وڈ میں ہوتا ہے۔ اس کے پاس ان معاملات پر قانون سازی کے اختیارات ہیں جو برطانیہ کی پارلیمنٹ کی لیے محفوظ نہیں ہیں اور اس کو ٹیکس بڑھانے کے محدود اختیارات بھی ہیں۔

22.6.2 ویلش پارلیمنٹ (Welles Parliament)

اس کی بنیاد مئی 1999 میں ایک اسمبلی کے طور پر ہوئی اور مئی 2002 میں اس کا نام پارلیمنٹ رکھ دیا گیا۔ یہ ویلز کے 30 لاکھ شہریوں کا احاطہ کرتا ہے۔ اس میں 60 ممبران نمائندگی کے ذریعہ منتخب ہوتے ہیں جو مخلوط رکن نظام کے طور پر جانا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں، 40 ممبران انفرادی جغرافیائی انتخابی حلقوں کی نمائندگی کرتے ہیں جو 'first past the post' کے نظام کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں، اور مزید 20 ممبران پانچ اضافی ممبر علاقوں سے منتخب ہو کر آتے ہیں۔ تمام ممبران کا انتخاب چار سالہ میعاد کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ کارڈف کے سینیڈڈ، میں ملتا ہے۔ جب پہلی بار تشکیل دیا گیا تو، اسمبلی کو بنیادی قانون سازی کا اختیار نہیں تھا۔ قانون سازی۔ تاہم، 2006 کے بعد سے، اسمبلی کو کچھ علاقوں میں قانون سازی کرنے کے اختیارات ملے، حالانکہ اس کے باوجود برطانوی پارلیمنٹ کے ویٹو سے مشروط ہے۔

22.6.3 شمالی آئرلینڈ اسمبلی (Northern Ireland Assembly)

اسمبلی کی موجودہ شکل مئی 2007 میں عمل میں آئی ہے اور اس میں شمالی آئرلینڈ کے 1.8 ملین شہریوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔۔ اس کے 90 ممبران ہیں جو 18 ویسٹ منسٹر انتخابی حلقوں میں ہر ایک سے پانچ ارکان منتخب ہو کر آتے ہیں۔ یہ ممبران متناسب نمائندگی کے نظام کے ذریعے منتخب کیے جاتے ہیں جسے واحد ٹرانسفر ایبل ووٹ کہا جاتا ہے۔ اس کا اجلاس پارلیمنٹ بلڈنگ، بیلفاسٹ میں ہے۔ اس کے پاس ان معاملات پر قانون سازی کے اختیارات ہیں جو برطانیہ کی پارلیمنٹ کے لیے محفوظ نہیں ہیں، لیکن اس کو ٹیکس بڑھانے کے کوئی اختیارات نہیں ہیں۔

22.7 برطانوی عدالت (British Courts)

برطانوی عدالتی شاخ انتہائی پیچیدہ ہے۔ بیشتر ممالک کے برخلاف، برطانیہ تین الگ الگ قانونی نظام چلاتا ہے: ایک انگلینڈ اور ویلز کے لیے، ایک اسکاٹ لینڈ کے لیے، اور ایک شمالی آئرلینڈ کے لیے۔ اگرچہ سب ایک ہی طرح کے اصولوں کے پابند ہیں، یہ نظام شکل اور عمل کے انداز میں مختلف ہیں۔ لارڈ چانسلر کا دفتر - جس نے 1400 سالوں سے عدلیہ کو برقرار رکھا تھا - اب اس کی جگہ وزارت انصاف لے لی ہے جو عدالتی نظام کا انتظام کرتی ہے۔ عدالتی تقرریوں میں کمیشن وزارتِ انصاف کے سربراہ کو نئے ججوں کی تقرری سے متعلق مشورہ دیتا

ہے۔ کمیشن کے 15 ارکان ہیں۔ عدلیہ کا سربراہ لارڈ چیف جسٹس ہے۔ اپیلیٹ کمیٹی ہاؤس آف لارڈز، جو اب تک ملک کی اعلی ترین عدالت تھی، آئینی اصلاحات ایکٹ 2005 کے ذریعے، عدالت عظمی نے اکتوبر 2009 مین اس کی جگہ لی اور عدلیہ کو حکومت سے مکمل آزادی حاصل کرنے کی اجازت دی تھی۔ یہ 12 ججوں پر مشتمل ہوتا ہے اور خالی آسامیاں پیدا ہونے پر آزاد سلیکشن کمیشن کے ذریعہ نئی تقرریوں کی سفارش کی جاتی ہے۔

سپریم کورٹ برطانیہ کے تمام حصوں سے سول کیسز اور انگلینڈ، ویلز اور شمالی آئرلینڈ سے فوجداری مقدمات کی سماعت کرتی ہے، لہذا، اسکاٹ لینڈ میں فوجداری مقدمات کے علاوہ یہ دیگر تمام قانونی امور میں اپیل کی حتمی عدالت ہے۔ عدالت 'انحراف' کے بھی معاملات سنتی ہے: ایسے معاملات جو اسکاٹش پارلیمنٹ، ویلش اسمبلی اور شمالی آئرلینڈ اسمبلی کے ذریعے منحرف اختیارات کے استعمال کے بارے میں آئینی اہمیت پر سوال اٹھاتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، سپریم کورٹ میں اپیل کا خودکار حق نہیں ہے۔ عام طور پر مقدمات کی اپیل کی ایک نچلی عدالت سے جاتی ہے جہاں قانون کے اطلاق کے بارے میں کافی حد تک غیر یقینی صورت حال موجود ہے اور آئندہ بھی نچلی عدالتوں کو کس نظیر پر عمل پیرا ہونا چاہیے۔ ہر کیس کی سماعت عام طور پر پانچ ججوں کے پینل کے ذریعے کی جاتی ہے۔

22.8 مقامی حکومت (Local Government)

تین طبقاتی منتخب مقامی حکام (جیسا کہ کاؤنٹی، ضلعی اور کے پارش کونسل) انگلستان کے تمام حصوں میں موجود ہیں۔ کچھ جگہوں میں یہوحدانی حکام مین ضم بھی ہو جاتی ہے۔ انگلینڈ کی داخلی ذیلی تقسیم اور انتظامی اکائیوں میں الگ الگ تاریخی، جغرافیائی، اور انتظامی جماعتیں شامل ہیں جیسے اضلاع وحدانی حکام؛ میٹروپولیٹن کاؤنٹی اور بیورو؛ اور دیگر خصوصی ادارے۔ انگلینڈ میں اس وقت 56 انتظامی یونٹ شامل ہیں جن کو یونٹیری اتھارٹی کہا جاتا ہے، کیونکہ انتظامی کاؤنٹیوں کے برعکس، وہ ضلعی، بیوروز یا شہروں میں تقسیم نہیں ہوتے ہیں بلکہ اس کے بجائے مقامی حکومت ایک ہی درجہ میں تشکیل پاتے ہیں۔

مقامی حکومتوں کے پاس قانون سازی کے بہت کم اختیارات ہیں اور انہیں پارلیمنٹ کے منظور کردہ قوانین کے دائرہ کار میں رہنا ہوتا ہے۔ اان کے پاس قواعد وضوابط نافذ کرنے اور مرکزی حکومت کی مقرر کردہ حدود میں پراپرٹی ٹیکس عائد کرنے کا اختیار ہے۔ اس کے علاوہ، وہ مختلف حدود کے لیے بھی ذمہ دار ہیں جس میں برادری خدمات، ماحولیاتی معاملات، تعلیم، شاہراہ،، اور انتخابات بھی شامل ہیں۔

22.9 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

اس اکائی میں ہم نے:

- سیاست پر برطانوی تاریخ کے اثر کا مطالعہ کیا۔
- برطانوی پارلیمنٹ کے بارے میں تفصیل سے جانا۔
- برطانیہ کی حکومت کو سمجھا۔

- توسیع یافتہ حکومت کا مطالعہ کیا۔
- برطانوی عدالت پر بحث کیا ۔
- برطانیہ کی مقامی حکومت کو جانا۔

22.10 کلیدی الفاظ (Keywords)

- غیر تحریری آئین : ایسا آئین جو لکھا نہیں گیا ہے، بلکہ اس کا بیشتر حصہ رسم ورواج، مثال اور ارتقا پر مبنی ہو۔
- مطلق العنان بادشاہت : جس میں مکمل طور پہ ایک بادشاہ کی حکومت اور طاقت و اختیارات تا عمر ہو
- منی بل : ایسا قانونی مسودہ جس کا تعلق ٹیکس وصولی یا حکومتی اصراف سے ہو۔
- مجلس عاملہ : وہ ادارہ جو مقننہ کے ذریعے بنائے گئے قانون کو نافذ کرے آئین کے مطابق حکومت کرے۔

22.11 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Question)

22.11.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer type Questions)

1۔ نورمنس کے فاتح ولیم نے انگلینڈ پر کس سن میں حملہ کیا تھا؟

(a) 1505 (b) 1235 (c) 1066 (d) 1808

2۔ شاندار انقلاب / گلوریس ریولیوشن کس ملک سے وابستہ ہے؟

(a) جرمنی (b) فرانس (c) امریکہ (d) انگلینڈ

3۔ 1695 کے نام نہاد ماڈل پارلیمنٹ کو کس بادشاہ نے طلب کیا تھا؟

(a) ایڈورڈ اوّل (b) بادشاہ جان (c) ولیم آج آرینج (d) کنگ جیمس اوّل

4۔ مندرجہ ذیل میں سے برطانیہ کی آئین کے بارے میں کون سا موقوف صحیح ہے؟

(a) غیر تحریری (b) غیر مصدّقہ (c) دونوں (d) ان میں سے کوئی نہیں

5۔ برطانوی مجلس مقننہ / پارلیمان میں کتنے ایوان ہیں؟

(a) دو (b) تین (c) چار (d) پانچ

6۔ دارالعوام اور دارالخاص کس ادرہ کا حصّہ ہے؟

(a) مجلسِ عاملہ (b) مجلسِ مقننہ (c) عدلیہ (d) وزارتِ خارجہ

7۔ مثبت اور منفی لابی کس ادرے کی خاصیت ہے؟

(a)لارڈز (b)کامنس (c)سیاسی جماعت (d)سول سروسس

8۔ کس معاہدے کے تحت ہاؤس آف لارڈز اس اقدام کی مخالفت نہیں کریں گے جس کا خصوصی طور پر حکومت بنانے والی سیاسی پارٹی کے آخری انتخابی منشور میں ذکر کیا گیا تھا؟

(a)حقوق العباد (b)سیلیسبری قرارداد (c)میگنا کارٹا (d)ڈیرئن اسکیم

9۔ دارالعوام کی عمومی کمیٹی پہلے کس نام سے جانی جاتی تھی؟

(a)منتخب کمیٹی (b)اسٹینڈنگ کمیٹی (c) عوامی بل کمیٹی (d)سیلیکٹ کمیٹی

10۔ برطانیہ کا پہلا جدید وزیر اعظم کون تھا؟

(a) جیمس ولیم (b)سر رابرٹ والپول (c)الیکزینڈر دوئم (d)بورس جانسن

22.11.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ برطانوی تاریخ کا برطانوی سیاست پر کیا اثر پڑا۔ مختصر میں جائزہ لیجیے۔

2۔ برطانیہ کی ملکہ کے داخلی وخارجی اختیارات پر روشنی ڈالیے۔

3۔ برطانیہ کے وزیر اعظم کی حیثیت اور اختیارات کو قلم بند کریں۔

4۔ برطانیہ کے توسیع یافتہ حکومتوں کا مختصر میں جائزہ لیں۔

5۔ برطانوی مقامی حکومت پر ایک نوٹ لکھیے۔

22.11.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ برطانیہ کے وزیر اعظم کی حیثیت اور اختیارات کو قلم بند کریں۔

2۔ برطانوی حکومت میں سیاسی پارٹی پر غور فکر کریں۔

3۔ برطانوی پارلیمینٹ پر ایک مضمون لکھیے۔

22.12 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. S.G Richards (1984, Introduction to British Government, Palgrave Macmillan.

2. Duncan Watts (2012), British Government and Politics: A Comparative Leader, E. U Press.

اکائی 23۔ امریکہ کا تقابلی سیاست

(Comparative Politics of USA)

اکائی کے اجزا

23.0 تمہید

23.1 مقاصد

23.2 امریکہ کا مقننہ: کانگریس

23.3 ریاست برائے متحدہ امریکہکے ایگزیکٹ

23.4 امریکہ کا وفاقی عدلیہ

23.5 اکتسابی نتائج

23.6 کلیدی الفاظ

23.7 نمونہ امتحانی سوالات

23.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

23.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم "امریکہ کے تقابلی سیاست" کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے ہم تقابلی سیاست کے بارے میں جانیں گے۔ تقابلی سیاست میں حکومت کے تینوں اعضاء اور دیگر تنظیموں کے بارے میں ایک ملک سے کئی ملکوں کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ اس باب میں ہم یہ بھی کوشش کریں گے کہ امریکہ کے تینوں اعضاء کے بارے میں جو مقننہ، عاملہ اور عدلیہ کے سارے پہلوؤں کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے تاکہ طالب علم اسے اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد سارے مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن سکیں۔

23.1 مقاصد (Objectives)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ "امریکہ کا تقابلی سیاست" جس میں امریکہ کے تینوں اعضاء جیسے مقننہ، عاملہ اور عدلیہ اس طرح بیان اور واضح کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد امریکہ کا تقابلی سیاست کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات و شکوک و شبہات کو نہ صرف یہ ہے کہ خود اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ سکیں بلکہ امریکہ کا تقابلی سیاست کہ مختلف پہلویوں پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں ان کا جواب دینے کا قابل ہو جائے۔

23.2 امریکہ کا مقننہ: کانگریس (Legislature of America: Congress)

1787 میں فلاڈیلفیا کانفرنس کے ممبران ریاست برائے متحدہ میں دو ایوانی مقننہ کی بارے میں ہم رائے تھے۔ اس نظام کو امریکہ میں نو آبادی دور میں زیادہ تر ریاستوں میں اپنایا گیا تھا اور کنفیڈریشن بندی کے تحت اپنایا گیا تھا۔ ایک ایوانی منتظم انتہائی غیر اطمینان بخش اور ناکام ثابت ہوا۔ وفاقی نظام کو اپنانے کی وجہ سے بھی دو ایوانی مقننہ کو اپنانا ضروری تھا۔ لہذا اس بات پر رضامندی ظاہر کی گئی تھی کہ قومی مقننہ دو ایوانی ہونی چاہیے، لیکن اس میں تنازعہ پیدا ہوا کہ منتظم کے دونوں ایوان کی تعمیر کی بنیاد کیا ہونی چاہیے؟ اس سلسلے میں بڑے یونٹوں اور چھوٹے یونٹوں کے مابین ایک معاہدہ ہوا تھا کہ جس کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ کانگریس صرف ایوان زیریں جو ایوان نمائندگان کہلاتا ہے کو آبادی کی بنیاد پر تعمیر کیا جانا چاہیے، لیکن ایوان بالا جو سینیٹ کہلاتا ہے کی تعمیر میں، یونٹوں کی برابری کے اصول کو اپنایا جانا چاہیے، یعنی اس میں چھوٹی-بڑی سبھی اکائیوں کو مساوی نمائندگی حاصل ہو۔

کانگریس کے اختیارات اور فرائض (Power and Functions of Congress)

آئین کے پہلے آرٹیکل میں کہا گیا ہے کہ "اس کے تحت دیے گئے تمام اختیارات ریاست برائے متحدہ کانگریس کے سپرد کیے جائیں گے، جو کسی اور ایوان نمائندگان پر مشتمل ہوں گے۔ انتظامی اور عدالتی اختیارات بھی لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کانگریس کے فرائض اور اختیارات یہ ہیں: (1) قانون سازی اختیارات، (2) الیکشن سے متعلق اختیارات، (3) انتظامی اختیارات، (4) انتظامیہ کی سمت اور کنٹرول کا

اختیارات،(5) جانچ پڑتال کے اخیارات'(6) نئی ریاستوں کو یونین میں داخل ہونے کی اجازت دینے کے اختیارات،(7) مالی اختیارات، (8) عدالتی اختیارات،(9) دونو ایوان کے نظم وضبط اور طریقہ کار سے متعلق اصول بنانے کے اختیارات

23.2.1 ایوان نمائندگان (House of Representation)

امریکی کانگریس کے دونوں ہی ایوان عوام کے ذریعے براہ راست منتخب ہوتے ہیں، لیکن ایوان نمائندگان کانگریس کا مقبول کہلاتا ہے۔۔ اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ آبادی کے بنیاد پر ایوان نمائندگان کی تشکیل ہوتی ہے؛ جب کہ سینیٹ ریاستوں کے نمائندوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ، ایوان نمائندگان کی میعاد صرف 2 سال ہے۔، عوام کے خیالات کا زیادہ اور فوری رد عمل سامنے آتا ہے اور وہی کام کرتے ہیں۔ آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کے نظام کی وجہ سے، بڑی ریاستوں میں زیادہ نمائندگی ہے اور چھوٹی ریاستوں کی نمائندگی کم ہے۔ ریاست برائے نیویارک سے 43 مندوبین کا انتخاب کیا جاتا ہے، لیکن ایک نمائندہ۔ الاسکا، ڈیلاویر، وومنگ کی ریاستوں سے ایک نمائندہ۔ ایوان نمائندگان ابتدا میں امریکی ایوان نمائندگان کے ممبروں پر مشتمل تھا۔ ایوان نمائندگان کے ارکان کی کل تعداد 435 ہے، لیکن جیسے جیسے نئی ریاستیں امریکن یونین میں داخل ہوئیں اور آبادی بڑھتی گئی جس کی وجہ سے اس کے ممبر کی تعداد میں اضافہ بھی ہوتا گیا۔

ساخت(Structure) شروع میں امریکی ایوان نمائندگان کے ارکان کی تعداد 65 تھی لیکن نئے ریاستوں کے امریکی فیڈریشن میں داخل ہونے اور آبادی بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ ممبر کی تعداد بڑھتی گئ جو 1929 میں بنایا گیا تھا اور 1941 میں پندوجنت ایکٹ کے تحت ایوان نمائندگان کے رکن کی تعداد مستقل طور سے 435 کر دی گئ ہے۔

اہلیت (Eligibility) ایوان نمائندگان کے امیدوار کے پاس درج ذیل اہلیت ہونی چاہیے: (1) اس کی عمر 25 سال مکمل ہونی چاہیے تھی۔ (2) اسے کم سے کم 7 سال تک امریکہ کا شہری ہونا چاہیے۔ (3) وہ ریاست برائے متحدہ میں سول افسر یا فوجی افسر نہیں ہونا چاہیے۔ (4) اسے ریاست کا رہائشی ہونا چاہیے جہاں سے وہ ایوان نمائندگان کا انتخاب لڑنا چاہتا ہے

ایوان نمائندگان کا انتخاب (Election of House Representation)

ہندوستانی لوک سبھا کے ایوان نمائندگان کے اراکین کا انتخاب ریاست برائے متحدہ میں خواتین کو بالغوں کی سہولیات کی بنیاد پر ایک ممبر حلقہ انتخابی نظام کے ذریعے نہیں کیا گیا۔ بلکہ ان کو امریکہ میں 1920 میں یہ حق فراہم کیا گیا۔ 19 ویں ترمیم کے ذریعے انہیں فرنچائز دیا گیا۔1964۔ 65 میں شہری معاشرے کو منظور کرتے ہوئے ان پڑھ اسلحے کو بھی فرنچائز دیا گیا۔ فرنچائز کے سلسلے میں رنگ پر مبنی تمام امتیاز کو ختم کر دیا گیا ہے اور مختلف ریاستوں میں حج نظام کے ذریعے عمر کے سلسلے میں مختلف قسم کے انتظامات کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ جورجیا اور کینٹکی میں 18 سال، الاسکا میں 19 سال، ہوائی میں 20 سال، باقی ریاستوں میں 21 سال کی عمر رکھی گئی۔ ایوان نمائندگان کا معیاد 2 سال کا ہے اور اس مخصوص مدت کو توسیع نہیں کی جاسکتی

ایوان نمائندگان کے اختیارات و فرائض (Power and Functions of House of Representation)

آئین کے مطابق نمائندہ اسمبلی کی تمام طاقت ریاست برائے متحدہ کے کانگریس میں موجود ہے، جن کا استعمال اختیار کے تعلق سے دونوں ایوان کو برابر کا حق حاصل ہے ایوان نمائندگان اور سینیٹ دونو برابری کی طرح کرتا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) قانون سازی اختیارات (Law Making Functions) قوانین بنانے کا اختیار کے تعلق سے دونوں ایوان کو برابر کا حق حاصل ہے۔ کوئی بھی بل جب تک دونوں ایوان سے پاس نہیں ہوتا تب تک قانون نہیں بن سکتا

(2) آئین ترمیم کے اختیارات (Power of Constitutional Amendment) امریکی کانگریس کے دونوں ایوان کے ذریعے اپنے دو تہائی اکثیریت سے تجویز پیش کر آئین میں ترمیم تجویز کردہ کام کیا جاتا ہے۔

(3) انتظامی اختیارات (Administrative Power) انتظامی علاقے میں ایوان نمائندگان کو دو اختیارات حاصل ہیں۔ ایوان نمائندگان سینیٹ کے ساتھ مل کر جنگ کا اعلان کرتا ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی مستقل اور خصوصی کمیٹی کے ذریعے وفاقی حکومت کے انتظامیہ اور وفاقی عدلیہ کے کاموں میں جانچ کرسکتی ہے۔

(4) عدالتی اختیارات (Judicial Power) عدالتی اختیارات کے تحت ایوان نمائندگان کو صدر، نائب صدر اور دیگر آفسران کے خلاف مواخزہ کی تجویز پیش کرتی ہے جسے سینیٹ کے ذریعے خاص طریقہ کے بنیاد پر منظور کیے جانے کے بعد متعلق افسر کو معزول کردیا جاتا ہے۔

(5) صدر کو منتخب کرنے کا اختیارات (Power of President Election) صدر کا الیکش انتخابی کالج کے ذریعے کیا جاتا ہے لیکن اگر کسی بھی امیدوار کو انتخابی کالج کا پورا اکثریت حاصل نہ ہو تو ایوان نمائندگان اول تین امیدواروں میں سے کسی ایک کو صدر منتخب کرتی ہے۔

ایوان نمائندگان کا اسپیکر: ایوان نمائندگان کے صدر کو اسپیکر کہا جاتا ہے اور یہ عہدہ امریکی سیاست میں بہت زیادہ عزت اور اہمیت کا حامل ہے۔ ایوان نمائندگان کے اسپیکر کو امریکہ کے صدر سے دوسرے درجے پر سمجھا جاتا ہے۔ اسپیکر کے اختیارات حسب ذیل ہیں:

(1) وہ ایوان نمائندگان کی میٹینگ کی صدارت کرتا ہے۔ اپنا عہدہ قبول کرنے کے بعد روزانہ پر خاکہ یا منصوبہ شروع کرنے کا اعلان کرتا ہے۔ **(2)** وہ ارکان کو ایوان میں بولنے کے لیے منظوری فراہم کرتا ہے۔ **(3)** وہ سوالات پر ووٹ لیتا اور فیصلے کا اعلان کرتا ہے۔ **(4)** وہ ایوان کے قوانین کی تبصرہ کرتا اور انہیں لاگو کرتا ہے۔ **(5)** وہ تجویزات، رٹ، وارنٹ اور بل پر اپنے دستخط کرتا ہے۔

سینیٹ:(Senate) امریکی کانگریس کے دوسری ایوان سینیٹ میں سبھی اکائیوں کو برابری کی نمائندگی فراہم کی گئی ہے اور ہر ایک اکائی سے اس میں دو دو نمائندے بھیجے جاتے ہیں۔ سینیٹ میں حاصل اس نمائندگی سے کسی بھی ریاست کو اس کی مرضی کے بغیر انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ موجودہ وقت میں امریکی فیڈرل میں 50 ریاست ہیں اور سینیٹ کی ممبران کی تعداد 100 ہوگئی ہے سینیٹ کی کورم میٹینگ کے لیے کل ارکان کی اکثریت کی موجودگی لازمی ہے۔ جو لوگ سینیٹ کے رکن کے لیے امیدوار ہونا چاہتے ہیں، ان میں حسب ذیل اہلیت کا ہونا لازمی ہے۔ **(1)** وہ اس ریاست کا باشندہ ہو جس کی نمائندگی وہ سینیٹ میں کرنا چاہتا ہے۔ **(2)** وہ 30 سال کی عمر پوری کر چکا ہو۔ **(3)** وہ کم سے کم 9 سال سے امریکہ میں ہی رہائش کرتا ہو۔'

معیاد:(Tenure) سینیٹ ایک مستقل ایوان ہے جن کی مدت 6 سال کی ہوتی ہے۔ ہر دو سال کے بعد اس کے ایک تہائی ممبران ریٹائر ہوتے ہیں۔

سینیٹ کا انتخاب(Election of Senate)

شروع میں سینیٹ کے ارکان کا انتخاب بالواسطہ الیکشن کے انتظام کو اپنایا گیا تھا اور یہ انتظام کیا گیا تھا کہ ریاستوں کی مقننہ سینیٹ ممبران کو منتخب کر کے بھیجے گیں۔ کچھ دنوں تک تو یہ انتظام ٹھیک رہا۔ لیکن بعد میں اس انتظام میں کئی برائیاں پیدا ہونے لگی۔ سینیٹ کے ارکان کا انتخاب میں غیر قانونی ذرائع کا استعمال کیا جانے لگا۔ خاص طور پر امریکی فیڈرل کے چھوٹے ریاستوں میں ایسی حالات اختیار دیکھے گئے۔ لٰہذا 1912 میں آئین میں 17واں ترمیم یا تصحیح پاس کی گئی۔ جس کا مقصد تھا کہ سینیٹ کے ارکان کا انتخاب بھی عوام کے ذریعے ہونا چاہیے۔

اجلاس(Session) : میں پاس کیے گئے 20 ویں ترمیم کے لحاظ سے سینیٹ کا اجلاس 3 جنوری کو دوپہر میں ایوان نمایئندگان کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور دونوں ایوان کا اجلاس اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک کہ دونوں ایوان سے ملتوی یا خاتمہ کے درخاست پاس نہ کر۔

چیئرمین یا سربراہ(Chairmen or Leader):امریکہ کا نائب صدر سینیٹ کا سربراہ یا چیئرمین ہوتا ہے۔ جب کہ نائب صدر سینیٹ کا ممبر نہیں ہوتا اور ایوان نمائندگان کے نسبت میں اس کے ذریعے سینیٹ کی کاروائی غیر جانبداری سے کی جاتی ہے۔

سینیٹ کے اختیارات و فرائض(Power and Functions of Senate)

(1) قانون سازی کے اختیارات: سینیٹ امریکی کانگریس کا دوسرا ایوان ہے اور عام طور پر موجودہ زمانے میں جمہوری ممالک میں مقننہ کے دوسری ایوان کو قانون بنانے کا اختیارات بہت کم حاصل ہوتا ہے جب کہ امریکی سینیٹ کے تعلق سے ایسی صورت حال نہیں دیکھی جاتی ہے۔ سینیٹ کے قانون بنانے کا اختیارات کی بحث عام بل، آئینی بل اور مالی بل کے تعلق سے الگ الگ کیا جا سکتا ہے۔ عام بل اور آئینی بل دونوں بل پر سینیٹ کو بھی ایوان نمائندگان کے بالکل برابر کا اختیارات حاصل ہیں۔

(2) انتظامی اختیارات: سینیٹ کو نہ صرف مقننہ بلکہ انتظامی علاقے میں اختیارات ایوان نمائندگان کے نسبت یقینا بہت زیادہ ہے۔ انتظامی علاقے میں سینیٹ کی اولین اختیارات کا جواز ہے۔ صدر کے ذریعے کیے گئے انتخابات تبھی جائز ہوتے ہیں جب سینیٹ کے ذریعے اسے عام اکثریت سے منظور شدہ ہو۔ صدر دو طرح کے انتخابات کر سکتا ہے۔ اول انتخاب جو پورے ملک سے تعلق رکھتے ہیں۔

(3) تحقیقاتی اختیارات: دستور کے ذریعے سینیٹ کو قانون ساز کے متعلق بھی اختیارات ہیں جس میں اسے جانچ پڑتال کی بھی طاقت مہیا کی گئی ہے لیکن سینیٹ نے اپنی اس طاقت کی بنیاد پر کئی بار انتظامی شعبہ جات کے کاموں کی جامع جانچ کی ہے اور سینیٹ کے ان جانچ پڑتال کو اس بنیاد پر جائز ٹھہرایا جاتا ہے کہ طاقت کی تقسیم کے اصول پر بنیادی آئینی نظام میں انتظامی بدعنوانی کو ظاہر کرنے کا صرف ایک یہی ذریعہ ہے۔

(4) عدالتی اختیارات: سینیٹ کو عدالتی اختیارات بھی حاصل ہیں جن میں سب سے اہم مواخذہ(ماخوضی) کی جانچ کا اختیار ہے۔ ایوان

نمائندگان میں صدر، نائب صدر، فوجی افسران اور ججوں پر قومی دشمن، بد اعمالی اور دوسرے بر اظلم کے لئے مواخذہ لگایا جاسکتا ہے۔
سینیٹ پر تنقید: کچھ بنیادی اصولوں کی وجہ سے سینیٹ پر شدید تنقید کی جاتی ہے۔ پروفیسر لاسکی نے سینیٹ کی درج ذیل غلطیوں کا خصوصی ذکر کیا۔

(1) سینیٹ دنیا کے دوسرے منتظمین کے مقابلے میں زیادہ وقت ضائع کرتا ہے۔ اس سلسلے میں، سینیٹ میں اپنائے جانے والے فلبسٹر کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔

(2) سینیٹ کی کاروائی کی ایک بنیاد 'لاگ رولنگ' کا طریقہ ہے، جو باہمی تعاون کا ایک کرپٹ ذریعہ ہے۔

(3) تقرریوں کے سلسلے میں قائم کیا گیا 'سینیٹ سے بشکریہ' کا نظام انتہائی کرپٹ اور کرپٹ سیاست کا باپ ہے۔

23.3 ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی عاملہ (Executive of the USA)

امریکہ کی عاملہ کے تحت دو تنظیمیں آتی ہیں: **اول** صدر اور **دوئم** صدر کی کابینہ۔ صدر عاملہ یا انتظامیہ کا سربراہ ہوتا ہے اور کابینہ صدر کو مشاورت دینے والی تنظیم۔

23.3.1 امریکہ کا صدر (President of America)

امریکی آئین میں صدر کے انتخاب کا ذکر آئین کے آرٹیکل یا دفعہ 2 کے ایک چھوٹے سے جملہ میں کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ "امریکی وفاقی کی انتظامیہ کے اختیار ایک صدر میں موجود ہونگی۔" لیکن آئین کے اس جملہ سے صدر کی حیثیت صاف نہیں ہوتی ہے۔
اہلیت: صدر کے عہدہ کی اہلیت کا ذکر آئین کے دفعہ 2 کے ذیلی حصہ میں کیا گیا ہے جس میں کہا گیا ہے کہ صدر کے عہدہ کے لیے وہی شخص اہل ہوگا جو (1) امریکہ کا پیدائشی شہری ہو، (2) اس کی عمر 35 سال سے کم نہ ہو، (3) وہ امریکہ میں کم سے کم 14 سال سے رہ رہا ہو / مقیم ہو۔
امریکی صدر کے مراعات: دیگر ملکوں کے جیسے عاملہ ہیڈ کی طرح امریکی صدر کو بھی کچھ مراعات حاصل ہوتی ہے۔ جب کہ آئین میں اس کے تعلق میں کچھ بھی نہیں کہا گیا ہے۔ پھر بھی رواج کے مطابق اسے کسی بھی جرم کے الزام میں گرفتار نہیں کیا جاسکتا۔ ان کے خلاف مینڈس یا حکم امتناعی بھی جاری نہیں کیے جاسکتے ہیں۔ اسے کسی عدالت میں گواہ کے طور پر حاضر ہونے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔
معیاد: (Tenure) آئین کی دفعہ 2 کی ذیلی حصہ 1 میں ذکر کیا گیا ہے کہ صدر کی معیاد 4 سال ہوگی اور دوبارہ الیکشن پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔ لیکن پہلا صدر جارج واشنگٹن نے تیسری بار صدر کا الیکشن لڑنے سے انکار کر دیا اور اس طرح یہ رواج قائم ہوگئی کہ دو بار سے زیادہ اپنے عہدہ پر نہیں رہا جاسکتا۔ 1 مارچ 1951 میں آئین میں 21 ویں ترمیم کے مطابق ایک ہی شخص تیسری بار صدر کے عہد اپر نہیں چنا جا سکتا۔
صدر کی معطلی یا برطرفی: (Removal of President) امریکی آئین کی دفعہ 2 کی ذیلی حصہ 4 کے مطابق صدر کو صرف مواخذہ کے بنیاد

پر ہی بر طرف کیا جاسکتا ہے اور مواخذہ قومی دشمنی، بد عنوانی یا دیگر کسی بڑے ظلم کے بنیاد پر ہی چلایا جاسکتا ہے

صدر کے اختیارات و فرائض (Power and Functions of President)

امریکی صدر کو آئین کے مطابق حسب ذیل اختیارات حاصل ہیں:

(1) انتظامی اختیارات: صدر کو جب کہ امریکی حکومت اور ریاست کے مختلف حقوں میں اختیارات حاصل ہیں۔ لیکن ان میں سب سے زیادہ اہم اس کی انتظامی یا عاملہ اختیارات ہی ہیں۔ (ا) قوانین کو نافذ کرنا اور انتظام بنائے رکھنا: انتظامی حلقہ میں اس کا اول اور سب سے اہم اختیار وفاقی قوانین کو نافذ کرنا اور انتظام بنائے رکھنا ہے۔ دفعہ 2 کی تیسری ذیلی حصہ کے مطابق صدر سبھی وفاقی قوانین کو پوری طرح سے نافذ کرنے کے ذمہ دار ہوتا ہے۔ (2) انتظامیہ: صدر عاملہ کا چیرمین ہونے کے ساتھ ساتھ انتظامیہ کا سپریم ڈائریکٹر ہوتا ہے۔ یہ دیکھنا صدر کی آئینی ذمہ داری ہے کہ حکومت کے مختلف آفیسر آئین کے دفعات ریاستوں سے کیے گئے معاہدوں اور سپریم کورٹ کے فیصلے کے ماتحت کام کر رہے ہیں یا نہیں۔ (3) تقرری و برطرفی کا اختیارات: آئین کے مطابق وفاقی حکومت کے ذریعے کی جانے والی تقرری کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول، وہ اعلی عہدہ جن پر صدر سینیٹ کے مشورے اور ان کے اکثریت کی رضامندی سے تقرری کر سکتا ہے اور دوئم، لوئر پوسٹ جن پر کانگریس کی رضامندی سے صدر خود شبعات کے چیرمین اور عدالتی تقرروں کر سکتے ہیں۔ (4) معاف کرنے کا اختیارات: امریکہ کے صدر کو دوسرے ملکوں کے چیرمین کے متعلق مجرموں کی سزا کو معاف کرنے، ان کے سزا کو ملتوی کرنے یا کم کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ (5) خارجہ تعلقات کا آپریشن: امریکہ کے عاملہ کے سربراہ ہونے کے ناطے صدر امریکہ کی خارجہ تعلقات کا آپریشن کرتا ہے۔

2 مقناتی اختیارات: حسب ذیل ہیں (ا) کانگریس کو پیغام بھیجنا: صدر کانگریس میں سالانہ پیغام بھیجتا ہے۔ کہا گیا پیغامات میں، ملک کی عام حالت کو ہلکا، ضروری مسائل پر کانگریس کی توجہ کو اپنی طرف متوجہ کریں اور ضروری قوانین کی سفارس کریں۔ (3) ویٹو پاور: امریکی صدر کو مقناتی اختیار میں بہت اہم ویٹو پاور فراہم کیا گیا ہے۔ ویٹو پاور دو طرح کے ہوتے ہیں۔ اول، **جیب ویٹو** اور **مشتبہ ویٹو**۔ (4) ایگزیکٹو آرڈر: صدر کو ایگزیکٹو آرڈر کی روک تھام کرنے کا اختیار حاصل ہے، پھر صدر کی طرف سے مثبت قانون سازی کا استعمال کیا جاتا ہے۔

(3) عدالتی اختیارات: صدر کو عدالتی حلقہ میں اختیارات حاصل ہے۔ سینیٹ کی رضامندی سے وہ وفاقی عدالت کے ججوں کا منتخب کرتا ہے، لیکن وہ انہیں برخاست نہیں کر سکتا۔ آئین کے مطابق صدر کو امریکی وفاقی عدالت کے خلاف کیے گئے جرائم کے تعلق سے مجرموں کی سزا کو تخفیف کرنے یا معزرت مہیا کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

23.3.2 صدر کا کابینہ (Cabinet of President)

امریکی آئین کے ذریعے سبھی انتظامی اختیارات صدر کو فراہم کیا گیا ہے اور دستور کے تحت کابینہ کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ اس تعلق سے آئین میں کہا گیا ہے کہ "صدر حکومت کے مختلف انتظامی محکموں کے آفسران سے ان کے اپنے محکمے سے تعلق امور پر تحریری

رائے لے سکتا ہے۔ لہذا موجودہ دور میں کابینہ کی جس شکل میں ترقی ہوئی ہے وہ دستوری رواج پر قائم ہے۔

کابینہ کی ابتدا: آئین کردہ یہ یقیناً محسوس کرتے تھے کہ صدر کو اپنے عہدہ میں مشیر کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ وہ یہ امید کرتے تھے کہ صدر سینیٹ سے رائے مشورہ کر سکے گا۔ اسی یقین سے خوش ہو کر ریاست ہائے متحدہ کے پہلا صدر جارج واشنگٹن نے امریکہ کے اصل باشندوں کے متعلق مضمون پر سینیٹ سے مشورہ چاہا۔ لیکن سینیٹ کے ممبران کا رخ پر جوش مشورہ دینے کا نہیں رہا۔ بعد میں صدر نے سپریم کورٹ سے کئی امور پر رائے مشورہ لینے کی کوشش کی لیکن یہاں بھی اسے مایوس ہونا پڑا۔

کابینہ کی تشکیل: کابینہ کی تشکیل میں وقتاً فوقتاً پر تبدیلی ہوتی رہی ہے، صدر جارج واشینگٹن کے پہلا کابینہ میں اس وقت چار محکمے کے چیف ہی تھے۔ لیکن تب سے ضرورت کے حساب سے کانگریس کے ذریعے نئے محکمے قائم کیے گئے اور 1973 میں قائم شدہ کابینہ کے ممبران کی تعداد 12 ہو گئی۔ کابینہ کے ارکان کو صدر نامزد کرتا ہے، لیکن اسے سینیٹ کی رضامندی حاصل ہونی چاہیے۔

صدر کو اپنے کابینہ کے ارکان کے انتخاب میں بہت زیادہ آزادی حاصل ہے، لیکن کابینہ کے ارکان کو میں کئی چیزوں پر غور و فکر کرنا پڑتا ہے۔ سب سے پہلے، وہ اپنے پارٹی، حامیوں اور دوستوں کو خوش کرنے کے لیے ان میں سے کچھ کو سکریٹری کے طور پر منتخب کرتے ہیں۔

کابینہ کی صورت حال اور صدر و کابینہ کے درمیان تعلقات: اس طرح کابینہ کی صورت حال صدر کے ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ کئی صدور نے کابینہ کو کوئی اہمیت نہیں دیا اور وہ اسے الگ تھلگ رکھا۔ جیسے جیکسن، گرانٹ، ولسن اور رزویلٹ وغیرہ ایسے ہی صدر تھے۔ جیکسن کابینہ کی میٹنگ کو غیر ضروری سمجھتے تھے اور اسی طرح اس نے دو سال تک کابینہ کی میٹنگ نہیں بلائی۔ صدر یولائسیس گرانٹ کابینہ کے ممبران کو ثانوی درجے کا سمجھتا تھا، جن کا کام صدر کے صرف احکام کو ماننا ہے۔ ووڈرو ولسن کابینہ کے ممبران کو معمولی ملازم سے زیادہ نہیں سمجھتا تھا اور صدر ایف ڈی رزولٹ پہلے خود فیصلہ لے لیا کرتے تھے اور ان کی اطلاع کابینہ کو دیا کرتے تھے۔

موجودہ دور میں عام طور پر ہفتہ میں ایک بار کابینہ کی میٹنگ ضرور ہوتی ہے۔ جنگ اور ایمرجنسی کے وقت زیادہ میٹنگ بلائی جا سکتی ہے، ان میٹنگ میں صدر کابینہ کے ممبران سے رائے مشورہ کرتے ہیں اور ان کی کاروائی راز ہی رکھی جاتی ہے۔ صدر انتظامی نقطہ نظر سے سبھی امور پر کابینہ سے مشورہ لینے کے لیے مجبور نہیں ہے۔ وہ جن امور پر مشورہ حاصل کرنا چاہے، ان ہی امور پر رائے مشورہ کرتا ہے۔

اس طرح صدر اور کابینہ کے آپسی تعلقات کی بنیادی حقیقت صدر کی سر خیل ہے۔ اس تعلق سے لاسکی (Herold Laski) کے الفاظ میں کہا جا سکتا ہے کہ "صدر کچھ حد تک سارے ملک کی علامت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ جب تک وہ اپنے عہدہ پر رہتا ہے تب تک اس کا کوئی مخالف نہیں ہو سکتا"۔

امریکی صدر اور برطانوی شہنشاہ میں موازنہ (Comparison between American President and British Crown)

امریکی صدر اور برطانوی شہنشاہ میں کچھ باتیں مساوی ہیں اور کچھ باتیں غیر مساوی۔ جو حسب ذیل ہیں: **(1) مساوات: امریکی** صدر اور برطانوی شہنشاہ کے درمیان ایک ہی مماثلت یہ ہے کہ یہ دونوں ہی متعلقہ ریاستوں کے سربراہ ہیں، لہذا دونوں کو بہت سے باضابطہ کام انجام دینے ہیں۔ جیسے غیر ملکی سفیروں کا استقبال کرنا، تقریبات کا افتتاح کرنا، استقبالیہ تقریبات اور باقاعدہ تقریریں وغیرہ۔ لیکن اس

علاقے میں بھی دونوں کے مابین ایک خاص فرق ہے۔ چونکہ برطانوی شہنشاہ ایک قانونی سربراہ کے سوا کچھ نہیں ہے، لہذا یہ رسمی فرائض اس کے فرائض کا ایک بہت بڑا حصہ ہیں۔ لیکن امریکی صدر نہ صرف ریاست کے سربراہ ہیں بلکہ قومی انتظامیہ کے سربراہ بھی ہیں اور اسی وجہ سے ان کی طرف سے انجام دیے گئے یہ رسمی فرائض ان کے فرائض کا ایک چھوٹا اور کم اہم حصہ ہیں۔ **(2) غیر مساوات: اول،** برطانوی شہنشاہ برطانوی ریاست کا برائے نام سربراہ ہے، جب کہ ریاست برائے متحدہ اور امریکی حکومت کا صدر امریکہ کا صدر ہے۔ انگلینڈ کے تخریب کاروں نے حکمرانی نہیں کی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انگلینڈ کے شہنشاہ کے پاس خط حکمرانی میں کوئی حقیقی اختیارات نہیں ہے۔ **دوم،** برطانوی شہنشاہ کو پارلیمنٹ سے منظور شدہ بلوں پر اپنی رضامندی دینی ہوتی ہے اور کسی بھی شہنشاہ نے ملکہ ڈین کے بعد تک ممانعت کے اختیار کا استعمال نہیں کیا ہے۔ لیکن امریکی صدر کو دو طرح کے ممانعت کا اختیار حاصل ہے۔ **سوم،** برطانوی شہنشاہ کو جاری کردہ انتظامی حکم یا آرڈیننس میں کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، لیکن امریکی صدر انتظامی حکم جاری کر کے قانونی کام کو بھی متاثر کر سکتے ہیں۔ **چہارم،** امریکہ کے صدر اور اس کے وزراء کے تعلقات بھی شہنشاہ کے تعلقات سے بالکل مختلف ہیں۔ برطانیہ میں شہنشاہ مشورہ دیتا ہے، لیکن امریکہ میں صدر فیصلہ لیتے ہیں اور وزراء صدر کے اشارے پر کام کرتے ہیں۔

23.4 امریکہ کا وفاقی عدلیہ (Federal Judiciary of America)

ریاست برائے متحدہ امریکہ میں وفاقی عدالتی ادارہ کی اہم صورت حال:

عدلیہ کا وجود موجودہ دور کے مہذب ریاست کی اول ضرورت سمجھی جاتی ہے اور امریکی آئینی نظام کی تو ایک خصوصیت ہے کہ وفاقی عدلیہ کو غیر معمولی اہمیت عطا کرتا ہے۔ آئین کے تیسرے حصے میں کہا گیا ہے کہ "انصاف کی طاقت سپریم کورٹ اور دوسروں کی عدالتوں میں دی جائے گی، جو وقتاً فوقتاً کانگریس کے ذریعے قائم کی جائے گی۔" اول' ریاست برائے متحدہ میں وفاقی حکومت کو اپنایا گیا ہے اور وفاق کو ایسی طاقت کی ضرورت ہے جو مرکز اور اکائیوں میں پیدا ہونے والے تنازعات کو حل کر سکے۔ دوم، امریکی آئینی نظام اقتدار کی تقسیم کے اصول پر مبنی ہے۔ اس نظام کے تحت انتظامی اور عاملہ ایک دوسرے سے الگ اور آزاد ہیں اور دونوں کے مابین دائرہ اختیارات پیدا ہو سکتے ہیں۔ ان تنازعات کو حل کرنے کے لیے، فیڈرل کورٹ جیسی طاقت کا وجود بالکل ضروری ہو جاتا ہے۔

وفاقی عدلیہ کی تنظیم: امریکہ میں وفاقی عدلیہ کا ڈھانچہ تین درجے کا ہے۔ جس میں سب سے نچلی سطح پر ضلعی عدالت، اس کے اوپر 'سرکٹ کورٹ آف اپیل' اور اعلیٰ سطح پر ریاست برائے متحدہ امریکہ کی سپریم کورٹ ہے۔

ضلعی عدالت: امریکہ کی وفاقی عدلیہ میں ضلعی عدالتیں سب سے نچلی عدالت ہے۔ ریاست برائے متحدہ امریکہ کے پورے خطے میں ایسی عدالتوں کی تعداد 88 ہے۔ ریاست برائے متحدہ میں ہر ریاست میں کم از کم ایک ضلعی عدالت ہوتی ہے۔ لیکن رقبے اور آبادی کے لحاظ سے وسیع ریاست میں، ضرورت کے مطابق مزید ضلعی عدالتیں قائم کی گئی ہیں۔ ضلعی عدالت میں ججوں کی تعداد کا تعین اسی علاقے میں عدالتی کام سے ہوتا ہے۔ ضلعی عدالت میں ججوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد 16 ہو سکتی ہے۔

فیڈرل کورٹ آف اپیل: فیڈرل کورٹ آف اپیلیں ضلعی عدالتوں کی فیڈرل کورٹس کے ذریعے روشن کی گئیں۔ یہ عدالتیں آبی علاقوں کا دورہ کرکے اپنا کام سر انجام دیتی ہیں اور اسی وجہ سے انہیں 'ڈار کورٹ' بھی کہا جاتا ہے۔یہ ضلعی عدالت امریکہ کی سپریم کورٹ میں واقع ہے۔ان عدالتوں کی کل تعداد 11 ہے، ان میں سے صرف 1 کولمبیا ضلع کی خدمت کرتا ہے اور بقیہ 10 عدالتیں 20 ریاستوں میں کام کرتی ہیں، جن میں ریاست ہائے متحدہ تقسیم ہے، ابتدا میں ضلعی عدالت اور سپریم کورٹ قائم ہوئی، لیکن جب عدالت عظمیٰ کا کام بہت بڑھ گیا اور اس کے نتیجے میں، مشکلات پیدا ہو گئیں، تب سپریم کورٹ کے کام کا بوجھ کم کرنے کے لیے 'وفاقی اپیل عدالتوں' کی تعمیر کی گئی. وفاقی اپیل عدالتوں کے پاس ابتدائی دائرہ اختیار نہیں ہے۔لیکن انہیں صرف ضلعی عدالتوں کے فیصلے کے خلاف اپیلیں سننے کا حق ہے۔

23.4.1 امریکہ کی سپریم کورٹ (Supreme Court of America)

امریکہ کی سپریم کورٹ 4مارچ 1789 کے جوڈیشل ایکٹ کے مطابق قائم ہوئی تھی۔یہ پہلی بار نیویارک کے شہر وال اسٹریٹ میں قائم کی گئی تھی ،بعد میں فلاڈیلفیا منتقل ہوگئی تھی اور اس وقت واشنگٹن میں واقع ہے۔

ساخت: جب سپریم کورٹ پہلی بار تشکیل دی گئی تھی، اس میں 1 چیف جسٹس اور 5 دیگر جج موجود تھے۔کانگریس کے ذریعے اس تعداد کو وقتاً فوقتاً تبدیل کیا گیا۔ 1801 میں اسے گھٹا کر 5 کر دیا گیا۔اس کے بعد 1807 میں یہ تعداد 7، 1837 میں 9 اور 1863 میں 10 ہو گئی۔ 1866 میں اس کے ججوں کی تعداد دوبارہ 7 کر دی گئی۔ 1869 میں سپریم کورٹ میں ججوں کی تعداد 9 مقرر کی گئی تھی اور اس وقت سے اب تک یہ تعداد 9 ہو گئی ہے اور موجودہ وقت کی عدالت عظمیٰ میں 1 چیف جسٹس اور 8 دیگر جج موجود ہیں۔

تقرری: ججوں کی تقرری صدر کے ذریعے سینیٹ کی رضامندی سے ہوئی ہے۔سپریم کورٹ کے جج کے عہدے کے لیے کوئی اہلیت طے نہیں کی گئی ہے، لہٰذا صدر کسی بھی شخص کو اس عظیم عہدے پر تعینات کر سکتے ہیں، جس کے نام پر سینیٹ کی منظوری حاصل کی جا سکتی ہے۔

مواخذہ: سپریم کورٹ میں، کسی جج کو صرف مواخذے کی بنیاد پر ہی برطرف کیا جا سکتا ہے۔ مواخذہ کے لیے تحریک ایوان نمائندگان میں تجویز پیش کی جاتی ہے اور سینیٹ کے ذریعے اس کی جانچ پڑتال کی جاتی ہے جب ایوان نمائندگان اس قرارداد کو دو تہائی اکثریت سے منظور کرتا ہے۔ اگر سینیٹ بھی اپنی دو تہائی اکثریت سے اس تحریک کی توثیق کرتا ہے تو پھر مواخذے کی تحریک کو منظور سمجھا جاتا ہے اور متعلقہ جج کو استعفیٰ دینا پڑتا ہے۔

23.4.2 سپریم کورٹ کا طریقہ کار (Methods of Supreme Court)

سپریم کورٹ کا اجلاس ہر سال اکتوبر کے پہلے پیر سے شروع ہوتا ہے اور عام طور پر اگلے سال جون کے پہلے ہفتے تک جاری رہتا ہے۔اگر کوئی خاص ضرورت ہو تو چیف جسٹس سپریم کورٹ کا خصوصی اجلاس بھی بلا سکتے ہیں۔ چیف جسٹس سپریم کورٹ کے ایگزیکٹو آفیسر ہوتا ہیں۔یہ اجلاس کی صدارت کرتا ہے اور فیصلوں کی اعلان کرتا ہے، لیکن اسے دوسرے ججوں سے زیادہ حقوق نہیں ملتے ہیں۔استغاثہ سننے کے لیے منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ کا دن مقرر ہے۔ ہفتے کے روز، جج ایک دوسرے پر تبادلہ خیال کرتے ہیں اور پیر کو فیصلہ عوامی طور

پر دیتے ہیں۔ فیصلہ سنانے کے لیے استغاثہ کے مقدمے کی سماعت اور 6 ججوں کے کورم کا فیصلہ اکثریت سے کیا جاتا ہے۔ چیف جسٹس سب سے پہلے اپنے خیالات دیتے ہیں، لیکن رائے آخری میں دیتے ہیں۔

23.4.3 دائرہ اختیار (Authority and Limitations)

سپریم کورٹ خود آئین سے اختیارات حاصل کرتی ہے جس کا کا دائرہ اختیار کچھ اس طرح ہے:

ابتدائی دائرہ اختیار: سپریم کورٹ کے پاس دو طرح کے استغاثہ میں ابتدائی دائرہ اختیار حاصل ہے- اول، وہ تمام تنازعات پارٹی جن میں سفیر، دوسرا عوامی وزیر، تجارتی قونصل یا غیر ملکی نمائندہ فریق ہے، دوسرا، ایسے تمام تنازعات جن میں ریاست برائے متحدہ کا یونین یا امریکہ کا کوئی ایک یا ایک سے زیادہ ریاست فریق ہے۔

اپیلٹ دائرہ اختیار: باقی تمام تنازعات کے سلسلے میں، سپریم کورٹ نے اپیل دائرہ اختیار حاصل کیا ہے، یعنی، نچلے عدالتوں کے فیصلے کی اپیل کو سپریم کورٹ میں سنا جاسکتا ہے۔ ریاستوں کی عدالتوں کو کسی اور وفاقی عدالت میں نہیں، سپریم کورٹ میں ہی اپیل کی جاسکتی ہے۔ آئین قانون اور حقائق سے متعلق سپریم کورٹ کو اپیل کا دائرہ اختیار دیتا ہے، لیکن کانگریس کو اس پر قابو پانے کا اختیار حاصل ہے۔ اپیل کے حق کو کانگریس کے ایکٹ کے تحت 1925 میں صرف مندرجہ ذیل امور تک محدود کیا گیا ہے: 1۔ جس میں ریاستی عدالت نے آئین کے خلاف وفاقی قانون اور معاہدوں کا اعلان کیا ہے۔ 2۔ جس میں ریاست کا کوئی بھی قانون جو کسی بھی وفاقی عدالت، کسی بھی قانون یا معاہدے کے یونین کے آئین کے منافی ہے، جب کہ ریاستوں کی عدالت اس قانون کی پاسداری کرتی ہیں۔ مذکورہ دونوں ہی معاملات میں سپریم کورٹ کو اپیل کرنا پڑتا ہے۔

23.4.5 سپریم کورٹ کے ذریعے عدالتی جائزے کے استعمال(Use of Judicial Interpretation by Supreme Court)

1803 میں ماروری بمقابلہ میڈیسن کیس کو جسٹس مارشل نے عدالتی جائزے میں واضح طور پر بیان کیا تھا اور تب سے ہی سپریم کورٹ کانگریس کے بنائے ہوئے 18 قوانین کو ناجائز بنانے کے لیے اس اصول کو استعمال کرتی رہی ہے۔ مذکورہ بالا مشہور تنازعہ کچھ یوں تھا کہ مارچ 1801 میں صدر ایڈمس نے ماروری کو کولمبیا کے ضلع کا جسٹس مقرر کیا، لیکن مذکورہ بالا حکم ماروری کو بھیجنے سے پہلے صدر ایڈمس کی میعاد ختم ہوگئی اور نئے صدر جیفرسن اور اس کے انصاف وزیر، میڈیسن نے مذکورہ بالا حکم ماروری کو بھیجنے سے انکار کر دیا۔ لہٰذا، 1789 کے نظام عدلیہ ایکٹ کے تحت، ماربری نے صدر کے خلاف مانڈامس کے اجراء کے لیے درخواست کی۔ عدلیہ ایکٹ 1789 کے تحت یہ عرض کیا گیا کہ سپریم کورٹ سے انتظامی افسران سے مشورہ کرنے کی درخواست کی جاسکتی ہے اور سپریم کورٹ کو اس طرح کا حکم جاری کرنے کا اختیار حاصل ہوگا۔ اس تنازعہ میں، جج مارشل نے سپریم کورٹ سے فیصلہ سنایا کہ جوڈیشری ایکٹ کے تحت 1789 میں، مارواری تقرری کی رٹ وصول کرنے کے لیے ایک افسر ہے، لیکن سپریم کورٹ کے ذریعے متعلقہ افسران کو حکم نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ جوڈیشل ایکٹ 1789 سپریم کورٹ کو اختیار دیا گیا تھا کہ وہ اس کے تحت مینڈیٹ جاری کرے۔ یہ خود آئین کے تیسرے ایکٹ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس

کے ذریعے سپریم کورٹ کے بنیادی دائرہ اختیار کو آئین کے مذکورہ سیکشن میں دیے گئے دائرہ اختیار سے زیادہ بڑھا دیا گیا ہے۔ چنانچہ، سپریم کورٹ نے، جوڈیشری ایکٹ 1789 کے نظام کو غیر قانونی قرار دیتے ہوئے، اس کو نافذ کرنے سے انکار کر دیا۔ جج مارشل مذکورہ بالا فیصلے کا اظہار مندرجہ ذیل طریقوں سے کیا جا سکتا ہے: آئین ایک دستاویز ہے جو حکمرانی کے اختیارات کی ضمانت دیتا ہے۔ اول' آئین ملک کا سپریم قانون ہے اور اس وجہ سے کانگریس کے منظور کردہ دوسرے قوانین سے بالاتر ہے۔ دوم' سوم' لہذا آئین کے بر خلاف بنائے گئے قوانین غیر آئینی ہیں اور عدالت ان کو غیر قانونی قرار دے کر ان کی اطاعت سے انکار کر سکتی ہے۔

23.4.6 عدالتی جائزے کی تنقید (Criticism of Judicial Interpretation)

جج مارشل نے اپنے فیصلے میں عدالتی جائزے کے اصول کی پیش کش کرنے سے بہت پہلے اس خیال پر تنقید کی ہے۔ جیفرسن اس اقتدار کے آغاز ہی سے نقاد تھے اور سینیٹ کے امیدوار کی حیثیت سے انتخابی مہم چلاتے ہوئے ابراہم لنکن (Abraham Lincon) نے بھی عدالت عظمیٰ کی اس طاقت پر کڑی تنقید کی۔ امریکی آئین کے مصنفین میں بروگن، لوئس، بودن، ایڈم بوکس اور لاسکی اس کے ممتاز نقاد رہے ہیں۔ یہ مصنفین۔ مندرجہ ذیل تنقید کی اہم بنیادیں ہیں:

(1) عدالتی جائزے کی کوئی آئینی اساس نہیں: ناقدین کے مطابق، عدالت عظمیٰ کے اس حق کی کوئی آئینی اساس نہیں ہے۔ آئین میں کہیں بھی اس بات کا تذکرہ نہیں ہے کہ سپریم کورٹ قوانین کی آئینی حیثیت کی جانچ کر کے انہیں منسوخ کر سکتی ہے۔

(2) سیاست سے متاثر سپریم کورٹ کا فیصلہ: یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ عدالت عظمیٰ کو قانونی حیثیت کی بنیاد پر قوانین پر غور کرنے کا حق ہونا چاہیے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ سپریم کورٹ کے ججوں نے قانونی فیصلہ دیتے ہوئے انہیں اپنی سیاسی نظریہ کو رنگ دیتے ہیں۔

(3) معاشرتی اور معاشی زندگی میں عدم استحکام: سپریم کورٹ کی یہ طاقت معاشرتی اور معاشی زندگی میں بڑے عدم استحکام کا باعث بھی ہے۔ کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ کانگریس کا ایک قانون طویل عرصے سے زیر استعمال ہے اور لوگ اس کے مطابق اپنے کام کرتے رہتے ہیں، لیکن پھر ایک دن سپریم کورٹ نے اسے غیر قانونی قرار دے دیا اور سالوں سے اس کی بنیاد پر کیے گئے تمام کام غیر آئینی ہو جاتا ہے۔

23.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں جیسے اول عضو، امریک کا مقننہ کانگریس بھی کہا جاتا ہے، جو دو سطحی مقننہ ہے، جس میں دونوں ایوان کے ساخت، اہلیت، معیاد، کورم، ایوان نمائیندگان و سینیٹ کا انتخاب اور دونوں کے اختیارات و فرائض کو جان پائیں۔
- ایوان نمائیندگان کے اسپیکر اور اس کے اختیارات، سینیٹ کی اہمیت اور اس کی وجوہات کے بارے میں بھی تفصیل سے سمجھ پائیں۔
- امریکہ کے صدر اور اس کے کابینہ، امریکی صدر کے مراعات، صدر کی معطلی یا برطرفی، امریکی صدر و کابینہ کے اختیارات و فرائض، کابینہ کی تشکیل اور صورت حال اور صدر و کابینہ کے درمیان تعلقات کی بھی تفصیل سے معلومات حاصل ہوئی۔

- امریکہ کا وفاقی عدلیہ امریکہ تنظیم، امریکہ کا سپریم کورٹ اور اس کی ساخت، تقرری، طریقہ کار، مواخذہ، دائرہ اختیار، عدالتی جائزے اس کی تنقید اور عدالتی جائزے کی اہمیت وغیرہ کے بارے بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

23.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

- اپیلٹ دائرہ اختیار : اس سے مراد ہے نچلے عدالت کے فیصلے کو سپریم کورٹ سن سکتا ہے اور یہ اختیار امریکہ کے سپریم کورٹ کو ہے
- سینیٹ : امریکی کانگریس کے دوسری ایوان سینیٹ میں سبھی اکائیوں کو برابری کا نمائندگی فراہم کی گئی ہے اور ہر ایک اکائی سے اس میں دو دو نمائندے بھیجے جاتے ہیں۔
- کانگریس : امریکہ کے دو ایوانی ہاوس کو کانگریس کہتے ہیں۔

23.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

23.7.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں ضلع عدالتوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a) 88 (b) 90 (c) 92 (d) 98

2۔ امریکی سپریم کورٹ میں ججوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a) 11 (b) 9 (c) 13 (d) 15

3۔ امریکہ میں وفاقی عدلیہ کا ڈھانچہ کتنے درجے پر مشتمل ہے؟

(a) (b) تین (c) چار (d) پانچ

4۔ امریکی صدر کے الیکٹورل یا انتخابی کالج کے ممبران کی تعداد کتنی ہے؟

(a) 535 (b) 530 (c) 538 (d) 438

5۔ امریکی سینیٹ کا سربراہ یا چیئرمین کون ہوتا ہے؟

(a) صدر (b) نائب صدر (c) کانگریس (d) ایوان نمائیندگان

6۔ امریکہ میں فیڈرل کورٹ آف اپیلیں میں عدالتوں کی تعداد کتنی ہے؟

(a) 9 (b) 11 (c) 13 (d) 15

7۔ کس ملک کا عاملہ کے چیف انتظامی علاقے میں سب سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے ؟

(a) برطانیہ (b) امریکہ (c) سوئٹزرلینڈ (d) چین

8۔ کمیٹیوں کے قانون ساز میں سب سے زیادہ تعارف مندرجہ ذیل میں سے کس ملک کی نظام میں ہے ؟

(a) برطانیہ (b) امریکہ (c) چین (d) سوئٹزرلینڈ

9۔ سینیٹ کے ذریعے معاہدوں کی منظوری کتنے اکثریت سے کی جانی چاہیے ؟

(a) عام اکثریت (b) دوتہائی اکثریت (c) تین چوتھائی اکثریت (d) کوئی نیں

10۔ امریکہ کے کس صدر نے 1940 میں تیسری بار اور 1944 میں چوتھی بار الیکشن لڑ کر اس رواج کو توڑا، جب کہ دوسری بار سے زیادہ الیکشن لڑنے کا رواج نہیں تھا

(a) ایف ڈی رزویلٹ (b) تھیئوڈور رزویلٹ (c) بنجامین ہریسن (d) وڈرو ولسن

23.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ امریکی سینیٹ کی عدالتی اختیارات کے بارے میں مختصر بیان کیجیے ؟

2۔ امریکی سپریم کورٹ کے عدالتی جائزے کی دو تنقید کے بارے میں مختصر بیان کیجئے۔

3۔ امریکی صدر کے کابینہ سے مختصر تعلقات واضع کیجئے۔

4۔ کانگریس صدر کے کاموں کو کس طرح متاثر کرتا ہے، اسے مختصر بیان کیجیے ؟

5۔ امریکہ میں ضلعی عدالت پر مختصر تبصرہ کیجیے۔

23.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ امریکی صدر اور برطانوی شہنشاہ کے درمیان موازنہ پر روشنی ڈالیے۔

2۔ عدالتی جائیزہ کیا ہے عدالتی جائزے پر تنقید کیجیے۔

3۔ امریکی صدر کے اختیارات اور فرائض کو بیان کیجیے۔

23.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. P.D. Sharma, (1988), Comparative Political Institution, College Book Depot, Jaipur.

2. B. N Khanna, (2005), Major Constitution of the World, SBPD Publishing House, Agra.

اکائی 24- سوئٹزر لینڈ کی تقابلی سیاست

(Comparative Politics of Switzerland)

اکائی کے اجزا

24.0 تمہید
24.1 مقاصد
24.2 سویزر لینڈ کا ایگزیکیوٹیو
2 4.3 سوئس مقننہ: وفاقی مقننہ یا وفاق اسمبلی
2 4.4 سوئٹزر لینڈ کا عدالتی نظام
2 4.5 اکتسابی نتائج
2 4.6 کلیدی الفاظ
2 4.7 نمونہ امتحانی سوالات
2 4.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں

24.0 تمہید (Introduction)

عزیز طلبا اس اکائی میں ہم "سوئٹزرلینڈ کا تقابلی سیاست" کے بارے میں تفصیل سے تذکرہ کریں گے۔ سب سے پہلے ہمیں تقابلی سیاست کے بارے میں جاننا ہوگا۔ تقابلی سیاست میں حکومت کے تینوں اعضاء اور دیگر تنظیموں کے بارے میں ایک ملک سے کئی ملکوں کا موازنہ کیا جاتا ہے۔ اس اکائی میں ہم یہ کوشش کریں گے کہ سوئٹزرلینڈ کے تینوں اعضاء کے جو مقننہ، عاملہ اور عدلیہ ہیں کے سارے پہلوؤں کے بارے میں تفصیل سے ذکر کر سکیں گے تاکہ طالب علم اسے اچھی طرح سے مطالعہ کرنے کے بعد سارے مختلف سوالوں کا جواب دینے کے لائق بن سکیں۔

24.1 مقاصد (Objective)

اس اکائی کے لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ "سوئٹزرلینڈ کا تقابلی سیاست" جس میں امریکہ کے تینوں اعضاءکے ساتھ اس طرح بیان اور واضح کر دیا جائے کہ طالب علم اس باب کے مطالعے کے بعد سوئٹزرلینڈ کا تقابلی سیاست کی حوالہ سے تمام طرح کے سوالات وسکوک وشبہات کو نہ صرف یہ ہے کہ خود اپنے ذہن و دماغ سے سمجھ سکے بلکہ سوئٹزرلینڈ کا تقابلی سیاست کہ مختلف پہلویوں پر جو بھی اس طرح کے سوالات اٹھتے اور قائم ہوتے ہیں ان کا جواب دینے کا قابل ہو جائے۔

24.2 سوئٹزرلینڈ کی عاملہ (Executive of Switzerland)

سوئٹزرلینڈ کا آئین عاملہ علاقہ میں ایک واحد ادارہ تشکیل دیتا ہے۔ یہ ایک ادارہ ہے۔ فیڈرل کونسل کا تمام عاملہ سیکٹر۔ طاقت صرف 'مرکزی یا فیڈرل کونسل' کو دی گئی ہے

24.2.1 فیڈرل کونسل (Federal Council)

سوئس آئین کے ذریعے جس طرح کی عاملہ مہیا کی جاتی ہے وہ اپنے آپ میں ایک طبقہ ہے۔ اس کی تنظیم اور اختیارات سے ہی مماثلت نہیں ہے، بلکہ مقننہ کے ساتھ اس کے تعلقات کی بھی ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک مخصوص قیادت میں، عاملہ موثر طریقے سے حکومت کرنے کا کام کر سکتا ہے۔ لہذا عاملہ کو تنظیمی نقطہ نظر سے ایک ہونا چاہیے۔ لیکن سوئس عاملہ اکثریت یا یکجہتی یہ اور عام عقیدے کے برخلاف، اسے کامیابی کے ساتھ انجام دیا جا رہا ہے۔ اسی طرح، عام عقیدے کے مطابق، عاملہ یا تو پارلیمانی یا صدارتی ہو سکتی ہے، لیکن سوئس عاملہ کو ان دونوں اقسام میں سے کسی ایک میں نہیں رکھا جا سکتا، بلکہ اس میں دونوں کے عناصر کا مرکب موجود ہے۔ سوئس ایگزیکٹو کے تحت، ان دونوں حکومتوں کی خصوصیات کو جذب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سوئس عاملہ کی ان خصوصیات کی بنا پر، **پروفیسر اسٹورنگ** نے لکھا ہے کہ "یہ دنیا کے قانونی نظاموں میں سب سے منفرد ہے۔" **برائس** کے مطابق، "یہ ایسا ادارہ ہے جس کا مطالعہ دوسرے تمام اداروں کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے۔"

24.2.2 فیڈرل کونسل کی تشکیل (Composition of Federal Council)

سوئس آئین کے آرٹیکل 95 کے مطابق، "سوئس دولت مشترکہ کی اعلیٰ ترین ہدایت کار اور عاملہ طاقت، جس کا استعمال 7 ممبروں پر مشتمل وفاقی کونسل نے کیا ہے۔" فیڈرل کونسل کے ان 7 ممبران کا انتخاب وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست میں ہوتا ہے۔ سوئٹزرلینڈ جیسے مضبوط جمہوری جذبے والے ملک میں عاملہ کا تعمیر، بالواسطہ انتخابی نظام کو اپنانا غیر معقول معلوم ہو سکتا ہے، لیکن یہ کچھ وجوہات کی بناء پر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے، سوئس وفاقی اسمبلی کے ممبران عوام کے ساتھ اس قدر قریبی رابطے میں ہیں کہ سوئس پبلک فیڈرل اسمبلی کے ممبر طرف شدہ نواچ عوام کی طرف سے کیا گیا الیکشن مانتی ہے. اس کے علاوہ، آئین ساز وفاقی اسمبلی کے انتخابات کو سیاسی مداخلت سے الگ رکھنا چاہتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ صرف وہی لوگ منتخب ہوں جو کافی سیاسی علم اور تجربہ رکھتے ہوں۔ لہذا، براہ راست انتخابات کے بجائے، بالواسطہ انتخاب ان کے ذریعے اختیار کیا گیا۔

جہاں تک قابلیت کا تعلق ہے، آئین نے یہ طے کیا ہے کہ کوئی بھی سوئس شہری جو قومی کونسل کا ممبر منتخب ہونے کے اہل ہے، کو فیڈرل کونسل کا ممبر منتخب کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں صرف دو قانونی پابندیاں ہیں۔ **پہلے**، خون اور شادی سے وابستہ دو افراد مل کر فیڈرل کونسل کے ممبر نہیں بن سکتے ہیں۔ **دوسرا**، آئین کے آرٹیکل 96 کے مطابق، یہ طے کیا گیا ہے کہ ایک کینٹن سے ایک سے زیادہ افراد کو فیڈرل کونسل کا ممبر منتخب نہیں کیا جا سکتا۔ ان دو قانونی شرائط کے علاوہ، فیڈرل کونسل کی تشکیل میں دو اہم روایات بھی قائم کی گئیں۔ پہلی روایت کے مطابق، سوئٹزرلینڈ کے دو سب سے بڑے اور اہم کینٹن (برن اور زیورک) کی ہمیشہ فیڈرل کونسل میں نمائندگی ہوتی ہے۔ اس خصوصی حیثیت کو فرانسیسی بولنے والے کینٹن وائڈ کو بھی حاصل ہے۔ دوسری روایت یہ ہے کہ فیڈرل کونسل چار جرمن بولنے والے، دو فرانسیسی بولنے والے اور ایک اطالوی بولنے والے پر مشتمل ہے۔

میعاد (Tenure): فیڈرل کونسل کی میعاد 4 سال کے لیے مقرر کی گئی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ قومی کونسل کی مدت ملازمت پر بھی منحصر ہے۔ اگر سوئٹزرلینڈ کا فیڈرل یونین اس عرصے سے پہلے تحلیل ہو جاتا ہے تو نئے انتخابات کے بعد، وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس میں ایک نیا وفاقی کونسل چنا جائے گا۔ اگر موت، استعفیٰ یا کسی اور وجہ سے 4 سالہ مدت سے قبل وفاقی کونسل کی کوئی جگہ خالی ہو جاتی ہے تو وفاقی اسمبلی اپنے اجلاس میں باقی مدت کے لیے ایک نئے شخص کا انتخاب کرتا ہے۔

صدر اور نائب صدر (President and Vice President): وفاقی اسمبلی کے دو ایوانوں نے مشترکہ اجلاس میں وفاقی کونسل کے ممبروں میں سے ایک سال کے لیے صدر اور ایک نائب صدر کا انتخاب کیا۔ فیڈرل کونسل کے صدر کو ہی سوئس دولت مشترکہ کا صدر کہا جاتا ہے۔ وہ لگاتار دو سال تک صدر منتخب نہیں ہو سکتا، حالانکہ وہ ایک سے زیادہ مرتبہ منتخب ہو سکتا ہے۔

24.2.3 فیڈرل کونسل یا سوئس دولت مشترکہ کے صدر کے اختیارات اور فرائض

(Power and Functions of President of Federal Council)

سوئس دولت مشترکہ کے صدر کا عہدہ وفاقی کونسل کی طرح انفرادیت کا حامل ہے اور سوئس شہریوں کی گہری جمہوری اور جمہوری

جذبے کی علامت ہے۔ ان کی گہری جمہوری جذبے کی وجہ سے ہی وہ کسی فرد کو نہ دے کر کمیٹی کو عاملہ اختیار سے نوازا گیا ہے اور کمیٹی کے چیئرمین، یعنی اسٹیٹ بورڈ کے صدر کو، کسی بھی طرح اعلی درجہ حاصل نہیں ہے۔ **لاویل کے مطابق**،"وہ عام طور پر قوم کی عاملہ کمیٹی کے سربراہ ہوتے ہیں اور اس وجہ سے یہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں کہ ان کے ساتھی کیا کر رہے ہیں اور وہ ریاست کے برائے نام چیئرمین کے رسمی فرائض انجام دیتے ہیں۔" صدر کے دو قسم کے کام بھی ہیں:

کنفیڈریشن کے صدر کی حیثیت سے: فیڈرل ایڈمنسٹریشن آرگنائزیشن ایکٹ 1914 کا صدر برطانوی شہنشاہ کی طرح سوئس قوم کی علامت ہے اور اہم قومی اور بین الاقوامی مواقع پر ریاست کی نمائندگی کرتا ہے۔ وہ غیر ملکی سفیروں کا خیر مقدم کرتا ہے اور ان کی اسناد کو قبول کرتا ہے۔ اسے بیرون ملک سوئس دولت مشترکہ کا نمائندہ اور وکیل سمجھا جاتا ہے۔ یہ وفاقی اسمبلی کے منظور کردہ بلوں پر دستخط کرتا ہے، لیکن یہ ایک باقاعدہ رسم ہے اور اسے کوئی مراعات نہیں ہیں۔جب دیگر ریاستوں کا سربراہ سوئٹزرلینڈ کے ریاستی سفر پر آتا ہے تو وفاقی کونسل کے سات ارکان ہی ان کا خیر مقدم کرتے ہیں۔وہ فیڈرل چانسلری میں ہدایت اور انضباط کرتا ہے۔

وفاقی کونسل کے چیئرمین کی حیثیت سے: وہ کونسل کی صدارت کرتے ہیں اور کسی موضوع پر 'ٹائی' ہونے کی صورت میں۔ فیصلہ کن ووٹ کا استعمال کرتے ہیں۔ وہ وفاقی کونسل کے ممبر کی حیثیت سے کسی شعبے کا چیئرمین ہے اور دوسرے کونسلرس کی طرح کچھ انتظامی اختیار بھی استعمال کرتے ہیں۔ وفاقی کونسل کے دوسرے ممبروں کے محکمہ کے کاموں کی نگرانی کرنے کا بھی اسے اختیار ہے، لیکن یہ صرف تجویز کر سکتی ہے، حکم نہیں۔

صدر کا عہدہ(Designation of President): اس طرح دولت مشترکہ کے صدر کی طاقت اکثر صفر رہ جاتی ہے اور اس کا موازنہ ریاست برائے متحدہ کے صدر، برطانوی وزیر اعظم یا کسی دوسرے عاملہ سے کرنا انتہائی فریب ہے۔کیونکہ وفاقی کونسل کے تمام ارکان کو مساوی حیثیت حاصل ہے، لہذا سوئس ایگزیکٹو کو ایک اکثریت یا جمع کا عاملہ کہا جاتا ہے اور کیونکہ ایوان صدر کے کوئی خاص اختیارات نہیں ہیں، **ہینس ہوبر** کے الفاظ میں یہ کہا جاتا ہے کہ "ریاست کے ایوان کا کوئی صدر نہیں ہوتا ہے." اسے اپنے ساتھیوں پر کچھ ترجیح دی جاتی ہے۔ لیکن یہ ترجیح صرف رسمی ہے۔یہ نہ تو حقیقت میں قوم کا سربراہ ہے اور نہ ہی حکمرانی کا۔

انتظامیہ کے محکمے: ہندوستان اور برطانیہ وغیرہ میں انتظامی محکموں کی تعداد مقررہ نہیں ہے۔ لیکن سوئٹزرلینڈ میں یہ تعداد طے شدہ ہے اور سات محکموں میں تمام انتظامی کام کو تقسیم کیا گیا ہے' جو مندرجہ ذیل ہیں۔ (1) سیاسی محکمہ (2) جسٹس اور پولیس ڈیپارٹمنٹ فوجی ڈپارٹمنٹ (3) عوامی معیشت ڈپارٹمنٹ (4) داخلہ ڈپارٹمنٹ (5) خطوط اور ریلوے ڈپارٹمنٹ (6) فنانس اور کسٹم ڈپارٹمنٹ۔ ہر شعبہ وفاقی کونسل کے رکن کے ماتحت ہے، جو اس کے کام کے لیے ذمہ دار ہیں۔

طریقہ کار: فیڈرل کونسل عام طور پر ہفتے میں دو بار ملاقات کرتی ہے۔کونسل کی کارروائی خفیہ ہوتی ہے اور کونسل کے ذریعے کسی بھی کام کے لیے، کم از کم چار ممبران کی موجودگی ضروری ہے۔ فیصلے کے لیے موجود ممبران کی رضامندی ضروری ہے۔ ووٹ ہاتھ اٹھا کر دیے جاتے ہیں اور اسپیکر کو فیصلہ کن ووٹ ڈالنے کا اختیار حاصل ہے۔ فیڈرل کونسل اجتماعی ذمہ داری کے اصول کی بنیاد پر کام نہیں کرتی ہے۔ لہذا یہ

کہا جاتا ہے کہ "سوئٹزرلینڈ میں سات ایگزیکٹو ممبر ہیں، لیکن کوئی عاملہ کونسل نہیں ہے۔"

24.2.4 وفاقی کونسل کے اختیارات اور فرائض (Power and Functions of Federal Council)

وفاقی کونسل بنیادی طور پر ایک انتظامی ادارہ ہے اور آئین کے دفعہ 95 کے مطابق، اس میں سوئس دولت مشترکہ کی اعلیٰ ترین ہدایت شامل ہے اور عاملہ پاور کا اختیار ہے۔ انتظامی اختیارات کے علاوہ، فیڈرل کونسل کے پاس کچھ اہم اختیارات ہیں۔

1۔ انتظامی اختیارات: (1) وفاقی کونسل تمام قوانین اور احکامات کے مطابق تمام ریاستوں میں انتظامیہ کی حکومت کرتی ہے۔
فیڈرل کونسل کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ سوئس آئین کی دفعات، وفاقی اسمبلی کے بنائے گئے آئین، غیر ممالک سے معاہدوں اور فیڈرل ٹریبونل کے فیصلے پر عمل درآمد کرے۔
(2) فیڈرل کونسل کو ان تمام عہدوں پر تقرری کا اختیار حاصل ہے جن پر تقرری کا اختیار وفاقی اسمبلی، فیڈرل کورٹ یا کسی دوسرے وفاقی اتھارٹی کو نہیں دیا گیا ہے۔
(3) وفاقی کونسل کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بیرونی جارحیت سے سوئٹزرلینڈ کی آزادی اور غیر جانب داری کو بچائے اور اندرونی علاقے میں امن وامان برقرار رکھنے کے لیے ضروری آقدامات کرے۔
(4) وفاقی کونسل کو فیڈرل آرمی کو کنٹرول کرنے کا اختیار حاصل ہے۔

2۔ عدالتی اختیارات: کچھ اختیارات ہیں۔ **پہلی**، یہ نجی افراد سے وفاقی حکومت کے مختلف محکموں کے فیصلوں کے خلاف اپیل کرتا ہے، جس میں ریلوے انتظامیہ بھی شامل ہے۔ **دوسرا** یہ کہ اگر عدالتوں میں مذہبی بنیادوں پر کسی قسم کا کوئی امتیاز پایا جاتا ہے تو وہ کینٹوں کے فیصلوں کے خلاف اپیلوں کی سماعت کرتا ہے۔ **تیسرا**، آئین کے کچھ حصوں کے تحت پیدا ہونے والی کینٹنوں اور تنازعات سے متعلق، تجارت سے متعلق معاہدوں کی بنیاد پر پیدا ہونے والے تنازعات کے سلسلے میں کی جانے والی اپیلوں پر فیصلہ کرنے کا حق ہے۔ ان تمام تنازعات کے سلسلے میں فیڈرل کونسل کا فیصلہ حتمی نہیں ہے اور اس کے خلاف وفاقی انتظامی عدالت میں اپیل کی جاسکتی ہے۔
3۔ بحران کے اختیارات یا ایمرجنسی اختیارات: آئین نے فیڈرل کونسل کو کسی بحران کے اختیارات نہیں دیے ہیں، لیکن عملی طور پر وہ اختیارات اس کے ذریعے حاصل ہو چکے ہیں۔ جب بھی اندرونی تناؤ کی وجہ سے ملک میں کوئی بحران پیدا ہوا، وفاقی اسمبلی نے کونسل کو مکمل اختیار دے دیا۔ مثال کے طور پر، 1849، 1853۔ 1859 اور 1870 میں، وفاقی اسمبلی نے کونسل کو ملکی غیر جانبداری کے تحفظ کے لیے ہر طرح کے اختیار فراہم کیے تھے۔ اسی طرح دوسری عالمی جنگ میں، کونسل کو اسمبلی کے ذریعے قوم کے تحفظ اور اس کی ساحل لائن کو برقرار رکھنے کے لیے مکمل اختیارات دیے گئے تھے۔
4۔ مالیاتی اختیارات: مالیاتی شعبے میں فیڈرل کونسل کو اہم اختیارات حاصل ہیں۔ سوئس یونین کی مالی انتظامیہ اس کے زیر انتظام ہے اور اس کی اپنی ایکٹ کے تحت، یہ وفاقی بجٹ تیار کرتا ہے اور انہیں منظوری کے لیے وفاقی اسمبلی کے سامنے رکھتا ہے۔ یہ وفاقی حکومت کی آمدنی اور

اخراجات کی رپورٹ وفاقی اسمبلی کو دیتا ہے۔

5۔ قانون سازی کے اختیارات: وفاقی کونسل بھی قانون سازی کے میدان میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ جب کہ کونسل کے ممبر آئین ساز اسمبلی کے ممبر نہیں ہوتے ہیں، لیکن وہ ان کے اجلاسوں میں شریک ہوتے ہیں اور ووٹنگ کے علاوہ دیگر تمام کاموں میں بھی حصہ لیتے ہیں۔ فیڈرل کونسل رضاکارانہ طور پر مقننہ کے سامنے بل پیش کر سکتی ہے اور وفاقی اسمبلی بھی کونسل سے کسی خاص مضمون پر بل پیش کرنے کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ اس عمل کے تحت بلوں کا تقریبا 95 فیصد فیڈرل کونسل نے تجویز کیا ہے۔

24.2.5 فیڈرل اسمبلی کے ساتھ فیڈرل کونسل کا تعلق (Relation of the Federal Council with Federal Assembly)

فیڈرل کونسل کو سوئس گورننس کا ایک انوکھا ادارہ کہا جاتا ہے اور انتظامیہ، یعنی وفاقی اسمبلی کے ساتھ وابستگی میں اس کی یکسانیت کو زیادہ تر دیکھا جا سکتا ہے۔ فیڈرل کونسل اور فیڈرل اسمبلی کے مابین یہ باہمی تعلقات نہ تو مکمل طور پر برطانیہ کے پارلیمانی نظام کے مطابق ہیں اور نہ ہی امریکی صدر کے نظام کے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں اقتدار کی تقسیم کے نظریے کو سختی سے اپناتے ہوئے عاملہ یعنی صدر اور کابینہ کو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے ایڈمنسٹریٹر یعنی کانگریس سے بالکل الگ رکھا گیا ہے اور عاملہ کے ممبران قانون سازی کے کام میں حصہ نہیں لیتے ہیں، لیکن سوئٹزرلینڈ میں فیڈرل کونسل کے ممبران وفاقی اسمبلی کے اجلاسوں میں شرکت کرتے ہیں، سوالات کے جواب دیتے ہیں، مباحثوں میں حصہ لیتے ہیں اور ووٹنگ کے علاوہ دیگر تمام اختیارات کا استعمال کرتے ہیں.

آئینی مقام: آئین کے دفعہ 71 کے مطابق، ریاستی بورڈ کی اعلی طاقت وفاقی اسمبلی میں ہی دی گئی ہے۔ آئین کے مطابق، فیڈرل کونسل غیر ملکی امور، مسلح افواج، فوج یا عوامی انتظامیہ کے حوالے سے اپنے اختیارات استعمال کرتی ہے یا تو وفاقی اسمبلی کے پیشگی آرڈر کے ذریعہ یا ورکنگ ٹیکس حاصل ہونے کے بعد، ان ہر وفاقی اسمبلی کی منظوری حاصل ہوتی ہے۔ وفاقی اسمبلی کونسل کو بحران کے اختیارات استعمال کرنے کا اختیار دیتی ہے اور جب چاہے ان کو واپس لے سکتی ہے۔ یہ قراردادوں اور احکامات کے ذریعے فیڈرل کونسل کے اقدامات کو کنٹرول کرتا ہے۔ وفاقی اسمبلی کے ذریعے وفاقی کونسل کے ممبران اور صدر اور نائب صدر کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

اصلی مقام: سوئزرلینڈ میں بھی اس سلسلے میں نظریہ اور عمل میں کافی فرق ہے۔ موجودہ دور میں عاملہ دنیا کی تقریبا تمام ریاستوں میں ایڈمنسٹریٹر یا مقننہ کے مقابلے میں زیادہ طاقتور ہو چکا ہے اور سوئٹزرلینڈ بھی اس میں کوئی رعایت نہیں ہے۔ اصولی طور پر، فیڈرل کونسل محض وفاقی اسمبلی کا ایجنٹ ہے، لیکن عملی طور پر وفاقی کونسل کے اختیارات میں کافی حد تک اضافہ ہوا ہے اور وفاقی اسمبلی کے زیر کنٹرول رہنے کے بجائے، اس نے وفاقی اسمبلی کو کنٹرول کرنا شروع کر دیا ہے۔

24.2.6 فیڈرل کونسل کے خصوصیات (Characteristics of Federal Council)

سوئس وفاقی کونسل اپنے طرح کی ایک ہی تنظیم ہے اور **پروفیسر اسٹرونگ** کے الفاظ میں، "سوئٹزرلینڈ وفاقی کونسل دنیا میں دیگر تمام عملے سے زیادہ دھیان دینے کے قابل ہے۔" وفاقی کونسل کی جن خصوصیات نے اس صورت حال کو فراہم کی ہے، ان کا مطالعہ مندرجہ

ذیل شکل میں کیا جاسکتا ہے:

(1) اکثریت یا جمع عاملہ: یہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ مقننہ کی تنظیم اکثریت کے بنیاد پر، لیکن عاملہ تنظیم کے نقطہ نظر سے ایک یا سنگل ہونا چاہیے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ عاملہ قیادت کو ایک شخص کے ذریعے ہی کی جانی چاہیے. موجودہ وقت میں زیادہ تر ریستوں میں ایسا ہی نظام ہے. سوئٹزرلینڈ میں ایک عاملہ کی جگہ پر اکثریت یا جمع عاملہ کو اپنایا گیا ہے. آئین کے دفعہ 95 کے مطابق، "ریاستی ایسوسی ایشن اور عاملہ اختیار کی سب سے زیادہ سمت 7 ممبران کی فیڈرل کونسل کے ذریعے استعمال کیا جاتا ہے."

(2) پارلیمانی اور صدارتی نظام میں ہم آہنگی: ریاست اور حکمرانی سے متعلق علم کے تحت ایگزیکٹو کی دو اقسام کا مطالعہ کیا جاتا ہے۔ **پہلا،** پارلیمانی عاملہ جس کی مثالی مثال برطانیہ ہے اور **دوسرا،** صدارتی عاملہ جس کی مثالی مثال امریکہ ہے۔ لیکن "سوئس گورننس اپنے آپ میں ایک طبقے کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ بنیادی طور پر پارلیمانی اور صدارتی عاملہ دونوں کے لیے دوستانہ ہے، لیکن اس میں انتظامیہ کے دونوں انتظامات کی خصوصیات کا مرکب ہے۔" پارلیمنٹری اور صدارتی عاملہ سے سوئس فیڈرل کونسل توازن اور فرق کا محاذ کی شکل میں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

24.3 سوئس مقننہ: وفاقی مقننہ یا وفاقی اسمبلی

(Swiss Legislature: Federal Legislature or Federal Assembly)

سوئس آئین کے ذریعے، گورننس کے تینوں اعضاء میں، یعنی وفاقی اسمبلی کو، یقینی طور پر سب سے زیادہ طاقتور عہدہ دیا جاتا ہے۔ سوئس آئین کے دفعہ 71 میں کہا گیا ہے، "جب تک عوام اور کنٹنوں کے اختیار کا کوئی تدارک یا خلافت نہیں ہوتا ہے، دولت مشترکہ کی اعلی طاقت کا استعمال وفاقی اسمبلی کرے گی، جس کے دو ایوان قومی کونسل یا ریاست کونسل ہیں۔" سوئس وفاقی اسمبلی۔ ایک طاقتور مقننہ ہے اور عاملہ اور وفاقی ٹریبونل اس کے ماتحت ہے، لیکن برطانوی پارلیمنٹ کی طرح وفاقی اسمبلی بھی کوئی خود مختار ادارہ نہیں ہے۔ **پہلی بات،** وفاقی نظام اور سخت آئین کی وجہ سے اس کی طاقت کو محدود کیا گیا ہے۔ **دوسری بات،** سوئس آئین میں عوامی فیصلے اور انیشی ایٹر کا انتظام کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے، قانون سازی سے نہیں، قانون سازی اور آئینی ترمیم کے سلسلے میں عوام کو حتمی اختیار مل گیا ہے۔ وفاقی اسمبلی کی ایک اور خاص خصوصیت دونوں ایوانوں کی یکساں مساوی طاقتیں ہیں۔

24.3.1 دو ایوانی مقننہ وفاقی اسمبلی (Federal Assembly: Bi-Cameral Legislature)

اس کے دو ایوان ہیں، قومی کونسل اور ریاست کونسل۔ انہیں قومی اسمبلی اور راجیہ سبھا بھی کہا جاتا ہے۔ قومی کونسل ایوان زیریں اور ریاست کونسل ایوان بالا ہے۔

24.3.2 قومی کونسل (National Council)

تشکیل: 1951 میں قومی کونسل کے ممبروں کی تعداد 196 تھی، لیکن فی الحال یہ 200 ہے۔ آئین کے مطابق ممبروں کی زیادہ سے زیادہ تعداد صرف 200 ہوسکتی ہے۔ آئین کے دفعہ 72 کے مطابق، قومی کونسل سوئس عوام کا نمائندہ ایوان ہے۔ اس وقت قومی کونسل میں 24 ہزار آبادی پر ایک نمائندہ منتخب کیا جاتا ہے، قومی کونسل کے ممبران کو 200 کی حد میں رہنا چاہیے، اگر ضرورت ہو تو، جس آبادی کو قومی کونسل میں نمائندہ بھیجا جاتا ہے اسے بڑھایا جاسکتا ہے۔ یہ کام دوبار ہو چکا ہے۔ 1931 میں یہ تعداد 20 ہزار سے بڑھ کر 22 ہزار اور 1940 میں یہ 22 ہزار سے بڑھا کر 24 ہزار کر دی گئی تھی۔ موجودہ نظام کے تحت، 12 ہزار یا اس سے زیادہ آبادی کو بھی نمائندہ بھیجنے کا حق حاصل ہے۔ آبادی پر مبنی نمائندگی کے نظام کی وجہ سے، برن اور زیورچ جیسی بڑی تعداد میں بالترتیب قومی کونسل میں 33 اور 32 نمائیندے بھیجے جاتے ہیں، لیکن قومی کونسل میں اوری جیسے کنٹون کا صرف ایک نمائندہ ہے۔

انتخابی نظام: سوئٹزرلینڈ میں 20 سال یا اس سے زیادہ عمر کے تمام افراد کو ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے۔ کوئی بھی ووٹ دینے والا شخص قومی کونسل کی رکنیت کا امیدوار ہو سکتا ہے۔ لیکن پادری، وفاقی حکومت کے ملازمین، وفاقی کونسل کے ممبر یا کونسل آف اسٹیٹ کے ممبر اس ایوان کا انتخاب نہیں کرسکتے ہیں۔ قومی کونسل کے انتخابات بالغ افراد کی کمی، خفیہ رائے شماری اور متناسب نمائندگی کے نظام کے مطابق ہوتے ہیں، ہر پارٹی کینٹن میں اپنے امیدواروں کی ایک فہرست شائع کرتی ہے اور امیدواروں کی اس فہرست کو ووٹرس کو بھیجتی ہے۔ ووٹروں کو حکومت سے خالی فہرست بھی مل جاتی ہے۔ ووٹر ووٹ ڈالنے کا حقدار ہے کیونکہ اس کنٹون سے زیادہ سے زیادہ ممبران کا انتخاب ہونا ہے۔ ووٹر کی خواہش ہے کہ وہ کسی بھی پارٹی کی فہرست بیلٹ باکس میں ڈالے گا یا فہرست میں کاٹ کر کچھ نام درج کرے گا یا موصولہ ووٹوں کی فہرست کی بنیاد پر تمام نئی جماعتوں کی پوری خالی فہرست کو پُر کرے گا۔ فہرستوں کے بنیاد پر مختلف پارٹیوں سے حاصل ووٹروں کا حساب کتاب کیا جاتا ہے اور یہ 'الیکشن کوٹہ' کی بنیاد پر طے ہوتا ہے کہ قومی کونسل میں ہر پارٹی سے کتنے نمائندے بھیجے جائیں گے۔ سوئٹزرلینڈ میں کوئی ضمنی انتخابات نہیں ہیں۔ اگر کوئی جگہ خالی ہے تو، پارٹی اس جگہ کو پُر کرتی ہے

میعاد اور اجلاس: قومی کونسل کی میعاد 4 سال ہے اور وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کو 4 سال کی مدت سے پہلے ایک ہی عہدے پر تحلیل کیا جاسکتا ہے، جب کہ مکمل آئینی ترمیم کی قرارداد کو عوامی فیصلہ آئینی ترمیم میں منظور کرسکتے ہیں۔ یا اس سوال پر کہ کیا وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں میں اختلافات پیدا ہونا چاہیے؟ قومی کونسل کا انتخاب ہر چار سال بعد اکتوبر مہینے کے آخری اتوار کو ہوتا ہے۔ وفاقی اسمبلی کا اجلاس ہر سال مارچ، جون، ستمبر اور دسمبر میں ہونا ضروری ہے۔ وفاقی اسمبلی عاملہ کا نہیں بلکہ اپنا اجلاس خود طلب کرتی ہے

صدر اور نائب صدر (President and Vice- President)

قومی کونسل کا ایک صدر یا چیئرمین اور نائب صدر یا وائس چیئرمین ہوتا ہے، جو خود قومی کونسل کے ذریعے منتخب ہوتا ہے۔ ان دونوں عہدیداروں میں سے کوئی بھی اس عہدے پر دوبارہ منتخب نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ روایت ہے کہ نائب صدر کا انتخاب اپنے عہدے کے آخر میں صدر چن لیا جاتا ہے۔ قومی کونسل کے صدر کا عہدہ، برطانوی لوک سبھا کے صدر کے عہدے کے مقابلے میں، امریکہ کے

ایوان نمائندگان کے اسپیکر کے عہدے کے قریب تر ہے۔ کونسل کا صدر کونسل کی صدارت کرتا ہے اور مناسب طریقے سے کارروائی کا انعقاد کرتا ہے۔ وہ ایوان میں امن وامان برقرار رکھتا ہے۔ ایوان کی عزت اور اس کی سہولیات کے تحفظ کے لیے ذمہ دار ہوتا ہے۔ جب کسی موضوع پر مساوی ووٹ ہوتا ہے تو، صدر کو اپنی فیصلہ کن رائے پر عمل کرنے کا حق حاصل ہے۔ قومی کونسل کے صدر کا عہدہ قطعی غیر جانبداری کا نہیں ہے، پھر بھی ان کے دفتر کی بڑی اہمیت ہے اور اس عہدے پر رہنے والے اس فرد کو پارٹی میں بڑی عزت ملتی ہے۔ اسے اپنے عہدے کے لیے کوئی خاص تنخواہ نہیں ملتی ہے۔ وفاقی ایوان کے دونوں ایوانوں کی مشترکہ نشست کی صدارت قومی کونسل کا صدر کرتا ہے۔

24.3.3 ریاست کونسل (Council of States)

تشکیل–وفاقی بنیاد پر ریاست کونسل تشکیل دی جاتی ہے، یونین کے چھوٹے اور بڑے اکائیوں کو یکساں نمائندگی دی جاتی ہے۔ ہر مکمل کینٹن سے ریاست کونسل میں 2 اور نصف یا حاف کینٹن سے 1 نمائندہ بھیجنے کا حق حاصل ہے، اس طرح ریاست کونسل کے ممبروں کی تعداد 44 ہے۔

انتخابات اور دورانیہ: وفاقی آئین میں کونسل آف اسٹیٹ کے ممبروں کے انتخاب کے نظام کا تعین نہیں کیا گیا ہے، بلکہ کینٹون کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ لہذا، 14 کینٹون اور 3 حاف یا سیمی کینٹون میں، وہ تمام افزودہ شہریوں کے ذریعے براہ راست منتخب ہوتے ہیں، براہ راست جمہوری کے ساتھ گلیرس اور 3 حاف کینٹن ریاست کونسل کے لیے اپنے نمائندوں کا انتخاب 'عوامی جلسہ' (لینڈ سزی مائنڈ) کے ذریعے کرتے ہیں اور 4 کینٹنوں میں انہیں مقننہ کے ذریعے منتخب ہوتے ہیں۔ ریاستی کونسل کے ممبروں کا دورانیہ بھی کینٹوں کی مرضی پر منحصر ہے۔ 15 کنٹون اور 5 حاف کینٹن کونسل آف اسٹیٹ میں اپنے نمائندوں کا انتخاب 4 سال کے لیے کرتے ہیں، 2 کینٹن اور 1 حاف کینٹن 3 سال کے لیے اور باقی 2 کینٹن صرف ایک سال کے لیے منتخب کرتے ہیں۔ ریاست کونسل کے ممبروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان کینٹون کے مفادات کا تحفظ کریں گے، حالانکہ وفاقی آئین میں ریاستی کونسل کے ممبروں کو 'واپس بلانے' کا کوئی نظام موجود نہیں ہے۔ **کورم** ریاستی کونسل میں کورم کے لیے 44 میں سے 23 ممبران کی ضرورت ہے۔

صدر اور نائب صدر:–ہر عام اور غیر معمولی اجلاس کے لیے، ریاستی کونسل کے ممبروں کو اپنے اپنے صدر اور نائب صدور میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس سلسلے میں، اجلاس کا معنی ایک سال سے لیا گیا ہے اور وہ صرف ایک سال کی مدت کے لیے منتخب کیے گئے ہیں۔ اس سلسلے میں آئین میں صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ کنٹون جس کا ممبر ایک سال صدر رہا تھا۔ دوسرے سال میں ایک ہی کنٹون کے رکن کو دوبارہ صدر منتخب نہیں کیا جاسکتا، یعنی ہر سال مختلف کنٹنوں سے صدر کا انتخاب کیا جائے گا اور ایک ہی کنٹنوں کے ممبر صدر اور نائب صدر دونوں کے طور پر منتخب نہیں ہوسکتے ہیں۔ یہ قائم کیا گیا ہے کہ پچھلے سال کا نائب صدر کو اگلے سال صدر بنایا جاتا ہے۔

24.3.4 وفاقی اسمبلی کے اختیارات اور فرائض(Power of Functions of Federal Assembly)

سوئٹزرلینڈ میں، وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں یعنی قومی کونسل اور ریاست کونسل کو قانون سازی، انتظامی اور مالی تمام شعبوں میں مساوی اختیارات دیے گئے ہیں۔ آئین کے دفعہ 84 میں کہا گیا ہے کہ ، "قومی کونسل اور ریاست کونسل دونوں ہی وہ تمام فرائض سرانجام دیں گے جو موجودہ آئین کے ذریعے وفاقی دائرہ اختیار میں رکھے گئے ہیں اور جنہیں کسی دوسرے افسر کے سپرد نہیں کیا گیا ہے۔" آئین کے دفعہ 83 میں وفاقی اسمبلی کے اختیارات تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں۔

1۔ قانون سازی کے اختیارات: وفاقی ادارہ بنیادی طور پر ایک قانون ساز اسمبلی ہے اور اس کا بنیادی کام قانون کی تشکیل ہے۔ آئین کے ذریعے وفاقی دائرہ اختیار میں رکھے گئے تمام مضامین پر قانون بنانے کا اختیار ہے۔ اسے وفاقی عہدے دار بنانے اور ان کے انتخابی نظام سے متعلق قوانین بنانے کا حق ہے۔وفاقی اسمبلی میں قانون سازی کی طاقت لوگوں کے رضاکارانہ عوامی فیصلے کی طاقت کو محدود کرتی ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ وفاقی اسمبلی کے منظور کردہ بلوں پر عوام آئین میں طے شدہ طریقہ کار کی بنیاد پر عوامی فیصلہ مانگ کر اسے مسترد کر سکتے ہیں، لیکن یہ صرف اس نظام کے حوالے سے ہے، جو قانون کے تحت قانون کی حکمرانی میں دیا گیا ہے کہ وفاقی اسمبلی کے ذریعے منظور کردہ ایسے آرڈیننس (وصولی) کے بارے میں عوامی فیصلے کی کوئی پابندی نہیں ہے جو عالمی طور پر پابند نہیں ہے یا دونوں ایوانوں کے تمام ارکان نے 'ارجنٹ' کا اعلان کیا ہے۔ نتیجے کے طور پر، انتظامیہ کی اکثریت آرڈیننس کی شکل میں ہوتی ہے، تاکہ وہ متبادل عوامی فیصلوں پر پابندی سے بچ سکیں۔ اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ بیسویں صدی کے پہلے 60 سالوں میں، انتظامیہ میں قوانین اور آرڈیننس کی تعداد کا تناسب 1 اور 6 تھا۔

2۔ آئین میں ترمیم کا اختیارات: وفاقی اسمبلی بھی آئین میں ترمیم کے کام میں ایک اہم عہدے پر فائز ہے۔ ہر ترمیم کی تجویز کو اس کے دونوں ایوانوں سے منظور کیا جانے پر ہی یہ عوامی فیصلے کے لیے بھیجا جاتا ہے۔جب وفاقی آئین میں مکمل ترمیم کی تجویز زیر غور ہے تو، وفاقی اسمبلی کو تحلیل کرنے کے بعد نئی وفاقی اسمبلی کا انتخاب ضروری ہے۔وفاقی اسمبلی کے آئین میں ترمیم کرنے کے اقتدار کے بارے میں لوگوں کے فیصلے کے ساتھ ساتھ، پہل کرنے والے کا بھی کنٹرول ہے۔اگر 50 ہزار سوئس شہری آئین میں ترمیم کی تجویز پیش کرتے ہیں، تو وفاقی اسمبلی کو اس پر غور کرنا پڑے گا۔

3۔ تقرری کا اختیارات : تقرریوں کے سلسلے میں وفاقی اسمبلی کو وسیع اختیار حاصل ہے۔ آئین کے مطابق، اسے فیڈرل کونسل اور فیڈرل کورٹ کے ممبروں، یونین کے چانسلر اور ایمرجنسی میں چیف آف آرمی اسٹاف کا جلد از جلد انتخاب کرنے کا اختیار ہے۔ وہ فیڈرل انشورنس کورٹ کے ممبروں کا انتخاب کرتی ہیں۔ آئین کے مطابق، فیڈرل کونسل کے پاس صدر اور وائس چیئرمین کے انتخاب، صدر کا انتخاب اور وفاقی عدالت کے وائس چیئرمین کے انتخاب اور کچھ دیگر انتخابات سے متعلق و تصدیق ہونے کا اختیار ہے

4۔ مالی اختیارات: وفاقی اسمبلی کا اہم کام بجٹ کی منظوری سے متعلق ہے۔ وفاقی اسمبلی جو بجٹ بناتی ہے، اسے منظور کرنا وفاقی اسمبلی کا کام ہے۔ بجٹ کے سلسلے میں، اس کی قبولیت حتمی ہے، کیونکہ اس میں عوامی طور پر کچھ رضاکارانہ فیصلہ ہوتا ہے۔وفاقی حکام کی تنخواہوں اور الاؤنسز کا تعین اور وفاقی حکومت کے مستقل عہدوں اور ان کی تنخواہوں وغیرہ کا تعین کرنا بھی وفاقی اسمبلی کا کام ہے۔

5۔ **انتظامی اختیارات:** وفاقی اسمبلی بنیادی طور پر ایک قانون ساز اسمبلی ہے، لیکن اس میں سے کچھ۔ عاملہ اختیارات بھی دستیاب ہیں۔ صرف اس کی انتظامی طاقت کے ذریعے۔ فیڈرل کونسل، فیڈرل کورٹ، فیڈرل انشورنس کورٹ اور کچھ دیگر اداروں سے وابستہ عہدیداروں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

6۔ **عدالتی طاقت:** وفاقی اسمبلی کو اصل آئین کے ذریعے اہم عدالتی اختیارات دیے گئے تھے، لیکن اب آئینی عدالت کے اختیارات میں اضافے کے ساتھ ہی وفاقی اسمبلی کا عدالتی دائرہ کم کر دیا گیا ہے۔ اب بھی، وہ یونین کی مختلف اداروں کے مابین فیلڈ سے متعلق تنازعات کا فیصلہ کرتی ہے۔ انتظامی امور میں اور ان معاملات میں جو وفاقی انتظامیہ کے تینوں اعضاء کے ممبروں کے خلاف کے ذریعے چلائے جاتے ہیں ،وفاقی اسمبلی خود انصاف کی خدمت کرتی ہے۔ آئین ساز اسمبلی اس کے ذریعے مقرر کردہ افسران کے خلاف بھی کارروائی کر سکتی ہے۔

24.3.5 وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کا باہمی تعلقات

(Cooperative Relations of both the Houses of Federal Assembly)

سوئس آئین کے مطابق وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کے اختیارات ایک جیسے مساوی تعلقات میں ہیں۔

وفاقی اسمبلی کے کسی بھی ایوان میں ایک عام بل یا فنانس بل تجویز کیا جا سکتا ہے اور اسے قانون کی شکل اختیار کرنے کے لیے دونوں ایوانوں کو منظور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر کسی بل پر دونوں ایوانوں کی مخالفت ہوتی ہے تو۔ دونوں ایوانوں کے ذریعے مشترکہ کانفرنس کمیٹی تشکیل دی جاتی ہے، جو تعطل کو دور کرنے کے لیے بل پر غور کرتی ہے اور دونوں ایوانوں کے سامنے اپنی مشورہ دیتی ہے، اگر یہ دونوں ایوانوں میں ڈیڈ لاک پر قابو پا لیا گیا تو یہ ٹھیک ہے۔ اگر ابھی تعطل پر قابو نہیں پایا گیا تو، مشترکہ کانفرنس کمیٹی دوبارہ اسی طرح کام کرے گی۔ اگر ڈیڈ لاک اب بھی بل پر باقی ہے تو اسے ختم کر دیا جاتا ہے۔ عملی طور پر دیکھا گیا ہے کہ سوئٹزرلینڈ کے دونوں ایوانوں میں تعطل بہت ہی کم ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں ایوانوں کا کوئی مقابلہ نہیں ہے۔ اور دونوں ہی ایوان اپنے عملی نقطہ نظر کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔

اگرچہ آئین کے ذریعے وفاقی اسمبلی کے دونوں ایوانوں کو مساوی اختیارات مہیا کیے جانے پر بھی عملی طور میں دوسرے ایوان (کونسل آف اسٹیٹس) کے اختیارات کم ہوتے جا رہے ہیں۔ قومی کونسل میں کونسل آف اسٹیٹ کم موثر ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ریاست کونسل کوئی مقبول ایوان نہیں ہے۔ قومی کونسل کے مقابلے میں ریاستی کونسل نے رضاکارانہ طور پر ایک ثانوی پوزیشن حاصل کر لی ہے، کیونکہ عوامی نمائندے نیشنل کونسل میں بیٹھتے ہیں، اور ریاستی کونسل میں کینٹن کے اکلوتے نمائندے۔ **لاویل** کا کہنا ہے کہ "دو طاقتور ادارے جن میں سیاسی ایک رہنما کی حیثیت سے، یہ عام طور پر وقت کے ساتھ ساتھ زیادہ طاقتور ہو جاتا ہے اور اس وقت یہ تعجب کی بات نہیں ہے کہ حکمرانی ہو اس کونسل کو نیشنل کونسل کے مقابلے میں کم طاقت اور اثر ورسوخ حاصل ہے۔

24.4 سوئٹزرلینڈ کا عدالتی نظام (Judicial System of Switzerland)

سوئٹزرلینڈ ایک مرکزی ریاست ہے اور عدلیہ کے ماتحت وفاقی علاقے میں ایک واحد ادارہ ہے، جسے آئین نے سوئس فیڈرل ٹریبونل کہا

24.4.1 سوئس فیڈرل ٹریبونل (Swiss Federal Tribunal)

سوئس آئین کے آرٹیکل 106 میں کہا گیا ہے کہ "وفاقی امور کے انصاف کے انتظام کے لیے وفاقی عدالت قائم کی جائے گی۔" آئین کے اس انتظام کے مطابق، فیڈرل ٹریبونل 1848 میں قائم کیا گیا تھا لیکن 1848 میں آئین کے ذریعے قائم ہونے والے اس فیڈرل ٹریبونل کے اختیارات بہت محدود تھے اور عدالتی شعبے کا زیادہ تر کام دستور ساز فیڈرل اسمبلی اور فیڈرل کونسل کے پاس تھا۔ 1874 میں آئین میں مکمل ترمیم کے ذریعے اسٹیٹوریٹری ٹریبونل کے اختیارات میں اضافہ کیا گیا۔ اگر 1907 میں فیڈرل ٹریبونل کو سول کوڈ کے حوالے سے اختیارات دیے گئے تو، 1929 میں یہ انتظامی قوانین کے تحت چل رہا تھا۔ اس کے تحت اختیارات دیے گئے تھے اور 1937 میں اسے ضابطہ اخلاق کے تحت اختیارات دیے گئے تھے۔ حالانکہ اگرچہ سوئس وفاقی انصاف عدالت کو پورے انتظامی نظام میں حیثیت حاصل نہیں ہے جس طرح سپریم کورٹ ریاست ہائے متحدہ امریکہ، ہندوستان، وغیرہ میں حاصل ہے، لیکن 1848 کے مقابلہ میں فیڈرل کورٹ کے دائرہ اختیار میں اضافہ ہوا ہے اور اس کی حالت بہتر ہوئی ہے۔

تشکیل: وفاقی ٹریبونل کے ججوں کی تعداد کا تعین آئین کے ذریعے نہیں کیا گیا ہے۔ وفاقی اسمبلی وقتاً فوقتاً اپنے ممبروں کی تعداد کا تعین کرتی ہے 1875 میں صرف 9 جج تھے، لیکن اب وفاقی اسمبلی کے منظور کردہ قانون کے مطابق ان کی تعداد 26 سے 28 ہو سکتی ہے۔ اضافی طور پر، 11 سے 13 تک متبادل جج ہو سکتے ہیں۔ فی الحال، فیڈرل ٹریبونل میں 26 جج اور 12 متبادل جج ہیں۔ اگر باقاعدہ جج اپنا کام انجام دینے سے قاصر ہوتا ہے تو، اس کی جگہ متبادل جج ہوتا ہے۔ وفاقی اسمبلی ان تمام ججوں کو 6 سال کے لیے منتخب کرتی ہے۔ ججوں کے دوبارہ انتخاب پر کوئی پابندی نہیں ہے اور روایت کے مطابق جج کو اس وقت تک منصب پر فائز رکھنا چاہیے جب تک جج کا عہدہ دوبارہ منتخب نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں عمر سے متعلق کوئی پابندی نہیں ہے، لیکن عملی طور پر جج اس سال مستعفی ہو جاتے ہیں جس سال ان کی عمر 70 سال ہو جاتی ہے۔ اس دوبارہ انتخابات کی بنیاد پر ججوں کے مستقل تجربے سے ججوں کو فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ججوں کی تقرری کے لیے انتخاب کے طریقہ کار کو اپنانے سے عدالتی آزادی پر منفی اثر پڑتا ہے اور وہ سیاسی اثر و رسوخ کے تحت کام کرتے ہیں، لیکن سوئٹزرلینڈ میں دوبارہ انتخابات کا خدشہ تقریباً ختم ہو چکا ہے۔ وفاقی ٹریبونل کا ایک سربراہ اور ایک نائب سربراہ ہوتا ہے جسے وفاقی اسمبلی دو سال کے لیے منتخب کرتا ہے۔ ان میں سے کسی کو بھی فوری طور پر ہیڈ یا ڈپٹی ہیڈ کے عہدے پر دوسری مدت کے لیے منتخب نہیں کیا جا سکتا ہے۔

فیڈرل ٹریبونل کا محکمہ: فیڈرل ٹریبونل کا محکمہ: وفاقی ٹریبونل کے کام کو زیادہ آسانی سے چلانے کے لیے، اسے تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے: (1) آئینی اور انتظامی قانون عدالت، (2) سول لاء کورٹ، (3) فوجداری اپیل عدالت۔ ہر محکمہ میں 3 سے 9 جج ہوتے ہیں۔ ان اہم

محکموں کے علاوہ، وفاقی ٹریبونل کے کچھ چھوٹے چھوٹے محکمے یا چیمبرس بھی موجود ہیں، جیسے چیمبر آف ڈیبٹس و دیوالیہ پن اور الزامات کے۔ ان میں سے ہر ایک میں تین جج ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ، فیڈرل کورٹ میں پیش بندی عدالت اور غیر معمولی کونسل آف سیسشن کا سب ڈویژن موجود ہے۔

طریقہ کار: فوج داری عدالتوں کو چھوڑ کر، باقی تمام محکموں کے صدر کو وفاقی ٹریبونل کے پورے اجلاس میں، طلب کیا جاتا ہے۔ یہی عدالت ہر ایک استغاثہ کے لیے اپنے میں سے کسی ایک ممبر کو اپنا صدر منتخب کرتا ہے۔ ہر محکمہ یا عدالت یا سب ڈپارٹمنٹ یا چھوٹی عدالت کے لیے الگ کورم طے ہوتا ہے۔ تمام محکموں اور ذیلی محکموں میں اکثریت سے فیصلے لیے جاتے ہیں اور مساوی طور پر ووٹ دینے کی صورت میں، اسپیکر کو فیصلہ کن ووٹ ڈالنے کا حق حاصل ہے۔

فیڈرل ٹریبونل کا دائرہ اختیار: وفاقی ٹریبونل سول، فوجداری، انتظامی اور آئینی استغاثہ کی سماعت کرتا ہے۔ اس میں پرائمری یا بنیادی اور اپیل دونوں ہی دائرہ اختیار ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

(1) بنیادی دائرہ اختیار: وفاقی ٹریبونل دونوں شہری اور فوجداری تنازعات میں ابتدائی دائرہ اختیار رکھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقسام کے تنازعات میں ٹربیونل کا ابتدائی دائرہ اختیار ہے۔ (1) جو سوئس کنفیڈریشن اور کینٹن کے مابین ہے۔ (2) ریاستی بورڈ اور کارپوریشن یا عام شہری کے مابین پائے جانے والے تنازعات' لیکن یہ ضروری ہے کہ فریق ایک شہری یا کارپوریشن ہو اور متنازعہ رقم 8000 فرانک سے کم نہیں ہونی چاہیے۔ (3) تنازعہ جو مختلف کینٹنوں کے مابین پیدا ہوتا ہے۔ (4) تنازعہ قومیت سے محروم ہونے سے متعلق۔

(2) اپیلٹ دائرہ اختیار: وفاقی اسمبلی نے تنازعات میں اپیلوں کی سماعت کے لیے وفاقی ٹربیونل کو یہ حق بخشا جو کینٹن کورٹ نے سنا ہے اور اس کی رقم 4 ہزار فرانک سے زیادہ ہے۔

(3) انتظامی دائرہ اختیار: آئین کے دفعہ 133 کے تحت انتظامی دائرہ اختیار میں فیڈرل ٹریبونل کو درج ذیل حقوق دیے گئے ہیں: (1) انتظامی مقدمات سے متعلق تنازعات، (2) سرکاری ملازمین کی قانونی صلاحیت سے متعلق تنازعات، (3) ریلوے انتظامیہ سے متعلق تنازعات، اور (4) ٹیکسوں سے متعلق انتظامی تنازعات۔

(4) آئینی دائرہ اختیار: اگرچہ سوئٹزرلینڈ کے فیڈرل ٹربیونل کا آئینی علاقہ یا دائرہ اتنا وسیع نہیں ہے جتنا کہ دیگر یونین ریاستوں کی سپریم کورٹ کا ہے۔ لیکن پھر بھی اسے مندرجہ ذیل تنازعات کے سلسلے میں آئینی دائرہ اختیار حاصل ہے۔ (1) آئینی حقوق کی خلاف ورزی سے متعلق تنازعات، (2) کینٹوں کے انتخاب اور مذہبی آزادی سے متعلق تنازعات۔ (3) عدالتوں کے مابین عوامی قانون سے متعلق تنازعات۔

24.5 اکتسابی نتائج (Learning Outcomes)

- اس اکائی میں طلبا نے سوئیزرلینڈ کی تقابلی سیاست کے حوالے سے اس کے عاملہ، فیڈرل کونسل اور اس کی تشکیل کو جانا۔
- فیڈرل کونسل کے صدر اور اس کے اختیارات اور اس کے ساتھ وفاقی کونسل کے اختیارات اور فرائض کو بھی سمجھا۔

- طلبا نے فیڈرل اسمبلی کے ساتھ فیڈرل کونسل کے درمیان تعلقات کی بھی معلومات حاصل کی۔
- دوایونی مقننہ وفاقی اسمبلی، قومی کونسل، ریاستی کونسل اور سوئیزرلینڈ کی عدالتی نظام کو بھی بخوبی جانا۔

24.6 کلیدی الفاظ (Keywords)

1۔سوئس کینٹوں	:	سوئیزلینڈ 26 مختلف علاقے میں تقسیم کیا گیا ہے اسے ہی کینٹوں کہا جاتا ہے۔
2۔وفاقی اسمبلی	:	بنیادی طور پر ایک قانون ساز اسمبلی ہے، لیکن اس میں سے کچھ۔ ایگزیکٹو اختیارات بھی دستیاب ہیں۔
3۔قومی کونسل	:	سوئس عوام کا نمائندہ ایوان ہے

24.7 نمونہ امتحانی سوالات (Model Examination Questions)

24.7.1 معروضی سوالات کے حامل جوابات (Objective Answer Type Questions)

1۔ حسب ذیل میں سے کس تنظیم کے ممبر کا انتخابات متناسب نمائندگی کے نظام کے مطابق ہوتے ہیں؟

(a) سینیٹ (b) قومی جنوادی کانگریس (c) لارڈ سبھا (d) قومی کونسل

2۔ سوئس آئین کے کس دفعہ کے تحت وفاقی عدالت قائم کی گئی ہے؟

(a) دفعہ 96 (b) دفعہ 104 (c) دفعہ 106 (d) دفعہ 102

3۔ سوئٹزرلینڈ میں حسب ذیل میں سے کتنے تعداد میں شہری آئین میں ترمیم کا تجویز کرتے ہیں؟

(a) 60 ہزار (b) 50 ہزار (c) 30 ہزار (d) 40 ہزار

4۔ سوئٹزرلینڈ میں فیڈرل کونسل اور فیڈرل اسمبلی کے سکریٹیریٹ کا کیا نام ہے؟

(a) صدر سکریٹیریٹ (b) کونسل سکریٹیریٹ (c) فیڈرل چانسلری (d) اسمبلی سکریٹیریٹ

5۔ سوئس فیڈرل کونسل میں کتنے ممبر ہوتے ہیں؟

(a) 7 (b) 5 (c) 8 (d) 9

6۔ سوئس فیڈرل کونسل کی معیاد کتنے سال کی ہوتی ہے؟

(a) 1 سال (b) 2 سال (c) 3 سال (d) 4 سال

7۔ سوئس قومی کونسل کے ارکان کی تعداد کتنے ہوتے ہیں؟

(a) 200 (b) 100 (c) 50 (d) 150

8۔ سوئس ریاست کونسل کے ارکان کی تعداد کتنی ہوتی ہے؟

44 (a)   40 (b)   45 (c)   46 (d)

9۔ سوئس ریاست کونسل کے ہر ایک کینٹن اور ہاف کینٹن میں کتنے نمائندے بھیجے جاتے ہیں؟

(a) 2اور 1   (b) 2اور 4   (c) 4اور 4   (d) 1اور 2

10۔ سوئٹزرلینڈ میں ججوں کو کون منتخب کرتا ہے؟

(a) قومی اسمبلی   (b) وفاقی اسمبلی   (c) ریاست اسمبلی   (d) عوام کے ذریعے

24.7.2 مختصر جوابات کے حامل سوالات (Short Answer Type Questions)

1۔ سوئس وفاقی اسمبلی کا اصلی مقام پر تبصرہ کیجیے۔

2۔ سوئس فیڈرل ٹریبونل کی تشکیل کو سمجھائیے۔

3۔ سوئٹزرلینڈ کی وفاقی اسمبلی کی دو اہم باتیں بیان کیجیے۔

4۔ سوئس وفاقی کونسل اور وفاقی اسمبلی کے ساتھ تعلق کے امور میں خاص بات کیا ہے؟

5۔ فیڈرل ٹریبونل کے دائیرہ اختیار پر غور و فکر کیجیے۔

24.7.3 طویل جوابات کے حامل سوالات (Long Answer Type Questions)

1۔ سویٹجرلینڈ کے عدالتی نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالیے۔

2۔ ریاست کونسل کیا ہے وفاقی اسمبلی کے فرائض اور اختیارات پر غور کیجیے؟

3۔ فیڈرل کونسل کو بتاتے ہوئے اس کے تشکیل کو سمجھائیں۔

24.8 مزید مطالعے کے لیے تجویز کردہ کتابیں (Suggested Books for Further Readings)

1. P.D. Sharma, (1988), Comparative Political Institution, College Book Depo, Jaipur.
2. B. N Khanna, (2005), Major Constitution of the World, SBPD Publishing House, Agra.
3. S.A Palekar, (2009), Comparative Politics and Government, PHI Learning Private House Limited, New Delhi.

نمونہ امتحانی پرچہ

Comparative Government and Politics

پرچہ: تقابلی حکومت اور سیاست

2nd Semester Examination دوسرا سمسٹر امتحان

Time : 3 hours Marks : 70

ہدایات

حصہ اول

سوال:1

i . کس مفکر کے مطابق طاقت ایک فرد کی صلاحیت کا نام ہے؟

(a) ڈیویڈ اسٹن (b) جین بلانڈ (c) لپسٹ (d) توانے

ii . کون سا نقطہ نظر ریاست کو بنیادی طور پر قانون کی تشکیل اور نفاذ کے لیے تنظیم کی حیثیت سے پیش کرتا ہے؟

(a) ادارہ جاتی (b) قانونی (c) فلسفی (d) اقتداری

iii . دستوری بالادستی کس حکومت کی بنیادی خاصیت ہے؟

(a) وفاقی حکومت (b) صدارتی حکومت (c) وحدانی حکومت (d) پارلیمانی حکومت

iv . ہنگامی حالات کے دوران ہندوستان میں حکومت کا نظام کیسا ہوتا ہے؟

(a) وحدانی (b) وفاقی (c) نیم وفاقی (d) ان میں سے کوئی نہیں

v . دستور ہند کے کس دفعہ کے تحت آئین میں ترمیم کیا جاتا ہے؟

(a) دفعہ 368 (b) دفعہ 370 (c) دفعہ 356 (d) دفعہ 360

vi. تقسیم اختیارات کا نظریہ کس ملک کی آئین سے ماخذ ہے؟

(a) بھارت (b) جاپان (c) امریکہ (d) ان میں سے کوئی نہیں

vii . ڈوورجر کے ذریعہ پارٹی ڈھانچے کو کتنے درجہ بندی میں تقسیم کیا گیا ہے؟

(a) تین (b) چار (c) پانچ (d) چھ

viii . جن سنگھ کا قیام عمل کس لیڈر کی قیادت میں لایا گیا؟

(a) سیامہ پرساد مکھرجی (b) اٹل بہاری واجپئی (c) لال کرشن آڈوانی (d) ان میں سے کوئی نہیں

ix . زبان کی بنیاد پر قائم ہونے والی پہلی ریاست تھی۔

(a) پنجاب (b) تامل ناڈو (c) آندھرا پردیش (d) اریشہ

x . ہندوستانی پارلیمان کے ایوانوں کے دو اجلاس کے درمیان زیادہ سے زیادہ کتنے مدّت کا وقفہ ہو سکتا ہے؟

(a) دو ماہ (b) چار ماہ (c) چھ ماہ (d) آٹھ ماہ

حصہ دوم

2 ۔ تقابلی سیاست کے معنی اور مفہوم بتائیں۔

3۔ روایتی نقطہ نظر کے کتنے اقسام ہوتے ہیں؟ مختصر میں لکھیں۔

4 ۔ پارلیمانی طرز حکومت کیا ہے اس کی خصوصیات بیان کیجئے؟

5 ۔ وفاقی طرز حکومت کی خوبیاں اور خامیاں پر روشنی ڈالیئے۔

6۔ سیاسی جماعتوں کے متعلق مارکسی نظریہ پر مختصر نوٹ لکھیں۔

7 ۔ 7امریکی سینیٹ کی عدالتی اختیارات کے بارے میں مختصر بیان کریں؟

8 ۔ برطانیہ کے وزیر اعظم کی حیثیت اور اختیارات کو قلم بند کریں۔

9 ۔ انتخابی رویہ یا انتخابی طرز عمل کی وضاحت کیجئے۔

حصہ سوم

10 ۔ بالغ رائے دہی سے کیا مُراد ہے اس پر ایک تفصیلی بحث کیجئے۔

11 ۔ کانگریس جماعت کی ابتداءوانتخابی فرائض کی وضاحت کیجئے؟

12 ۔ الیکشن کمیشن کے ساخت، تقرر اور اس کی میعاد کی وضاحت کیجئے۔

13 ۔ عدالتی جائیزہ کیا ہے عدالتی جائزے پر تنقید کیجئے؟

14۔ حکومت کی مختلف شکلوں پر تفصیلی نوٹ لکھیے۔

یہ کتاب مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر پر دستیاب ہے۔

ملنے کا پتہ:

ڈی ٹی پی سیل کاؤنٹر، ڈائرکٹوریٹ آف ٹرانسلیشن اینڈ پبلی کیشنز

مولانا آزاد نیشنل اُردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-500032 (تلنگانہ)

DTP Sale Counter, Directorate of Translation & Publications

Room No. G-09, H. K. Sherwani Centre for Deccan Studies
Maulana Azad National Urdu University, Gachibowli,Hyderabad-500032
M: 9394370675, 9966818593, Email: directordtp@manuu.edu.in

Account Name: DTP Sale Counter **Account No.:** 187901000009349
Bank Name: Indian Overseas Bank **IFSC:** IOBA00001879
Branch: Gachibowli, Hyderabad

Counter Timings

Monday To Friday
09:30 a.m. To 05:30 p.m.

کتابوں کی قیمت پر رعایت کی شرح:

1۔عام قارئین کے لیے 25%   2۔طلبا، کالجز اور دیگر اداروں کے لیے 30%

کتابیں ڈاک سے بھی منگوائی جاسکتی ہیں۔

نوٹ: -/500روپے سے زائد کے بل پر ڈاک خرچ نہیں لیا جائے گا۔